گھر کے ہر فرد کے لئے
ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی
دسمبر 2012
نگران اعلیٰ
معراج رسول
عمیرہ احمد، ناہید سلطانہ اختر
اسما قادری و دیگر
اور مقبول مصنفہ رفعت سراج کا خصوصی انٹرویو اندرونی صفحات پر آپ کی نذر
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

مدیرہ اعلیٰ
عذرا رسول
مدیرہ
انجم انصار
معاون
آمنہ حماد

اداریہ

مجھے کچھ کہنا ہے — مدیرہ 15

سلسلے وار ناول

عکس — عمیرہ احمد 18
زندگی — ناہید سلطانہ اختر 134

مکمل ناول

پہلی بارش — صائمہ اکرم 170
مجھے رنگ دو رے — شوکت رانا الطاف 222

ناولٹ

کہیں دیپ جلے کہیں دل — قیصرہ حیات 68
فیصلے کی صلیب — اسما قادری 111

افسانے

مجھے منظور ہے — عقیلہ حق 103

پبلشر و پروپرائٹر: عذرا رسول • مقام اشاعت: C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس کمرشل ایریا، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

پیتل کا پیالہ — صباح یوسف 167
میرا پیارا مموتی — شیریں حیدر 209
خارزارِ عشق — شمع خانم 265

خصوصی مضامین

وہ آئے بزم میں..... — نزہت اصغر 274
خواتین کی کامیابیوں کا سفر ۲۰۱۲ء میں — شائستہ زریں 286
تقریبِ پذیرائی — مونا شہاب 290

مستقل عنوانات

دین کی باتیں — ادارہ 16
بہنوں کی محفل — مدیرہ 292
پاکیزہ ڈائری — عظمیٰ آفاق سعید 302
جلترنگ — انجم انصار 286
سندیسے — پاکیزہ بہنیں 307
میں اکثر گنگناتی ہوں — صغریٰ زیدی 308
روحانی مشورے — ادارہ 309
ہومیو کلینک 310

شعبہ اشتہارات
منیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789 نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391
نمائندہ لاہور افراز علی تازش 0332-4214400 رانا اے حمید 0323-2895528
ماڈل: مایا .... میک اپ: روز بیوٹی پارلر.......... فوٹو گرافر: موسیٰ رضا
جلد 40 • شمارہ 09 • دسمبر 2012 • زرسالانہ 700 روپے • قیمت فی پرچہ پاکستان 60 روپے •
پتا: پوسٹ بکس نمبر 662 کراچی 74200 • فون: 35895313 (021) فیکس 35802551 (021) E-mail:jdpgroup@hotmail.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے کچھ کہنا ہے......!

اسلام کے معنی ہیں کامل اطاعت، مکمل سپردگی...... اسلام سے سچی وفاداری اور قربانی کا بے مثل عمل وہی کرسکتا ہے جو واقعتاً اپنی پوری زندگی کے ہر کردار کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا مکمل اطاعت گزار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ امام حسینؓ کا پورا کردار ہمارے پیارے نبیؐ کی بے مثل تربیت کا شاہد ہے۔ کربلا کی جنگ ایک سچائی کی جنگ تھی۔ حق و باطل اور سچ و جھوٹ کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ۔ جس نے پوری دنیا کو حیران کردیا۔ اگر یہ لوٹ مار اور جھوٹ فریب کی جنگ ہوتی تو حسینیت کے تمام کردار دنیا والے فراموش کردیتے۔ اسی لیے واقعہ کربلا جہاں ایک طرف حصول رضائے الٰہی کی انتہا ہے وہیں دوسری طرف مصائب کی بھی انتہا ہے۔ وہ لب جنہیں محبوبؐ دو جہاں چوما کرتے تھے، وہ بچہ جس کے لیے سجدے کو طول دے دیا کرتے تھے۔ جسے اپنے دل کا ٹکڑا سمجھتے تھے انہیں اسی رسولؐ کی امت کے لوگ اس قدر مصائب میں دھکیل دیتے ہیں۔ وہ معتبر خواتین جن کے حرم میں فرشتے بھی بغیر اجازت داخل نہیں ہوتے تھے، ان کے حقوق کی پامالی کی جاتی ہے مگر اس کے باوجود ان کا ہر عمل انسانیت کے لیے مشعل راہ ثابت ہوتا ہے۔ واقعہ شہادت امام حسینؓ ایک ایسے آفاقی مظہر کی حیثیت سے ذہن انسانی پر مرتسم ہوا جس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ میدان کربلا میں امام حسینؓ اور ان کے اصحاب کی سیاسی حکمت عملی ایک نئے باب کا آغاز کرتی ہے اور واقعہ کربلا یہی پیغام ہے کہ انسانی بستیوں پر ظالم حکومت نہیں کرسکتے۔ کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و تشدد پر ہو کبھی اسلامی نہیں ہوسکتی......!

مدیرہ
انجم انصار

WWW.PAKSOCIETY.COM

بے شک (اے نبی ﷺ ہم نے تمہاری طرف (بھی ویسی ہی) وحی بھیجی ہے جیسی نوح کی طرف اور (ان) پیغمبروں کی طرف جو نوح کے بعد ہوئے بھیجی تھی اور (جیسی) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسٰی اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی اور (جیسے) داؤد کو ہم نے (کتاب) زبور عنایت فرمائی (۱۶۳) (اور تمہیں بھی ویسا ہی پیغمبر کیا ہے جیسے) اور پیغمبروں کو تم سے پہلے (مبعوث کیا تھا) جن کا حال ہم نے تم سے بیان کیا ہے اور جیسے ان پیغمبروں کو جن کا حال تم سے نہیں بیان کیا۔ اور اللہ، موسٰی سے اچھی طرح ہم کلام ہوئے (۱۶۴) (اور ہم نے) بشارت دینے والے اور ڈرانے والے پیغمبر اس لیے (بھیجے) کہ پیغمبروں کے (بھیجنے کے) بعد لوگوں کا اللہ پر کوئی الزام نہ رہ جائے اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے (۱۶۵) لیکن (یہ کافر اس پر بھی نہیں مانتے تو نہ مانیں) جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اللہ اس پر (خود) گواہی دیتا ہے کہ اس نے اس کو اپنے علم سے نازل فرمایا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ گواہ بس ہے (۱۶۶) بے شک جن لوگوں نے (ہمارے انبیا کا) انکار کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا وہ یقیناً راہ (راست) سے بہت دور ہٹ گئے ہیں (۱۶۷) بے شک جن لوگوں نے (ہمارے پیغمبروں کا) انکار کیا اور (لوگوں کو) ستایا اللہ (ایسا) نہیں ہے کہ ان کو بخش دے اور نہ (ایسا ہے کہ) انہیں راہ راست پر لے آئے (۱۶۸)

(سورۂ نسا آیت نمبر ۱۶۳ تا ۱۶۸)

آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی سیدنا محمد ﷺ

خصوصیت عدد ۲

اس عدد کا تعلق قمر سے ہے۔ '۲' زوج ہے اور دوستی کا مظہر ہے۔ جب علم الاعداد کے نقشے پر '۲' کا عدد نمایاں ہوتا نظر آتا ہے تو دل و دماغ پر دوستی کے جذبات کا احساس چھا جاتا ہے اس عدد سے تعلق رکھنے والے افراد نہایت بردبار اور سلجھے ہوئے خیالات کے مالک ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے اندر بڑی اعلیٰ پایہ کی روحانی صفات موجود ہوتی ہیں۔ اس عدد کا حامل اپنی شخصیت سے بچوں، بڑوں اور جانوروں تک کو متاثر کر سکتا ہے ہر شخص یہاں تک کہ جانور بھی فی الفور اس کی تابعداری کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

اس شخص کی صفات اور طریقے سب پر غالب رہتے ہیں اس کی زندگی ہر لحاظ سے کامیاب رہتی ہے۔

اسم مبارک 'محمد' عدد '2' کی صفات کا مظہر

عدد '۲' کی اوپر بیان کردہ تمام صفات حضور ﷺ کی ذات اقدس میں موجود تھیں۔

آپ ﷺ کی بلند پایہ روحانی صفات سے کس کو انکار ہے۔ آپ ﷺ تو اللہ کی ذات کا پرتو ہیں اور آپ ﷺ کی ذات اقدس تمام کائنات کی ناطقہ و غیر ناطقہ مخلوق کے لیے محبت، مودت شفقت، رحم دلی اور مہربانی کا سرچشمہ تھی۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس تمام مخلوقات کے لیے تسکین قلب و روح تھی۔ کتب سیر میں مذکورہ ہے کہ بارہا جانور آپ ﷺ کے سامنے سر جھکا دیتے تھے اور اپنی تکالیف بیان کرتے ہوئے رو پڑتے تھے۔ کیونکہ وہ بھی جانتے تھے کہ آپ ﷺ سے بڑھ کر ان کا غمگسار، مددگار اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

آپ ﷺ کی بردباری، دوستی، محبت، ہمدردی و شفقت اور مددگارانہ صلاحیتوں نے سب کو آپ ﷺ کا مطیع بنا دیا۔

قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسما النبی ﷺ سے اقتباس

WWW.PAKSOCIETY.COM

عکس

آخری قسط

عمیرہ احمد

آج کی زندگی تیز رفتار ہے، اس کے تجربے بڑی تیزی سے کرداروں کے نئے رخ سے متعارف کراتے ہیں۔ اس تیز رفتار زندگی مین چونکادینے والے موڑ بھی ہوتے ہیں... اور پُراسراریت بھی ... کہیں کرداروں کے حوالے سے تو کبھی ماحول کے حوالے سے ...عمیرہ احمد کے اس ناول میں نہ صرف آپ تیز ترین، سنسنی خیز اور چونکادینے والے موڑ دیکھیں گے بلکہ ان کی مہارانہ چابک دستی کے ساتھ ان کے کرداروں کی تہ داری کے بھی قائل ہو جائیں گے...یوں بھی اپنا عکس اور اپنا سایہ ہر شخص کے ساتھ رہتا ہے... مگر ان کی کہانیاں جدا جدا ہوتی ہیں... کہیں ایسا تو نہیں... ہماری یہ مایہ ناز مصنفہ ... کوئی ایسا ناسور دکھانا چاہتی ہیں... جس کا آپریشن بھی ضروری ہو... بقول شاعر...

اس کائنات محبت میں ہم مثل شمس و قمر کے ہیں
اک رابطہ مسلسل ہے اک فاصلہ مسلسل ہے

WWW.PAKSOCIETY.COM

''کیا دیکھ رہی ہیں آپ اس آئینے میں؟'' مثال نے کچھ تجسس آمیز انداز میں عکس سے پوچھا جو اس Cheval mirror کے سامنے کھڑی اس آئینے کے فریم کو اپنی انگلیوں سے غیر محسوس انداز میں یوں چھو رہی تھی جیسے اس کے ہونے کا احساس چاہتی ہو...... فریم پر موجود بار بار کی جانے والی پالش بھی اب اس کی بوسیدگی اور خستگی کو چھپانے میں ناکام ہو رہی تھی۔

فریم کو چھوتے ہوئے اس پر موجود گرد کو اپنی پوروں کو آپس میں رگڑ کر محسوس کرتے ہوئے وہ مثال کی بات پر مسکرائی تھی۔

''میں اس آئینے میں تاریخ دیکھ رہی ہوں۔''

''کیسی تاریخ؟'' مثال کا تجسس کچھ اور بڑھا۔

''اپنی زندگی کی تاریخ...... اپنا ماضی...... اس ماضی سے جُڑے چہرے......'' اس نے فریم سے اپنا ہاتھ ہٹاتے ہوئے آئینے میں جھلکتے اپنے عکس کو ایک بار پھر دیکھا پھر اپنے برابر میں کھڑی مثال پر ایک مسکراتی ہوئی نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''اچھا...... ممی بھی اس آئینے کے سامنے اسی طرح فریز ہو گئی تھیں جس طرح آپ ہوئی ہیں...... میں نے ان سے بھی پوچھا تھا کہ وہ اس میں کیا دیکھ رہی ہیں؟'' مثال نے اسی دلچسپی سے اس آئینے پر نظر دوڑاتے ہوئے آئینے میں نظر آتی ہوئی عکس سے نظریں ملاتے ہوئے کہا۔

''کیا کہا انہوں نے؟'' عکس نے اس بار پلٹ کر مثال کو دیکھا۔

''انہوں نے کہا وہ اس آئینے میں مستقبل کو دیکھ رہی ہیں۔ آنے والے دنوں کا عکس جو اس میں کہیں چھپا ہے...... عجیب بات ہے ناں...... آپ اس میں ماضی دیکھ رہی ہیں...... ممی مستقبل...... مجھے کیا دیکھنا چاہیے...... حال؟'' مثال نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ عکس اس کی بات پر مسکرا دی پھر اس نے پلٹ کر دوبارہ آئینے کو دیکھا۔

''میرا بچپن اس آئینے کے ساتھ گزرا ہے...... میرا، شہر بانو اور شیر دل تینوں کا بچپن دیکھا ہے اس نے۔''

''ممی آپ بھول رہی ہیں۔ میرا، طغرل اور باذل کا بچپن بھی تو دیکھا ہے اس نے۔'' مثال نے اسے ٹوکا۔

''ہاں اور تم بھول رہی ہو کہ تو ران کا بچپن بھی تو دیکھ رہا ہے یہ۔'' اس نے مثال کو جیسے یاد دلایا۔

''اوہ ہاں...... یہ آئینہ تو واقعی ہماری فیملی heritage کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے اسے یہاں نہیں ہمارے خاندانی گھر میں ہونا چاہیے۔''

''آئیڈیا برا نہیں ہے لیکن سرکاری ملکیت ہے یہ۔'' عکس نے کہا۔

''ممی میں اور ابراہیم گھر کو renovate کرنے والے ہیں...... فرنیچر بھی بدلا جائے گا اور کاٹھ کباڑ میں یہ آئینہ بھی نکالنے والے ہیں ہم...... بہت زیادہ پرانا اور outdated ہو گیا ہے یہ۔'' مثال نے اس کے ساتھ جیسے اپنا پلان شیئر کیا۔

''کیوں...... ابھی تو ٹھیک ہے یہ۔'' عکس نے اعتراض کیا۔

''ممی ٹھیک نہیں ہے...... کم از کم سو سال پرانا ہو گیا ہے یہ...... میں اور ابراہیم تو حیران تھے اس بات پر کہ آخر اب تک ٹکا کیسے ہوا ہے یہ...... کسی آفیسر یا اس کی وائف نے ہٹایا کیوں نہیں اسے یہاں سے...... نانا، نانی سے لے کر آپ اور پاپا تک کسی کو بھی اسے یہاں سے ہٹانے کا خیال نہیں آیا۔'' وہ کچھ حیرانی سے کہہ رہی تھی۔ عکس نے ایک پُر اسرار مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''میں نے تمہیں بتایا ہے ناں یہ ہماری زندگیوں کا حصہ رہا ہے...... اس میں ہم لوگ اپنا، اپنا عکس دیکھتے رہے ہیں...... اپنی اپنی زندگیاں بنانے یا بگاڑنے والے چہروں کا عکس۔'' مثال کو لگا عکس بات کرتے کرتے جیسے کچھ سنجیدہ ہوئی تھی۔

''آپ نے اس میں کوئی ایسا چہرہ دیکھا جس نے آپ کی زندگی بگاڑی ہو؟'' مثال نے دلچسپی سے کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنی طرف سے ایک معمول کا سوال کیا تھا۔ اس سوال نے عکس کو کچھ دیر کے لیے ہلنے نہیں دیا۔ اس کے لیے اس سوال کا جواب بہت مشکل تھا۔ وہ ہاں کہتی اور مثال اس سے اس شخص کا نام پوچھتی...... وہ جھوٹ جو اسے بعد میں بولنا تھا وہ شاید پہلے ہی بول دینا چاہیے تھا۔

''آپ کیا سوچ رہی ہیں؟'' مثال نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔ عکس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''میں نے اس چہرے کو اپنی زندگی بگاڑنے نہیں دی۔'' وہ عکس کی بات پر تجسس آمیز انداز میں مسکرائی۔

''یعنی آپ نے بھی اس آئینے میں کوئی ایسا چہرہ دیکھا تھا؟'' وہ اب جیسے زور دینے والے انداز میں بولی تھی۔ ''آپ کو پتا ہے ہم لوگوں نے اس گھر کے بارے میں بھی ملازموں سے بہت عجیب و غریب باتیں سنی ہیں۔ پاپا اور آپ یہاں نہ رہ چکے

ہوتے تو میں اور ابراہیم تو کبھی یہاں نہ رہتے۔'' وہ اب عکس کو بتا رہی تھی وہ دلچسپی سے سننے لگی۔ ''آپ نے کبھی اس گھر کے بارے میں کچھ سنا تھا؟'' مثال نے اب عکس سے ڈائریکٹ پوچھا۔

''مثلاً کیا؟'' عکس نے دھیمی آواز میں اس سے نظر ملائے بغیر کہا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ مثال نے اس گھر کے بارے میں کیا سنا ہوگا۔

''بہت ساری باتیں کہہ رہے ہیں ملازم لیکن سب سے عجیب و غریب بات یہ ہے کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ اس گھر میں جو کپل بھی رہتا ہے ان کا break up ہو جاتا ہے...... کتنی خوفناک بات ہے ناں ممی...... میں تو ڈر ہی گئی یہ سن کے لیکن ابراہیم کو بالکل یقین نہیں ہے ایسی باتوں پہ...... آپ یقین کرتی ہیں ایسی باتوں پہ؟'' اس نے عکس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔'' عکس نے بلاتوقف کہا۔ مثال نے ایک کھسیانی مسکراہٹ کے ساتھ عکس کو دیکھا۔

''مجھے پتا تھا، آپ کہاں یقین کرنے والی ہیں ایسی باتوں پہ۔ ابراہیم بھی آپ ہی کی مثال دیتا ہے کہ ممی کو دیکھو وہ کتنی بار Serve کر چکی ہیں اس شہر میں۔ اگر ایسا کچھ ہوتا تو ان پر بھی کوئی effect ہوتا...... لیکن وہ تو ہمیشہ گھر جوڑنے والی رہی ہیں۔ ان کو تو ہمیشہ فائدہ ہی ہوا ہے اس گھر میں...... ہے ناں ممی؟'' اس نے بات کے آخر میں استفہامی انداز میں عکس سے پوچھا۔ وہ مسکرا دی۔ پھر وہ آہستہ قدموں کے ساتھ برآمدے سے باہر نکل آئی۔ مثال بھی اس کے ساتھ باہر آ گئی تھی۔ وہ دونوں اب ساتھ چلتے ہوئے گھر کے بالکل سامنے موجود لان میں آ گئی تھیں۔ عکس نے لان میں پہنچ کر پلٹ کر روپہلی دھوپ میں روشن اس قدیم گھر کو دیکھا۔ مثال بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں اس گھر کو دیکھنے لگی۔ عکس نے چند لمحے اس گھر کو دیکھتے رہنے کے بعد کہنا شروع کیا۔

''اس گھر میں اور زندگی میں کوئی فرق نہیں ہے...... کم از کم میرے نزدیک...... اس گھر میں داخل ہونا جیسے دنیا میں آنے کے برابر ہے...... دنیا میں کچھ اچھے لوگ ملتے ہیں، کچھ برے لوگ...... اچھوں کی اچھائی بھی زندگی بدل سکتی ہے، بُروں کی برائی بھی...... پر جگہوں میں کچھ نہیں ہوتا۔ جو بھی کچھ ہوتا ہے وہاں بسنے والے انسانوں کی وجہ سے ہوتا ہے...... تمہیں سمجھ آ رہی ہے میری بات؟'' عکس نے گردن موڑ کے برابر کھڑی مثال کو دیکھا۔ وہ جواباً مسکرا دی۔

''سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔'' عکس بھی اس کی بات پر مسکرائی۔ پھر وہ دوبارہ گھر کو دیکھنے لگی۔

''گھروں میں کچھ نہیں ہوتا، وہ انسانوں کو جوڑنے یا توڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، وہ بس اینٹوں، سیمنٹ، سریے اور لکڑی کی ایک عمارت کے علاوہ کچھ نہیں ہوتے...... ان کے اندر آ کر رہنے والے انسان اپنی سوچ، عمل اور رویوں سے اپنی زندگی بناتے یا بگاڑتے ہیں۔'' مثال بہت سنجیدگی سے عکس کی بات سن رہی تھی وہ ہمیشہ اس کی بات اسی سنجیدگی اور انہماک سے سنا کرتی تھی، عکس مراد علی اس کا آئیڈیل تھی۔ وہ ہمیشہ اس جیسا بننا چاہتی تھی۔ لیکن ہر بار وہ یہ اعتراف کرتی تھی کہ ان جیسا بننا بہت مشکل کام تھا۔ کم از کم مثال شیر دل کے لیے...... یا کسی کے لیے بھی۔ مثال نے زندگی میں عکس مراد علی جیسی کوئی شخصیت نہیں دیکھی تھی اور اسے فخر تھا وہ ''شخصیت'' اس کی زندگی کا حصہ تھی، اس کی ماں تھی۔

''میں اس گھر کے ایک کوارٹر میں پیدا ہوئی تھی۔ وہ کوارٹر اب وہاں ہے بھی نہیں۔'' عکس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ ''میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کوارٹر سے باہر نکل کے میں کبھی اس گھر میں آ کے رہوں گی...... اس گھر میں اپنی ماں اور نانا کے ساتھ آیا کرتی تھی۔ وہ دونوں کام کرتے تھے یہاں...... یہاں پوسٹ ہونے والے آفیسرز اور ان کی فیملیز کی خدمت کیا کرتے تھے...... میں اس back ground کے ساتھ اس گھر میں آئی تھی پھر اس گھر میں رہنے والے ایک کپل نے مجھے اچھی تعلیم دلوانے کے میرے نانا کے خواب کو پورا کرنے میں ان کی مدد کی۔ اس گھر میں میری زندگی کی بنیادیں ہیں۔ وہ بنیادیں جن پر آج میری زندگی کی عمارت کھڑی ہے...... یہاں پر میں اپنے بہترین دوست اور جیون ساتھی سے ملی۔ یہاں میری پہلی اولاد ہوئی...... میری زندگی کے بہت سارے Milestones اس گھر سے وابستہ ہیں۔''

''آپ کے لیے تو یہ گھر بڑا Lucky رہا ہے پھر۔'' مثال نے مرعوب انداز میں کہا۔ عکس اس کی بات پہ ہنس پڑی اور اس نے اس طرح مسکراتے ہوئے اس گھر کو دوبارہ دیکھا پھر کہا۔

''اس گھر میں، میں نے اپنے باپ کو کھویا، اپنی زندگی کے سب سے قیمتی اثاثے، اپنے نانا کو کھویا...... یہاں میں اپنے بچپن میں Child abuse کا شکار ہوئی...... بہت ذلت اور بے عزتی کی حالت میں اپنی فیملی کے ساتھ دھکے دے کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

نکالی گئی۔ میرے کیریئر میں واحد معطلی بھی اسی گھر میں ہوئی۔'' عکس نے مسکراتے ہوئے مثال کو دیکھا۔ وہ اب الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''اب تم سوچ رہی ہوگی کہ نہیں، یہ گھر تو میرے لیے بہت Unlucky ثابت ہوا۔'' مثال کچھ بے بسی سے مسکرائی تھی۔ ''میں نے تم سے کہا ناں، گھروں میں کچھ نہیں ہوتا۔ انسان نے چوٹ کھا کے گرنا ہے یا تکلیف سہتے ہوئے بھی کھڑے رہنا ہے؟ یہ فیصلہ اس کی ہمت کرتی ہے، گھر نہیں۔'' عکس نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

''لیکن ممی اس گھر کے ملازم کہتے ہیں کہ یہاں انہوں نے بونے دیکھے ہیں، اور ہم نے بھی کچھ عجیب عجیب آوازیں اور چیزیں experience کی ہیں۔'' مثال کی بات پہ عکس مسکرائی اور اس نے کہا۔

''میں بھی بچپن میں یہاں بہت عجیب چیزیں دیکھتی تھی۔'' مثال اس کے اس غیر متوقع جملے پر کچھ حیران ہوئی پھر اسی حیرانی سے کہا۔

''اوہ، ریئلی ممی۔'' عکس مثال کو دیکھنے لگی۔

''ہاں۔'' پھر اس نے مدھم آواز میں کہا۔

''آپ نے بھی یہاں بونے دیکھے؟'' مثال نے بڑے تجسس سے پوچھا۔ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے عکس کی آنکھوں کے سامنے پتا نہیں کیا کچھ گزر کر چلا گیا تھا۔ وہ سارے Mental Block چند لمحوں کے لیے جیسے بالکل بیکار ہو کے رہ گئے تھے، جس سے اس نے اپنی زندگی کی اس سیاہ ترین رات کو چھپایا ہوا تھا۔

''آپ خاموش کیوں ہیں ممی؟'' مثال نے اسے خاموش دیکھ کے جیسے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کی کوشش کی، عکس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''بتائیں ناں، آپ نے کبھی اس گھر میں بونے دیکھے؟''

''ہاں۔'' عکس نے مدھم آواز میں کہا۔ مثال یکدم excited ہوئی۔

''Oh my God...... آپ نے واقعی بونے دیکھے؟'' عکس نے سر ہلایا۔ اس نے اسی انداز میں عکس سے پوچھا۔ ''کتنے بونے دیکھے؟''

''ایک۔'' عکس نے مدھم آواز میں کہا۔ مثال نے ایک بار پھر excited انداز میں کہا۔ ''wow! وہ بونا دیکھنے میں کیسا تھا؟ آپ کو ڈر لگا اس سے؟ اس نے آپ سے کچھ کہا......؟ کچھ کیا؟'' مثال نے جیسے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔

عکس نے ایک گہری سانس لی۔

اتنے بہت سارے سوالوں کا جواب اور وہ بھی اس کے بچپن کے اس تکلیف دہ واقعے کے بارے میں جس کو سوچنا زخموں پر پاؤں رکھ کر گزرنے جیسا تھا۔

''آپ کو اس کی شکل یاد نہیں آرہی؟'' مثال نے اسے خاموش دیکھ کر کریدا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھ کر مسکرا دی۔ وہ جیسے اسے سوال کا جواب نہ دینے کا موقع دے رہی تھی۔

''بعض چہرے انسان چاہے تو بھی نہیں بھول سکتا۔'' اس نے مدھم آواز میں کہنا شروع کیا۔ ''وہ بونا بہت خوب صورت تھا...... اچھی شکل صورت کا...... انسانی شکل صورت اور وجود...... بہت دراز قد......''

''ممی میں ''بونے'' کی بات کر رہی ہوں......'' مثال نے عکس کو ٹوکا۔ مافوق الفطرت، خوفناک چیز...... آسیب ٹائپ کی۔'' اس نے عکس کو اپنے ذہن میں آنے والی ہر مثال دے کر سمجھانے کی کوشش کی۔ اسے لگا تھا کہ عکس بونے کے بارے میں بتاتے بتاتے کسی اور چیز کے بارے میں بتانے لگی تھی۔

''ہاں، بونے ہی کے بارے میں بتا رہی ہوں تمہیں...... خوفناک، مافوق الفطرت، آسیب ٹائپ کی چیز......'' عکس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''لیکن بونوں کے قد لمبے کیسے ہو سکتے ہیں؟'' مثال اس کے بیان سے الجھ گئی تھی۔

''بعض بونوں کے قد لمبے ہوتے ہیں، خوب صورت ہونے کے باوجود ان سے کراہیت محسوس ہوتی ہے۔ انسانی شکل صورت میں ہونے کے باوجود ان سے خوف آتا ہے۔ مافوق الفطرت نہ ہونے کے باوجود ان سے خوف آتا ہے۔ مافوق الفطرت نہ ہونے کے باوجود وہ دوسروں کی زندگی کو آسیب زدہ کر دیتے ہیں۔'' مثال کو یک دم احساس ہو گیا تھا عکس کا اشارہ کس

طرف تھا۔ اس نے عجیب تسلی دینے والے انداز میں کچھ بے قرار ہو کر اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ عکس نے جواباً مسکرا کر اسے دیکھا...... نم آنکھوں والی مسکراہٹ کے ساتھ......

''زندگی میں انسانوں کے شر سے بڑھ کر خوفناک چیز کوئی نہیں، کوئی بھوت، بلا یا بونا برائی میں انسان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور زندگی میں انسانوں کی ہمت اور دلیری کے سامنے کوئی آسیب نہیں ٹھہر سکتا۔ وہ لوگ بے وقوف اور بزدل ہوتے ہیں جو گھروں اور جگہوں میں جن، بھوت، بونے ڈھونڈتے رہتے ہیں اور پھر ان کے ہونے یا نہ ہونے پر اپنی زندگی کی خوش قسمتی یا بدقسمتی کو طے کرتے ہیں۔'' مثال نے عکس مراد علی کو کہتے سنا۔ وہ نصیحت نہیں تھی، تجربہ تھا اور اسے...... دلیل کی مار نہیں ماری جا سکتی تھی۔

''اس گھر کے بونوں سے مجھے بھی تکلیف نہیں پہنچی لیکن انسانوں کی شکل میں ملنے والے بہت سے بونوں سے مجھے بہت تکلیف پہنچی۔'' وہ اب بھی مدھم آواز میں کہہ رہی تھی۔ ''اور پتا ہے میں نے ایسے ہر بونے سے ملنے کے بعد بھی اس جیسا نہ بننے کا سوچا اور ہر بونے سے ملنے کے بعد میں نے سوچا میں اپنی ذات سے ایسی تکلیف ایسا نقصان...... کبھی کسی دوسرے انسان کو نہیں پہنچاؤں گی میں کبھی دوسرے کسی انسان کے لیے بونا نہیں بنوں گی...... میں اس کے لیے انسان ہی رہوں گی...... وہ روپ جو اللہ نے ہمارے لیے پسند کیا ہے اور جس میں ہمیں زمین پر بھیجا ہے۔'' مثال پلکیں جھپکائے بغیر کسی معمول کی طرح پاکستان بیورو کریسی کی اس قابل ترین خاتون بیورو کریٹ کے الفاظ سن رہی تھی۔ 22 گریڈ میں پہنچنے والی اس پہلی خاتون DMG آفیسر کے لفظوں میں اسے جو پُرکار دانائی دِکھتی تھی وہ میراث تھی، حاصل نہیں تھی...... وہ خیر دین کی نواسی تھی اور اس کی گفتگو میں اب اتنی دہائیوں کے بعد خیر دین کے حوالے نہیں ہوتے تھے...... وہ خود بولنے لگا تھا۔

☆☆☆

''نانا مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے؟'' خیر دین اس وقت ابھی مغرب کی نماز سے فارغ ہی ہوا تھا جب عکس اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ اس نے ڈنر کا انتظار بھی نہیں کیا تھا۔ خیر دین کو اس کی آمد کی توقع تھی اور اس سے اس جملے کی بھی۔ تسبیح ہاتھ میں لیتے ہوئے وہ مصلے سے اٹھ گیا اور اس صوفے پر جا کر بیٹھ گیا جس کے دوسرے کنارے پر چند لمحے پہلے وہ آ کر بیٹھی تھی۔

''مجھے بھی تم سے بات کرنی تھی۔ اچھا ہوا تم خود آگئیں......'' خیر دین نے مدھم آواز میں بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''یہ ٹھیک نہیں ہے نانا۔'' عکس نے تمہید نہیں باندھی تھی...... تمہیدوں کا وقت گزر چکا تھا۔

''کیا برائی ہے اس میں؟'' خیر دین نے جواباً تحمل سے پوچھا۔ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟'' عکس نے انہیں جتایا۔

''ہاں، تمہارے پاس مجھ سے بہتر جواب ہونے لگے ہیں اب۔'' انہوں نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اسے جیسے خراج تحسین نہیں پیش کیا تھا اپنی کمزوری کا اعتراف کیا تھا۔

''پر جو سوال اس بار آپ مجھ سے کر رہے ہیں اس کا کوئی جواب ہی نہیں ہے میرے پاس۔'' اس نے خیر دین کی ستائش کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''اس رشتے سے جو خرابی ہو سکتی ہے، آپ جانتے ہیں...... مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔'' وہ سنجیدہ تھی اور وہ ان چند مواقع میں سے ایک تھا جب وہ خیر دین سے بالکل متفق نہیں تھی۔ وہ ان کا فیصلہ بدلنے کی نیت سے آئی تھی۔

''ہر فیصلے میں کچھ اچھائی اور کچھ برائی ہوتی ہے، برائی کا اندازہ اگر پہلے سے ہو جائے تو انسان اپنے آپ کو نقصان سے بھی بچا سکتا ہے اور تکلیف سے بھی۔'' خیر دین نے اس سے کہا۔

''آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے کے لیے جس حماقت انگیز دلیری کی ضرورت ہے وہ مجھ میں نہیں ہے۔'' عکس نے ان سے جواباً کہا۔

''میں صرف تمہاری خوشی چاہتا ہوں چڑیا...... زندگی میں آج تک تمہاری خوشی سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں رہی میرے لیے۔'' خیر دین نے اپنی لاجک کی جڑ نکال کر اس کے سامنے رکھ دی تھی۔ وہ یہ نہیں بھی کہتا تو بھی عکس جانتی تھی۔

''شیر دل میری خواہش نہیں رہا نانا...... اس سے شادی میری زندگی کے مقاصد یا حسرتوں میں کبھی شامل نہیں رہی۔'' اس نے مدھم آواز میں خیر دین سے کہا۔ اس آدمی کی منطق ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کے کندھوں کے بوجھ کو بڑھانے لگی تھی۔

''لیکن تم اس کے لیے میرے سامنے روئیں۔'' اس نے نظریں اٹھا کر خیر دین کے چہرے اور اس معصوم سے رنج کو اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی آنکھوں میں دیکھا جسے اس کے آنسوؤں نے خیر دین کے اندر پیدا کیا تھا۔ بہت دیر وہ خیر دین کے سامنے اسی دل شکستہ انداز میں کوئی ایک لفظ کہے بغیر بیٹھی رہی۔ کیا سمجھائے اور کیا نہ سمجھائے۔ کیا بتائے اور کیا نہ بتائے...... خیر دین کے ایک جملے نے جیسے اسے کچھ دیر کے لیے اس مرد کے سامنے گونگا کر دیا تھا جس نے اسے پالا تھا۔

''میرے رونے کو جانے دیں آپ...... وہ آنسو کسی خواہش کا اظہار نہیں تھے......'' اس نے بالآخر لفظوں کو ڈھونڈھ لیا تھا بات شروع کرنے کے لیے۔

''میں نے تمہیں اس کے لیے جتنا پریشان دیکھا ہے اس سے پہلے صرف تب دیکھا تھا جب ایک یاد ہے تمہارا میڈیکل کالج والا کلاس فیلو......'' عکس نے خیر دین کو بات مکمل نہیں کرنے دی تھی۔

''اس کا ذکر رہنے ہی دیں۔ اس پریشانی اور اس پریشانی کا آپس میں کوئی تعلق نہیں...... میں پریشان ہوں شیر دل کے لیے اور اسے نظر انداز کرنا بھی میرے لیے مشکل ہے لیکن وہ ٹھیک ہو رہا ہے...... ٹھیک ہو جائے گا اور میری پریشانی بھی ختم ہو جائے گی۔'' اسے اندازہ تھا اس کی ساری باتیں جھوٹ کا پلندہ لگ رہی تھیں اس کے متبع کے باوجود......

''میں نے شیر دل سے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔'' خیر دین نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ عکس نے عجیب حیرت سے...... خیر دین کو دیکھا۔ وہ اس سے لمبی بات کرنا چاہتی تھی لیکن خیر دین جیسے اس سے اس معاملے پر بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ''میں بس یہ نہیں چاہتا چڑیا کہ میں زندگی میں کوئی پچھتاوا اسمیٹوں صرف اپنی انا اور ضد کی وجہ سے اور مجھے لگا تمہاری شیر دل سے شادی سے انکار وہ واحد معاملہ ہو سکتا ہے میرے لیے پچھتاوے کا۔'' خیر دین کہہ رہا تھا۔ ''میں نہیں چاہتا کسی اور سے شادی کرنے کے بعد راتوں کو اس طرح سے بے چین پھرو جس طرح تم آج کل پھر رہی ہو۔ اولاد کی خوشی کے سامنے انسان انا کا جھنڈا گاڑ کے تو نہیں بیٹھ سکتا...... بیٹھ جائے تو نقصان دونوں کا ہوتا ہے۔ میری بس اب یہی خواہش ہے کہ تم خیر خیریت سے اپنے گھر بار کی ہو جاؤ اور خوش رہو...... اور میں جانتا ہوں تم شیر دل کے ساتھ بہت خوش رہو گی...... وہ اچھا لڑکا ہے۔'' خیر دین تسبیح کے دانے گھماتا ہوا کہتا گیا تھا۔ عکس اسے صرف دیکھ کر رہ گئی۔ وہ اس سے بحث کر کے اس کا فیصلہ تبدیل کروانے آئی تھی مگر وہ اس سے بحث نہیں کر سکی۔

''شیر دل کے ماں، باپ بہت مشکور ہو کر گئے ہیں یہاں سے...... آج بھی ماضی میں ہونے والی اپنی تمام کوتاہیوں کے لیے معذرت کر کے گئے ہیں...... بہت وعدے دے کر گئے ہیں تمہارے لیے کہ تمہیں بہت خوش رکھیں گے۔ اپنے خاندان میں بہت عزت دیں گے...... اب اس طرح زبان دینے کے بعد میں اپنی زبان سے کیسے پھر جاؤں اور کیوں چڑیا نہیں مان رہی۔'' خیر دین نے کہا...... عجیب معصوم اور سادہ انداز تھا اس کا...... چڑیا کے لیے انکار کو ناممکن کر دیا تھا اس نے...... وہ کسی سے بھی شادی کا کہتا اس طرح تو وہ کر لیتی یہ تو پھر شیر دل تھا...... جس سے وہ محبت کرتی تھی۔

''تمہیں اب بھی اعتراض ہے؟'' خیر دین نے اس سے گفتگو کے آخر میں پوچھا۔

''نہیں، ٹھیک ہے اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو میں اعتراض کیسے کر سکتی ہوں۔'' اس نے خیر دین کو مدھم آواز میں جواب دیا۔ وہ کڑوی گولی خیر دین نے اس کے لیے نگلی تھی۔ اپنے کندھوں کا بوجھ اس کے لیے بڑھایا تھا ایک بار پھر اور اس احساس نے عکس کو سر اٹھانے کے قابل تک نہیں چھوڑا تھا۔ وہ تشکر یا احسان مندی نہیں تھی صرف شرمندگی تھی۔

''وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا، وہ کہہ کے گیا ہے۔'' خیر دین نے دعا دینے والے انداز میں بہت محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''شیر دل آیا تھا؟'' عکس نے کچھ حیرانی سے خیر دین کو دیکھا۔

''کل آیا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''بہت پریشان لگ رہا تھا وہ۔'' خیر دین کی آواز میں تفکر جھلکا تھا۔ ''اللہ کسی کو بھی اولاد کی پریشانی نہ دکھائے۔'' پتا نہیں اس نے کس کے لیے دعا کی تھی۔ شیر دل کے لیے...... یا اپنے لیے......؟ ''گھر ٹوٹنا کوئی اچھی بات نہیں ہوتی...... پرندے کا گھونسلا بھی ٹوٹ جائے تو وہ کتنے دن وہیں اڑتا...... کرلاتا ہے انسان کی تکلیف تو جانور کی تکلیف سے زیادہ ہوتی ہے۔'' وہ اب کہہ رہا تھا۔ ''تم اس کے ساتھ بہت اچھا گھر بنانا۔'' خیر دین جیسے اسے نصیحت کر رہا تھا۔

''بڑا مشکل کام دے رہے ہیں آپ مجھے نانا۔'' وہ کہے بغیر نہیں رہ سکی۔ ''میں پرندہ نہیں ہوں اور میں یہ نہیں جانتی کہ پرندہ جب دوسری بار گھر بناتا ہے تو اس کے احساسات کیا ہوتے ہیں لیکن میں انسانوں کے جذبات اور احساسات سے ضرور

واقف ہوں...... جانتی ہوں کہ دوسری بار گھر بنانا مرد اور عورت دونوں کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ وہ جو پہلا جیون ساتھی ہوتا ہے وہ اچھا ہو یا برا مگر وہ زندگی سے جاتا کبھی نہیں...... ساری عمر مقابلوں اور موازنوں کا حصہ بنا رہتا ہے۔'' وہ اب خیر دین کو اس دریا کی گہرائی اور اس کے اندر موجود خطرات و مشکلات کے بارے میں آگاہ کر رہی تھی۔ جس میں اس نے چڑیا کو سوچے سمجھے بغیر اتارا تھا۔

''میں جانتا ہوں چڑیا لیکن زندگی موازنوں اور مقابلوں کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں...... تمہیں لگتا ہے مرد یا عورت اپنے پہلے جیون ساتھی کا موازنہ کسی سے نہیں کرتے...... کرتے ہیں، پریشانی کی بات تب ہے جب ہم ان موازنوں میں بدتر ثابت ہونے لگیں اور ہوتے ہی رہیں...... تب تشویش بھی ہونی چاہیے اور تکلیف بھی لیکن اگر ہم اس موازنے کو اپنے حق میں کر لیں تب تو وہ تشویش کا باعث نہیں رہتا۔'' خیر دین اسے کہہ رہا تھا۔

''یہ آسان کام نہیں ہوتا نانا...... یہ اتنا آسان کام نہیں ہے نانا جتنا آپ کہہ رہے ہیں۔'' وہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔

''تم نے زندگی میں آسان کام کب کیے ہیں چڑیا......؟ سارے امتحان مشکل آئے...... سارے کام مشکل ہی تھے جو تم نے کیے۔'' خیر دین نے عجیب فخر سے ہنس کر کہا۔

''ہاں لیکن کبھی کبھار انسان آسانیاں بھی چاہتا ہے۔'' اس نے کسی ننھے بچے کی طرح خیر دین سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''چڑیا تم جس مرد کی زندگی کا حصہ بنو گی وہ بڑا خوش قسمت ہوگا...... تم کہیں بھی کسی کے ساتھ بھی ایک اچھا گھر بنا سکتی ہو ایک اچھی زندگی گزار سکتی ہو...... کیونکہ تم اچھی لڑکی ہو اور شیر دل بھی اچھا لڑکا ہے اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں یہ فیصلہ چاہتے ہوئے بھی نہ کر پاتا لیکن شیر دل تمہاری قدر کرے گا...... ویسی ہی قدر جیسی میں کرتا ہوں۔'' عکس کی آنکھوں میں آنسو جھلملائے تھے۔

''آپ جیسی قدر میری کوئی نہیں کر سکتا۔ شیر دل بھی نہیں...... آپ جیسا تو کوئی نہیں اور کبھی نہیں ہو سکتا۔'' اس نے خیر دین کا ہاتھ پکڑ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں چھپاتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں لیکن میری خواہش اور دعا ہے شیر دل مجھ سے بڑھ کے تمہاری قدر کرے اور کرے گا۔'' خیر دین نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

وہ اس دن عجیب بوجھ لیے خیر دین کے پاس سے آئی تھی۔ نانا اسے وہ کھلونا دے بیٹھے تھے جو اس کے لیے خطرناک تھا اور وہ اپنی محبت اور جوش میں اس بات کا اندازہ ہی نہیں کر سکے تھے۔ شیر دل سے ان حالات میں عکس کی شادی دونوں کو بری طرح اسکینڈلائز کرنے والی تھی۔ خاص طور پر تب، جب وہ ایک ہی ڈویژن میں کام کر رہے تھے اور دو قریبی شہروں میں پوسٹڈ رہے تھے۔ شیر دل اور شہر بانو کے درمیان ہونے والا جھگڑا ان کے تمام سوشل سرکل میں ہر ایک کی زبان پر تھا لیکن ابھی تک اس سارے جھگڑے میں کوئی شیر دل پر انگلی نہیں اٹھا سکا تھا لیکن اب چند مہینوں کے اندر ہی عکس کے ساتھ شادی کی صورت میں صرف شیر دل ہی نہیں بلکہ خود اس کی ساکھ اور نام بھی بری طرح خراب ہونے والا تھا اور الزامات و تبصروں کا یہ طوفان کتنا شدید ہو سکتا تھا۔ خیر دین کو اس کا اندازہ نہیں تھا، عکس کو اندازہ تھا۔ خیر دین کا فیصلہ اس کے لیے ایک بہت غلط اور خطرناک فیصلہ تھا اور اپنے کمرے میں آنے کے بعد وہ بیٹھی اس کے مضرات کو ہی سوچتی رہی تھی۔ وہ اپنے لیے خود کبھی وہ فیصلہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی جو خیر دین نے کر دیا تھا اور وہ خیر دین کو let down نہیں کر سکتی تھی اس کے آگے کنواں اور پیچھے کھائی آ گئے تھے اور اسے اگر اس وقت کسی سے خفگی محسوس ہوئی تھی تو وہ شیر دل تھا۔ وہ اگر خیر دین کے پاس نہ آتا تو یہ مسئلہ کھڑا نہ ہوتا یا کم از کم وہ آنے سے پہلے اس سے بات کر لیتا تو وہ اسے وہ سب کچھ سمجھا اور دکھا پاتی جو وہ یقیناً کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے نظر انداز کر رہا تھا۔

☆☆☆

''مجھے حیرت ہے عکس کا نانا اس رشتے پر کس طرح تیار ہو گیا؟'' منزہ نے عکس کے گھر نسبت طے کر کے واپس آنے کے بعد لاؤنج میں بیٹھ کر کہا۔ وہ اور بختیار ابھی کچھ دیر پہلے واپس آئے تھے اور شیر دل بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''تمہیں وجہ جان کر کیا کرنا ہے؟'' بختیار نے ٹوک دیا تھا۔

''حیران ہوں بہت اس لیے پوچھ رہی ہوں۔'' منزہ نے کہا۔

''حالانکہ تمہیں حیران ہونے کے بجائے خوش ہونا چاہیے۔'' بختیار نے ان سے کہا۔

''اتنی خوش ہوں میں کہ مجھ سے بڑھ کر تو شاید آپ کا بیٹا بھی خوش نہیں ہے۔'' منزہ نے فوراً کہا۔ شیر دل نے ماں کے اس تبصرے پر بے حد سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

''ممی یہ پہلی شادی نہیں ہے میری۔ نہ ہی بہت خوشگوار حالات میں ہو رہی ہے...... میں نہیں جانتا کوئی ایسی شادی پر کس طرح بہت خوش ہو سکتا ہے یا آپ سمجھتی ہیں میں انسانی صفات نہیں رکھتا۔'' وہ اتنا bitter (تلخ) نہیں ہونا چاہتا تھا جتنا ہو گیا تھا۔ منزہ نادم سی ہو گئیں۔

''میں نے ویسے ہی ایک بات کہی ہے کوئی غلط معنی مت لو۔ تمہاری مرضی سے ہو رہا ہے جو بھی ہو رہا ہے کوئی زبردستی تو نہیں ہو رہی...... تم نے خود فیصلہ کیا ہے عکس سے شادی کا...... خود تمہیں اس کے گھر جانے کا کہا۔'' منزہ نے جیسے مدافعانہ انداز میں کہا۔ وہ جواب میں کچھ کہنے کے بجائے یک دم وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

''کیا ضرورت تھی تمہیں اس طرح ڈسکشن دوبارہ شروع کرنے کی......؟ وہ اپنا گھر دوبارہ آباد کرنے پر تیار ہو گیا...... یہ کافی نہیں ہے کیا تمہارے لیے......؟ یا یہ ضروری ہے کہ تم ایک بار پھر سے کیوں اور کیسے کے چکروں میں پڑو۔'' بختیار نے شیر دل کے اس طرح وہاں سے اٹھ کر جاتے ہی بہت ناگواری اور خفگی سے منزہ کو تقریباً ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''اور اب عکس سے بھی کسی طرح کی کوئی بحث نہ کرنا، وہ ہمارے خاندان کا حصہ بننے جا رہی ہے، تمہاری کسی بات سے اس کی دل شکنی نہیں ہونی چاہیے ابھی...... نہ ان دونوں کی شادی کے بعد...... ان لوگوں کی اتنی favour بہت ہے کہ انہوں نے ماضی کو بنیاد بنا کر کسی اور تنازعے کو کھڑا کرنے کے بجائے ہماری بات مان لی۔ ہمارے divorced اور بچے والے بیٹے کے ساتھ وہ اپنی بیٹی کی شادی کرنے پر تیار ہو گئے...... ہمیں اس کے لیے ان کا شکر گزار ہونا چاہیے اور بس۔'' بختیار نے بھی جیسے بات ہی ختم کر دی تھی اور وہ بھی وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

منزہ بہت دیر وہیں بے مقصد بیٹھی رہیں۔ شادی کا یہ سلسلہ انہوں نے شروع کیا تھا اور وہ خوش اور مطمئن بھی تھیں کہ شیر دل کا گھر دوبارہ آباد ہو جائے گا لیکن اس احساس کے باوجود عکس مراد علی سے انہیں عجیب سے خدشات تھے اور وہ ان خدشات کو کوئی نام نہیں دے پا رہی تھیں۔ کوئی دوسرا کوشش کرتا تو یہ کام بڑی آسانی سے کر لیتا...... وہ شکست خوردگی کے احساس سے دوچار ہو رہی تھیں یا آسان لفظوں میں انہیں اپنا تھوکا چاٹنا پڑ رہا تھا۔ حسب نسب کی وہ اونچی دیواریں جنہیں اپنے گرد کھڑا کر کے وہ فخر محسوس کرتی تھیں ان پر بہت بری طرح چوٹ پڑی تھی...... ایسی زوردار چوٹ کہ ان دیواروں میں آجانے والی دراڑیں زمین تک پہنچ گئی تھیں۔

انسان تقدیر کے سامنے بے بس ہوتا ہے۔ اپنی تقدیر کے سامنے بھی اور دوسرے کی تقدیر کے سامنے بھی...... وہ نہ اپنی... بدقسمتی کو خوش قسمتی میں بدل سکتا ہے نہ دوسرے کی خوش قسمتی کو بدقسمتی میں...... اور نہ ہی اس بے بسی کے احساس کو ختم کر سکتا ہے جو اسے اس صورتِ حال میں ہوتا ہے۔

☆☆☆

''شیر دل سے بات ہوئی تمہاری؟'' نانا نے دو دن بعد صبح ناشتے کے بعد پورچ میں اسے آفس کے لیے رخصت کرتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

''نہیں نانا......'' وہ ایک لمحے کے لیے جھجکی پھر اس نے خیر دین کو جواب دیا۔ ''لیکن میں کر لوں گی، ابھی مصروف ہوں۔'' اس نے خیر دین کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی وضاحت اور جواب دیا تھا۔

''اس کا مجھے فون آیا تھا کل...... تمہارا پوچھ رہا تھا۔'' خیر دین نے اسے بتایا اس نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ اسے اگر واقعی عکس سے بات کرنی ہوتی تو خیر دین کے فون پر کال کر کے اس کا پوچھنے کے بجائے سیدھا سیدھا وہ اس کے فون پر کال کر سکتا تھا مگر وہ بھی اس سے بات کرنے میں متامل تھا، وہ محسوس کر سکتی تھی۔

''میں اس سے ایک دو دن میں بات کر لوں گی۔'' عکس نے گاڑی میں سوار ہونے سے پہلے خیر دین سے کہا۔ خیر دین نے

اسے جواباً کچھ نہیں کہا تھا۔ تھکن کا ایک عجیب سا احساس تھا جو پہلے سے اسے اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھا۔ خوشی کی کوئی رمق اسے کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل رہی تھی۔ وہ سجاد سے شادی کی تیاری میں بھی بہت زیادہ ایکسائٹڈ نہیں تھی لیکن کم از کم اس کے ساتھ شادی طے پانے نے اسے اس طرح کی کیفیت سے دوچار نہیں کیا تھا جس طرح کی کیفیت کا شکار وہ اب ہو رہی تھی۔

حلیمہ اب خیر دین کے ساتھ ساتھ اس سے بھی بری طرح خفا تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ خیر دین کے ساتھ ساتھ اس کا دماغ بھی خراب ہو گیا تھا کہ وہ خیر دین کو کچھ سمجھانے یا قائل کرنے کے بجائے اس کے کہنے پر ایک طلاق یافتہ ایک بچے کے باپ سے شادی پر تیار ہو گئی تھی اور وہ بھی اس خاندان میں جس نے ان کی زندگی میں تکلیف اور تباہی لانے کے سوا بھی کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ دو دن سے مسلسل خیر دین اور عکس کے ساتھ بحث و مباحثے میں مصروف تھی اور اب دو دن کے بعد ان میں سے کسی کو بھی قائل کرنے میں ناکام ہونے کے بعد اس نے اپنی کوششوں کو بالآخر ترک کر دیا تھا لیکن اس کی خفگی اپنے عروج پر تھی۔ اسے اپنی سسرال میں شدید قسم کی خفگی اور تنقید کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس رشتے کے اس طرح اچانک بغیر کسی وجہ کے کارڈز بانٹنے کے بعد ختم کرنے پر...... اور وہ نہ صرف نادم اور شرمندہ تھی بلکہ اس معاملے پر اس تنقید اور مخالفت کو بالکل جائز بھی سمجھ رہی تھی۔ خیر دین پر یک دم پورے خاندان میں تنقید اور الزامات کی بوچھاڑ شروع ہو گئی تھی۔ نہ صرف حلیمہ کے سسرالی رشتے دار بلکہ خیر دین کا اپنا خاندان بھی اس تنقید میں پیش پیش تھا۔

ان کے خاندان میں شادی کے کارڈ بھی تقسیم ہو جانے کے بعد کسی لڑکی کی شادی رُک جانے کا یہ پہلا واقعہ ہوا تھا اور ہر ایک کے پاس کہنے اور اندازے لگانے کے لیے بہت کچھ تھا اور یہ ساری باتیں حلیمہ، خیر دین تک بھی پہنچ رہی تھیں۔ وہ تنقید اور مخالفت کے اس طوفان کی توقع رکھنے کے باوجود کسی نہ کسی حد تک ان باتوں سے ہرٹ ہوا تھا لیکن یہ پہلا موقع تھا جب اسے کسی پر غصہ اور کسی سے گلہ نہیں ہوا تھا۔ اپنے فیصلے پر جمے رہنے کے باوجود اسے احساس تھا کہ جو کچھ اس نے کیا تھا وہ غلط کیا تھا۔ سجاد کی فیملی کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی اس سارے معاملے میں اور خیر دین کو اگر کسی بات پر شدید رنج اور شرمندگی تھی تو وہ یہی ایک بات تھی...... ورنہ وہ اپنے خلاف جو کچھ سن رہا تھا اسے اس سب کی پروا نہیں تھی۔ اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ چڑیا کی ایک اور خواہش پوری کرنے جا رہا تھا۔ اسے وہ دے رہا تھا جو اس کے دل کی خواہش تھی۔

اور عکس اس سارے معاملے میں ایک خاموش تماشائی کی طرح ماں اور نانا کے درمیان میں ہونے والی اس جنگ کو دیکھ رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اس نے حلیمہ اور خیر دین کے درمیان کوئی اختلاف دیکھا تھا اور وہ بھی اپنی وجہ سے اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ خیر دین نے اس کی خوشی کی خاطر خود کو ہیرو سے ولن کر لیا تھا لیکن وہ خود اس سے کم از کم اس فیصلے پر متفق نہیں تھی اس کے باوجود حلیمہ کی حمایت بھی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ماں بھی جو اسٹینڈ لے رہی تھی وہ اس کی محبت میں ہی لے رہی تھی۔

اور ان تمام خاندانی جنگوں کے درمیان اسے ایک لمحے کے لیے بھی شیر دل کا خیال نہیں آیا تھا۔ نہ اس کا خیال آیا تھا نہ اس سے بات کرنے کی خواہش ہوئی تھی...... حالانکہ ہونی چاہیے تھی، خیال بھی آنا چاہیے تھا لیکن پتا نہیں شیر دل یک دم جیسے ایک اجنبی کی صورت میں اس کے سامنے آنے لگا تھا...... وہ کچھ دیر کے لیے جیسے اس کا بہترین دوست بھی نہیں رہا تھا۔ اس سے بات کرنا ضروری تھا لیکن موضوع صرف ایک رہ گیا تھا اور وہ صرف اسی ایک موضوع پر اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ زندگی میں کبھی اسے شیر دل سے ایسی بیزاری نہیں ہوئی تھی جیسی ان چند دنوں میں ہوئی تھی۔

زندگی میں ہر انسان سے ہر فیصلہ صحیح نہیں ہو سکتا تھا بعض فیصلے انسان غصے اور جلد بازی میں کرتا ہے اور بعض جذبات میں مجبور ہو کر...... اور کہیں نہ کہیں عقل و ہوش کچھ دیر کے لیے انسان کا ساتھ ضرور چھوڑ دیتے ہیں۔ کبھی نہ کبھی حماقت، عقل پر قبضہ ضرور کر لیتی ہے چاہے وہ چند لمحوں کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔

وہ آفس میں سارا دن بیٹھے دفتری کام انجام دیتے ہوئے خیر دین کے اس فیصلے سے ممکنہ نقصانات کے بارے میں سوچتی رہی تھی اور damage control کے طریقے بھی...... نقصان تو ہونا تھا لیکن کم سے کم کیسے کیا جا سکتا تھا ساکھ اور نام بہت بڑی چیزیں تھیں اور اب وہ دونوں چیزیں داؤ پر لگنے والی تھیں۔ شیر دل مرد تھا بہت سی چیزیں اس کے لیے matter ہی نہیں کرتی تھیں۔ جس کے پیچھے بختیار شیر دل کا خاندان تھا جہاں وہ خود نہ بچ سکتا وہاں اس کا خاندان اسے بچا لیتا...... کوئی اس کے اسکینڈلائز ہونے پر اس کے خاندان کے بارے میں سوال کرنے اور اٹھانے والا نہیں تھا۔ وہ ایک فرد کی غلطی سمجھی اور error of judgement (فیصلے کی غلطی) سمجھ کر معاف کر دی جاتی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

عکس مراد علی عورت تھی، سیلف میڈ تھی اور ایک کمتر خاندان سے تعلق رکھتی تھی اس کی غلطی پر اس کے بجائے اس کے خاندان کے بارے میں سوال جواب اور تبصرے ہوتے...... اپنے کیریئر کے اتنے سالوں میں بھی اس کا کوئی اسکینڈل نہیں آیا تھا اور اس ایک اسکینڈل کے بعد ڈاکٹر عکس مراد علی کا نام جہاں بھی آتا اسی حوالے سے آتا۔ وہ عزت اور احترام جس کے ساتھ سب اس کا نام لیتے تھے وہ تضحیک آمیز ہنسی اور تبصروں میں تبدیل ہونے والی تھی اور یہ بہت بڑی قیمت تھی جو اسے شیر دل کے ساتھ کے بدلے میں ادا کرنی تھی...... خیر دین نے جذبات میں یہ نہیں سوچا تھا اس نے صرف ایک نانا بن کر اپنی نواسی کی خوشی کا سوچا تھا لیکن نواسی یہ سب سوچ رہی تھی کیونکہ وہ عورت ہوتے ہوئے بھی جذباتی نہیں رہی تھی۔ جذبات سے فیصلے وہ پہلے بھی کم ہی کرتی تھی لیکن اس پروفیشن میں آنے کے بعد اس نے جذبات کو سائنائڈ دے کر سلا دیا تھا۔ وہ اب چاہتی بھی تو جذبات کو عقل پر ترجیح نہیں دے سکتی تھی اور اب اسے یہی کرنا پڑ رہا تھا...... خیر دین کی محبت میں آنکھوں دیکھی وہ مکھی نگلنا پڑ رہی تھی جس سے اسے کم از کم بدہضمی تو ضرور ہوتی اگر کوئی بڑی بیماری نہ بھی ہوتی تو...... وہ اس دن بھی اسی کشمکش میں پھنسی آفس پہنچی تھی جب ٹی بریک کے دوران اسے آفس کے باہر شور کی آواز آئی تھی اس نے انٹرکام اٹھا کر PA کو اس شور کی وجہ معلوم کرنے کو کہا، وہ پانچ دس منٹوں کے بعد بے حد بوکھلایا ہوا آفس میں آیا تھا۔

''میڈم وہ ایک آدمی خودکشی کرنے کے لیے آپ کے آفس کی چھت پر چڑھ گیا ہے اس نے چھت کا دروازہ اندر سے بند کرلیا ہے اور اب وہ کہہ رہا ہے کہ وہ وہاں سے کود کر جان دے دے گا۔'' عکس کو چند لمحوں کے لیے جیسے بات کی سمجھ نہیں آئی تھی اور جب سمجھ میں آئی تو وہ بہت panicked ہو کر فوری طور پر آفس سے باہر نکل آئی تھی۔ اس کے آفس کے ارد گرد موجود جگہ میں اب ایک مجمع تھا جو چھت پر موجود کسی آدمی سے بہ آواز بلند بات چیت کرنے میں مصروف تھا۔ اسے آتے دیکھ کر اس کا اپنا اسٹاف اور گارڈ بھی پہنچ گئے تھے۔ باہر موجود لوگوں کے ہجوم کو انہوں نے ہٹانا شروع کر دیا تھا جو زیادہ تر ان افراد پر مشتمل تھا جو DC آفس اور اس کے آس پاس موجود دوسرے انتظامی عہدے داران کے آفسز میں اپنے کاموں کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے یا پھر درجۂ چہارم کے ملازمین جو ان دفتروں میں کام کرتے تھے اور انہیں صبح صبح ہی سنسنی خیز تفریح میسر آگئی تھی۔

وہ آفس سے برآمدے اور برآمدے سے باہر نکل آئی تھی...... دو منزلہ عمارت کی چھت پر اس وقت ایک آدمی موجود تھا جو چھت کے بالکل ہرے پر تھا۔ صرف عکس نے اس آدمی کو نہیں دیکھا تھا، اس آدمی نے بھی اسے دیکھ لیا تھا اور وہ چلا چلا کر کچھ کہنے لگا تھا جو شاید اسے سمجھ میں آجاتا اگر نیچے کھڑا مجمع بھی بھانت بھانت کی بولیاں نہ بول رہا ہوتا۔

''میڈم کوئی سینٹری ورکر ہے پہلے بھی ایک بار اسی طرح اوپر چڑھ گیا تھا بڑی مشکل سے اتارا تھا اسے۔ پچھلے ڈی سی صاحب نے معطل کیا ہوا ہے اسے اور کئی مہینوں سے اس کی pay بھی رکی ہوئی ہے۔'' اس کے اسٹنٹ کمشنر نے اسے دیکھتے ہی بتانا شروع کر دیا تھا، وہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں موجود تھا اور صورتِ حال کے بارے میں معلومات اور اس آدمی کے کوائف حاصل کر چکا تھا۔

''میگا فون پر اسے بتاؤ کہ وہ نیچے اترے اور آکر بات کرے...... اس کے دونوں مسئلے حل ہو جائیں گے لیکن اس طرح نہیں۔'' اس نے ایک نظر اس مجمع پر ڈالی جس میں سے اب آدھے اس کی طرف متوجہ تھے اور آدھے اس آدمی کی طرف جو چھت پر چڑھا ہوا تھا۔

عکس اسٹنٹ کمشنر کو ہدایات دے کر وہاں رکی نہیں تھی۔ یہ جیسے اپنے آپ کو تماشا بنانے والی بات تھی۔ چھت پر چڑھا ہوا آدمی اسے اپنے اسٹاف کے ساتھ وہاں سے غائب ہوتے دیکھ کر جیسے مزید جوش میں آگیا تھا۔ اس نے کچھ اور بلند آواز میں وہ تقریر جاری رکھی جو وہ اس سسٹم اور اسے چلانے والے آفیسروں کے خلاف کر رہا تھا جو سب حکومت کے آلۂ کار بن کر غریبوں کا خون چوس رہے تھے اور ان پر ظلم کر رہے تھے۔

عکس کے لیے یہ صورتِ حال سنگین ہونے سے زیادہ مضحکہ خیز تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ کسی خاتون آفیسر کے ساتھ اس طرح کی صورتِ حال پیش آنے پر اس کی انتظامی صلاحیتوں پر سوالات اٹھنے کے ساتھ ساتھ اس پر پھبتیاں کسنے کا بھی ایک اچھا موقع ہاتھ میں آجاتا ہے اور جو یقیناً آگیا تھا۔

☆☆☆

شیر دل اس وقت نہا کر نکلا تھا اور ابھی اپنے بیڈ روم میں آیا ہی تھا جب اس کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ caller ID نظر نہیں آرہی تھی یعنی کالر کسی سرکاری نمبر سے کال کر رہا تھا اس نے تولیا کرسی پر رکھتے ہوئے کال ریسیو کی۔ دوسری طرف عکس کے آفس کا آپریٹر تھا جس نے اسے ایمرجنسی کی اطلاع دیتے ہوئے فوری طور پر عکس سے connect کیا تھا۔ وہ بھی کچھ تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ بیٹھے بٹھائے اتنی صبح، صبح کیا ایمرجنسی آگئی تھی۔

''تم نے کسی سینٹری ورکر کو معطل کیا تھا؟'' عکس نے اس کی آواز سنتے ہی علیک سلیک اور تمہید کے بغیر پوچھا۔

''کہاں...... تمہاری جگہ پر؟'' شیر دل نے حیرانی سے اس کا سوال سنا۔

''ہاں......''

''شاید...... کیوں، کیا ہوا؟'' شیر دل کو فوری طور پر کوئی معطلی یاد نہیں آئی لیکن اس نے انکار بھی نہیں کیا تھا۔

''وہ میرے آفس کی چھت پر چڑھا ہوا ہے اور خودکشی کی دھمکی دے رہا ہے۔'' عکس نے جواباً کہا۔ شیر دل نے بے اختیار ایک گہری سانس لی۔

''الو کا پٹھا...... جیکب مسیح......'' اسے نہ صرف وہ سینٹری ورکر یاد آگیا تھا بلکہ اس کا نام بھی......

''جیکب مسیح نام ہے...... اوکے...... کیا کیس تھا اس کا؟'' عکس کے لہجے میں عجلت تھی۔

''کیا کیس ہونا ہے؟ دو دفعہ کوڑے کے ڈرم اکھاڑ کر لے جاتے ہوئے پکڑا گیا، میں نے وارننگ دے کر چھوڑ دیا، تیسری بار میرے آفس کے باتھ روم میں فٹنگ کے لیے آیا ہوا کچھ سامان غائب کر دیا اس نے...... انکوائری میں اس پر الزام ثابت ہو گیا تو بھی میں نے معطل نہیں کیا اسے...... pay ضبط کی اس کی۔'' شیر دل اسے کچھ خفگی کے عالم میں بتا رہا تھا۔

''لیکن سب تو کہہ رہے ہیں وہ suspend (معطل) ہونے کی وجہ سے یہ سب کر رہا ہے۔'' عکس نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''suspend (معطل) میں نے اسے ڈی سی آفس کی چھت پر چڑھ کر خودکشی کی دھمکی دینے پر کیا تھا۔ pay کاٹے جانے پر چھت پر چڑھ گیا تھا اور پتا نہیں کہاں سے تقریر لکھوا کر لایا تھا۔ کوئی دس صفحوں کی، وہ پڑھنا شروع کر دی تھی۔'' شیر دل نے بتایا۔ ''تو میں نے اس جرم میں suspend (معطل) کیا تھا اسے۔''

''اب بھی یہی کر رہا ہے وہ...... لیکن زبانی کر رہا ہے تقریر۔'' وہ صورتِ حال مضحکہ خیز تھی نہیں لیکن اب لگنے لگی تھی۔

''تم کیا کر رہی ہو؟'' شیر دل نے جواباً پوچھا۔

''میں نے فائر بریگیڈ والوں کو بلایا ہے، سیڑھی اور نیٹ لانے کے لیے...... ایمبولینس کو بھی بلوایا ہے۔ میرا اسسٹنٹ کمشنر میگا فون پر اس سے دروازہ کھولنے اور نیچے آجانے کے لیے کہہ رہا ہے اور اب میں سوچ رہی ہوں کہ اس کی suspension (معطلی) ختم کر دوں کہ وہ نیچے تو آئے...... ابھی کوئی میڈیا ٹیم یہاں آگئی تو اور مسئلہ ہو جائے گا...... تم نے کیا، کیا تھا جب وہ اس طرح چھت پر چڑھ گیا تھا۔'' عکس نے تشویش کے عالم میں تفصیلات بتاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''میں نے اسے کہا تھا کہ کود جاؤ اور اگر پھر بھی بچ گئے تو میں تمہیں suspend (معطل) کروں گا کم از کم ایک سال کے لیے اور پھر میں اندر چلا گیا تھا۔'' عکس کو لگا وہ مذاق کر رہا ہے۔

''تم بکواس کر رہے ہو۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔ ''یہاں مجھے مصیبت پڑی ہوئی ہے تمہاری وجہ سے اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی خفا ہوئی تھی۔

''میں نے وہی کہا تھا جو میں نے تمہیں بتایا ہے۔ جو تم کر رہی ہو اس کے بعد تو وہ سارا دن چھت پر بیٹھا رہے گا اور نیچے کراؤڈ بڑھتا چلا جائے گا اور میڈیا والوں کو دیر نہیں لگے گی وہاں پہنچنے میں۔'' شیر دل نے سنجیدگی سے اس سے کہا۔

''تم نے اسے کہا کہ کود جاؤ اور وہ نیچے آگیا؟'' عکس کو اب بھی یقین نہیں آیا۔

''ہاں...... پندرہ منٹ میں نیچے آگیا تھا، اس کے بعد میں نے اسے دو دن تھانے میں رکھوایا پھر suspend کر کے گھر بھجوا دیا۔ تمہاری طرح اسے چھت پر چڑھا دیکھ کر تماشائی اکھٹے نہیں کرنے دیے...... تم عورتوں نے شہر سنبھالنا ہے......؟ ایک جیکب مسیح تو کنٹرول ہوتا نہیں تم سے۔'' شیر دل کے آخری جملے میں موجود طنز کو اس نے نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ پہلا موقع نہیں تھا جب وہ اس طرح شاونزم دکھا رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"یعنی میں اسے کہہ دوں کہ وہ کود جائے تو وہ نیچے اتر آئے گا؟" عکس نے جیسے اس سے یقین دہانی چاہی تھی۔

"ہاں...... لیکن اس سے پہلے نیچے موجود اس سارے کراؤڈ کو ہٹا دو وہاں سے۔" شیر دل نے کہا اور چند اور جملے کہہ کر عکس نے فون بند کر دیا۔ فون بند ہونے کے بعد بھی شیر دل مسلسل اسی صورتِ حال کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ تقریباً بیس منٹ بعد اس نے کچھ اضطراب اور تجسس کے عالم میں updates لینے کے لیے عکس کو دوبارہ فون کیا تھا۔ چند لمحے فون بجتا رہا لیکن اس نے کال ریسیو نہیں کی اس سے پہلے کہ وہ ایک بار پھر نمبر ٹرائی کرتا اسے عکس کا ٹیکسٹ آ رہا تھا اور ٹیکسٹ پر ایک نظر ڈالتے ہی اس کا دماغ جیسے بھک سے اُڑ گیا تھا۔

"مدد کا شکریہ...... جیکب کود گیا۔"

☆☆☆

منزہ کو شہر بانو کی آواز سن کر جتنا شاک لگا تھا اتنا ہی شاک انہیں اس کا وہ جملہ سن کر لگا تھا جو اس نے ابتدائی رسمی جملوں کے بعد یکدم منزہ سے کہا تھا۔

"میں شیر دل سے reconciliation مصالحت چاہتی ہوں، واپس آنا چاہتی ہوں۔" منزہ کچھ دیر کے لیے جیسے کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہی تھیں۔ وہ اتنے مہینوں سے ان سے بات کرنے پر تیار نہیں تھی۔ مثال کی آواز تک انہیں سنانے کو تیار نہیں تھی...... اور اب طلاق کا اپنا حق استعمال کر لینے کے بعد وہ شیر دل سے مصالحت چاہتی تھی۔ آخر بیٹھے بٹھائے ایسا کیا ہو گیا تھا کہ داؤد کے ساتھ شادی کرنے کے بجائے وہ واپس شیر دل کی طرف آنا چاہتی تھی۔ وہ طلاق کا تفویض شدہ حق استعمال کرنے کے بعد اگر واپس شیر دل کے ساتھ مصالحت کرنا چاہتی تو کر سکتی تھی کیونکہ ان کے درمیان علیحدگی تفویض شدہ طلاق کے ساتھ ہوئی تھی اور وہ بھی ایک طلاق کے ساتھ...... مرد کی طرف سے تین بار دے دی جانے والی تین طلاقوں کے ساتھ نہیں۔ شہر بانو چاہتی تو اس طلاق کو واپس لے کر حلالہ کے بغیر شیر دل کے ساتھ دوبارہ صرف نکاح کر کے رہ سکتی تھی اور ان دونوں کی طلاق ہو جانے کے بعد بھی منزہ کچھ عرصہ یہ کوشش کرتی رہی تھیں کہ شہر بانو اس طلاق کو واپس لے لے اور شیر دل کے ساتھ مصالحت کر لے۔ یہ صرف شرمین کا اعلان تھا کہ وہ داؤد کے ساتھ شہر بانو کی شادی کرنے والی تھیں جس کے بعد منزہ نے مصالحت کی کوششوں کو بالآخر بے حد مایوسی کے عالم میں ترک کر دیا تھا۔

اور اب اتنے مہینوں کے بعد جب وہ عکس اور شیر دل کی شادی طے کر آئی تھیں تو شہر بانو ایک بار پھر ان کے خاندان میں لوٹنے پر تیار ہو گئی تھی اور اس کی آفر نے منزہ کو یک دم بہت مشکل میں ڈال دیا تھا۔

"شرمین نے بتایا تھا کہ تم داؤد کے ساتھ شادی کرنے والی تھیں؟" منزہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

"اب نہیں کر رہی۔" اس نے جواباً کہا۔ منزہ کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ اس سے مزید کیا کہیں۔ شہباز حسین کی اکلوتی اولاد اور نشانی ہونے کی وجہ سے شہر بانو انہیں ہمیشہ عزیز تھی۔ شیر دل کے ساتھ اس کی شادی پر وہ اس سے زیادہ وہ خوش تھیں اور ان دونوں کے درمیان ہمیشہ سے بہت (قربت) closeness رہی تھی۔ شہر بانو ایک بار پاکستان آ جانے کے بعد شرمین کے بجائے منزہ پر زیادہ rely (انحصار) کرنے لگی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مصالحت کا فیصلہ کرنے کے بعد شیر دل کو فون کرنے کے بجائے اس نے منزہ کو فون کیا تھا۔

"تمہیں میں نے کتنا سمجھانے کی کوشش کی تھی، کتنا منع کیا تھا کہ چلو ناراضی ٹھیک ہے، میاں بیوی میں ہو جاتی ہے تم کچھ وقت گزرنے دو لیکن اتنا بڑا قدم نہ اٹھاؤ...... تم نے میری کسی بات کی پروا نہیں کی۔ شرمین کی طرح سوچے سمجھے بغیر جو دل میں آیا کرتی چلی گئیں۔ اس نے بھی شہباز سے اختلافات کے بعد اپنا ابارشن کروا لیا تھا۔ divorce تو چلو جو ہونی تھی ہوئی لیکن اس بچے کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ تم نے بھی یہی کیا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ شیر دل مثال کے بغیر نہیں رہ سکتا، وہ اس سے بُری طرح اٹیچڈ ہے تم بیٹی کو لے گئیں اور وہ بھی اس طرح کہ تم نے نہ ہمیں، نہ شیر دل کو اس سے ملنے دیا، شکل تک دیکھنے کے لیے ترسا دیا تم نے۔" شہر بانو خاموشی سے منزہ کے گلے شکوے سنتی رہی اسے اندازہ تھا کہ یہ ساری گفتگو اور باتیں اسے سننی پڑیں گی۔ بعض دفعہ ہم کسی کی ایک بات سننے پر تیار نہیں ہوتے اور پھر ہمیں زندگی کبھی اتنا مجبور کر دیتی ہے کہ ہم اسی شخص کی ہزار باتیں سننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

"تم نے یہ بھی نہیں سوچا کہ تمہاری اس جذباتیت سے شیر دل کی زندگی کس طرح متاثر ہو گی امریکن ایمبیسی کو اس طرح

انوالو کر کے تم نے شیر دل اور ہماری فیملی کو سوشل اور پروفیشنل سرکلز میں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ شیر دل نروس بریک ڈاؤن کی وجہ سے مرتے مرتے بچا ہے...... کوئی چھوٹا mess تو create نہیں کیا تم نے ہمارے لیے۔" شہر بانو کو عجیب سا اضطراب ہوا۔

"نروس بریک ڈاؤن......" شیر دل اتنا کمزور تو نہیں تھا یا شاید اس نے اسے ضرورت سے زیادہ مضبوط سمجھ لیا تھا۔

"اب وہ ٹھیک ہے؟" اس نے یک دم منزہ کو ٹوک کر پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہے لیکن جو مہینے میں نے اسے سنبھالتے گزارے ہیں، وہ میں ہی جانتی ہوں اور خدا نہ کرے کسی ماں کو اپنی اولاد کو اس طرح تکلیف میں دیکھنا پڑے۔"

"میں نے جو بھی کیا میں اس کے لیے بہت شرمندہ ہوں اور مجھے افسوس ہے۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں مجھے اتنی جلد بازی میں اتنے بڑے بڑے فیصلے نہیں کرنے چاہیے تھے لیکن بس غصے میں بعض دفعہ انسان کو کچھ سمجھ نہیں آتا۔" شہر بانو نے جیسے کچھ بے بس انداز میں اعترافِ ندامت کیا تھا۔ اسے کم از کم اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی جھجک نہیں تھی کہ اس نے شیر دل کو ہر طرح سے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ اس نے اس بات کی پروا نہیں کی تھی کہ وہ جس طرح اس کا گھر چھوڑ کر جا رہی ہے اس سے شیر دل کو لوگوں کا سامنا کرنا مشکل ہو جائے گا اور اب جب وہ اپنے لائے ہوئے طوفان کے گزر جانے کے بعد ہونے والی تباہی دیکھ رہی تھی تو وہ پہلی بار ندامت کا شکار ہو رہی تھی۔ وہ وجۂ تنازعہ جس پر اس نے اتنا بڑا طوفان اٹھایا تھا اب اتنی infuriating (طیش میں لانے والی بات) نہیں لگ رہی تھی بلکہ بچکانہ لگ رہی تھی۔

"اچھی بات ہے تم شرمندہ ہو لیکن اب کچھ ہو نہیں سکتا۔ شیر دل کی شادی طے کر دی ہے میں نے...... اگلے مہینے ایک سادہ سی تقریب میں نکاح ہے اس کا۔" شہر بانو کو توقع ہونی چاہیے تھی کہ اگر وہ move on کر رہی تھی تو یہ کام شیر دل بھی کر سکتا تھا...... وہ اس کی زندگی سے نکل رہی تھی تو وہ اس جگہ کو کسی دوسری عورت سے پُر کر دیتا...... وہ پھر بھی چند سیکنڈز کے لیے جیسے سانس لینا ہی بھول گئی تھی۔ شیر دل اپنی زندگی میں کسی اور عورت کو لا رہا تھا۔ اسے جیسے یقین نہیں آیا تھا۔ عجیب بچکانہ جذباتیت کا شکار ہوئی تھی وہ...... شیر دل وہ کھلونا تھا جسے اس نے پھینک دیا تھا لیکن اب (محض خیال ہی میں) کسی دوسرے کو اس کھلونے سے کھیلتے ہوئے دیکھ کر اسے یک دم وہی کھلونا اچھا لگنے لگا تھا...... وہی کھلونا چاہیے تھا۔ منزہ نے دانستہ اس کے سامنے یہ انکشاف کرتے ہوئے عکس کا نام نہیں لیا تھا اور شاید زندگی میں پہلی بار عقل مندی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"میں پھر بھی یہ کہوں گی کہ تم شیر دل کو فون کرو...... اس سے بات کرو...... اگر کوئی ایسا حل نکل آتا ہے کہ تم اور وہ دونوں اکٹھے رہ سکو تو یہ مثال کے لیے بہت اچھا ہے لیکن ایسا کوئی حل شیر دل ہی نکال سکتا ہے، میں کچھ نہیں کر سکتی...... تم پاکستان آ جاؤ تو شاید یہ مسئلہ جلد اور زیادہ بہتر طریقے سے حل ہو جائے...... شیر دل، مثال کو دیکھے گا تو اس کا دل بھی نرم پڑے گا۔" منزہ اسے نہ چاہتے ہوئے بھی امیدیں دلا رہی تھیں اور لاشعوری طور پر جیسے وہ، وہ کہنا شروع ہو گئی تھیں جو وہ چاہتی تھیں۔ ایک سانس میں شیر دل کی شادی کی اطلاع اور دوسری سانس میں یہ دبی ہوئی خواہش کہ ایسا نہ ہو...... اور شیر دل، شہر بانو کی طرف لوٹ جائے اور اس لاشعوری سوچ کے پس منظر میں عکس کے حوالے سے ان کی ازلی ناپسندیدگی کارفرما تھی۔ اگر ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنا لینے کا کوئی عملی مظاہرہ کرنا ہوتا تو منزہ وہ بلا مقابلہ جیت جاتیں۔ شہر بانو پر انہیں غصہ تھا، خفگی تھی...... شرمین سے انہیں نفرت تھی لیکن اس کے باوجود شہر بانو ان کے خاندان کا حصہ تھی...... ان جیسا حسب نسب رکھنے والی...... ان کا اپنا خون...... عکس ساری زندگی ان کے لیے احساسِ شکست کے سوا کچھ نہیں رہتی...... انہوں نے شیر دل کی زندگی کی خاطر اس کے سامنے جھکنا قبول کیا تھا اور اب اگر انہیں دوبارہ اس کے سامنے کھڑا ہونے کا موقع مل رہا تھا تو وہ ہر قیمت پر اس موقع کو استعمال کرنا چاہتی تھیں۔

"شیر دل کس سے شادی کر رہا ہے؟" وہ جواب جو انہوں نے خود شہر بانو کو دینے سے گریز کیا تھا وہ اس نے خود پوچھ لیا تھا۔

☆☆☆

"تم شیر دل سے شادی کر رہی ہو؟" عکس کو غنی کے غیر متوقع سوال پر کرنٹ لگا۔ اس نے کچھ دیر پہلے ہی فون کیا تھا اور دو چار ادھر ادھر کی باتوں کے فوراً بعد اس نے عکس سے یک دم یہ سوال کر دیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تم سے کس نے کہا؟" وہ جواب دینے سے ہچکچائی تھی۔ پی اے اس کی ٹیبل پر اس کے دستخط لینے کے لیے کچھ کاغذ رکھ رہا تھا۔ اس نے فون کان سے لگاتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کے لیے کہا۔ اس وقت جیکب تیج کے ساتھ معاملے کو نپٹانے میں سارا دن کھپانے کے بعد غنی کے اس سوال نے اس کے جیسے چودہ طبق روشن کردیے تھے۔ وہ خبر اگر اسلام آباد میں بیٹھے غنی تک پہنچ گئی تھی تو وہ خبر اس سے کہیں زیادہ برق رفتاری سے سفر کر رہی تھی جتنا اس نے سوچا تھا۔

"یعنی تم کر رہی ہو؟" غنی نے اس کے سوال کے جواب میں کہا۔

"ہاں۔" اس بار عکس نے بالآخر تمہید اور کسی جھجک کے بغیر کہا۔ غنی کے سامنے تمہیدوں کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"اچھا فیصلہ ہے......" اس کے اگلے جملے نے عکس کو حیران کر دیا تھا۔ وہ کم از کم غنی سے اس جملے کی توقع نہیں کر سکتی تھی۔

"اوہ...... تمہیں واقعی لگتا ہے اچھا فیصلہ ہے یا تم صرف طنز کر رہے ہو؟"

"طنز کیوں کروں گا میں...... تمہاری زندگی ہے تمہیں حق ہے اپنے بارے میں بہتر فیصلہ کرنے کا...... اور شیر دل مجھے برا لگتا ہے لیکن تمہارے لیے اچھا ہے وہ۔" غنی کا لہجہ بے تاثر تھا، وہ کوشش کے باوجود کسی قسم کا طنز یا گلہ کہیں ڈھونڈ نہ سکی تھی۔

"میں ویسے بھی بہت عرصے سے اس خبر کی توقع کر رہا تھا تم سے لیکن میں اگر حیران تھا تو صرف اس بات پر کہ شہر بانو کے ہوتے ہوئے...... تم شیر دل سے شادی کرنے پر تیار ہو گی لیکن......" غنی نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا عکس نے بے اختیار گہری سانس لی۔ بالآخر وہ کانٹا دکھنے لگا تھا جو چبھا ہوا تھا۔

"تم کیوں اس خبر کی توقع کر رہے تھے؟" اس نے بڑی سنجیدگی سے غنی سے پوچھا۔

"مجھے جواد نے تم دونوں کے بارے میں ایسی کچھ باتیں کہی تھیں جس کے بعد مجھے توقع تھی تمہاری طرف سے ایسی کسی خبر کے آنے کی۔ میں نے جواد سے تب صرف اس لیے بات کی تھی کہ اگر ممکن ہو سکے تو میں تم دونوں کے درمیان Patchup کرا سکوں۔ تمہیں تو پتا ہے ناں، اس کی فیملی کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں...... لیکن جواد نے جوابا جو کچھ بتایا اس کے بعد مجھے لگا کہ اس کے ساتھ منگنی ختم کرنا تمہاری خواہش تھی، اس کی نہیں۔" عکس خاموشی سے اس کی بات سنتی رہی وہ اگرچہ کچھ تلخ باتیں کہہ رہا تھا لیکن اس کا انداز دوستانہ تھا۔ تلخی نام کی کوئی شے اس میں نہیں تھی۔ عکس نے اس کی بات ختم ہونے پر بڑی متانت سے اس سے کہا۔

"میں جواد کی کسی بات پر Comment نہیں کروں گی کیونکہ جواد کی بات پہ تبصرہ کرنا بیکار ہے۔ لیکن میں اس بات پر ضرور حیران ہوں کہ تم دوست ہوتے ہوئے بھی جواد کی یہ ساری باتیں سن کے مجھ سے بات کرنے کے بجائے خاموش رہے۔ کم از کم تمہیں اس وقت مجھ سے پوچھنا تو چاہیے تھا کہ میں نے تمہارے بارے میں یہ سنا ہے۔ بیٹھے بٹھائے خود سے کچھ بھی assume کر لینا کم از کم مجھے تم سے اس چیز کی توقع نہیں تھی۔" غنی نے بھی اس کی بات اسی خاموشی سے سنی تھی جس طرح وہ اس کی بات سنتی رہی تھی۔

"تمہارا ذاتی مسئلہ تھا اور میں اگر حیران تھا تو صرف اس بات پہ کہ بیٹھے بٹھائے تمہیں شیر دل سے شادی کرنے کا شوق کیسے پیدا ہو گیا۔ اگر ایسا کچھ تھا تو تمہیں بہت پہلے اس سے شادی کر لینی چاہیے تھی جب ابھی وہ غیر شادی شدہ تھا۔" جب عکس نے اپنی بات ختم کر لی تو غنی نے کہا۔

"اس کی شادی میری وجہ سے ختم نہیں ہوئی تھی۔" عکس نے بڑی سنجیدگی سے اس سے کہا۔ "کم از کم میرے اور شیر دل کے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں تھا جسے بنیاد بنا کر اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہوتی۔ لیکن میں یہ مانتی ہوں کہ شہر بانو میرے حوالے سے کچھ خدشات کا شکار ہوئی، یا شاید مجھے یہ کہنا چاہیے کہ وہ کچھ غلط فہمیوں کا شکار ہوئی...... میں directly نہ سہی لیکن Indirectly ان دونوں کی شادی ختم ہونے کا باعث بن گئی اور مجھے اس کا افسوس بھی ہے۔"........ غنی نے اس کی بات کاٹی۔

"یار! چھوڑو اب اس سارے افسوس وغیرہ کو، ان دونوں کی طلاق ہو گئی، بات ختم ہو گئی۔"

"بات ختم نہیں ہوئی، ختم ہو بھی جائے، تو بھی اس کی بازگشت بہت دیر تک گونجتی رہتی ہے۔ جس طرح تم نے منہ اٹھا کے کہہ دیا کہ تم شیر دل اور میرے بارے میں بہت دیر سے جانتے تھے اور سوچ رہے تھے کہ ہم دونوں عنقریب شادی کر لیں گے۔ اس طرح اور بھی ڈھیروں لوگ یہاں اسی طرح کی باتیں سوچ اور کر رہے ہوں گے۔" عکس نے اس سے کہا۔

"تو کیا فرق پڑتا ہے؟ تمہیں کیا لگتا ہے کہ افواہیں صرف تب پھیلتی ہیں جب واقعی کچھ ہو رہا ہو؟ ایسا نہیں ہے۔ کوئی بات نہ ہو تب بھی بہت باتیں کی جا سکتی ہیں اور بہت باتیں بنائی جا سکتی ہیں۔ یہ انسانوں کی پسندیدہ activity ہے۔ ویسے بھی جو قوم جتنی فارغ ہو، اس کے پاس بات کرنے کے لیے اتنا ہی زیادہ فالتو وقت ہوتا ہے تمہیں پروا کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔" غنی نے بے پروائی سے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"تم مجھے سپورٹ کیوں کر رہے ہو؟ اس مسئلے پر؟" عکس تھوڑا سا مسکرائی۔

"تمہیں، غلط فہمی بالکل نہیں ہونی چاہیے کہ میں تمہیں سپورٹ کر رہا ہوں۔ تم نے کون سا مجھ سے پوچھ کے شادی کا فیصلہ کیا ہے۔ تم تو سب کچھ مجھ سے اس طرح چھپائے ہوئے تھیں جیسے مجھے کبھی کچھ پتا ہی نہیں چلے گا لیکن دیکھ لو، میں جانتا ہوں اور بہت دیر سے جانتا ہوں۔"

"تم جانتے ہو، تو اور لوگ بھی جانتے ہوں گے، ہمارے batch mates میں سے۔" عکس نے اس کی بات غور سے سنتے ہوئے اس سے کہا۔

"یقیناً جانتے ہوں گے تو کیا ہوا؟ تم خائف کیوں ہو اس بات سے؟" غنی ایک لمحے کے لیے رکا، پھر اس نے کہا۔

"خائف ہونے والی بات ہے، اس لیے خائف ہوں۔" اس کی بات سن کر عکس نے ایک گہری سانس لی اور کہا۔

"تم سول سروس میں جس سے بھی شادی کرتیں، تمہارے بارے میں کچھ نہ کچھ افواہیں بنتی۔ کہیں باہر کرتیں تو شاید بچ جاتیں۔ اب شیر دل کے ساتھ کر رہی ہو تو بھی تھوڑی بہت باتیں تو ضرور ہوں گی۔ ہم فرشتے نہیں ہیں، جن کے بارے میں لوگ بات نہ کریں اور اگر کریں تو ہمیشہ اچھی بات ہی کریں۔ شیر دل کی شادی ختم ہونے کی جو بھی وجوہات ہوں لیکن وہ ختم ہو گئی ہے۔ اس لیے تم شہر بانو اور شیر دل کے بریک اپ کو اپنے اعصاب پر سوار کیے بغیر اس رشتے کو شروع کرو۔" وہ بڑی سنجیدگی سے اسے نادانستگی میں بہت ساری ایسی چیزیں سمجھا گیا تھا جو عکس کو کسی دوسرے سے سمجھ میں نہ آتیں۔

"تمہیں شادی کی خبر کس نے دی ہے؟" عکس نے پوچھا۔

"شیر دل نے ایک دو batch mates سے ذکر کیا ہے کل۔ مجھے انہی میں سے ایک سے پتا چلا تو میں نے تڑپ کے تمہیں فون کیا۔ آخر تم میرے ساتھ بے وفائی کیسے کر سکتی ہو؟"

"اس طرح کی باتیں کسی دوسرے کے سامنے کی ناں تم نے تو شیر دل تک بھی پہنچیں گی۔ اس کے بعد تم خود اندازہ لگا سکتے ہو، کہ وہ کیا کرے گا تمہارے ساتھ۔" وہ اس کے آخری جملے پہ ہنس پڑی تھی۔

"میں اپنے جذبات کا اظہار بھی نہیں کر سکتا کیا؟ اور شیر دل کی دھمکیاں دینا بند کر دو۔" غنی نے مصنوعی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"تم اپنے جذبات کا اظہار اپنی بیوی سے جا کے کیا کرو یا پھر میں خود تانیہ کو فون کر کے تمہارے جذبات پہنچاؤں اس تک؟" عکس نے جواباً کہا۔

"تم اب مجھے میری بیوی سے جوتے پڑوانا چاہتی ہو۔ اسے پہلے ہی تم سے شدید قسم کی insecurity ہے۔" غنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس insecurity کی وجہ تم خود ہو اور دس دفعہ تو تمہاری بیوی خود مجھ سے کہہ چکی ہے کہ میں بڑی سمجھدار اور خوش قسمت تھی کہ غنی کی کوشش کے باوجود اس سے شادی نہیں کی۔ کاش وہ بھی ایسی عقل مندی کا مظاہرہ وقت پر کر دیتی۔" غنی نے اس کی بات سے ذرہ برابر بھی متاثر ہوئے بغیر کہا۔

"وہ ہر اس لڑکی سے ایسی ہی باتیں کرتی رہتی ہے جس کے بارے میں اسے تھوڑا سا بھی یہ شک ہو کہ میں کبھی اس کو پسند کرتا تھا۔ عورتوں کی عادت ہوتی ہے ایک دوسرے کے سامنے اس طرح کی باتیں کرنے کی۔"

"تانیہ کے سامنے تمہاری بولتی بند ہو جاتی ہے یہ مثالیں اس کے سامنے کبھی نہیں سنیں تمہارے منہ سے۔" عکس نے اسے tease کیا تھا۔

"میں بے وقوف نہیں ہوں صرف شوہر ہوں۔" غنی نے مسکراتے ہوئے کہا ساتھ ہی اس سے پوچھا۔ "اس کی فیملی تمہیں قبول کرے گی؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

”اس کی فیملی ہی نے initiate کیا ہے یہ جو کچھ بھی ہوا ہے۔“ عکس بھی سنجیدہ ہوگئی۔

”یہ سب کچھ ویسے بہت ناقابلِ یقین ہے۔“ غنی نے کہا۔

”کیوں......؟“ وہ غنی کی بات کے جواب میں کہنا چاہتی تھی کہ تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن وہ جواباً سوال کر بیٹھی تھی۔

”are you sure کہ اس شادی کے پیچھے کوئی اور مقصد نہیں ہے؟“ غنی اگر ایسا سوچ رہا تھا تو اتنا غلط نہیں سوچ رہا تھا۔ جو خاندان اپنی ناک پر مکھی بھی نہیں بیٹھنے دیتا ہو وہ یک دم آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے پر تیار ہو جائے تو یہ بات کسی کو بھی شک وشبہ اور اچنبھے میں ڈال سکتی ہے۔

”قسمت میں ہے اس لیے ہو رہا ہے یہ سب کچھ...... ان کی نیت اور ارادے پر تو مجھے کوئی شک نہیں۔“ عکس نے اپنی ہونے والی سسرال کی حمایت کی۔

”شیر دل کا بہت بڑا ہاتھ ہوگا انہیں قائل کرنے میں۔“ غنی نے یک دم کہا۔

”ہاں یقیناً شیر دل نے ہی قائل کیا ہوگا انہیں۔“ وہ چاہتے ہوئے بھی یہ نہیں کہہ سکی کہ یہ محبت سے زیادہ ضرورت تھی جو اس رشتے اور تعلق کے پیچھے محرکات میں سے ایک تھی۔ اسے شیر دل کی اپنے لیے فیلنگز پر کبھی کوئی شبہ نہیں رہا تھا لیکن اسے شیر دل کے ماں، باپ کے حوالے سے کوئی خوش فہمی بھی نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی شیر دل اگر اس طرح بیمار نہ پڑتا تو اس کے والدین کبھی اس رشتے پر رضامند نہیں ہوتے۔ غنی سے اس کی بہت دوستی تھی لیکن وہ غنی سے یہ سب شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ کچھ باتیں انسان اپنے آپ سے بھی نہیں کہہ پاتا خود بھی جھٹلاتا رہتا ہے وہ بھی ایسی ہی بے قدری کی ایک بات تھی جو وہ کسی دوسرے سے نہیں کہنا چاہتی تھی خاص طور پر اس خاندان کے ایک شخص سے جو شیر دل اور اس کے خاندان کا rival تھا۔

”شیر دل سے شادی کے ساتھ ہی یقیناً تمہاری اور میری دوستی کا خاتمہ بھی ہو جائے گا۔“ غنی نے بالآخر اس خدشے کا اظہار کیا جسے ڈسکس کرنے کے لیے اس نے اسے فون کیا تھا۔

”کیوں...... بیٹھے بٹھائے یہ دوستی کا کیا مسئلہ ہو گیا تمہیں؟“ عکس ہنس دی تھی اسے اچانک احساس ہوا غنی کے خدشات کچھ ایسے غلط بھی نہیں تھے۔

”مجھے بیٹھے بٹھائے کوئی مسئلہ نہیں ہوا...... تمہیں ہونے والا ہے بلکہ تمہیں نہیں، تمہارے ہونے والے شوہر کو ہونے والا ہے۔“ غنی نے بہت جتانے والے انداز میں کہا۔

”شیر دل میچور ہے۔“ عکس نے بہت گھما کر بات کی تھی۔ غنی جواباً قہقہہ مار کر ہنسا۔

”تم ایک انتہائی خبیث آدمی ہو۔“ وہ بھی کچھ شرمندہ انداز میں ہنس دی۔

”شیر دل سے بہت کم“ غنی نے ترکی بہ ترکی کہا۔

”تم جسے خبیث کہہ رہے ہو وہ میرا ہونے والا شوہر ہے۔“ وہ خفا ہوئی تھی۔

”اور میں تمہارے ہونے والے شوہر کو تب سے جانتا ہوں جب اسے جوتے کے laces تک ٹھیک سے باندھنے نہیں آتے تھے خیر وہ تو شاید اب بھی ٹھیک سے نہ باندھ سکے اگر laces والے شوز پہننے پڑ جائیں تو......“ غنی نے بے حد اطمینان سے کہا تھا۔

”تم اگر اس طرح کی باتیں کیا کرو گے اب میرے ساتھ تو تمہاری اور میری دوستی واقعی نہیں رہے گی۔“ اس بار عکس اس کے مذاق سے محظوظ نہیں ہوئی تھی۔

”مجھے اسی بات کا خدشہ ہے کہ اب تم شاہ سے زیادہ شاہ کی وفادار بننے کی کوشش نہ کرنے لگو۔“ غنی نے اسی انداز میں کہا تھا۔

”غنی تم میرے اچھے دوست ہو اور میں کبھی تم جیسے دوست کو کھونا نہیں چاہوں گی، تمہیں خائف ہونے یا خدشات کا شکار ہونے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ شیر دل سے شادی ہو جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مجھے ہر اس شخص سے بات کرنے سے منع کر دے گا جسے وہ پسند نہیں کرتا۔“ اس نے بہت نرمی اور متانت سے غنی کی بات کے جواب میں اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ”لیکن جہاں تک وفاداری کا سوال ہے تو ظاہر ہے شوہر کے طور پر اس کے ساتھ میری وفاداری کی نوعیت کسی دوست کے ساتھ وفاداری کی نوعیت سے مختلف ہو جائے گی اور میں چاہتی ہوں تم بھی اس معاملے پر اتنی ہی سمجھداری کا مظاہرہ کرو جتنا

تم شیر دل سے چاہتے ہو۔“ وہ کہتی گئی تھی۔ ”تم دونوں کے خاندان کے درمیان ماضی میں کیسے اختلافات رہے ہیں اور تم اور شیر دل ایک دوسرے کو کیوں پسند نہیں کرتے مجھے اس سب کی تاریخ جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہی میں جاننا چاہتی ہوں۔“ اس نے بات ختم کی۔

”تم سیریس ہو گئیں میں مذاق کر رہا تھا۔“ غنی نے یک دم اس سے کہا۔

”میں چاہتی ہوں اب تم اپنے تمام jokes میں سے شیر دل کو نکال دو...... دنیا میں اور بہت سی چیزیں اور لوگ اس سے زیادہ funny ہیں تم چاہو تو میں کچھ لوگوں کے نام تمہیں بتا سکتی ہوں۔“ وہ بہت سہولت سے گفتگو کو اس موضوع سے ہٹا لے گئی تھی جس پر وہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ غنی نے بھی موضوع بدلنے دیا تھا۔ وہ شیر دل کا خیر خواہ مر کے بھی نہیں ہو سکتا تھا لیکن وہ عکس کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا اور یہ بات عکس جانتی تھی عجیب بات تھی، لیکن زندگی میں اس کی ساری دوستیاں ہمیشہ لڑکوں سے ہی ہوتی رہی تھیں...... کم دوستیاں لیکن بہت مضبوط اور قابلِ بھروسا تعلقات...... اسکول میں پھر بھی کسی حد تک اس کی کچھ چھوٹی موٹی دوستیاں لڑکیوں سے رہی تھیں لیکن میڈیکل کالج، اکیڈمی اور پھر جاب میں آنے کے بعد اس کے دوستوں کا سب سے قریبی سرکل مردوں پر مشتمل رہا تھا۔ کئی بار اس نے بیٹھ کر اس چیز analyse بھی کیا تھا اور ہر بار اسے اس کی ایک ہی وجہ سمجھ آئی تھی...... خیر دین...... اس کی زندگی پر حلیمہ کے بجائے خیر دین کا اثر رہا تھا۔ اس کا پورا بچپن ایک مرد کے گرد گھومتا رہا تھا۔ جو اس کے ساتھ صرف ایک خونی رشتہ نہیں رکھتا تھا بلکہ اس کا بہترین دوست اور استاد بھی تھا اور جس نے اسے زندگی میں کبھی انسانوں کو صنف کی بنیاد پر تعصب کا شکار ہونے نہیں دیا تھا جس نے اچھائی اور برائی کے بارے میں بات کرتے وقت اس کے سامنے ہمیشہ انسانوں کی اچھائی اور برائی کی بات کی تھی مردوں یا عورتوں کی نہیں، اپنی زندگی میں مردوں سے ہونے والے تمام تلخ تجربات کے باوجود اگر عکس مراد علی کے لیے کوئی رول ماڈلز رہے تھے تو مرد ہی رہے تھے...... خیر دین کی شکل میں، میڈیکل کالج کے پروفیسرز کی شکل میں...... اکیڈمی میں انسٹرکٹرز اور پروفیشنل لائف میں سینئر آفیسرز کی شکل میں...... شیر دل اور غنی کی شکل میں، چند عزیز ترین دوستوں کی شکل میں جن کے مشوروں اور رائے کو وہ ہمیشہ بہت اہمیت دیتی رہی تھی لیکن اپنی زندگی میں مردوں کی اتنی نمایاں اہمیت اور اثر ہونے کے باوجود ایک عورت کے طور پر اس نے نہ اپنی شخصیت پر صنفِ مخالف کی کوئی چھاپ لی تھی نہ وہ صنفِ نازک ہونے کی وجہ سے ذہنی طور پر کسی عدم تحفظ اور کمپلیکس کا شکار تھی۔ وہ ایک عورت اور ایک انسان کے طور پر اپنی انفرادیت کو برقرار رکھے ہوئے تھی...... اور وہ کتنا مشکل کام کر رہی تھی خود اسے بھی کبھی اس کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

کسی کی زندگی سے خود نکل جانا اور بات ہے لیکن اپنی جگہ کو بڑی آسانی سے پُر ہوتے دیکھنا اور بات...... کسی سے نفرت ہو تو بھی تکلیف ہوتی ہے اور وہ شخص جو اپنی زندگی میں آپ کو replace کر رہا ہو وہ آپ کی پہلی اور آخری محبت ہو تو پھر صرف تکلیف نہیں ہوتی...... انسان سولی پر لٹک جاتا ہے، نہ بھول سکتا ہے نہ نظر انداز کر سکتا ہے...... صبر کر لینا تو ناممکنات میں سے ہوتا ہے۔

شہر بانو بھی عکس اور شیر دل کی شادی کی خبر سن کر کچھ ایسی ہی تکلیف سے گزر رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ عکس کی جگہ شیر دل کی زندگی میں کوئی اور عورت آتی تو اس کا ردِعمل کیسا ہوتا...... تکلیف تو اسے یقیناً تب بھی ہوتی لیکن یہ غصہ اور غم جو وہ اپنی چیز اس شخص کی ہوتی دیکھ کر محسوس کر رہی تھی جس سے اس نے زندگی میں سب سے زیادہ نفرت کی تھی...... یہ غصہ شاید وہ تب محسوس نہ کرتی وہ شیر دل کو چھوڑتے ہوئے اسے option دے آئی تھی کہ وہ عکس سے شادی کر لے کیونکہ وہ اس سے نہیں عکس ہی سے محبت کرتا تھا لیکن اب جب وہ ہونے جا رہا تھا تو وہ عجیب صدمے اور بے بسی کی کیفیت سے دوچار تھی...... کہیں نہ کہیں اسے امید تھی کہ اس ایشو پر اس کی طلاق ہونے کے بعد شیر دل کسی سے بھی شادی کرتا لیکن عکس سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔ کہیں نہ کہیں اسے یقین تھا منزہ اور بختیار کبھی عکس کو اپنی بہو بنانے پر رضامند نہیں ہو سکتے تھے خاص طور پر اس بیک گراؤنڈ اور اس ٹریجڈی کے بعد جس کا ایک کردار اگر عکس تھی تو دوسرا کردار شہباز حسین تھا...... اس کا باپ...... منزہ کا اکلوتا بھائی...... اس خاندان کو چھوڑ آنے کے باوجود وہ یہ توقع کر رہی تھی کہ وہ اپنوں اور غیروں میں فرق رکھیں گے...... جنہیں وہ ناپسند کرتی تھی وہ سب بھی ان کے لیے اتنی ہی ناپسندیدگی اور بے مہری رکھیں گے...... اور اب جب سب کچھ اس کی توقعات اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

اندازوں کے برعکس ہوا تھا تو وہ سکتے سے زیادہ صدمے میں بیٹھی تھی۔

غلط توقعات، غلط اندازے، غلط فیصلے اور جلد بازی ہی شہر بانو کی زندگی کو define کرتے تھے۔ ضرورت سے زیادہ حساسیت اور انا پرستی وہ دوسرے مسائل تھے جن سے وہ دوچار تھی اور وہ ان میں سے کسی ایک خامی کو بدلنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی کیونکہ وہ اپنی شخصیت میں ان خامیوں کی کبھی نشاندہی کر ہی نہیں پائی تھی۔ سب سے آسان کام وہ تھا جو وہ بھی ہر بے وقوف کی طرح کرتی تھی۔ اپنی زندگی میں پیدا ہونے والے ہر مسئلے کی ذمے داری دوسروں کے سر تھوپ دینا...... خود پر ترس کھانا اور کھاتے ہی چلے جانا...... اور وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھی...... کہانی کی پرفیکٹ ہیروئن...... بے پناہ حسین، نازک، خاندانی، کمزور، بات بات پر گھبرا کر رو دینے والی، مصیبتوں میں گھری ہوئی...... اور ہمیشہ کسی ایسے شہزادے کی منتظر جو اسے اس کی زندگی کے ہر مسئلے اور مصیبت سے بچا کر اپنے ساتھ اپنے محل میں لے جاتا جہاں وہ دونوں ہمیشہ ہنسی خوشی زندگی گزارتے...... اور پڑھنے والے ایک اطمینان بھری سانس اور مسکراہٹ کے ساتھ کہانی کا آخری صفحہ پلٹ کر کتاب بند کرتے...... اور ناظرین اپنی آنکھوں میں خوشی کے آنسو لیے تالیاں پیٹ پیٹ کر اور اپنی سیٹوں سے کھڑے ہو کر سینما اسکرین پر ابھرنے والے اس خوش وخرم جوڑے کے آخری shot پر داد دیتے جس میں وہ اپنے محل کی بالکونی سے ایک دوسرے کی بانہوں میں بالکونی کے نیچے موجود لوگوں کی طرف ہاتھ ہلاتے۔

زندگی کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ہمیشہ کہانی کے آخری صفحے سے شروع ہوتی ہے اس میں بعض دفعہ شہزادے کی آمد بھی ہیروئن کا مسئلہ حل نہیں کر سکتی...... اور کئی بار محل میں پہنچ جانے کے بعد بھی ہیروئن اپنے لیے مصیبت کا انبار کھڑا کر لیتی ہے۔

شہر بانو نے بھی یہی کیا تھا اور اب وہ پچھتا رہی تھی لیکن شہزادے کی دوبارہ آمد کہیں سے ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔

''تو تم اب کیا کرنا چاہتی ہو؟'' شرمین نے یہ سب کچھ جاننے کے بعد اس سے پوچھا تھا۔ شہر بانو کو کم از کم ماں کو اپنی mental anguish (ذہنی اذیت) کے بارے میں بتانے کے لیے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا چہرہ اور پورا وجود یہ بتا رہا تھا۔

''میں شیر دل سے پھر بھی رابطہ کروں گی شادی کے لیے نہیں...... لیکن میں چاہتی ہوں مثال اس سے ملتی رہے۔'' زندگی میں شاید پہلی بار اس نے کوئی صحیح فیصلہ کیا تھا اور شرمین نے اسے ٹوکا نہیں تھا اس نے بس ایک سوال کیا تھا۔

''مثال سے کیسے ملے گا وہ؟ وہ یہاں آ نہیں سکتا...... تو کیا تم وہاں جاؤ گی؟ اور اگر جاؤ گی تو پھر داؤد اعتراض کر سکتا ہے۔''

☆☆☆

''I am so sorry میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح کی حرکت کر سکتا ہے۔ میرا مطلب ہے میں یہ سمجھ نہیں پا رہا کہ اتنی جرات کیسے آ گئی اس میں، صبح سے اسی ایک بات کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔'' ایبک شیر دل بہت معذرت خواہانہ انداز میں اس سے کہہ رہا تھا۔ وہ تحمل سے اس کی بات سنتی رہی وہ اس وقت ڈنر کرنے کے بعد اپنے بیڈ روم میں آئی تھی جب شیر دل نے اسے کال کیا تھا۔ اس نے آفس میں بھی کئی بار اسے فون کیا تھا لیکن عکس اس قدر مصروف اور الجھی ہوئی تھی کہ اس نے شیر دل کی کال نہیں لی۔ شیر دل کو لگا کال نہ لینے کی وجہ اس کا وہ مشورہ تھا جو عکس کو مہنگا پڑ گیا تھا۔ وہ اس لیے بھی کچھ panicked (پریشان) تھا کہ اس نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ کودنے کے بعد جیکب مسیح کا کیا بنا...... اس کے بہت دفعہ کے text کے بعد بھی عکس نے اسے جواب نہیں دیا تھا اور اس کی خاموشی نے شیر دل کو کچھ پریشان کر دیا تھا۔ ڈی سی آفس کی چھت سے کود کر کسی کا مر جانا اس صورت میں اور بھی سنگین معاملہ تھا اگر یہ ردعمل ڈی سی کے کود جاؤ...... کے اعلان کے بعد ہوا تھا...... اور خاص طور پر ایک خاتون آفیسر کی طرف...... عکس کے جواب نہ دینے کے باوجود اس نے اپنے اسٹاف کے ذریعے یہ معلوم کر لیا تھا کہ جیکب مسیح خودکشی کی اس کوشش کے باوجود زندہ سلامت تھا اور شیر دل نے اس خبر کے ملنے کے بعد جیسے سکون کی سانس لی تھی لیکن اس کے باوجود عکس سے بات کر کے معذرت کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

''تو کیا نتیجہ اخذ کیا تم نے اتنی لمبی سوچ بچار کے بعد؟'' اس کا لب ولہجہ طنزیہ نہیں تھا لیکن شیر دل جانتا تھا کہ وہ طنز ہی تھا۔

''میرا خیال ہے وہ کسی عورت کی طرف سے کہے ہوئے اس چیلنج کو برداشت نہیں کر سکا اگر تمہاری جگہ کوئی مرد اسے یہ

کہتا تو وہ کبھی نہ کودتا لیکن...... تم نے کہا تو اس کے لیے یہ عزت کا مسئلہ بن گیا۔'' شیر دل نے سنجیدہ لہجے میں مذاق کیا تھا۔

''مجھے تم سے اسی طرح کے نتیجے کی امید تھی۔'' عکس نے اسی تحمل سے کہا۔

''یار مذاق کر رہا ہوں میں۔'' شیر دل فوراً سنبھلا تھا اسے احساس ہوا شاید یہ کوئی زیادہ مناسب موقع نہیں تھا ایسی بات کے کہنے کا۔

''ویسے for you kind information میں نے تمہارے مشورے پر عمل نہیں کیا تھا۔''

''اوہ اچھا تو میں خواہ مخواہ شرمندہ ہو رہا ہوں۔'' شیر دل یک دم مطمئن ہوا تھا۔ ''لیکن پھر کیوں کودا وہ؟''

''کیونکہ وہ کودنے ہی آیا تھا...... بچ اس لیے گیا کیونکہ نیچے فائر بریگیڈ والوں نے net لگایا ہوا تھا۔ they scooped him in time'' وہ اب اسے بتا رہی تھی۔ ''لیکن میں نے بہرحال اسے جاب پر بحال کر دیا ہے۔''

''ویری گڈ...... اب تم دیکھنا جس کے خلاف بھی کوئی disciplinary action (تادیبی کارروائی) ہو گی وہ سیدھا تمہارے آفس کی چھت پر اسی کام کے لیے پہنچ جائے گا۔'' شیر دل نے ناپسندیدگی سے کہا۔

''اب تم کہہ دو poor woman, poor management۔'' عکس نے بے ساختہ کہا۔ وہ جواباً ہنس دیا۔

''تم ہر بات کو اب زیادہ ہی دل پر لینے لگی ہو۔'' وہ اب ہلکی پھلکی گفتگو کرنے لگا تھا۔

''ہاں دماغ نے کام کرنا چھوڑا ہوا ہے میرے آج کل...... اس لیے دل پر بوجھ ڈال دیا ہے سارا۔'' اس نے جواباً کہا۔

''ویسے بھی تم ہو ناں دماغ استعمال کرنے کے لیے...... آج کل بہت سارے نئے نئے کاموں میں دماغ لگا رکھا ہے تم نے۔'' عکس نے دوسرے جملے میں اسے چوٹ کی تھی۔ شیر دل کو ریفرنس بوجھنے میں سیکنڈز لگے۔

''بعض ''نئے کام'' بہت پہلے ہو جاتے تو نہ تمہارا دماغ کام کرنا چھوڑتا نہ میرا دل۔''

''ساری عمر تم مجھے اسی ایک بات کے طعنے دو گے۔'' وہ ہنس پڑی تھی۔

''میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔''

''نانا کے پاس آنے سے پہلے تمہیں مجھ سے بات کرنی چاہیے تھی۔ مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا...... تم نے میرے لیے بہت مشکل صورتِ حال پیدا کر دی ہے۔'' شیر دل اس کی بات کے جواب میں کچھ دیر خاموش رہا۔

''اب کوئی فائدہ ہے ان باتوں کا...... دوبارہ زیرو سے بات شروع کریں کیا؟'' پھر ایک گہری سانس لے کر شیر دل نے کہا۔

''ہاں، اب کوئی فائدہ نہیں ہے ان باتوں کا۔ نانا نے ہاں کی ہے میں ان کی بات نبھاؤں گی۔'' اس نے جواباً کہا۔

''اوہ...... صرف نانا کی بات نبھاؤ گی...... ورنہ تو تمہیں مجھ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے...... نہ پہلے تھی...... نہ اب ہے...... نہ آئندہ ہو گی۔'' شیر دل کے لہجے میں شکوہ نہیں تھا تلخی تھی اور عکس حیران رہ گئی تھی، وہ چھوٹی سی بات پر تلخ ہو جانے کا عادی نہیں تھا یہ ایک نئی عادت تھی اس کی یا حالات کا نتیجہ...... چند لمحوں کے لیے عکس کو واقعی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔

''تم اظہارِ محبت چاہتے ہو مجھ سے؟'' اس نے چند لمحوں کے بعد...... مدھم آواز میں کہا۔

''تمہیں اعتراض ہے کیا؟'' اس نے جواباً کہا۔ عکس نے جواب نہیں دیا۔ کہنے کو بہت الفاظ تھے عکس کے پاس پر کہہ دینے کی ہمت نہیں تھی۔

''تم بہت بڑی قربانی دے رہی ہو میرے لیے۔'' شیر دل نے چند لمحوں بعد کہنا شروع کیا۔ ''زندگی میں ایک بہت مشکل موڑ پر میرا ساتھی بننے کا فیصلہ کیا ہے، وہ بھی میرے بارے میں سب کچھ جاننے کے باوجود...... ایک بہتر آپشن کو چھوڑ کر تم میری طرف آ رہی ہو اور میں اس کی بہت قدر کرتا ہوں۔'' وہ خاموشی سے اس کی بات سنتی رہی، اس کے لہجے میں تھکن تھی یا شاید اداسی تھی اور عکس کو حیرت نہیں ہوئی تھی۔ زندگی کا ساتھی دوسری بار چننا اور اس طرح چننا کسی کے لیے بھی بہت خوشگوار فیصلہ نہیں ہوتا۔

اس کائناتِ محبت میں ہم مثلِ شمس و قمر کے ہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

اک رابطہ مسلسل ہے اِک فاصلہ مسلسل ہے
میں خود کو بیچ دوں پھر بھی میں تجھ کو پا نہیں سکتا
میں عام سا ہمیشہ ہوں تو خاص سا مسلسل ہے

وہ خاموش ہو گیا تھا۔ وہ بھی خاموش ہی رہی تھی۔ زندگی واقعی بہت عجیب چیز ہے...... کہاں کب کس کو کس سے کیسے ملاتی ہے اور ملا سکتی ہے انسان عقل کی ساری گتھیاں سلجھالے پھر بھی جان نہیں پاتا...... جان سکتا ہی نہیں۔

ہم اپنی زندگی میں پسند اور ناپسند کے گوشوارے میں جو جو کچھ تحریر کرتے ہیں وہ اپنی جگہ بدلتا رہتا ہے ان دونوں کی زندگی میں بھی کوشش کیے بغیر ہی بدل گیا تھا...... کوئی تکلیف سے گزرا تھا اور کوئی تعجب سے گزر رہا تھا...... پر کہیں بھی کچھ بھی رکتا ہی نہیں، نہ وقت، نہ موسم، نہ ہوا نہ آنکھ کا پانی۔

''تم رو رہی ہو؟'' کسی سسکی ہچکی یا آواز کے بغیر بھی شیر دل نے اس کی آنکھوں کی نمی دیکھ لی تھی۔

''ہاں......'' اس نے بھرائی ہوئی مدھم آواز میں کہا۔

''بہت اچھا کر رہی ہو صرف یہ ایک خصوصیت ہے جس کی وجہ سے تم مجھے کیوٹ لگتی تھیں۔'' بڑے اطمینان سے کہے ہوئے اس جملے پر وہ روتے روتے ہنس پڑی تھی۔

''میں بیوی بننے کے بعد تمہیں رُلا بھی سکتی ہوں، عورتوں کی یہ خصوصیت بھی ہے مجھ میں۔'' اس نے اپنی ناک رگڑتے ہوئے شیر دل سے کہا۔

''دیکھیں گے۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔

اس رات زندگی میں پہلی بار وہ ساری رات فون پر بات کرتے رہے تھے۔ جیسے پل باندھنے، دیواریں توڑنے، رشتوں کو جوڑنے کی کوشش میں مصروف رہے...... کام مشکل تھا پر ناممکن نہیں تھا۔ وہ ملبے کے جس ڈھیر کو صاف کر کے دوبارہ عمارت بنانے کی کوشش کر رہے تھے اس کی بنیادیں پہلے سے ہی موجود تھیں صرف تلاش باقی تھی اور ان کے پاس اس کام کے لیے بہت وقت تھا۔

☆☆☆

خیر دین کو لگا اسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی تھی۔ اس عمر میں انسان اکثر اونچا سنتا ہے اور غلط بھی۔

''میں آپ کی بات نہیں سمجھا منزہ بہن۔'' اس نے جیسے تصدیق کرنے کے لیے منزہ سے دوبارہ پوچھا تھا، وہ ابھی کچھ دیر پہلے بغیر اطلاع کیے اچانک وہاں پہنچی تھیں۔ خیر دین نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا تھا اس کا خیال تھا وہ عکس کے لیے کی جانے والی جیولری اور کپڑوں کی شاپنگ کے لیے کسی ناپ کے لیے وہاں آئی تھیں۔ حلیمہ بھی اس وقت عکس کے ساتھ ایسے ہی چند کاموں کے لیے بازار گئی تھی۔ خیر دین نے انہیں فون کر کے فوری طور پر بلوانا چاہا تو منزہ نے روک دیا۔ انہیں اس سے کچھ باتیں کرنی تھیں اور اکیلے میں کرنی تھیں۔ خیر دین کچھ الجھا...... انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا تھا۔ لمبی تمہیدوں کے بعد انہوں نے کہا تھا وہ بھی تمہیدوں کی طرح خیر دین کو سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

''بھائی صاحب شیر دل کی بیوی مصالحت چاہتی ہے اور واپس گھر آنا چاہتی ہے۔'' منزہ نے ایک بار پھر اپنا جملہ دُہرایا تھا۔ اس دفعہ پہلے سے کچھ زیادہ مضبوط انداز میں۔

''لیکن ان دونوں کی تو طلاق ہو چکی ہے اب مصالحت کیسے ہو سکتی ہے؟'' خیر دین کے ہاتھ کپکپانے لگے تھے۔ اس جملے کا اصل مطلب کیا تھا وہ اچھی طرح سمجھ سکتا تھا اور اس کھائی کی گہرائی بھی جس میں اس نے عکس کو نادانستگی میں دھکیل دیا تھا۔

''طلاق کا حق تفویض کیا تھا لیکن صرف طلاق سے علیحدگی کا...... شہر بانو نے وہی حق استعمال کیا تھا لیکن وہ اب وہ مصالحت چاہتی ہے تو مذہبی اور قانونی طور پر وہ دونوں صرف نکاح کر کے دوبارہ گھر آباد کر سکتے ہیں۔'' منزہ نے کہا تھا...... خیر دین کے پاس کہنے کے لیے جیسے کچھ رہا ہی نہیں تھا۔ منزہ بولتی رہیں۔ ''ایک چھوٹی بچی کا معاملہ ہے، ہماری پوری فیملی بہت اپ سیٹ ہے...... شیر دل بھی بہت الجھا ہوا ہے لیکن کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا، میں نے سوچا میں آپ سے خود بات کر لوں، آپ کے سامنے یہ سارا معاملہ رکھوں گی تو آپ خود ہی اچھا فیصلہ کریں گے۔ عکس کو تو کوئی بھی مل سکتا ہے لیکن شہر بانو اور اس کی بچی کی

زندگی تباہ ہو رہی ہے، وہ معصوم بچی اپنے باپ کے بغیر کیسے رہے گی۔ شیر دل کا اس بچی کو نہ مل پانے کی وجہ سے نروس بریک ڈاؤن ہو گیا۔ اب اگر ایک امید پیدا ہوئی ہے اس فیملی کے دوبارہ اکٹھے ہونے کی تو بھائی صاحب آپ اس امید کو ختم مت کریں۔'' منزہ نے لجاجت سے کہا تھا مگر وہ لجاجت بھی اس خود غرضی کو نہیں چھپا سکی تھی جو ان کے لہجے میں تھی۔

''میں نے عکس کا رشتہ ختم کر کے شیر دل سے اس کی بات طے کی ہے۔ آپ کو اندازہ ہے اس بات کا۔'' خیر دین خفا نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن تلخی اور خفگی پھر بھی اس کی آواز میں عود کر آئی تھی۔

''مجھے اندازہ ہے اور بہت شرمندگی ہے لیکن میں پھر اس فیملی سے بات کر لیتی ہوں ابھی زیادہ دن تو نہیں ہوئے...... بات ختم ہوئے...... عکس اتنی اچھی لڑکی ہے وہ لوگ بہت خوش ہو کر دوبارہ......'' خیر دین نے منزہ کی بات کاٹ دی۔

''مجھے اس معاملے میں آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ شیر دل کیا چاہتا ہے؟''

''وہ بہت الجھا ہوا اور پریشان ہے، نہ آپ کو انکار کر سکتا ہے اور شہر بانو سے مصالحت بھی چاہتا ہے۔'' منزہ نے بلا توقف فراٹے سے جھوٹ بولا۔

''میں شیر دل سے خود بات کروں گا۔ جو وہ چاہے گا وہ ہو جائے گا۔'' خیر دین نے کہا اور اس کی بات پر منزہ کو گھبراہٹ ہوئی۔

''بھائی صاحب شیر دل سے اس معاملے میں کوئی بات نہ کریں، آپ جو فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کریں ہمیں خوشی سے قبول ہو گا لیکن آپ بس شیر دل سے کچھ بھی ڈسکس نہ کریں...... وہ پہلے ہی بہت پریشان ہے۔ میں نہیں چاہتی اس کی اور ہماری ٹینشن بڑھے۔'' خیر دین نے ہاں یا نہ میں کچھ نہیں کہا۔ منزہ اس کے بعد وہاں زیادہ دیر تک رکی نہیں تھیں۔

ہر ایک اپنی، اپنی فیملی اور اولاد بچانے کی کوشش میں آخری حد تک جا رہا تھا۔ منزہ بھی چلی گئی تھیں۔ ایک جھوٹ سے اگر شہر بانو اور مثال واپس آ جاتے اور عکس ان کی زندگی سے نکل جاتی تو یہ مہنگا سودا نہیں تھا۔ وہ آج یہاں ایک بار پھر سب کچھ داؤ پر لگا کر آئی تھیں اور ان کے جانے کے بعد خیر دین گنگ سا بیٹھا رہا تھا۔ منزہ اس سے عظمت اور اعلیٰ ظرفی کا مینارہ بننے کا مطالبہ کر کے گئی تھیں اور وہ، وہ نہیں بن سکتا تھا۔ ہم ساری زندگی بے غرضی اور اعلیٰ ظرفی نہیں دکھا سکتے۔ کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں ہم کمزور ضرور پڑتے ہیں۔ خیر دین بھی اس دن منزہ کے جانے کے بعد ترازو میں سب کچھ رکھ کر پڑ گیا تھا۔ یہ گڈے گڑیا کا کھیل نہیں تھا اس کی چڑیا کی زندگی تھی۔ وہ بار بار اس سے اس کی پسندیدہ چیز چھین کر کسی دوسرے کو نہیں دے سکتا تھا۔

☆☆☆

وہ اس وقت سونے کے لیے بیڈ روم...... میں آیا تھا اور اس نے چند لمحے پہلے ہی اپنا سیل فون سائڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔ سیل فون رکھتے ہوئے اس پر شہر بانو کا نام چمکا تھا، divorce ہو جانے کے بعد بھی وہ نام اور نمبر اس کے سیل فون میں محفوظ تھا بالکل اسی طرح جس طرح وہ اب بھی اس کی زندگی اور ذہن پر نقش تھی۔ اس نے سیل فون اٹھا کر دیکھ کر جیسے ایک بار پھر

WWW.PAKSOCIETY.COM

یقین دہانی کی تھی کہ وہ اسی کا نام تھا اور پھر وہ الجھا تھا...... کال لے نہ لے...... اور پھر اسے مثال کا خیال آیا تھا اور اس نے جیسے ایک میکانکی انداز میں برق رفتاری سے کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو!'' اس کی ہیلو کے جواب میں دوسری طرف بہت دیر خاموشی رہی۔ شیر دل کو لگا جیسے لائن ڈس کنیکٹ ہو گئی تھی اس نے دوبارہ ہیلو کہا اور اس بار اس نے دوسری طرف شہر بانو کی آواز سنی تھی۔

''ہیلو......'' اس ہیلو کے بعد اگلے چند سیکنڈز دونوں کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔

''مثال کیسی ہے؟'' خاموشی بالآخر شیر دل نے توڑی تھی اور شہر بانو کو توقع تھی کہ وہ اس کا حال نہیں پوچھے گا۔

''وہ ٹھیک ہے۔'' اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے اس نے شیر دل سے کہا۔ ''تم کیسے ہو؟'' اسے سوال پوچھنے کے بعد اندازہ ہوا اس نے غلط سوال کیا تھا۔

''اس سے میری بات کراؤ۔'' شیر دل نے اس غلط سوال کا جواب دینے کے بارے میں سوچا تک نہیں تھا۔

''اسکول میں ہے وہ اس وقت...... لیکن میں تمہاری بات کراؤں گی۔'' شہر بانو نے اس سے کہا تھا۔

''کب......؟ شیر دل نے بے تابی سے پوچھا۔

''جب وہ اسکول سے واپس آئے گی لیکن تب تک تم سو چکے ہو گے...... میں ویک اینڈ پر کروادوں گی۔'' شہر بانو کو خیال آیا کہ پاکستان میں کچھ گھنٹوں کے بعد رات کا پچھلا پہر شروع ہو جاتا۔

''میں جاگ لوں گا، میں ویسے بھی جاگتا رہتا ہوں اس وقت۔'' شیر دل نے فوری طور پر کہا۔ شہر بانو چپ سی ہو گئی تھی۔

''ممی نے بتایا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اب کیسے ہو تم؟'' شیر دل کو فوری طور پر سمجھ نہیں آیا کہ وہ کس ممی کی بات کر رہی تھی...... یقیناً منزہ کی ورنہ شرمین کو اس کی طبیعت کی خرابی کا پتا کیسے چل سکتا تھا۔ وہ منزہ سے بھی بات کر چکی تھی۔ شیر دل کو اچنبھا ہوا۔

''ہاں، میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ وہ جاننا چاہتا تھا اس کال کی وجہ کیا تھی، وہ بیٹھے بٹھائے یوں اسے اور منزہ کو کال کیوں کر رہی تھی۔ مثال سے بات کرانے پر تیار کیوں ہو گئی تھی۔

''کیا ممی نے تمہیں کال کی تھی؟'' شیر دل کو ایک دفعہ خدشہ ہوا۔

''نہیں، انہوں نے نہیں کی تھی میں نے انہیں کی تھی۔'' شہر بانو نے اسی مدھم آواز میں کہا۔

''کیوں؟'' شیر دل کے سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ اس سے معذرت کرنا چاہتی تھی...... اب وقت گزر گیا تھا۔ شرمندگی کا اظہار کرنا چاہتی تھی...... اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا وہ واپس آنا چاہتی تھی...... وہ سمجھ نہیں سکا تھا...... اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ عکس کو کیوں اپنی زندگی میں لا رہا تھا...... اور ایسے سوالوں کا حق نہیں رہا تھا...... گفتگو پھر ہوتی تو کس موضوع پر ہوتی...... شہر بانو نے یک دم بڑے بوجھل دل کے ساتھ فون رکھ دیا۔ شیر دل بہت دیر تک فون پکڑے اسی طرح بیٹھا رہا۔ وہ ایک فون کال سے اس کے سارے زخم ادھیڑ گئی تھی۔ وہ اگلے کئی گھنٹے اسی طرح فون ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا...... ایک بار پھر ان چند تکلیف دہ ہفتوں کو دوبارہ زندہ کرتا رہا۔ جب اسے یقین ہو گیا تھا کہ گھر ٹوٹنے کے بعد وہ دوبارہ کبھی مثال کو نہیں دیکھ سکے گا اور اگر کبھی دیکھ پایا بھی تو تب تک وہ اس کا چہرہ تک بھول چکی ہو گی...... اور اب...... امکان کی کھڑکی ایسے کھلی تھی کہ اسے اندر آنے والی روشنی کو روشنی سمجھنا مشکل ہو رہا تھا۔

ٹھیک ساڑھے تین گھنٹے کے بعد اس کے فون پر ایک بار پھر شہر بانو کا نمبر چمکا تھا، اس بار فون اٹھانے پر کان میں پڑنے والی آواز سن کر وہ جیسے لمحوں بعد موم کی طرح پگھلا تھا۔ مثال نے ہیلو کہنے کے بعد باپ کی آواز سنتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا۔ اس کے پاس کھڑی شہر بانو ہل کر رہ گئی تھی۔ درد اور تکلیف کا اس سے کھل کر اظہار ایک بچہ اور کیا کرتا۔ دوسری طرف اس کی آواز سنتا شیر دل بھی رو پڑا تھا۔ وہ اس کی اولاد تھی اور وہ اس سے اتنی دور تھی کہ وہ اسے سینے سے لپٹا کر تھپک کر اس کے آنسو تک نہیں پونچھ سکتا تھا، پونچھ سکتا تو اسے بھی اس طرح رونے نہ دیتا...... شہر بانو نے اس کے اور اس کی اولاد کے ساتھ بہت زیادتی کی تھی۔ اپنی بیٹی کو یوں بلکتے دیکھ کر شیر دل کے اندر شہر بانو کے لیے خفگی اور بڑھ گئی تھی۔ اس کی جذباتیت اور بے وقوفی نے اس کا ہنستا بستا گھر لمحوں میں تباہ کر دیا تھا۔

''Papa I want to come back'' مثال روتے ہوئے شیر دل سے بار بار کہہ رہی تھی

اور شہر بانو نے عجیب رنج کے عالم میں اسے دیکھا۔ بچے خوش قسمت ہوتے ہیں ان میں کوئی انا نہیں ہوتی...... وہ کبھی کچھ بھی کہتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ ان کی بات سے ان کی عزت میں کمی آئے گی وہ بھی یہی جملہ شیر دل سے کہنا چاہتی تھی کہ وہ واپس آنا چاہتی تھی لیکن وہ نہیں کہہ سکتی تھی۔ کبھی کبھار بڑا ہونا آپ کا سب سے بڑا عیب بن جاتا ہے۔

اس رات مثال کو بہ مشکل سلانے کے بعد شہر بانو پہلی کئی راتوں کی طرح جاگتی اپنی زندگی کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ شاید پہلی بار اس نے اس mess کا حقیقت پسندی اور غیر جانبداری سے جائزہ لیا تھا جو اس نے اپنے شیر دل اور مثال کے لیے پیدا کر لیا تھا۔ تھوڑی سی برداشت، تھوڑی سی اعلیٰ ظرفی، تھوڑا سا حوصلہ...... کچھ زیادہ تو نہیں چاہیے تھا اسے اس سارے مسئلے سے نبٹنے کے لیے جو مٹی کا ایک ٹیلا تھا پر وہ اسے اپنے لیے ماؤنٹ ایورسٹ بنا بیٹھی تھی۔

''شہر بانو، مثال کو لے کر آ رہی ہے 27 کو۔'' شیر دل نے اگلی صبح ناشتے کی میز پر بختیار اور منزہ کو بتایا۔ وہ آج خلافِ معمول ناشتے کی میز پر موجود تھا ورنہ وہ ہر روز بہت دیر سے سو کر اٹھتا تھا۔ منزہ کو حیرت نہیں ہوئی لیکن بختیار آملیٹ کو کانٹے اور چھری سے کاٹتے کاٹتے چونک گئے تھے۔

''شہر بانو نے تمہیں فون کیا ہے؟'' انہوں نے تعجب سے شیر دل سے پوچھا۔ شیر دل نے سر ہلا دیا اور منزہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ممی کو بھی کیا تھا but I am surprised ممی نے مجھ سے ذکر کیوں نہیں کیا۔'' اس نے جیسے کچھ کھوجنے اور کریدنے والی نظروں سے منزہ کو دیکھا تھا۔

''میں نے صرف اس لیے نہیں بتایا کہ وہ خود تمہیں فون کرے اور بات کرے تو بہتر ہے، میں تم سے کوئی بات کرتی تو تمہیں غصہ آتا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں بھی فون کرے گی اس لیے میں انتظار میں تھی کہ وہ فون کرلے اور تم خود ہی بات کرو تو بہتر ہے۔'' منزہ نے اطمینان سے کہتے ہوئے شیر دل کو غور سے دیکھا، اس کی آنکھیں رات بھر جاگنے کی وجہ سے بے حد سرخ ہو رہی تھیں لیکن اس کے باوجود اس کے چہرے پر وہ اضطراب اور تھکن نہیں تھی جو اتنے مہینوں سے وہ ہر روز دیکھنے کی عادی تھیں۔ عجیب سا سکون اترا تھا منزہ کے دل میں...... چیزیں بالآخر ٹھیک ہونے لگی تھیں۔

''بیٹھے بٹھائے اسے فون کرنے کا خیال کیسے آ گیا؟ اور اب یہ سب کچھ کرنے کے بعد؟'' بختیار کے ماتھے پر بل تھے۔ ''کیا داؤد سے شادی ہو گئی اس کی؟''

''میں نے پوچھا نہیں۔'' شیر دل نے بختیار کے سوال کا جواب دیا۔

''نہیں ہوئی۔'' منزہ نے شیر دل کے مزید کچھ کہنے سے پہلے کہا۔ شیر دل اور بختیار نے چونک کر منزہ کو دیکھا تھا۔ ''اور میں تو خوش ہوں کہ نہیں ہوئی...... اب اگر وہ مثال کو لے کر واپس آ رہی ہے تو یقیناً مصالحت کا بھی کوئی نہ کوئی راستہ نکل آئے گا۔ بہت شرمندہ تھی وہ اور اس نے اس کا اظہار بھی کیا تھا...... ہونا بھی چاہیے تھا اسے شرمندہ۔'' منزہ چائے پیتے پیتے کہتی گئی تھیں لیکن شیر دل صرف ایک لفظ مصالحت پر ٹھٹک گیا تھا۔

''کیسی مصالحت......؟'' اس نے منزہ کی بات ختم ہونے کے بعد ان سے بے حد خشک لہجے میں کہا۔ منزہ ایک لمحے کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

لیے اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئیں۔ شہر بانو نے کیا شیر دل سے مصالحت کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ انہوں نے بے حد الجھ کر سوچا۔

میز پر چند لمحے خاموشی رہی پھر منزہ نے بے حد سنبھل کر اس سے کہا۔

''اب وہ واپس آرہی ہے تو ہوسکتا ہے تمہارا اور اس کا patch up ہوجائے بلکہ میں چاہتی ہوں ایسا ہو ہی جائے تم لوگوں کے ساتھ ساتھ مثال کی زندگی پر بھی اثر پڑ رہا ہے۔''

''آپ نے اسے میری اور عکس کی شادی کے بارے میں بتایا؟'' شیر دل نے ان کی بات کے جواب میں ان سے پوچھا تھا۔

''نہیں، میں نے نہیں بتایا...... لیکن مجھے لگا اس کی ضرورت نہیں تھی اگر تمہاری اور شہر بانو کی مصالحت ہوجائے تو......'' شیر دل نے ماں کی بات بے حد درشتگی سے کاٹی۔

''میری اور شہر بانو کی divorce ہوچکی ہے اور میری اور عکس کی شادی بھی طے ہوچکی ہے۔ آپ کون سی مصالحت کی بات کررہی ہیں؟'' منزہ نے بختیار کو دیکھا اُن کے ماتھے پر بھی ویسے ہی بل تھے جیسے شیر دل کے ماتھے پر تھے۔

''شہر بانو بہت شرمندہ ہے، اس نے مجھ سے معافی مانگی ہے۔ وہ سب کچھ بھول کر واپس آنا چاہتی ہے۔ تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہے...... تم بھی جانتے ہو، تم دونوں اگر چاہو تو صرف نکاح کر کے دوبارہ اپنا گھر آباد کرسکتے ہو۔'' منزہ نے بالآخر ہمت کر کے وہ بات کہہ دی جو وہ کہنا چاہتی تھیں۔ شیر دل ساکت بیٹھا ماں کو دیکھتا رہا...... بے حس و حرکت پلکیں جھپکائے بغیر اس کے دماغ نے جیسے کچھ دیر کے لیے کام ہی کرنا چھوڑ دیا تھا۔

''اور میں ایسا نہیں چاہتا، آپ کو لگتا ہے کہ میں ایک ایسی عورت کو دوبارہ اپنے گھر میں لاکر آباد کروں گا جس نے گھر چھوڑتے ہوئے پورے شہر میں میرے اشتہار لگا کر مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔'' اس نے بے حد تلخی سے ماں سے کہا تھا۔

''وہ بہت شرمندہ ہے بیٹا۔'' اس نے ماں کو بات مکمل کرنے نہیں دی۔

''اس کو میری اور عکس کی شادی کے بارے میں پتا چل گیا ہوگا اور اس نے سوچا ہوگا یہ بہت پرفیکٹ موقع ہے ایک بار پھر مجھے ایموشنلی بلیک میل کرنے کا...... اولاد کا ہتھیار استعمال کر کے۔''

''تم غلط سمجھ رہے ہو شیر دل اسے تو......'' منزہ نے شہر بانو کی صفائی دینے کی کوشش کی تھی۔ شیر دل نے خفگی سے ایک بار پھر اُن کی بات کاٹی۔

''ممی میں عکس کے ساتھ شادی کرنے والا ہوں آپ لوگ اس کی فیملی کے ساتھ تاریخ طے کر کے آئے ہیں اور میں اپنے وعدے کو dishonour کبھی نہیں کرسکتا۔'' اس نے دوٹوک انداز میں ماں سے کہا۔

''تم مثال کا سوچو......'' شیر دل نے ایک بار پھر بہت تند لہجے میں ماں کی بات کاٹی۔

''ممی وہ میری اولاد ہے اور آپ اسے اولاد رہنے دیں، مجھے بلیک میل کرنے کا ہتھیار مت بنائیں، شہر بانو اور میری شادی ختم ہوچکی ہے وہ چیپٹر اب دوبارہ کبھی نہیں کھل سکتا۔'' وہ کہتا ہوا وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

''آپ ہی کچھ سمجھاتے اسے۔'' منزہ نے اس کے جانے کے بعد قدرے بے بسی سے بختیار سے کہا۔

''سمجھانے کی ضرورت اسے نہیں تمہیں ہے...... تم نے اور تمہاری فیملی کی عورتوں نے شادی کو کیا سمجھ رکھا ہے...... مذاق......؟'' بختیار نے بہت سخت الفاظ میں انہیں سرزنش کی تھی۔ ''چھ ماہ جس طرح پوری فیملی شہر بانو کے پیچھے خوار ہوتی رہی ہے وہ تمہیں یاد نہیں ہے؟ اور اب اگر وہ دوبارہ اپنا گھر بنانے کی کوشش کررہا ہے تو تمہیں ایک بار پھر اپنی بھتیجی یاد آگئی ہے اور تم نے یہ سوچا ہے کہ ہم لوگ عکس کی فیملی سے کیا کہیں گے؟ کیا apology (معذرت) دے کر رشتہ ختم کریں گے؟'' بختیار، شیر دل ہی کی طرح برہم تھے۔

''میں عکس کے نانا سے پہلے ہی بات کر آئی ہوں۔'' منزہ نے یک دم کہا۔ ''شاید وہ خود ہی رشتہ ختم کردیں...... مجھے لگتا ہے۔'' بختیار نے بے یقینی سے اپنی بیوی کا چہرہ دیکھا۔ وہ منزہ بختیار کا چہرہ نہیں تھا...... وہ خود غرضی اور طبقاتی تقسیم کو پتھر کی لکیر ماننے والے ایک موقع پرست کا چہرہ تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆☆☆

"نانا آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں؟" عکس نے خیر دین سے پوچھا۔
"نہیں۔" خیر دین نے نظریں ملائے بغیر انکار کیا۔
"شیر دل یہاں آتا ہے آپ مجھے نہیں بتاتے، اس کی ممی آتی ہیں آپ مجھے نہیں بتاتے...... میں شیر دل سے پوچھتی ہوں وہ کچھ نہیں بتاتا...... ان بے مقصد ملاقاتوں کی کوئی وجہ نہیں ہے؟" عکس کو خیر دین کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ اسے پچھلے دو تین دنوں میں وہاں آنے والے لوگوں کی تفصیلات آج ملی تھیں اور وہ حیرت زدہ تھی۔
"شادی کے ہزار انتظامات ہوتے ہیں اب اگر ان کے لیے وہ لوگ یہاں آ جا رہے ہیں تو اس میں ایسی کیا بات ہے۔" خیر دین نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔
"لیکن آپ پریشان کیوں لگ رہے ہیں پچھلے چند دن سے؟" عکس نے کریدا۔
"تمہارا وہم ہے۔"
"میں آپ کا چہرہ پڑھ سکتی ہوں۔" وہ نہیں مانی تھی۔
"تمہاری شادی کا سوچ کر اداس ہوں۔" خیر دین نے کہا اس نے یقین نہ آنے والے انداز میں خیر دین کو دیکھا۔
"میں شادی کے بعد بھی آپ کو اپنے ساتھ ہی رکھوں گی۔ میں شیر دل سے یہ بات کر چکی ہوں۔" عکس نے کہا۔
"نہیں چڑیا میں اب......" عکس نے خیر دین کو بات مکمل کرنے نہیں دی اس نے بہت مستحکم آواز میں خیر دین سے کہا۔
"نانا مجھ سے وہ روایتی باتیں مت کیجیے گا کہ بیٹیوں کے گھر رہنا مناسب نہیں۔ وغیرہ وغیرہ...... نہ میں روایتی ہوں نہ میں ایسی روایات پر یقین رکھتی ہوں جو انسانیت اور اخلاقی قدروں کے بجائے تعصبات پر بنائی گئی ہوں۔ میں اس عمر میں آپ کو تنہائی کے کسی عذاب کو اکیلا جھیلنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتی خاص طور پر اس صورت میں جب آپ بیمار بھی ہیں اور شیر دل روایتی مرد نہیں ہے، اس کو کوئی اعتراض نہیں ہے آپ کے ہمارے ساتھ رہنے پر...... ہوگا بھی تو میں دور کر سکتی ہوں۔" عکس نے دو ٹوک انداز میں خیر دین سے کہا اور خیر دین چاہتے ہوئے بھی اس سے بحث نہیں کر پایا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ اسے اکیلا نہیں چھوڑے گی وہ لاکھ کوشش کرتا تب بھی نہیں۔

☆☆☆

لاہور کے علامہ اقبال انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے arrival launge سے باہر نکلنے سے بھی پہلے مثال نے شیر دل کو دور سے دیکھ لیا تھا...... ہمیشہ کی طرح اس نے شہر بانو سے اپنا ہاتھ چھڑانے اور باہر نکلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اگر کوئی شیر دل کو پہلی نظر میں نہیں پہچان سکا تھا تو وہ شہر بانو تھی۔ وہ پہلے سے بہت کمزور ہو گیا تھا۔ اس کی رنگت زرد، آنکھوں کے گرد حلقے اور سر میں جابجا سفید بال تھے۔ وہ بازو مثال کے استقبال کے لیے پھیلائے گھٹنوں کے بل عجیب بے اختیاری کے عالم میں لاؤنج کے بالکل سامنے بیٹھا تھا۔ مثال لپکتی ہوئی اس کی گود میں سما گئی تھی۔ شیر دل زندگی میں پہلی بار آتے جاتے لوگوں کے ہجوم میں اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ مثال کو اپنے بازوؤں میں بھینچے وہ رو پڑا تھا۔ وہ اتنے دنوں سے ہر روز فون پر مثال سے بات کر رہا تھا۔ اس کے باوجود اسے اپنے سامنے دیکھ کر اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ شہر بانو اپنا بیگ سنبھالے ہوئے باہر اس کے نزدیک آ گئی تھی۔ شیر دل نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں تھا، وہ مثال کو اپنے بازوؤں میں سمیٹے اسی طرح اٹھ کر کھڑا ہو گیا نہ اس نے شہر بانو سے علیک سلیک کی، نہ اس کا حال پوچھا، نہ اس کا سامان پکڑا۔ مثال کو اٹھائے وہ پلٹ گیا تھا۔ شہر بانو جیسے ڈھیلوں کی طرح اس کے پیچھے چلنے لگی تھی...... ایک وقت وہ تھا جب وہ اس کے پیچھے پیچھے آتا تھا اور وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر تنفر سے چلتی رہتی تھی اور ایک وقت یہ تھا جب وہ یہ دیکھنے کی زحمت تک نہیں کر رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ تھی یا نہیں۔
گاڑی کے پاس پہنچ کر ڈرائیور نے اس سے سامان لے لیا تھا۔ شیر دل ہمیشہ کی طرح اس کے ساتھ پیچھے نہیں بیٹھا تھا۔ وہ مثال کو لیے اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ پورا راستہ صرف مثال بولتی رہی تھی۔ اتنے مہینوں میں شہر بانو نے اسے پہلی بار اس طرح خوش ہو کر باتیں کرتے دیکھا تھا...... بالکل اسی طرح جیسے وہ ہمیشہ کرتی تھی۔ پچھتاوا کچھ اور گہرا ہوا تھا۔
گھر پہنچنے پر منزہ نے اس کا استقبال کیا تھا۔ گرم جوشی دکھانے کی شدید کوشش کے باوجود شہر بانو کو ان کے انداز میں ٹھنڈک نظر آئی تھی۔ وہ گھر کچھ عرصے پہلے اس کی سسرال تھا، وہ وہاں ملکیت کے احساس کے ساتھ آتی تھی آج وہ وہاں صرف

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایک مہمان کے طور پر آئی تھی...... ایک ہفتے کے لیے۔

عکس، شیر دل کی زندگی میں آچکی تھی اس کا اندازہ اسے گاڑی میں ہی ہو گیا تھا جب اس نے عکس کی کال ریسیو کی تھی اور اسے فلائٹ کے آنے اور گھر کی طرف روانگی کے بارے میں بتاتے ہوئے اس سے کچھ اور باتیں کی تھیں۔ ایک وقت تھا جب وہ سوچتی تھی شیر دل کی زندگی میں کوئی اور عورت آگئی تو وہ جیسے مر ہی جائے گی، وہ سانس بھی نہیں لے سکے گی شیر دل کا نام کسی اور عورت کے نام کے ساتھ دیکھ کر...... اور اب...... وہ زندہ بیٹھی ان دونوں کی چند منٹ کی وہ گفتگو سنتی رہی تھی اور زندہ بھی رہی تھی اور سانس بھی لیتی رہی تھی...... آسمان بھی نہیں ٹوٹا تھا...... زمین بھی نہیں پھٹی تھی...... شہر بانو، شیر دل سے وہ ایک بار پھر شہر بانو شہباز ہو چکی تھی اور وہ نام کسی اور کے نام کے ساتھ لگ چکا تھا۔

اسے اس بار گیسٹ روم میں رکھا گیا تھا اور ایک گیسٹ والے پروٹوکول اور فارمیلٹی کے ساتھ...... شیر دل کو ابھی پوسٹنگ نہیں ملی تھی وہ یقیناً اس کی وجہ سے وہاں مقیم تھا ورنہ یقیناً عکس کے ساتھ ہی رہ رہا تھا...... وہ ایک ہفتہ وہاں رہی تھی اور اس ایک ہفتے میں مثال اس کے پاس دن رات کے کسی وقت نہیں آئی تھی، وہ شیر دل کے پاس ہی سوتی جاگتی رہی تھی اور شیر دل کے ساتھ ہی سارا سارا دن گھومتی پھرتی رہتی۔ شہر بانو کا ہونا یا نہ ہونا جیسے فیملی کے دوسرے لوگوں کی طرح اس کے لیے بھی میٹر نہیں کرنے لگا تھا خود شیر دل سے اس کا آمنا سامنا کھانے کی میز پر بھی نہیں ہوتا تھا، وہ جان بوجھ کر اس کا سامنا کرنے سے کترا رہا تھا اور اس سمیت گھر کے باقی لوگ بھی...... نند اور دیور سے بھی صرف ایک بار اس کی ملاقات ہوئی جب وہ کسی فیملی فنکشن میں شرکت کے لیے لاہور آئے تھے اور تب اسے احساس ہوا اس فیملی فنکشن میں عکس بھی لاہور آکر شریک ہوئی تھی لیکن وہ اس گھر میں نہیں آئی تھی...... یقیناً اس کی وجہ سے...... وہ ایک اضافی اور غیر ضروری چیز بن گئی تھی اس فیملی کی زندگی میں...... جہاں اس سے مشورہ کیے بغیر کچھ نہیں ہوتا تھا...... ان سب کی زندگی سے نکل جانے کا فیصلہ اس کا اپنا فیصلہ تھا اس کے باوجود شہر بانو کو وہ سب دیکھتے ہوئے تکلیف ہو رہی تھی۔

منزہ اور اس کے درمیان ایک ہفتے کے قیام کے دوران کسی قسم کا کوئی ڈسکشن نہیں ہوا اور یقیناً منزہ کو اس کے لیے خاص طور پر ہدایات دی گئی تھیں ورنہ وہ کچھ نہ کچھ کہنے سے باز رہنے والی نہیں تھیں۔

اپنی زندگی کا ایک اور مشکل ہفتہ وہاں گزار کر وہ روتی دھوتی مثال کو لے کر واپس امریکا آگئی تھی اور واپس آنے کے بعد ایک بار پھر سے مثال اسی رویے کا مظاہرہ کرنے لگی تھی جو وہ یہاں آنے کے بعد کرتی تھی، شیر دل سے فون پر ہر روز بات کرنے نے بھی اس کے مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی...... وہ شہر بانو کی اکلوتی اولاد تھی اور وہ شہر بانو سے بے حد ناخوش تھی...... وہ ''پاپا'' کے پاس رہنا چاہتی تھی۔ ممی کے پاس نہیں اور اسے ممی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اور اس کی ناخوشی اور عدم دلچسپی میں اس وقت اور اضافہ ہو گیا تھا جب اس کی ''ممی'' نے داؤد کو اپنی زندگی میں شامل کر لیا اور انہیں نانو کا گھر چھوڑ کر ایک نئے گھر میں شفٹ ہونا تھا۔ وہ عکس سے نہیں ملی تھی نہ ہی شیر دل نے اس سے ''نئی ممی'' اور اپنی شادی کا ذکر کیا تھا اس لیے چھ سالہ اس بچی کی نظروں میں باپ اچھا تھا صرف ماں بری تھی جو اسے ہر اس جگہ اور شخص سے توڑنے اور الگ کرنے کا باعث بنی تھی جس سے وہ پیار کرتی تھی۔

داؤد کے ساتھ شادی ایک مشکل فیصلہ تھا خاص طور پر اب جب شہر بانو کو اپنی بہت سی غلطیوں کا احساس ہو رہا تھا لیکن اب اس کے پاس چوائس نہیں رہی تھی۔ شیر دل نئی زندگی کا آغاز کر چکا تھا اور وہ کسی کہانی کی ہیروئن ہوتی تو اکیلے زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیتی لیکن وہ حقیقی زندگی میں شرمین کے گھر پر اکیلے نہیں رہ سکتی تھی خاص طور پر شادی کے لیے شرمین کے دباؤ کی وجہ سے بھی۔

اس کی زندگی داؤد سے شادی کے بعد بھی سنبھل نہیں سکی تھی بس اس کی زندگی اور ذات میں ایک اور خانے کا اضافہ ہو گیا تھا جس میں وہ ایک بیوی تھی کچھ ذمے داریوں کا بھی اضافہ ہو گیا تھا اور بس...... اور کچھ نہیں ہوا تھا۔ نہ داؤد، شیر دل جیسا ساتھی تھا، نہ اسے داؤد سے محبت ہو سکتی تھی اور نہ داؤد شیر دل کی جگہ لے پایا تھا۔ وہ شہر بانو سے صرف شادی کے لیے ایکسائٹڈ تھا، شادی ہو جانے اور اسے اپنے گھر لے آنے کے بعد وہ یک دم ہی اس کے لیے ایک بہت ثانوی سی چیز بن گئی تھی۔ یہ وہ داؤد بھی نہیں تھا جسے وہ اتنے سالوں سے جانتی تھی، اس داؤد اور اس داؤد کی زندگی، ترجیحات اور دلچسپیوں میں زمین آسمان کا فرق تھا اور اس رشتے میں زمین شہر بانو تھی۔

''تم کوئی جاب کیوں نہیں کرتیں...... اتنی اچھی ڈگری ہے تمہارے پاس اور یہاں تو اس ڈگری کی بہت ویلیو ہے۔'' داؤد نے شادی کے چند ہفتے بعد ہی اس سے ایک رات کہا تھا۔ وہ ابھی ہنی مون سے واپس آئے تھے اور شہر بانو، مثال کو شرمین کے گھر سے اپنے گھر لے کر آئی تھی۔

''جاب؟'' شہر بانو نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔ ان کی اتنے مہینوں کے میل ملاپ میں کبھی جاب کا تذکرہ نہیں ہوا تھا نہ داؤد نے کیا تھا نہ ہی اس نے کیا تھا۔

''ہاں۔'' داؤد نے کہا۔

''میں نے تو انٹرن شپ کے بعد کبھی جاب کی ہی نہیں۔''

''ہاں لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ تم شادی کر کے پاکستان چلی گئی تھیں اگر امریکا میں رہ رہی ہوتیں تو یقیناً کرتیں۔'' داؤد نے اس کا جملہ اچکا۔

''گھر اور جاب دونوں کو اکٹھے چلانا بہت مشکل ہے۔'' اس نے اپنی عدم دلچسپی کا اظہار کیا۔

''اسی (80) فیصد عورتیں جو یہاں رہتی ہیں وہ یہ مشکل کام بڑی آسانی اور مہارت سے کرتی ہیں تم کرنا شروع کرو گی تو تمہیں بھی آسان لگنے لگے گا۔'' داؤد اپنی بات پر جما ہوا تھا۔ ''ویسے بھی یہاں صرف ایک پارٹنر کے کام کرنے سے گزارہ نہیں ہوتا۔ میں نے نیا نیا گھر mortgage کیا ہے اس کی بہت heavy installments دے رہا ہوں ابھی نئی گاڑی لی ہے اس کا بھی قرض ہے میرے سر پر...... صرف میرے کام کرنے سے یہ گھر نہیں چل سکے گا۔'' وہ پلکیں جھپکائے بغیر اس کی بات سنتی رہی۔ وہ نپے تلے لفظوں میں اسے کیا بات صاف صاف بتا رہا تھا وہ سمجھ سکتی تھی...... کہ اسے بھی اس کے ساتھ کام کر کے گھر میں contribute کرنا پڑے گا ورنہ وہ اس کے اور اس کی بیٹی کے اخراجات نہیں اٹھائے گا۔ وہ امریکا تھا اور وہاں داؤد کا وہ مطالبہ غلط نہیں تھا مگر وہ کچھ دیر کے لیے سکتے میں ضرور آگئی تھی۔ سالوں گھر بیٹھے رہنے کے بعد اگر یک دم کوئی نوکری تلاش کرنے کے لیے کہتا تو کوئی بھی اس کی طرح پریشان ہوتا بعد میں اس نے سوچا اسے کام کرنا ہی چاہیے۔ شیر دل، مثال کے اخراجات کے لیے اسے رقم دے رہا تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی اب شادی کر لینے کے بعد کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد وہ اسے کچھ دیتا یا نہیں، اس وقت اس کا ذہن شیر دل کو اچھی طرح جاننے کے باوجود اس کی جانب سے شکوک وشبہات کا شکار تھا۔

داؤد اور مثال کے درمیان بھی اس طرح کا کوئی رشتہ نہیں بن سکا تھا جس خواہش اور امید میں شہر بانو نے داؤد کے ساتھ شادی کی تھی۔ داؤد کے پاس بیوی کی سابقہ شوہر سے ہونے والی اولاد کے ساتھ وقت گزارنے یا اس کے ساتھ اچھے تعلقات بنانے کی کوشش سے زیادہ دلچسپ اور اہم کام تھے۔ مثال اس کے نزدیک ایک unfriendly چائلڈ تھی جس کو بگاڑنے کا سارا کریڈٹ وہ شہر بانو کے ناز ونعم کو دیتا تھا۔ اس کا خیال تھا اسے مثال کے پیچھے ہر وقت بھاگتے رہنے کے بجائے اسے وہ سب کرنے کی آزادی دے دینی چاہیے تھی جو وہ کرنا چاہتی تھی...... شہر بانو، مثال کے حوالے سے اس کے مشوروں اور رائے پر کان بھی نہیں دھرتی تھی۔ وہ اس کی اولاد نہیں تھی اور وہ نہ اولاد کی اہمیت کو سمجھتا تھا، نہ ہی اپنی اولاد پیدا کرنے میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا اور یہ ایک اور مسئلہ تھا جو شہر بانو کو اس کے ساتھ پیش آیا تھا۔ داؤد کو زارا کے ساتھ بھی یہی مسائل تھے جب وہ اولاد چاہتی تھی اس وقت داؤد کو اس میں دلچسپی نہیں تھی اور جب داؤد کو اس کا خیال آیا، اس وقت زارا کو اپنے کیریئر کے علاوہ کسی چیز میں دلچسپی نہیں رہی تھی اور زارا کے ساتھ ہونے والے بریک اپ کے بعد داؤد کو اب اگر کسی چیز میں دلچسپی تھی تو وہ اپنی ذات، اپنی خوشی، اپنی خواہشات تھیں۔ شادی سے پہلے وہ جس طرح شہر بانو کو شادی پر آمادہ کرنے کے لیے اس کے آگے پیچھے پھرتا، اس کی ناز برداریاں کرتا پھرتا، شادی کے بعد سب سے پہلے غائب ہونے والی چیز وہ ناز برداریاں ہی تھیں۔ وہ اب جیسے ایک بار پھر سے اپنی زندگی جینے لگا تھا جو میں، مجھے، میرا سے شروع ہو کر وہیں ختم ہوتی تھی۔ زندگی میں آنے والا وہ دوسرا مرد کسی بھی طرح سے شہر بانو کے لیے دلاسے کا باعث نہیں بنا تھا...... صرف اس کے پچھتاوے میں اضافے کا باعث بن گیا تھا پہلے پچھتاوا شیر دل کو چھوڑنے کا تھا...... اب پچھتاوا اتنی جلد بازی میں داؤد کو اپنی زندگی میں شامل کر لینے کا بھی تھا۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تم ایسا نہیں کرو گے شیر دل۔" عکس نے دوٹوک انداز میں اسے جیسے خبردار کیا تھا۔ ان کی شادی کو ابھی کچھ دن گزرے تھے اور شہر بانو، مثال کو لے کر پاکستان آئی تھی اور اس کے آنے کے فوراً بعد شیر دل نے مثال کی کسٹڈی کے حوالے سے کورٹ میں کیس کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ کسی بھی صورت میں اسے دوبارہ شہر بانو کے ساتھ واپس بھیجنا نہیں چاہتا تھا اس نے بختیار اور منزہ سے بھی یہ معاملہ ڈسکس کرلیا تھا اور ان دونوں کی بھی رائے یہی تھی کہ انہیں مثال کو شہر بانو سے لے لینا چاہیے یہ کام اس لیے بھی ضروری تھا کہ شہر بانو واپس جاکر داؤد سے شادی کرنے والی تھی اور مثال جس طرح شیر دل سے اٹیچڈ تھی، شیر دل کو بالکل نہیں لگتا تھا کہ اسے اس کی پرورش کرنے میں کوئی مسئلہ ہوسکتا تھا۔ لیکن عکس کے ساتھ یہ مسئلہ ڈسکس کرتے ہی وہ بھتھے سے اکھڑ گئی تھی۔ "تم اب ایک ماں سے اس کی بچی چھینو گے...... وہ تم پر اعتبار کرتے ہوئے اسے یہاں لے کر آئی ہے۔" اس نے شیر دل کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"اس نے بھی تو مجھ سے میری بیٹی کو چھینا تھا۔ میں نے بھی تو اس پر اعتبار کرتے ہوئے اسے marriage nuptials (ازدواجی بندھن کے ناتے) میں چائلڈ کسٹڈی دی تھی لیکن اس نے اسی ایک اجازت کو میرے خلاف استعمال کرتے ہوئے مجھے اپنی ہی بیٹی کی شکل دیکھنے کے لیے ترسا دیا تھا۔" شیر دل کے انداز میں بے حد سرد مہری تھی۔

"اس نے غلط کیا اور اب تم اس کی غلطی کو اپنی ایک بڑی غلطی سے بدلنا چاہتے ہو۔" عکس نے کہا۔

"I dont care"

"You have to...... یہ ایک چھ سالہ بچی کی زندگی کا سوال ہے، تم دونوں اپنی جنگیں اس پر لڑنا بند کردو۔ تمہیں کیا لگتا ہے تم اسے شہر بانو سے لے لو گے تو وہ آرام سے چلی جائے گی؟ وہ ایک کے بعد دوسری اپیل کرے گی اور وہ بھی امریکن ایمبیسی کی سپورٹ کے ساتھ...... تم چاہتے ہو جیسا سین پہلے ہوا ہے ویسا ہی دوبارہ ہو...... مزید شرمندگی اور ذلت اٹھاؤ تم۔" وہ اسے اس کے فیصلے کے مضمرات بتا رہی تھی۔

"تب میں دھوکے میں مارا گیا تھا۔ ضرورت سے زیادہ اعتماد کرنے کی وجہ سے...... لیکن اب وہ لے آئے جس کو بھی اپنی سپورٹ کے لیے لانا چاہتی ہے، میں دیکھوں گا وہ میری بیٹی کو پاکستان سے باہر کیسے لے کر جاتی ہے۔" عکس اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھی۔ شیر دل کو اس نے کبھی اس طرح کی scheming کرتے نہیں دیکھا تھا نہ وہ اسے کبھی بے وقوفانہ حد تک انا پرست لگا تھا لیکن اس وقت وہ اسے صرف ایک مرد لگ رہا تھا جس کے لیے سب سے اہم بات صرف اس pride کو بحال کرنا تھا جو اس سے اس کی بیوی چھین کر لے گئی تھی۔

"تم نے سوچا ہے مثال کیسی زندگی گزارے گی۔ اس طرح کی قانونی جنگ کا اس پر کیا اثر ہوگا؟" شیر دل نے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ میرے اور تمہارے ساتھ ایڈجسٹ کرلے گی...... وہ بہت خوش رہے گی یہاں۔"

"تم اس equation میں سے مجھے اور میرے گھر کو نکال دو...... میں اسے اپنے ساتھ نہیں رکھوں گی۔" عکس نے دوٹوک انداز میں کہا۔ شیر دل کو جیسے یقین نہیں آیا۔

"تم میری اولاد کو نہیں پالو گی؟" اس نے جیسے عکس کو جتانے والے انداز میں کہا۔

"میں تمہاری صرف وہ اولاد پالوں گی جو میں پیدا کروں گی میں کسی دوسری عورت کی اولاد چھین کر اس کی ماں بننے کی خواہش مند نہیں ہوں اور تمہیں اگر یہ کام کروانا ہے تو پھر تمہیں ایک تیسری شادی کرنی پڑے گی۔ I would not support you۔" عکس نے بہت صاف لفظوں میں اسے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

"میں تم سے ایسی بات کی توقع نہیں کرسکتا۔" شیر دل کو یقیناً شاک لگا تھا۔

"میں بھی تم سے اس طرح کے غلط کام کی توقع نہیں کرسکتی جو تم کرنے جارہے ہو۔ تم نے شادی کرلی ہے لیکن تم شہر بانو کو punish کرنا چاہ رہے ہو کہ وہ شادی کرکے اپنی زندگی میں سیٹل ہونے کے بجائے یہاں کورٹس میں خوار ہوتی پھرے، تم ایسا کیسے کرسکتے ہو شیر دل...... تم مرد ہو، تعلیم یافتہ ہو...... ایک باشعور انسان سے ایک جاہل اجڈ جانور کیوں بننا چاہتے ہو۔ اس عورت کے ساتھ تم نے اتنے اچھے سال گزارے ہیں اور کچھ نہیں تو تمہیں انہی سالوں کی پروا کرنی چاہیے۔ لحاظ ہونا چاہیے اس ایک رشتے کا جو کبھی تمہارے اور اس کے درمیان تھا۔" وہ اس کی باتوں سے سمندر کے جھاگ کی طرح بیٹھتا جارہا

تھا وہ اسے ملامت کررہی تھی، شرم دلا رہی تھی، عقل دے رہی تھی اور شیر دل کو انہی چیزوں کی ضرورت تھی۔

"وہ مجھے مثال سے دوبارہ ملنے نہیں دے گی اگر اس بار وہ اسے لے گئی تو......" اس نے بالآخر جیسے ایک توجیہہ دینے کی کوشش کی تھی اپنے ان اقدامات کے لیے۔

"یہ تمہاری assumption ہے اور ایک وہم کی بنیاد پر تم اپنی بچی اور سابقہ بیوی کو کورٹس کے دھکے نہیں کھلوا سکتے۔ تم تو کورٹس میں جاتے ہو وہاں کا سسٹم اور حال دیکھا ہے تم نے...... تم شہر بانو کو وہاں کے چکر لگوانا چاہتے ہو؟" وہ اب کچھ نہیں بول سکا تھا۔

"جب وہ نہیں ملنے دے گی تو دیکھا جائے گا ابھی تو وہ اچھے طریقے سے اسے یہیں لائی ہے، یہاں رہ رہی ہے اگر اس نے تم سے مثال کو دور رکھنا ہوتا تو وہ اب بھی اسے یہاں نہ لے کر آتی۔" عکس نے کہا۔

"وہ یہاں اس لیے آئی ہے تاکہ اگر میرے ساتھ patch up ہوسکتا ہے تو کرلے...... اسے پتا نہیں تھا کہ میں نے تم سے شادی کرلی ہے اگر اسے امریکا میں یہ پتا چل جاتا تو وہ کبھی مثال کو یہاں لے کر نہیں آتی...... میں نے صرف ایسی کسی صورت حال سے بچنے کے لیے تم سے ایمرجنسی میں نکاح اور رخصتی کی۔" عکس حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی اسے شیر دل کی بات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

"patch up کیا مطلب......؟ تم دونوں کی divorce ہوچکی ہے پھر patch up کیسے ہوسکتا ہے۔" اس نے کہا۔

"طلاق کا حق تفویض کیا تھا میں نے اسے اور وہ ایک طلاق کے ساتھ علیحدگی کی شرط کے ساتھ تھا۔ ہم دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کرکے رہ سکتے ہیں۔" اس نے ممی سے بات کی تھی اس بارے میں اور ممی نے مجھے پریشرائز کیا تھا، تمہارے نانا سے بھی بات کی تھی، عکس کا دماغ جیسے گھوم کر رہ گیا تھا۔

"انہوں نے مجھے ایسا کچھ نہیں بتایا۔" عکس نے کہا۔

"ہاں لیکن انہوں نے مجھے بلوا کر بات کی تھی۔" وہ خاموش اسے دیکھتی رہی وہ اس شادی کے حوالے سے جو خدشات لے کر بیٹھی وہ غلط نہیں تھے...... اور وہ سارے مسائل اب آہستہ آہستہ اس کے سامنے آنے لگے تھے۔

شہر بانو کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ پاکستان میں اس کے ایک ہفتے کے قیام کے دوران وہ عکس کی وجہ سے مصیبتوں کے کس پہاڑ سے بچی تھی۔ وہ ایک بلا تھی جو عکس نے اس دن شیر دل کو مجبور کرکے شہر بانو کے سر پر آنے سے ٹالی تھی۔

شیر دل مثال کے پاکستان سے چلے جانے کے کئی دن بعد تک بہت اپ سیٹ رہا تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ وہ نارمل ہونے لگا تھا۔ مثال امریکا جانے کے بعد بھی اس سے رابطے میں تھی اور اس کے ذہنی سکون کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ اس کی پوسٹنگ انہی دنوں NWFP ہوگئی تھی اور وہ جو پہلے عکس کے ساتھ لاہور یا کراچی میں ایک ہی شہر میں پوسٹنگ کروانے کا خواہش مند تھا اسے ایمرجنسی میں وہاں جانا پڑا تھا۔ عکس نے بھی اس کی پوسٹنگ والی جگہ پر اپنی پوسٹنگ کروانے کے لیے کوششیں ترک کردی تھیں کیونکہ شیر دل NWFP میں جہاں پوسٹڈ تھا وہ فیملی کے لیے کچھ زیادہ محفوظ علاقہ نہیں تھا اور نہ ہی وہاں اچھی میڈیکل سہولیات تھیں عکس ان دنوں امید سے تھی اور وہ کوئی رسک لینا نہیں چاہتا تھا۔

"آپ نے مجھے یہ سب کیوں نہیں بتایا؟" شہر بانو اور شیر دل کی مصالحت کے حوالے سے ہونے والے انکشاف کے بعد عکس نے خیر دین سے بات کی تھی اور اس سے شکایتاً کہا تھا۔

"اگر تمہیں بتا دیتا تو تم شیر دل کو چھوڑ دیتیں۔" خیر دین نے کہا اور ٹھیک کہا تھا اگر اسے یہ پتا چلتا کہ شہر بانو نے شیر دل کے درمیان اب بھی مصالحت کی کوئی گنجائش تھی تو وہ ان دونوں کے درمیان سے ہٹ جانے میں ایک لمحے کا بھی تامل نہ کرتی بلکہ شاید وہ خود شیر دل کو اس مصالحت پر مجبور بھی کرتی۔

"اور اگر ایسا ہوجاتا تو ہم سب کے لیے ٹھیک ہوتا...... میرے لیے...... شیر دل کے لیے...... شہر بانو اور مثال کے لیے......" اس نے خیر دین سے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"آپ نے بہت خود غرضی دکھائی نانا...... اور زندگی میں پہلی بار خود غرضی دکھائی۔" اس نے مدھم آواز میں خیر دین کو جتایا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

”تم ٹھیک کہتی ہو لیکن بڑھاپا اور اولاد انسان کو مجبور کر دیتے ہیں...... میں کتنی بار تمہیں تکلیف میں پڑتے دیکھتا...... سجاد سے رشتہ ختم نہ ہو چکا ہوتا تو اور بات تھی لیکن رشتہ ختم ہونے کے بعد...... اور وہ بھی میری جلد بازی کی وجہ سے...... میں نے یہی ٹھیک سمجھا کہ تمہاری شادی شیر دل کے ساتھ ہو جانی چاہیے۔“ خیر دین کی آواز میں ندامت تھی۔ وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح کسی بڑے کے سامنے خود سے ہونے والی کسی غلطی کا اعتراف کر رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔

”جو بھی تھا یہ ٹھیک نہیں تھا نانا...... میں آپ کو اتنا کمزور نہیں سمجھتی تھی۔“ اس نے کچھ ناپسندیدگی سے کہا۔

”جب تمہاری اپنی اولاد ہو جائے گی تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ اولاد انسان کو کس طرح کمزور کرتی ہے۔ اس کے اصول اور اخلاقیات کو کس طرح بدل کر رکھ دیتی ہے۔“ خیر دین نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر مدھم مسکراہٹ کے ساتھ کہا وہ کچھ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ بے اختیار ہنس پڑی۔ اسے خیر دین سے ایسی مثال کی توقع نہیں تھی۔

☆☆☆

شیر دل کے ساتھ ازدواجی زندگی کا آغاز ایک آسان آغاز نہیں تھا...... یہ وہ شیر دل نہیں تھا جسے عکس اتنے سالوں سے جانتی تھی۔ وہ خوش مزاج، تحمل مزاج شخص اب بہت چھوٹی سی بات پر غصے میں آجاتا تھا...... فطرتاً اچھا ہونے کے باوجود شہر بانو اور مثال سے علیحدگی نے اس کے مزاج کو بہت بری طرح بدلا تھا۔ وہ پہلے کی نسبت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اگر بات نہ کرتا تو کئی کئی دن بات نہیں کرتا تھا...... فون نہیں کرتا تھا...... اور اگر فون کرنے پر آتا تو دن میں کئی کئی بار اسے فون کرتا...... وہ متلون مزاج ہو گیا تھا اور وہ پہلے ایسا نہیں تھا عکس کو اس کے mood swing بری طرح پریشان کرتے تھے لیکن اس کے باوجود شیر دل کے ساتھ شروع کے چھ ماہ اس نے بڑے تحمل کے ساتھ گزارے تھے پھر آہستہ آہستہ بچے کی آمد کا وقت نزدیک آتا گیا تھا اور شیر دل کا مزاج بدلتا گیا۔ وہ پرانا شیر دل لوٹنے لگا تھا اس کی توجہ، محبت اور خیال بڑھ گیا تھا، اس کی متلون مزاجی میں کچھ کمی آنے لگی تھی۔ شاید اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ عکس کے ساتھ اتنا اچھا شوہر بن کر نہیں رہا تھا جتنا وہ شہر بانو کے ساتھ ہمیشہ رہا تھا۔

☆☆☆

شہر بانو کو طغرل کی پیدائش کا پتا مثال سے چلا تھا۔ وہ اپنی چھٹیوں میں پاکستان شیر دل سے ملنے گئی تھی اور اس بار شہر بانو نے اسے اکیلے بھجوا دیا تھا۔ وہ اپنی جاب کی وجہ سے چھٹی نہیں لے سکتی تھی اور نہ ہی اب وہ ایک بار پھر شیر دل کا سامنا کرنا چاہتی تھی۔ جب زندگی بدل نہیں سکتی تھی تو پھر حقیقت سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے فرار بہتر تھا وہ بھی اب یہی کرنا چاہتی تھی، نو سے پانچ بجے کی ایک تھکا دینے والی نوکری، ایک شوہر جو اسے بیوی سے زیادہ ایک ہاؤس کیپر سمجھتا تھا اور ایک بیٹی جو اس کے کسی فیور، کسی خدمت سے خوش نہیں ہوتی تھی...... شہر بانو کے پاس اس ”baggage“ کے ساتھ زندگی ویسے ہی ایک ہی دائرے میں گھومنے لگی تھی جس میں وہ کولہو کے بیل کی طرح کچھ سوچے سمجھے بغیر چکر کاٹتی جا رہی تھی۔ شیر دل کے ساتھ گزاری ہوئی زندگی، اس کی محبت، وہ ناز برداریاں وہ آرام و آسائش خواب ہو چکے تھے۔ جو اَب باقی تھا وہ ایک مشکل زندگی تھی جس میں obligations تھیں options نہیں تھے اور اس ٹھہرے ہوئے پانی میں مثال نے جیسے ایک تلاطم پیدا کر دیا تھا۔

وہ پاکستان جانے کے پانچویں دن اس سے فون پر بات کر رہی تھی جب مثال نے اسے بے حد ایکسائٹڈ انداز میں ایک چھوٹا اور پیارا سا بھائی آنے کی اطلاع دی تھی۔ شہر بانو ہل بھی نہیں سکی تھی، یہ غیر متوقع نہیں ہونا چاہیے تھا اس کے لیے...... پھر بھی غیر متوقع تھا...... تکلیف نہیں ہونی چاہیے تھی اسے پھر بھی ہوئی تھی، کچھ میں ہی نہیں آیا تھا کہ وہ مثال سے کیا کہتی یا کسی سے بھی کیا کہتی...... مثال دوسری طرف سے بڑے پُرجوش انداز میں اسے بھائی کے حلیے کی تفصیلات دے رہی تھی۔ اس نے عجیب کم ہمتی کے عالم میں فون رکھ دیا تھا۔ تھکن اتنی تھی کہ اسے لگا وہ اب کبھی اٹھ نہیں سکتی۔ ایک بیٹا اس کی اور شیر دل کی خواہش تھی۔ وہ پلان کر رہے تھے اگر یہ سب ان کی زندگی میں نہ ہوتا تو شاید اس سال وہ بیٹا اس کا بیٹا ہوتا۔ وقت اس سے سب کچھ چھین کر لے گیا تھا اور جو چھین کر لے گیا تھا وہ دوسروں کو دے رہا تھا۔ داؤد کے ساتھ اس کی شادی کو بھی ایک سال ہونے والا تھا لیکن وہ اولاد نہیں چاہتا تھا اور کم از کم چند سال تو اس کے لاکھ سر پٹخنے کے باوجود وہ اس ایک بات پر اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔

”تمہاری اولاد ہے...... بیٹی ہے پھر تمہیں کیا ٹینشن ہے اگر کوئی ٹینشن ہونی چاہیے تو وہ مجھے ہونی چاہیے۔“ اس کے پاس ہر وقت اس ایشو پر بحث کے دوران ایک ہی جواب ہوتا تھا۔

وہ چھوٹے دل کی اور کم ظرف نہیں تھی لیکن بس وہ ایک چیز کے معاملے میں اپنا دل بڑا کر کے شیر دل یا عکس کو مبارک باد بھی نہیں دے سکی تھی نہ خود نہ ہی مثال کے ذریعے...... اس نے اس خبر کے ملنے کے بعد اگلے کئی دن مثال سے بھی بات نہیں کی تھی وہ اس سے اس بچے کے بارے میں مزید کچھ نہیں سننا چاہتی تھی...... اور مثال نے جیسے اس کی کال کے آنے نہ آنے کو محسوس تک نہیں کیا تھا...... وہ بھی طغرل کے ساتھ اس طرح مصروف تھی کہ اسے کوئی ہوش ہی نہیں تھا۔ جتنی اٹیچڈ وہ اس بچے کے ساتھ ہو گئی تھی اتنی ہی اٹیچڈ وہ عکس سے بھی ہو رہی تھی...... وہ وحشت جو وہ شہر بانو کو دکھاتی تھی وہ عکس کے سامنے ایک بار بھی نہیں جھلکی تھی۔ وہ ایک ماہ شیر دل اور عکس کے پاس رہی تھی اور شیر دل واپس پشاور جاتے ہوئے اس کی ضد پر اسے عکس اور طغرل کے پاس ہی چھوڑ گیا تھا اور اس ایک ماہ میں وہ طغرل سے زیادہ عکس کی پرچھائیں بن کر رہی تھی، وہ relationship جو اس نے کبھی شہر بانو کے ساتھ جانے کے بعد بداعتمادی میں کھویا تھا وہ اس نے ایک اور جگہ دریافت کیا تھا۔ مثال کے اپنے ساتھ بہت اٹیچ ہونے کے باوجود شیر دل کو ان مسائل کا کسی نہ کسی حد تک اندازہ تھا جو مثال کے رویے اور عادتوں میں تھے اور پشاور جانے کے بعد بھی وہ اس حوالے سے بار بار اسے اور عکس کو فون کرتا تھا لیکن اسے حیرت ہوئی تھی جو ضد اور بدتمیزی وہ اسے دکھاتی تھی عکس نے اس کی شکایت نہیں کی تھی۔ اسے لگا تھا شاید وہ لحاظ میں اس کی شکایت سے اجتناب کر رہی تھی مگر چند دن بعد دوبارہ عکس کے پاس اس کے گھر آنے پر اس نے مثال کو ویسا ہی فرمانبردار اور باتمیز پایا تھا جیسا عکس اسے فون پر بتاتی تھی۔ وہ شیر دل کے آنے پر اس سے ضد کرنے لگی تھی لیکن عکس کے ایک بار منع کرنے پر وہ فوراً مان جاتی تھی اور اس اطاعت میں خوف اور سختی کا کوئی element نہیں تھا۔ وہ طغرل پہ جان چھڑکتی تھی مگر وہ عکس کی توجہ پانے کے لیے ہر وقت اس کے اردگرد ہی منڈلاتی رہتی تھی۔ وہ پہلا موقع تھا جب وہ دونوں ملی تھیں یا انہوں نے بات کی تھی اور وہ عجیب طرح سے ایک دوسرے سے connect ہوئی تھیں۔

ایک مہینہ گزر جانے کے بعد مثال بہت مشکل سے واپس امریکا جانے پر تیار ہوئی تھی۔ شہر بانو کے پاس واپس جانا جیسے اس کی زندگی کا ایک بھیانک خواب تھا جسے وہ دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ شہر بانو کے پاس وہی مثال واپس پہنچی تھی جو وہاں سے گئی تھی۔ خاموش، بدتمیز، خفا، irritated اور کنفیوزڈ جو عکس اور شیر دل کے پاس 24 گھنٹے چہکتی رہتی تھی اس کے پاس شہر بانو سے کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اس کی آواز میں وہ کھنک اور خوشی تک نہیں تھی جو شہر بانو اس سے پاکستان میں بات کرتے ہوئے محسوس کرتی تھی ہاں البتہ اس کی کبھی کبھار کی جانے والی باتوں میں دو نام آگئے تھے۔ طغرل اور عکس آنٹی، اسے پہلے نام نے نہیں توڑا تھا۔ دوسرے نام نے کسی شیشے کی طرح کاٹا تھا، مثال جتنی بار طغرل کا ذکر کرتی تھی عکس کا بھی ذکر کرتی تھی اور بعض دفعہ شہر بانو کو لگتا طغرل کا ذکر تو ذکر کرتا ہوتا تھا عکس کا ذکر خصوصاً...... اس عورت میں کوئی witch کی...... کوالٹی تھی جو وہ سب کو اپنی مٹھی میں کر لیتی تھی لوگ جس کے پاس بھی ہوتے ان کا دل و دماغ عکس مراد علی کے قبضے میں رہتا۔ اس نے شیر دل کے ساتھ یہی کیا تھا اور اب وہ مثال کے ساتھ بھی یہی کر رہی تھی۔ کیوں؟ وہ اب کیا چاہتی تھی؟ اس کی بیٹی؟ شہر بانو بے وجہ خفا ہوئی، بے وجہ خوف زدہ ہوئی۔

”ممی، عکس آنٹی نے کہا ہے جب میں next ٹائم ان کے پاس جاؤں گی تو وہ طغرل کے ساتھ ساتھ میرا بھی ایک بہت اچھا سا روم بنا دیں گی پھر میں اپنے روم میں رہوں گی۔“ وہ اس دن اسے صبح اسکول جانے کے لیے تیار کر رہی تھی جب مثال کو یک دم پتا نہیں کیا یاد آیا تھا، اس نے بڑے ایکسائٹڈ انداز میں ماں سے کہا۔

”وہ کبھی تمہارے لیے کچھ نہیں بنائیں گے، اب ان کے پاس اپنا baby ہے تمہارے پاپا اور طغرل کی ممی کو تم میں دلچسپی نہیں ہے، ان کے لیے اپنا baby کافی ہے۔ وہ تم سے جھوٹ بول رہے ہیں۔“ اس نے مثال کا سفید پڑتا چہرہ بھی نہیں دیکھا تھا وہ بس غصے کے عالم میں اس کے اس محل کو اپنے پیروں تلے روندتی چلی گئی تھی جو اس بچی نے بنایا تھا۔ وہ اَن پڑھ، جاہل عورتوں کی طرح یہ باتیں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اپنی اکلوتی بیٹی کو صحت مندانہ سوچ اور رویہ ہی دینا چاہتی تھی مگر حسد اور غصے نے کچھ دیر کے لیے جیسے اس کا ذہن ماؤف کر دیا تھا۔ اس کے پاس صرف مثال رہ گئی اور وہ کم از کم اس کی محبت عکس کے ساتھ نہیں بانٹ سکتی تھی۔ وہ پورا دن مثال گم صم رہی تھی۔ رات کو اس نے شیر دل سے Skype پر بات کرنے کی ضد کی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ اسے laptop دے کر خود چلی گئی تھی۔ وہ دو گھنٹے کے بعد کچن کا کام نمٹا کر اس کے کمرے میں آئی تھی۔ مثال بستر پر laptop کے پاس ہی سو چکی تھی۔ اس نے laptop میں skype کی ونڈو آف کرنا چاہی اور رک گئی، شیر دل کی ڈسپلے میں طغرل کی تصویر تھی۔ وہ بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ اس کے چہرے میں شیر دل کی واضح شباہت تھی۔ سرخ و سفید رنگت بڑی بڑی آنکھوں اور معصوم مسکراہٹ والا ایک گول مٹول چہرہ...... وہ نم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ کچھ دیر کے لیے غصہ پتا نہیں کہاں چلا گیا تھا۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ laptop بند کر کے کمرے سے چلی گئی۔

''عکس آنٹی نے کہا ہے طوغی کے آنے سے میری importance میں کوئی کمی نہیں آئی، پاپا نے بھی یہی کہا ہے۔'' اگلی صبح وہ اسے اسکول چھوڑنے جا رہی تھی جب مثال نے یک دم اس سے کہا تھا۔ وہ بری طرح چونکی۔

''عکس سے بات کب ہوئی تمہاری؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ کچھ خشک ہو گیا تھا۔

''پاپا نے رات کو skype پر بات کروائی ہے میں نے طوغی کو بھی دیکھا۔'' مثال نے بے حد خوشی سے اسے بتایا۔ شہر بانو کا پارہ یک دم چڑھ گیا تھا۔

''تم نے اگر دوبارہ طغرل کی ممی سے بات کی تو میں تمہیں دوبارہ کبھی تمہارے پاپا سے بات نہیں کرنے دوں گی۔'' اس نے بلا جھجک اسے دھمکایا تھا۔

''لیکن کیوں، عکس آنٹی بہت اچھی ہیں...... I really like her۔''

''Stop it...... تمہیں ضرورت نہیں ہے مجھے بتانے کی کہ تمہیں کون پسند ہے اور کون نہیں، میں نے تمہیں کہہ دیا تم عکس سے بات نہیں کرو گی تو تم نہیں کرو گی۔'' اس نے بری طرح اسے جھڑکا تھا۔ مثال کچھ دیر الجھی نظروں سے ماں کو دیکھتی رہی۔ پھر وہ ایک دم کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ شہر بانو کچھ دیر خاموشی سے ڈرائیو کرتی رہی پھر اس نے جیسے کچھ بے چین ہو کر مثال کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے کی کوشش کی جسے اس نے جھٹک دیا۔

''وہ تمہیں مجھ سے چھین لینا چاہتی ہے۔ اس لیے وہ تمہیں پیار کر رہی ہے۔ وہ تمہیں genuinely (خلوص سے) میری طرح پیار نہیں کرتی۔'' شہر بانو نے عجیب بے چینی سے اس سے کہا۔ مثال نے اس پر ایک اور الجھی نگاہ ڈالی اور کہا۔

''ممی میں پاپا اور عکس آنٹی کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں، میں طوغی کو miss کرتی ہوں۔'' اس نے اتنے کھلے ڈلے الفاظ میں اس سے کہا تھا کہ چند لمحوں کے لیے شہر بانو کچھ بولنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

''میں تمہیں کبھی وہاں نہیں بھیج سکتی، تم میری اکلوتی بیٹی ہو تم مجھے چھوڑ کر اس کے پاس کیسے رہ سکتی ہو۔ you loved them more then me? (تم انہیں مجھ سے زیادہ پیار کرتی ہو؟)۔ بات کرتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

''yes۔'' ایک لفظی جواب نے اس کی ہمت ختم کر دی تھی۔

وہ باقی کا سارا راستہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ خاموشی سے ڈرائیو کرتی رہی تھی۔ مثال بے حد سرد مہری اور بے نیازی کے عالم میں پورا راستہ گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔

بعض دفعہ اولاد انسان کے لیے نعمت سے زیادہ ایک ٹارچر بن جاتی ہے۔ ٹو وے ٹارچر...... وہ آپ کو کچھ کہیں تو آپ کو تکلیف ہوتی ہے، آپ ان کو کچھ کہیں تو بھی آپ ہی کو تکلیف ہوتی ہے...... اور وجہ صرف یہ ہے کہ آپ نے انہیں پیدا کیا ہوتا ہے انہوں نے آپ کو نہیں...... وہ آپ کو چھوڑ سکتے ہیں آپ ان کو نہیں۔

مثال کے ساتھ ہونے والے یہ بار بار کے arguments (مکالمے) جیسے شہر بانو کے دل میں ایک اور اولاد کی خواہش شدت سے پیدا کر رہے تھے وہ ایک سیکنڈ چانس لینا چاہتی تھی شاید ایک اور تجربہ جو اس کے اور داؤد کے کھوکھلے رشتے کی بنیاد بدل دے اور اگر نہیں بھی ہوتا تو وہ بچہ مثال اور اس کے درمیان communication (تعلق) کے گرتے ہوئے پل کو تو سہارا دے سکتا تھا۔ اس نے مثال کی طغرل کے لیے دیوانہ وار محبت دیکھی تھی اور اسے یوں لگتا تھا کہ وہ یہ محبت اس کے اور داؤد کے بچے کے ساتھ بھی کر سکتی تھی۔

اگلا سال اس کی زندگی کا ایک اور مشکل سال تھا۔ داؤد، شرمین اور فاروق کے مجبور کرنے پر اس فیملی کا آغاز کرنے پر تو تیار ہو گیا تھا لیکن ان دونوں کے باہمی تعلقات پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئے تھے اور تعلقات کی یہ خرابی اس وقت اور بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

بڑھ گئی جب داؤد کو اچانک اسی کمپنی سے Lay off (نوکری سے نکالنا) کر دیا گیا جہاں وہ کئی سالوں سے کام کر رہا تھا۔ شہر بانو پہلے جاب سے اپنے اخراجات پورے کرتی تھی اور گھر میں تھوڑا بہت کنٹری بیوشن کرتی تھی اب یک دم گھر کے سارے اخراجات اس کے سر آ گئے تھے۔ گھر mortgage ہونے کی وجہ سے ان دونوں پر شدید فنانشل پریشر تھا۔ ایک اور بچہ ان حالات میں پیدا کرنا اس گلے میں پھندا ڈالنے کے برابر تھا جس میں پہلے ہی بہت سے پھندے پڑے ہوئے تھے۔ ان حالات میں مثال کے لیے ہر ماہ شیر دل کی طرف سے بھیجی جانے والی رقم ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی۔ وہ رقم جو پہلے کچھ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ اب یک دم بہت جگہوں پر کام آنے لگی تھی۔

سال ختم ہونے پر ایک بار پھر چھٹیوں میں مثال پاکستان گئی تھی، وہ اس بار بھی اکیلی تھی شہر بانو کو اس سال بقا کی ایسی جنگ لڑنی پڑی تھی کہ اس کے دل سے مثال اور عکس کے حوالے سے سارے خدشات اور وسوسے نکل گئے تھے اور وہموں اور وسوسوں کو پالنے کے لیے وقت کا ہونا ضروری تھا اور اس کے پاس...... آفس، گھر اور باہر کے کاموں کے بعد صرف اتنا وقت بچتا تھا کہ وہ چند گھنٹے سو کر اگلے دن دوبارہ اسی جنگ کے لیے تیار ہوتی اور ایسے حالات میں جب اس کے پاس مثال سے بات تک کرنے کے لیے وقت نہیں تھا وہ اس کے بارے میں واہمے پالنے کیسے بیٹھ جاتی۔

مثال اس بار شیر دل اور عکس دونوں کو پچھلے دو سالوں کی نسبت گم صم اور بدلی ہوئی لگی تھی۔ وہ اب بھی طغرل کے آگے پیچھے پھرتی رہی تھی مگر انہوں نے ویسے اسے بہت خاموش اور فکر مند پایا۔ شیر دل اور عکس کے بہت زیادہ کریدنے کے باوجود بھی وہ کچھ جاننے اور سمجھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

عکس کو مثال بہت اچھی لگتی تھی، وہ ہمیشہ اسے باربی ڈول کی یاد دلاتی تھی وہ شکل صورت میں اسی کا بچپن تھی۔ اسے لڑکیاں ہمیشہ اچھی لگتی تھیں اور اس کی وجہ اسے کبھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ طغرل کو accept کرتے ہوئے بھی کہیں نہ کہیں ایک بیٹی کی خواہش اپنے دل میں پالے ہوئے تھی اور وہ پوری نہیں ہوئی تھی لیکن مثال کے اپنے پاس قیام کے دوران مزید بڑھ ضرور گئی تھی۔ مثال ڈسٹربڈ تھی اس کا اندازہ اسے پہلی دفعہ بھی ہو چکا تھا لیکن اس کو ہینڈل کرنا اتنا مشکل ثابت نہیں ہوا تھا، وہ اس کی بات سنتی بھی تھی اور مانتی بھی تھی کسی اور کی بات سنتی نہ سنتی اور وہ اس کی توجہ کی بھی خواہش مند رہتی تھی۔ عکس کی ستائش جیسے اس کے لیے ایک certification تھی وہ پاکستان سے جانے کے بعد بھی عکس سے رابطے میں رہی تھی۔ ہر دفعہ شیر دل کے اس کے گھر پر ہوتے ہوئے وہ عکس کی بھی بات اس سے ضرور کرواتا تھا۔

''آنٹی کیا آپ ممی کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتیں؟'' اس نے ایک دن لان میں طغرل کے ساتھ کھیلتے کھیلتے اچانک عکس سے کہا تھا، وہ حیران ہوئی تھی اس غیر متوقع اور عجیب و غریب فرمائش کو سن کر سوال کا جواب کمال مشکل تھا۔

''تمہاری ممی آ کر رہنا چاہیں تو most wel come لیکن مجھے نہیں لگتا وہ یہاں آ کر رہنا چاہیں گی وہ امریکا میں جاب کرتی ہیں، وہاں ان کا اپنا گھر ہے، ان کے husband ہیں...... وہ کیوں یہ سب کچھ چھوڑ کر یہاں آنا چاہیں گی؟'' اس نے بڑی نرمی سے مثال کو آسان لفظوں میں جواب دینے کی کوشش کی تھی۔

''وہ آ بھی سکتی ہیں۔'' مثال نے جیسے کسی گہری سوچ میں الجھتے ہوئے اس سے کہا، عکس کو اب بھی اس کی بات کی سمجھ میں نہیں آئی۔

''ان کے لیے یہاں آنا مشکل ہے، میں نے تمہیں بتایا نا کہ وہ اپنے گھر اور شوہر کو چھوڑ کر کہیں اور تو نہیں جا سکتیں۔ وہ وہاں بہت خوش ہیں۔''

''No she is not'' اس نے مثال کو کہتے سنا عکس نے بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا، یہ مناسب نہیں تھا لیکن وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''وہ خوش نہیں ہیں؟''

''no'' مثال نے یک لفظی جواب دیا، وہ اب ایک بچے کی اس الجھن کا شکار ہو رہی تھی جو اسے راز رکھنے نہ رکھنے کے درمیان فیصلہ نہ کر پانے والی صورت حال میں رکھے ہوئے تھی۔ اس ایک لفظی جواب نے عکس کو مزید سوالوں پر مجبور کر دیا تھا۔

''کیوں خوش نہیں ہیں؟'' مثال اس کے سوال کے جواب میں کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے جیسے کچھ پریشان سے انداز میں مدھم آواز میں کہا۔

"because he hit him" (کیونکہ وہ انہیں مارتے ہیں) مدھم آواز میں کہے ہوئے اس جملے نے عکس کو کچھ دیر کے لیے فریز کردیا تھا۔ "only" sometimes.....I mean not always"

مثال نے یک دم خود ہی جیسے کچھ تصحیح کی یوں جیسے اپنی ندامت میں وہ معاملے کی سنگینی کو کم کرنا چاہتی ہو۔

بعض انکشاف انسان کی سمجھ میں نہیں آتے عکس کو بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ اس راز کو جاننے کے بعد کیا کرے...... مثال کو مزید کریدے یا اس کی طرح خاموش ہو جائے یا داؤد کو ملامت کرے یا شہر بانو سے ہمدردی...... مثال سر جھکائے اسکریبل کے پیسز جوڑنے میں مصروف تھی یوں جیسے وہ اس راز کو اس کے ساتھ شیئر کر لینے کے بعد اب نادم تھی۔ عکس شاک کے عالم میں اس کے پاس بیٹھی رہی...... اتنے عرصے میں اسے یہ اندازہ تھا کہ مثال اور شہر بانو کے درمیان بہت مسئلے ہیں مگر شہر بانو اور داؤد کے درمیان بھی سب کچھ ٹھیک نہیں تھا یہ اسے اندازہ نہیں ہوا تھا۔ ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا وہ یہ بات شیر دل سے شیئر کرے یا نہ کرے...... اور وہ مثال کے پورے قیام کے دوران اس ایک الجھن کا شکار رہی تھی۔

"شرمین آنٹی کو یہ سب پتا ہے؟" اس نے اس دن مثال کے انکشافات کے بعد مثال سے پوچھا تھا۔

"I dont know" جواب پھر مختصر تھا۔ عکس نے جیسے کوئی راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی جو ناکام ہوئی تھی۔

مثال کے واپس جانے کے بعد بھی عکس اس انکشاف کو اپنے ذہن سے نہیں نکال سکی اور اس نے بالآخر شیر دل سے جب ویک اینڈ پر یہ بات شیئر کی تو وہ بھی کچھ دیر کے لیے اسی کی طرح ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"تمہیں مجھے اسی وقت بتانا چاہیے تھا" اس نے کہا تھا اور وہ اب بے حد متفکر نظر آنے لگا تھا۔

"میں بتانا چاہتی تھی لیکن ڈبل مائنڈڈ ہو گئی تھی۔"

"داؤد ایسا آدمی تو نہیں ہے کہ مار پیٹ کرے۔" شیر دل بہت الجھ گیا تھا، وہ داؤد کو بہت اچھی طرح جانتا تھا اور اس سے بہت بار مل بھی چکا تھا۔

"لیکن کچھ نہ کچھ تو ہو رہا ہے ان کے گھر میں جو مثال کو ڈسٹرب کر رہا ہے۔" عکس نے کہا تھا۔

"اگر وہاں یہ سب ہو رہا ہے تو پھر مثال کو وہاں نہیں ہونا چاہیے، میں اپنی بیٹی کو وہاں سے لے آؤں گا۔" شیر دل کو بات کرنے کے بعد احساس ہوا، وہ اسے بہت عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ "کیا ہوا؟"

"تم صرف مثال کے بارے میں فکر مند ہو، شہر بانو کے بارے میں نہیں......؟" وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کچھ دیر کے لیے بے حد خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر شیر دل نے اس سے نظریں ہٹالیں۔

"نہیں۔" اس کے لہجے میں عجیب سی سرد مہری تھی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا شیر دل۔" عکس نے جیسے اسے ملامت کرنے والے انداز میں کہا۔

"مجھے کیوں پروا ہونی چاہیے؟ میرا اور اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔" شیر دل نے کچھ اکھڑے ہوئے لہجے میں اس سے کہا۔

"وہ تمہاری بیوی رہ چکی ہے۔ تمہاری بیٹی کی ماں ہے، کبھی تم اس سے بہت محبت کرتے تھے۔" عکس نے جیسے اسے یاد دلایا۔

"تو......؟" اس نے بات کاٹتے ہوئے اسی انداز میں اس سے پوچھا۔

"تو تمہیں اس کی پروا ہونی چاہیے۔ بہت زیادہ نہیں تو تھوڑی بہت...... کم از کم اتنی جتنی ایک انسان کو کسی دوسرے انسان کے لیے ہوتی ہے۔" شیر دل کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"میرے پروا کرنے سے کیا ہوگا، میں کچھ نہیں کر سکتا اس کے لیے...... داؤد اس کا اپنا انتخاب تھا، اب اگر وہ انتخاب اس کے لیے ٹھیک نہیں نکلا تو میں کیا کر سکتا ہوں...... افسوس کرنے کے علاوہ......" وہ کہتا ہوا اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا...... عکس وہیں بیٹھی رہی۔ شیر دل نے جو بھی کہا تھا بالکل ٹھیک کہا تھا کوئی بھی سمجھدار آدمی یہی کہتا۔ اس کے باوجود اسے جیسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ شہر بانو سے اس حد تک لاتعلق ہو سکتا تھا اور کیسے ہو سکتا تھا اس نے اس کا اور شہر بانو کا تعلق ان کی شادی دیکھی تھی...... وہ شہر بانو کے بارے میں شیر دل کی فیلنگز سے بھی واقف تھی۔ وہ کبھی اس کی گفتگو کے ہر دوسرے جملے میں آتی تھی اور وہ اب اس بات سے بھی بے حس تھا کہ وہ تکلیف میں تھی۔ انسان کسی کو اتنی آسانی سے بھلا سکتا ہے؟ اتنی آسانی سے اس سے بے

نیاز ہو سکتا ہے...... وہ کتابوں میں محبت کے بارے میں لکھی باتوں پر یقین نہیں کرتی تھی لیکن محبت پر کرتی تھی اور اس کا یہ یقین اس شام بری طرح ڈگمگایا تھا۔

☆☆☆

رات کے پچھلے پہر کا کوئی وقت تھا جب اس کی آنکھ کھلی تھی چند لمحوں کے لیے اسے لگا جیسے طغرل جاگا ہوا تھا اور اس کی آنکھ طغرل کے ہلنے سے کھلی ہوگی۔ کروٹ لینے پر اسے طغرل تو اسی طرح گہری نیند میں نظر آیا لیکن شیر دل اپنے بستر پر نظر نہیں آیا تھا۔ باتھ روم کی لائٹ بھی آف تھی۔ عکس کچھ تشویش اور حیرانی سے اٹھ کر بیڈ روم سے باہر آئی تھی وہ باہر کاریڈور کی نیم تاریکی میں قدِ آدم کھڑکیوں کے پاس پڑی ایک کرسی پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا...... دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے نیم تاریکی میں عکس کو دیکھنے کی کوشش کی...... عکس نے کاریڈور کی ایک فینسی لائٹ آن کر دی۔ وہ اسی طرح سگریٹ پیتا رہا، وہ آکر اس کے برابر میں پڑی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"نیند نہیں آرہی تھی مجھے۔" شیر دل نے سگریٹ کو منہ سے نکالتے ہوئے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"میں جانتی تھی آئے گی بھی نہیں۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔ شیر دل نے اس کا چہرہ دیکھا پھر نظر چرالی۔

"اس سے بات کرو...... آخر وہ مصیبت میں ہے تو تمہیں اس کی مدد کرنی چاہیے، تم اس کے کزن بھی ہو...... خون کا رشتہ ہے تمہارا اس سے...... محبت کا رشتہ نہیں بھی نبھاتے تو......" عکس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

☆☆☆

"سب کچھ بالکل ٹھیک ہے۔" شہر بانو نے کچھ دیر کے لیے ماں کو دیکھتے رہنے کے بعد نظریں ہٹالی تھیں۔ شرمین کا وہ سوال اس کے لیے غیر متوقع نہیں تھا لیکن شرمین کا اس طرح ایک دوسرے شہر سے اچانک اس کے پاس آنا غیر متوقع تھا۔ داؤد اور اس کے درمیان شروع سے ہی اختلافات ابھرنا شروع ہو گئے تھے اور شرمین ان اختلافات سے واقف تھی اس لیے شہر بانو نے اس کے اس سوال کو ہمیشہ کی طرح ایک روٹین کا سوال سمجھا تھا وہ دونوں ابھی رات کے کھانے کے بعد کافی کے مگ لے کر بیٹھی تھیں جب شرمین نے یہ سوال کیا تھا۔

"داؤد تم پر ہاتھ اٹھاتا ہے کیا؟" شرمین کے اگلے سوال نے کافی کا سپ لیتی شہر بانو کو منجمد کر دیا تھا۔ اس کا رنگ اڑا تھا اور شرمین نے بے حد تکلیف سے اپنی اولاد کے تاثرات نوٹس کیے تھے۔ ان کا دل اس کے تاثرات دیکھ کر جیسے ڈوبا تھا۔

"آپ سے کس نے کہا؟" شہر بانو نے ہاں یا نہ کہنے کے بجائے کافی کا کپ نیچے رکھ کر کچھ اضطراب کے عالم میں شرمین سے پوچھا۔

"شیر دل نے" شہر بانو کا دماغ جیسے بھک سے اڑ گیا۔ "اس نے پرسوں فون کیا تھا مجھے...... مثال نے اسے تمہارے اور داؤد کے حوالے سے کچھ بتایا ہے وہ بہت اپ سیٹ تھا۔ میں بھی بہت اپ سیٹ ہوئی جھگڑوں کا تو میں جانتی تھی لیکن تم نے کبھی یہ نہیں بتایا کہ معاملات اس حد تک بگڑ چکے ہیں۔" شرمین بے حد اضطراب کے عالم میں کہتی رہیں اور شہر بانو اڑی ہوئی رنگت کے ساتھ عجیب صدمے کی کیفیت میں بیٹھی رہی۔ وہ بھی شیر دل کو بتانا چاہتی تھی کہ وہ بھی داؤد کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہی تھی ویسی ہی اچھی زندگی جیسی وہ عکس کے ساتھ گزار رہا تھا لیکن اس کا بھانڈا بیچ چوراہے پر پھوٹا تھا اور مثال وہ کیسے جانتی تھی...... وہ پل بھر میں بہت سے لوگوں کے سامنے نظریں اٹھانے اور نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی۔

"اس نے مثال کو واپس لینے کے حوالے سے کچھ کہا ہے کیا؟" شہر بانو نے بے حد اضطراب کے عالم میں کہا۔

"نہیں اس نے مثال کے حوالے سے کچھ نہیں کہا۔ صرف تمہارے حوالے سے بات کی۔" شرمین نے کہا۔

"لیکن پھر کس لیے اسے آپ سے بات کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔" شہر بانو بے چین تھی وہ یہ ماننے پر تیار ہی نہیں تھی کہ شیر دل اس کے اور صرف اس کے حوالے سے متفکر ہوا تھا۔ وہ یہ سوچ کر بوکھلائی ہوئی تھی کہ وہ مثال کی کسٹڈی کے حوالے سے اب ضرور اس سے بات کرے گا۔

"اس نے مجھ سے صرف یہ کہا کہ مجھے تمہارے بارے میں پتا ہونا چاہیے۔" شرمین نے کہا۔ "اگر داؤد اور تمہارے درمیان کوئی اختلافات ہیں تو مجھے ان کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، شرمین اسے بتا رہی تھی۔ "لیکن میں اسے کیا کہتی......"

"آپ نے اسے میرے اور داؤد کے جھگڑوں کے بارے میں بتایا؟" شہر بانو کچھ اور اپ سیٹ ہوئی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''تم نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا کہ داؤد تم پر ہاتھ اٹھاتا ہے؟'' شرمین نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس سے پوچھا۔

''پہلے ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا...... جب سے (بے روزگار) ہوا تھا بات بات پر بہت اگریسو ہو جاتا ہے......'' اس نے چند لمحوں کے بعد عجیب سی ندامت کے ساتھ شرمین کو بتایا۔

''تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ میں اور فاروق تو دماغ درست کر دیتے اس کا...... ایک بار پولیس کو کال کر دیتیں چار دن پولیس اسٹیشن رہ کر آتا تو دوبارہ تم پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے سو بار سوچتا۔'' شرمین بہت غضبناک ہو کر اس سے کہہ رہی تھیں وہ ٹوکے بغیر ان کی بات سنتی رہی۔

''پھر اس کے بعد کیا ہوتا ایک بار پھر بریک اپ...... ممی میں بار بار گھر توڑ اور بنا نہیں سکتی۔'' وہ بات کرتے کرتے آبدیدہ ہو گئی تھی۔

''but you don't deserve this life'' شرمین بھی رنجیدہ ہوئی تھیں۔

''پتا نہیں میں کیا deserve کرتی ہوں کیا نہیں...... لیکن بس ایک گھر بنائے رکھنا چاہتی ہوں میں اب...... کچھ عرصے میں جاب ہو جائے گی تو اس کا یہ ڈپریشن و غصہ بھی ختم ہونا شروع ہو جائیں گے۔'' وہ پتا نہیں کیا توجیہہ دے رہی تھی اور کس کو دے رہی تھی۔

''اور اگر نہ ہوئے تو؟'' شرمین نے اس سے پوچھا۔

''آپ صرف میرے لیے دعا کریں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں ماں سے کہا۔

''میں داؤد کا دماغ درست کر دوں گی۔''

''ممی آپ اس سے اس ایشو پر کوئی بات نہیں کریں گی...... میں گھر میں کوئی ہنگامہ نہیں چاہتی...... آپ چلی جائیں گی لیکن مجھے تو یہیں رہنا ہے۔'' اس نے ماں کو دیکھا تھا۔

''تم ایک abusive relationship میں رہنا چاہتی ہو...... کیوں؟'' اس نے بہت دیر تک خاموش رہنے کے بعد تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

''ممی میں expect کر رہی ہوں۔'' چند لمحوں تک شرمین کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔

''لیکن تم نے تو فیملی اسٹارٹ کرنے کا ارادہ ابھی ترک کر دیا تھا۔'' وہ الجھی تھیں۔

''ہاں...... لیکن بعض چیزیں unexpected ہوتی ہیں۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تم abort کروا سکتی ہو اس بچے کو...... اس mess میں پڑے رہنے کے لیے یہ بچہ زنجیر نہیں ہونا چاہیے تمہارے پیروں میں۔'' شرمین نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

''جیسے آپ نے abort کروایا تھا۔'' اس کے سوال نے شرمین کو چند لمحوں کے لیے گونگا کر دیا تھا۔ ''میں یہ نہیں کر سکتی...... میں اس بچے کو کسی چیز کی سزا نہیں دے سکتی......'' وہ رنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ ''آپ اس بچے کو abort نہ کرواتیں تو میرا کوئی بہن، بھائی ہوتا، کسی سے اپنی تکلیف شیئر کر سکتی میں۔''

''حماد اور اسد......''

''وہ دونوں میرے بھائی نہیں ہیں۔ وہ آپ کے اور انکل فاروق کے بیٹے ہیں لیکن میرے بھائی نہیں ہیں۔'' شہر بانو نے اسے بات کرنے سے روک دیا۔

''تم نے ہمیشہ اپنے آپ کو دوسروں سے الگ تھلگ رکھا، گھلنے ملنے کی کوشش کرتیں تو ان کے ساتھ بھی تمہارا کوئی ریلیشن شپ بن ہی جاتا۔'' شرمین نے اس کو blame کیا تھا اس بات کا احساس کیے بغیر کہ وہ ذہنی طور پر کس اذیت اور خود ترسی کا شکار تھی۔

''آپ ٹھیک کہتی ہیں...... سارے flaws (خامیاں) مجھ میں ہی ہیں...... ساری غلطیاں صرف میری ہیں...... ساری قیمت بھی تو میں ہی ادا کر رہی ہوں اور میں ہی ادا کروں گی۔'' وہ رنجیدگی سے کہتے ہوئے کافی کا کپ وہیں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

''تم اپنے پاپا سے میرے بارے میں بھی کبھی کوئی بات نہیں کرو گی۔'' شرمین دوسرے دن داؤد سے بات کیے بغیر چلی گئی تھیں اور ان کے جانے کے بعد شہر بانو نے مثال کو پاس بٹھا لیا تھا۔

''میں نے پاپا سے آپ کے بارے میں کوئی بات نہیں کی......'' مثال نے جواباً کہا۔

''stop lieing'' (جھوٹ بولنا) شہر بانو نہ چاہتے ہوئے بھی rude ہو گئی تھی۔

''I am not lieing'' مثال بھی ماں کے اس طرح بات کرنے پر irritate ہوئی تھی۔

''تم نے پاپا سے کیوں کہا کہ......'' شہر بانو کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس جملے کو کس طرح مکمل کرے۔ مثال اس پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ ''میرے اور داؤد کے درمیان جو کچھ بھی ہوا وہ تمہارے پاپا کا مسئلہ نہیں ہے۔ تمہیں ان کو کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے، تم نے شیر دل سے کیوں کہا کہ داؤد مجھے مارتا ہے۔''

''میں نے پاپا کو نہیں بتایا عکس آنٹی کو بتایا تھا۔'' اس کے جواب نے شہر بانو کی رہی سہی عزتِ نفس بھی اتار کر رکھ دی تھی۔ وہ بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔ وہ جیسے تماشا بن گئی تھی۔ ایک کے بعد ایک شکست عکس، شیر دل کے سامنے اس کی زندگی کی بساط پر موجود مہروں میں سے کوئی چال نہیں پا رہا تھا۔

''آئندہ بھی ان لوگوں سے میرے بارے میں کچھ مت کہنا...... I am warning you'' اس نے حلق کے بل چلا کر مثال سے کہا اور پھر روتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ مثال سہم گئی تھی۔ ممی اب ویسے کیوں نہیں رہتی تھیں جیسے پہلے رہتی تھیں...... خوش...... مسکراتے ہوئے...... مجھ سے ڈھیروں باتیں کرنے والی...... ممی عکس آنٹی جیسی کیوں نہیں ہو سکتیں...... وہ غصہ نہیں کرتیں...... وہ shout نہیں کرتیں...... وہ تو طوغی کے ساتھ اس طرح بات نہیں کرتیں جیسے ممی میرے ساتھ......

آنسوؤں سے بھری آنکھوں کے ساتھ مثال نہیں جانتی تھی وہ ایک ایسا موازنہ کر رہی تھی جو اگر شہر بانو جان جاتی تو اس کی اذیت میں اور اضافہ ہو جاتا۔

☆☆☆

خیر دین کی موت نے کچھ مہینوں کے لیے عکس اور شیر دل کی توجہ شہر بانو سے ہٹا دی تھی۔ وہ عکس مراد علی کی زندگی کا ایک اور تکلیف دہ دور تھا۔ شیر دل جیسا ساتھی اگر اس کی زندگی میں نہ ہوتا تو اس تکلیف سے گزرنے اور سنبھلنے میں اسے بہت وقت لگ جاتا لیکن شیر دل نے اسے سنبھال لیا تھا، وہ جانتی تھی خیر دین دنیا سے بہت مطمئن اور پرسکون ہو کر گیا تھا اور اس کی ایک وجہ شیر دل اور طغرل بھی تھے اور اس دوسرے بچے کی خبر بھی جو اسے خیر دین کی اس آخری علالت سے کچھ دن پہلے ملی تھی۔

خیر دین کے انتقال کے تین ماہ بعد عکس کو ایک دن مثال سے بات کرتے ہوئے اس مسئلے کا خیال آیا تھا۔ جو مثال نے اس سے شیئر کیا تھا۔

''وہ expect کر رہی ہے اور وہ داؤد کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔'' skype پر بات ختم کرنے کے بعد اس نے شہر بانو کے متعلق شیر دل سے پوچھا تھا اور اس نے مدھم آواز میں اسے بتایا۔ وہ مزید سوال نہیں کر سکی۔ فیصلہ صحیح تھا یا غلط شہر بانو کا فیصلہ تھا اور ان حالات میں کیا گیا تھا جب اس کے پاس آپشنز نہ ہونے کے برابر تھے۔ بات وہیں ختم ہو گئی تھی اور شاید یہ موضوع دوبارہ زیرِ بحث نہ آتا اگر چند ماہ کے بعد انہیں شہر بانو کے miscarriage کا پتا نہ چلتا، وجوہات کیا تھیں، شرمین یا مثال شیر دل کو یہ نہیں بتا سکے تھے...... مگر وہ اور عکس دونوں ہی اس خبر کو سن کر اپ سیٹ ہوئے تھے۔ عکس شہر بانو کی تکلیف اور ذہنی کیفیت کا اندازہ شیر دل سے زیادہ اچھی طرح لگا سکتی تھی، خاص طور پر تب جب وہ خود ایسی حالت میں تھی......

وہ پہلا موقع تھا جب وہ شہر بانو کو فون کیے بغیر نہیں رہ سکی تھی، تب شہر بانو کے miscarriage کو دو ہفتے گزر چکے تھے۔ عکس مراد علی کے تعارف سے پہلے ہی صرف اس کی آواز سننے پر بھی وہ اسے پہچان گئی تھی۔ کچھ دیر کے لیے اس کے حواس نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ کال اتنی ہی unexpected تھی۔

''مجھے آپ کے miscarriage کا پتا چلا...... بہت افسوس ہوا ہے۔ صرف اس لیے بات کرنا چاہتی تھی میں۔'' اس نے شہر بانو سے علیک سلیک کے بعد کہا تھا پھر اس کے جواب کا انتظار کیا۔ شہر بانو اسی طرح چپ رہی...... عکس نے چند اور جملے بولے تھے۔ شہر بانو نے اس کا بھی جواب نہیں دیا۔ وہ ہمیشہ سوچتی تھی کہ وہ اگر کبھی عکس مراد علی سے بات کرے گی تو اسے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس پر شدید غصہ آئے گا وہ اسے بہت برا بھلا کہے گی لیکن کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر وقفے وقفے سے اس کے جواب کے انتظار میں بولتی رہی تھی اور شہر بانو روتی رہی تھی۔ اسے زندگی میں کم از کم اس عورت کی ہمدردی نہیں چاہیے تھی لیکن اسی عورت کی ہمدردی سے اس کے اندر کا غصہ اور خفگی آنسو بن کر بہنے لگے تھے۔

''میں نے طغرل کی تصویریں دیکھی ہیں وہ بہت خوب صورت ہے۔'' شہر بانو کو سمجھ میں نہیں آیا اس وقت طغرل کیسے یاد آ گیا تھا اور اس کا ذکر وہ بھی تب...... جب عکس اس سے کچھ اور بات کر رہی تھی۔

عکس نے اس کی آواز کی بھراہٹ محسوس کی تھی پھر اس کے لفظوں کی بے ربطی بھی...... وہ آنسو جو فون لائن کے ایک طرف تھے اب دوسری طرف بھی بہنے لگے تھے۔ اس نے شہر بانو سے مزید کچھ کہنے کی کوشش کی مگر شہر بانو نے فون بند کر دیا...... وہ عکس مراد علی کے سامنے ریت کی دیوار کی طرح ڈھے نہیں جانا چاہتی تھی۔ اپنا کچھ بھرم رکھنا چاہتی تھی۔ عکس نے اس کے بعد کئی بار اسے فون کرنے کی کوشش کی تھی وہ یا تو کال ہی نہیں لیتی تھی اور اگر لیتی تو اس کی آواز سنتے ہی فون بند کر دیتی......

پانچویں مہینے میں ہونے والے اس miscarriage نے شہر بانو کی صرف ذہنی اور جذباتی کیفیت کو متاثر نہیں کیا تھا بلکہ اس کی شادی کو بھی بری طرح ہلا دیا تھا۔ شہر بانو اس ایک حادثے سے اتنی اپ سیٹ نہیں ہوئی تھی جتنی اس پریگننسی کے دوران مس کیرج کے بعد داؤد کی سرد مہری اور بے نیازی سے...... اسے نہ اس کی پریگننسی کی ایکسائٹمنٹ تھی نہ ہی بچے کے ضائع ہونے پر کسی طرح کی کوئی پریشانی یا افسوس۔ وہ اس کے مس کیرج کے دن اسے اسپتال میں اکیلا چھوڑ کر کسی جاب انٹرویو کے لیے چلا گیا تھا۔ فنانشل کرائسز اور روپے پیسے کی تنگی انسان کو صرف توڑتی ہے لیکن اپنے خونی رشتوں اور لائف پارٹنر کی خود غرضی اور بے حسی انسان کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیتی ہے۔ شہر بانو کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

تقریباً چھ ماہ گزرنے کے بعد وہ بالآخر اس شادی کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک گئی تھی۔ اسے تب تک یوں لگنے لگا تھا کہ وہ اگر چند ماہ اور اس شادی میں رہی تو پھر شاید وہ اس کے بعد ذہنی امراض کے کسی اسپتال میں پائی جائے گی۔

مثال ان دنوں ایک بار پھر چھٹیوں میں پاکستان تھی۔ جب شہر بانو اور داؤد کے درمیان طلاق ہوئی تھی۔ وہ اس طلاق کے بعد شرمین اور فاروق کی ہزار کوششوں کے باوجود ان کے پاس جا کر رہنے پر تیار نہیں ہوئی۔ وہ اب مثال کے ساتھ کوئی اپارٹمنٹ کرائے پر لے کر اکیلے رہنا چاہتی تھی۔ جاب اس کی اچھی تھی اور وہ مثال کے ساتھ آرام سے رہ سکتی تھی۔ اسے اب شیر دل کی اس ماہانہ بھیجی جانے والی رقم کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

☆☆☆

''آنٹی میں ممی کے پاس نہیں جانا چاہتی آپ مجھے یہیں رہنے دیں میں طوغی اور باذل کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔'' چھٹیاں ختم ہونے کے قریب پہنچنے پر مثال نے ایک دن بہت اکتاہٹ آمیز انداز میں عکس سے کہا۔

''بیٹا تمہاری ممی کو اس وقت تمہاری بہت ضرورت ہے وہ وہاں اکیلی ہیں، عکس نے اسے سمجھایا تھا وہ شہر بانو اور داؤد کی طلاق کے بارے میں جان چکی تھی۔

''ممی کو میری ضرورت نہیں ہے۔ وہ میرے بغیر بھی بہت خوش ہیں۔ She can live without me'' وہ عکس کے سمجھانے پر جیسے بہت مایوس ہوئی تھی اور بہت دیر تک عکس سے امریکا نہ جانے کے لیے ضد کرتی رہی تھی۔ وہ پہلا موقع تھا جب اس نے عکس سے کسی بات پر ضد کی تھی، عکس حیران تھی وہ کیوں شہر بانو کے ساتھ رہنے پر تیار نہیں تھی۔

''وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ ممی کے پاس میرے لیے ٹائم ہی نہیں۔ میں سارا دن اکیلے رہتی ہوں، اکیلے کمپیوٹر پر گیمز کھیل کھیل کر تھک جاتی ہوں۔'' اس آٹھ سالہ بچی نے عجیب بے بسی اور بے چارگی سے عکس کے ساتھ اپنی تکلیف شیئر کی تھی وہ بہت دیر اسے بیٹھ کر سمجھاتی رہی تھی۔ مثال نے بالآخر ضد ختم کر دی تھی لیکن وہ بے حد مایوس اور دل گرفتہ لگی تھی۔

وہ پہلا موقع تھا جب اس کے پاکستان سے چلے جانے کے بعد بھی عکس کئی دن اس کے بارے میں سوچتی اور پریشان ہوتی رہی۔ ہمیشہ کی اس طرح امریکا جاتے ہی اس نے Skype پر ان سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ وہ کئی ہفتوں کے بعد Skype پر آئی تھی اور اس پر ایک نظر ڈالتے ہی عکس اور شیر دل کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی وجہ سے بہت اپ سیٹ ہے لیکن وہ

ان کے ساتھ کچھ بھی شیئر کرنے کو تیار نہیں تھی۔

وہ اس سے اگلے سال پاکستان نہیں آ سکی تھی۔ شہر بانو اس کے اور شرمین کے ساتھ چھٹیوں میں آسٹریلیا چلی گئی تھی۔ شیر دل اپنی پروفیشنل مصروفیات میں اتنا مصروف ہو گیا تھا کہ اس کی امریکا کی جانے والی کالز میں بھی وقفہ آنے لگا تھا صرف عکس تھی جو اب بھی Skype کے ذریعے ہر دوسرے تیسرے دن طغرل اور باذل کے ساتھ مثال کی بات کروانے کی کوشش کرتی رہتی۔

☆☆☆

جاب بہتر ہو گئی تھی لیکن جاب اور جاب سے متعلقہ مصروفیات بھی بہت زیادہ ہو گئی تھیں اور شہر بانو بالآخر اس زندگی اور اس مصروفیت کی عادی ہونے لگی تھی، مصروفیت اچھی تھی کم از کم یہ اسے بار بار پچھتاؤوں کے لیے وقت اور موقع نہیں دیتی تھی۔ میکانیکی زندگی تھی لیکن پھر بھی بہتر تھی۔

وہ مثال کی گیارہویں سالگرہ کے چند دن بعد کی بات تھی جب وہ آفس میں تھی اور اسے لنچ ٹائم کے قریب مثال کے اسکول سے فون آیا تھا۔ انہوں نے اسے تفصیلات نہیں بتائی تھیں لیکن اسے فوری طور پر اسکول پہنچنے کا کہا تھا۔ شہر بانو بے حد گھبراہٹ اور بدحواسی میں اسکول پہنچی تھی اور جو کچھ اسے وہاں جا کر پتا چلا تھا اسے لگا تھا جیسے آسمان اس کے سر پر گر پڑا تھا۔ مثال کا ایروبک انسٹرکٹر اس سے زیادتی کی کوشش میں کسی دوسرے ٹیچر کی نظر میں آیا تھا اور پکڑا گیا تھا۔ خوش قسمتی صرف یہ ہوئی تھی کہ مثال بروقت بچ گئی تھی۔

اسکول ہیڈ مسٹریس اس واقعے کی تفصیلات بتاتے ہوئے اس سے معذرت کر رہی تھی اور شہر بانو گنگ، کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی، یہ کیسے ہو سکتا تھا اور پھر اس ہی کی بیٹی کے ساتھ۔ زندگی میں ابھی مصیبتیں کم تھیں۔ اس نے اپنے ٹھنڈے ہوتے ہوئے وجود کے ساتھ سوچا، پھر جیسے وہ شدید غم و غصے کا شکار ہو کر پرنسپل پر برستی رہی تھی جو اس کی باتیں سنتی ہوئی اسے وضاحتیں دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا اگر بس چلتا تو وہ اس کے انسٹرکٹر کو جا کر ابھی شوٹ کر دیتی۔ یہ کیسے ہوا کہ اس نے اس کی مثال کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا۔ پرنسپل نے اسے مثال کے رویے کے بارے میں کچھ بتانے کی کوشش کی تھی مگر وہ تشویش کے عالم میں اس آفس سے نکل کر مثال کے پاس آ گئی تھی وہ ایک دوسرے آفس میں بیٹھی تھی، اس نے ماں کو ایک نظر دیکھا تھا لیکن پھر اسی طرح سر جھکا لیا جیسے اس نے پہلے جھکایا ہوا تھا۔ وہ اس کے قریب آئی اور اس نے اسے گلے لگایا تھا مثال نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ وہ گم صم تھی، شہر بانو کو لگا وہ شاک میں تھی وہ اسے لے کر گھر آ گئی۔

ایرک چند مہینے پہلے ہی اس کے اسکول میں آیا تھا اور مثال مسلسل اس سے اس کا ذکر کر رہی تھی اور یہ بے حد Unusual تھا کیونکہ مثال بہت کم اس طرح اسکول کے کسی ٹیچر کی تعریف یا باتیں کرتی تھی اور اب وہی ایرک اس کی زندگی تباہ کر دینے کا سبب بنتے بنتے رہ گیا تھا۔

وہ رات شہر بانو کی زندگی کی ایک اور مشکل راتوں میں سے ایک تھی۔ وہ ایک چیز جس کو اس نے کبھی تسلیم نہیں کیا تھا وہ اس رات جا کر اس نے بالآخر تسلیم کر لی تھی۔ وہ بھی تب جب وہ ماں کے طور پر اس anguish سے گزری تھی، پہلی بار زندگی میں اس نے مان لیا تھا کہ اس کے پاپا نے عکس مراد علی کے ساتھ زیادتی کی ہوئی تھی۔ وہ اس کی زندگی کے ہیرو اور فرشتے تھے۔ عکس مراد علی کی زندگی کے ولن تھے...... اور عکس مراد علی نے ان پر جو الزام لگایا تھا وہ ناقابلِ یقین سہی لیکن ناممکنات میں سے نہیں تھا۔ اس رات پہلی بار اس نے آئینے میں حقیقت اور سچ کا وہ چہرہ دیکھنے کی کوشش کی تھی جو وہ ہمیشہ جھٹلاتی رہی تھی...... شرمین کے انکشافات کے باوجود بھی...... پہلی بار اس نے اپنے باپ کی بیٹی بن کر نہیں صرف غیر جانبداری سے سوچا تھا اور وہ اپنے آپ سے نظریں نہیں ملا سکی تھی اور شاید یہی وہ احساس تھا جس سے بچنے کے لیے وہ اتنے سالوں سے اپنے باپ کو مجرم ماننے سے انکار کر رہی تھی...... وہ اسے مجرم مان لیتی تو وہ ایک شخص بھی اس کی زندگی کی اس فہرست سے غائب نہ ہو جاتا جسے اس نے آئیڈیل کا درجہ دیا ہوا تھا...... اور زندگی میں ایک آئیڈیل کو انسانیت سے گرتے دیکھنا انسان کی ساری قدریں بھلا دیتا ہے خاص طور پر تب جب وہ آئیڈیل ایک خونی رشتہ بھی ہو۔

☆☆☆

''شہر بانو نے فون کیا تھا مجھے...... وہ پاکستان آ رہی ہے۔'' شیر دل ڈنر پر اس رات عکس کی بات سن کر حیران رہ گیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تمہیں فون کیا تھا......؟ اکیلی آرہی ہے؟"

"ہاں...... مثال کو لے کر آرہی ہے، مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔"

"کس لیے......؟"

"پتا نہیں...... مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی......" وہ دونوں ہی کچھ حیران اور الجھے ہوئے تھے۔ عکس نے شیر دل سے یہ بات شیئر نہیں کی لیکن پتا نہیں کیوں اسے یہ لگا تھا جیسے شہر بانو، مثال کو اس کے پاس چھوڑنے کے لیے آرہی تھی۔ شاید وہ دوبارہ شادی کرنا چاہتی تھی اور مثال کی وجہ سے اسے کسی پریشانی کا سامنا تھا اس لیے اس نے اسے شیر دل کو دے دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ عکس سوچ رہی تھی اور وہ تب تک یہ سارے اندازے لگاتی رہی جب تک شہر بانو ان کے گھر آنہیں گئی۔

پہلی نظر شہر بانو پر ڈالتے ہی اس کو شاک لگا تھا۔ دس بیس سال نہیں گزرے تھے بس پانچ سال ہی تو گزرے تھے مگر وہ اپنی عمر سے کئی سال بڑی لگنے لگی تھی۔ تھکن اور شکستگی جیسے اس کے چہرے پر لکھی ہوئی تھی۔ عکس کو اسے دیکھ کر تکلیف ہوئی تھی۔

"تم نہیں ملو گے اس سے؟" اس نے پچھلی رات شیر دل سے پوچھا تھا۔

"نہیں۔" اس نے جواباً کہا۔

"ملنا چاہیے۔"

"کیا کروں گا؟" وہ ٹھیک کہہ رہا تھا اور ٹھیک کر رہا تھا کہ اس سے ملنے کے لیے وہاں نہیں تھا۔ عکس نے سوچا تھا شہر بانو کے لیے اس گھر میں اسے اور شیر دل کو ایک جوڑے کے طور پر دیکھنا بہت تکلیف دہ ہوتا۔ کسی کے لیے بھی ہوتا...... اور شیر دل کے لیے ان دونوں عورتوں کے ساتھ ایک ہی میز پر بیٹھنا بہت آکورڈ ہو جاتا۔

عکس کا اندازہ ٹھیک تھا وہ مثال کو مستقل طور پر وہاں چھوڑنے آئی تھی اور وہاں آنے کے چند منٹوں بعد ہی اس نے عکس کو یہ بتا دیا تھا۔

"کل واپسی کی فلائٹ ہے میری...... بس رک نہیں سکتی، میں چاہتی تھی کہ مثال کو خود یہاں چھوڑ جاؤں۔" عکس نے اسے رکنے کے لیے کہا تھا اور اس نے جواباً کہا تھا۔ وہ دونوں اس وقت لان میں بیٹھی ہوئی تھیں اور ان سے کچھ فاصلے پر مثال، طغرل اور باذل کے ساتھ بڑے جوش و خروش کے عالم میں کھیل رہی تھی۔ وہ ایک happy family تھی جس کا شہر بانو حصہ نہیں تھی۔ شہر بانو نے ایک لمحے کے لیے ان سب کو دیکھتے ہوئے سوچا اور کم از کم اب اس کی زندگی اس تنہائی میں نہیں گزرے گی جس میں اس کا اپنا بچپن گزر رہا تھا۔

"کل رات کی فلائٹ ہے...... تم اگر کل دوپہر کو بھی نکلو تو بہت آرام سے پہنچ سکتی ہو...... لاہور زیادہ دور تو نہیں ہے یہاں سے۔" عکس نے اس کے آج ہی واپس جانے کے ارادے کو جان کر کہا۔ ایک عجیب سے آکورڈ کیفیت کا شکار تھیں وہ دونوں اس وقت...... بات کرنے میں جھجک ہو رہی تھی۔ خاموش بیٹھے رہنے میں شرمندگی۔

"مثال یہاں رہے گی تو تم اکیلے امریکا میں کیسے رہو گی؟" عکس نے اس سے پوچھا۔ یہ اندازہ کر لینے کے باوجود کہ وہ مثال کو اس کے پاس چھوڑ دینے کے ارادے سے آرہی تھی۔ حیران تھی کہ شہر بانو نے اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر لیا تھا۔

"میں اور مثال ایک ساتھ رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے بہت دور ہیں۔ ہم دونوں ساتھ رہتے ہوئے بھی اکیلے ہیں۔ مجھے اس زندگی کی عادت ہوگئی ہے لیکن میں نہیں چاہتی مثال کو اس زندگی کی عادت ہو۔ میں چاہتی ہوں وہ شیر دل کے پاس رہے۔ اس کے پاس پلے بڑھے۔" شہر بانو نے مدھم آواز میں کہا۔ وہ اب بھی اسے وہ وجہ بتانے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی جس نے اسے اتنا بڑا فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جس نے اسے یہ احساس دلایا تھا کہ وہ ایک غیر ذمے دار ماں ہے جو ایک بچی کی بھی حفاظت نہیں کر سکتی...... اور مثال کے ساتھ آئندہ کچھ برا نہ ہو اس خوف نے اسے مثال کو شیر دل کے پاس لانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"میں تم سے معافی بھی مانگنا چاہتی تھی۔" عکس اس کی بات سنتے سنتے اس کے جملے پر چونک پڑی۔

"مجھ سے معافی...... کس چیز کی؟" وہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔

بہت دیر خاموش رہنے اور کچھ کہنے کی ہمت جمع کرنے کے بعد اس نے بالآخر عکس سے کہا۔

"پاپا نے جو کچھ کیا تھا بہت غلط کیا تھا...... بہت غلط...... I am sorry for what he did to you۔" (جو کچھ انہوں نے کیا میں اس پر معافی چاہتی ہوں) زندگی عجیب شے ہے بعض دفعہ وہ باتیں ان سے کہلواتی ہے جن سے آپ کو کبھی وہ سننے کی توقع تک نہیں ہوتی۔ عکس اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی جس کی آنکھیں اس وقت آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ اٹک اٹک کر زبان سے کی گئی معذرت سے زیادہ مؤثر اس کی آنکھوں اور چہرے پر تحریر شرمندگی اور ندامت کا احساس تھا۔

عکس نے خود پر قابو پالیا تھا وہ یہاں لان میں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا نہیں چاہتی تھی بہت نرمی سے اس نے شہر بانو کے کرسی کے ہتھے پر دھرے ہاتھ کو تھپکا۔

"وہ سب گزر گیا...... بہت عرصہ ہوگیا۔ میں نے اب اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے نہ ہی کسی معذرت کی۔ اس سب میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔"

"ہاں لیکن میں اس فیملی کا حصہ ہوں اور اس حوالے سے اپنے رول پر شرمندہ ہوں۔ صرف پاپا نے تمہیں تکلیف نہیں پہنچائی میں نے بھی......" شہر بانو بات کرتے کرتے رک گئی تھی۔

"تمہاری فیملی نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی لیکن تمہاری ممی نے میرے نانا کی مالی مدد بھی کی تھی اس وقت جب ہم مالی طور پر بالکل تباہ ہو چکے تھے۔" اس نے جیسے شہر بانو کا احساس جرم کم کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ایک لاکھ کی وہ رقم جو انہوں نے میرے نانا کو دی تھی۔ انہوں نے اسی رقم سے اپنی اور میری زندگی دوبارہ بنائی تھی۔" شہر بانو نے کچھ الجھتے ہوئے اسے یہ بات جاری رکھنے سے ٹوک دیا۔

"ممی نے تمہارے نانا کو کوئی رقم نہیں دی تھی۔ وہ چیک لے کر گئی تھیں اور انہوں نے تمہارے نانا کو وہ رقم لینے پر مجبور کیا تھا لیکن انہوں نے وہ رقم نہیں لی تھی۔ ممی نے مجھے خود بتایا تھا۔" عکس چند لمحے پلکیں جھپکائے بغیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ خیر دین کی زندگی کا پہلا جھوٹ تھا اس سے اور وہ جھوٹ بھی کس جگہ آکر کھلا تھا۔ وہ اسے شہر بانو کی ماں کا احسان مند کر کے شہر بانو کا گھر ٹوٹنے سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اپنی چڑیا کے گرد احسان کی لکشمن ریکھا کھینچی تھی کیونکہ اسے یقین تھا وہ احسان فراموشی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اس شخص کی بیٹی کا گھر اور زندگی بچانے کی کوشش کر رہا تھا جس نے خود اس کی اور اس کی چڑیا کی زندگی تباہ کر دی تھی۔ وہ کیسا انسان تھا۔ عکس بہت دیر تک چپ رہی، گتھی سلجھانے میں اسے چند سیکنڈز لگے تھے لیکن اس کیفیت سے نکلنے کے لیے بہت دیر...... وہ ایک بوجھ اس کے نانا نے اس کے کندھوں پر رکھ کر اسے جھکایا تھا وہ اس انکشاف نے اٹھا لیا تھا۔ کیسا سکون اور اطمینان تھا جو عکس مراد علی نے محسوس کیا تھا۔

"Thank you۔" اس نے شہر بانو سے کہا۔

"کس چیز کے لیے؟" وہ الجھی۔

"ایک بوجھ ہٹا لینے کے لیے۔"

☆☆☆

شیر دل کو لگا عکس کا دماغ خراب تھا۔

"اب تم یہ مت کہنا کہ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" اس نے شیر دل کو جیسے کسی کتاب کی طرح پڑھا تھا۔ مثال کو پاکستان میں دو ہفتے ہو چکے تھے۔ شیر دل اتنے سالوں بعد اپنی بیٹی کے اپنے پاس آجانے پر بے حد خوش اور پرسکون تھا۔ اسے لگا تھا زندگی ایک بار پھر سے مکمل ہو گئی تھی اور اب اچانک اس رات عکس نے اس سے یہ بات کہہ دی تھی۔

"اگر یہ مذاق ہے تو بیہودہ مذاق ہے۔" شیر دل نے کچھ خفا ہو کر اس سے کہا تھا۔

"میرا سینس آف ہیومر برا ہے لیکن اتنا برا بھی نہیں کہ میں اس طرح کی باتیں مذاق میں کرنے لگوں۔" عکس نے جواباً بہت سنجیدگی سے کہا۔

"میں شہر بانو سے شادی کر لوں؟" شیر دل نے بے یقینی سے اس کے جملے کو دہرایا۔

"ہاں۔" اس کے انداز میں اطمینان تھا جس نے شیر دل کو ہلا دیا۔

"میں ساری زندگی بس یہی کرتا رہوں کہ ہر چار پانچ سال بعد شادی...... تم سمجھتی ہو شادی کے علاوہ میرے پاس کرنے کے لیے اور کوئی کام نہیں ہے۔ مجھے نہیں پتا تمہیں بیٹھے بٹھائے شہر بانو سے ہمدردی کا دورہ پڑا ہے یا کوئی اور وجہ ہے

WWW.PAKSOCIETY.COM

لیکن مجھے اس طرح کی مصیبت اپنے گلے میں ڈالنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ تمہیں شہربانو نے ایسا کچھ کہا ہے؟'' شیر دل اس کی بات پر بری طرح جھنجھلا سے اکھڑا تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ پاکستان سے جانے کے بعد بھی شہربانو اور عکس آپس میں رابطے میں نہیں تھیں اور یہ روز روز کا رابطہ اس کے لیے غیر متوقع یا حیران کن تھا۔ لیکن اس کا خیال تھا اس کی وجہ صرف مثال تھی اور کچھ نہیں۔

''مجھے شہربانو نے کچھ نہیں کہا۔'' عکس نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

''پھر؟''

''میں صرف تمہاری بیٹی کی زندگی بچانا چاہتی ہوں۔'' وہ اس کی بات پر بری طرح ٹھٹکا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ مثال کو کیا ہوا ہے؟ وہ میرے پاس ہے...... بہت خوش اور مطمئن ہے۔'' وہ عکس کی بات سمجھ نہیں سکا تھا۔

عکس کچھ کہنے کے بجائے کمرے میں پڑا ہوا اپنا لیپ ٹاپ اٹھا لائی تھی۔ اس نے فیس بک کھولی، وہ مثال کی آئی ڈی تھی وہ عکس کا لیپ ٹاپ استعمال کرنے کے بعد سائن آؤٹ کرنا بھول گئی تھی۔ عکس نے اس کی سینٹ ای میل کھولی۔ وہ بہت ساری میلز سے بھرا ہوا تھا۔ جن میں سے زیادہ بڑی تعداد ایرک ٹموتھی کے نام تھیں اور کچھ دوسرے مردوں کے نام جو سب بڑی عمر کے مرد تھے، انہیں پڑھتے ہوئے اس نے لیپ ٹاپ شیر دل کی گود میں رکھ دیا، وہ الجھے ہوئے انداز میں ان ای میلز کو دیکھنے لگا۔

وہ ایک گیارہ سالہ لڑکی کی زندگی کے demons تھے۔ سوشل نیٹ ورک اور اپنے آس پاس کے لوگوں میں اپنے لیے ایک باپ جیسے شخص کی تلاش کی کوشش...... اس بے لوث پدری محبت کی تلاش کی کوشش جس کے لیے وہ کچھ بھی کرنے پر تیار تھی۔ کسی بھی حد تک جانے پر تیار تھی۔ وہ محبت' باپ کی محبت اور exploitation میں فرق نہیں کر پا رہی تھی۔ ان مردوں کو لکھی ہوئی ہر ای میل کے ٹوٹے پھوٹے جملوں میں صرف ایک ہی پکار تھی۔ ''مے ڈے ...... مجھے بچا لیں۔'' وہ ان تمام بڑی عمر کے مردوں کو بتا رہی تھی کہ وہ اپنے باپ سے بہت پیار کرتی تھی اور وہ ان کی سوئٹ ہارٹ، ہنی، ڈارلنگ کے القابات میں چھپی ہوئی ہوس کو بھی شیر دل کی اپنے لیے محبت کے برابر لا کر کھڑا کر رہی تھی۔ وہ انہیں بتا رہی تھی کہ اس سے کوئی محبت نہیں کرتا...... وہ اپنی ممی کے پاس رہتی ہے جس کے پاس اس کے لیے وقت نہیں اور وہ اس سے نفرت کرتی تھی...... اور اس طرح اس کی پاپا کی زندگی میں آنے والی ایک witch (چڑیل) نے ان کا خوب صورت گھر توڑ دیا تھا۔ وہ اب شیر دل سے بھی نفرت کرتی تھی کیونکہ وہ طغرل اور باذل سے اس سے زیادہ محبت کرتا تھا اور اس نے اس کی ممی کو چھوڑ دیا تھا۔ ان ای میل میں یہ بھی لکھا تھا کہ وہ کئی بار شہربانو کو راتوں کو روتے دیکھتی تھی اور وہ اس گھر سے بھاگ جانا چاہتی تھی کیونکہ وہ ممی کے لیے کچھ نہیں کر سکی لیکن وہ ممی کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھی اور وہ سوچتی تھی probably اگر ممی کو ایک اچھا آدمی مل جائے جو ممی اور اس سے دونوں سے پیار کرے تو وہ بھی ایک اچھا گھر بنا سکتے ہیں...... جیسے شیر دل اور عکس اور طغرل اور باذل کا تھا۔

عکس نے اس دن مثال کے laptop استعمال کرنے کے بعد اتفاقاً ای میل کرنے کے لیے laptop اٹھایا تھا اور وہ id facebook سامنے آ جانے پر غیر ارادی طور پر اس کی ای میلز پڑھنے لگی تھیں۔ وہ ای میلز نہیں تھیں، مثال کی زندگی کا جہنم تھا جسے اسے دیکھنے کا موقع مل گیا تھا۔ ایک گیارہ سالہ بچی جو اپنے ماں باپ کی طلاق کے بعد ان دونوں سے love-hate ریلیشن شپ میں تھی اور جو ان لوگوں سے اپنی تکلیف شیئر کر رہی تھی جو اسے fatherly, loving and kind لگ رہے تھے اور وہ ان کی توجہ اور محبت پانے کے لیے ان کے ساتھ رہنے کے لیے وہ سب کچھ کرنے کو تیار تھی جو وہ چاہتے تھے۔ عکس کسی بت کی طرح ماؤف ذہن کے ساتھ ان مردوں کی ای میلز پڑھ رہی تھی...... گویا گدھوں کی ای میلز جو ایک گیارہ سالہ بچی کے ذہن، شخصیت اور زندگی کو اپنی شہوت اور ہوس بھرے الفاظ اور ذہنی گندگی کے نوکیلے پنجوں سے نوچ نوچ کر کھا رہے تھے جو اس بچی کو بتا رہے تھے کہ وہ

اسے باپ جیسی محبت دیں گے اور اس کی ممی کے ساتھ مل کر رہ بھی سکتے ہیں لیکن اس کے بدلے وہ اس سے یہ چاہتے تھے کہ وہ......

عکس بہت ساری ای میلز مکمل پڑھ بھی نہیں سکی تھی، اسے لگا وہ غلاظت اور گندگی کے ڈھیر پر بیٹھی تھی۔ باہر کی کوئی غلاظت اور تعفن انسان کے ذہن کے اندر موجود غلاظت اور تعفن کا مقابلہ نہیں کر سکتا، عکس کو بھی یہی لگا تھا وہ بھی غلاظت کے ایسے ہی تعفن زدہ ڈھیروں کو دیکھ رہی تھی جو معاشرے کے اچھے اور فعال شہریوں کے طور پر بہ ظاہر اپنی اپنی زندگیاں دوسروں کی زندگیوں کے پرخچے اڑا کر گزار رہے تھے۔ digital کیمرے سے بنائی ہوئی وہ تصویریں اس نے پتے کی طرح لرزتے وجود کے ساتھ ان ای میلز سے delete کر دی تھیں جو ان میں سے چند لوگوں کے مطالبے پر گیارہ سال کی اس بچی نے ان کو بھیجی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھی شیر دل ان تصویروں کو دیکھے، ایک باپ کے طور پر وہ ان تصویروں کو دیکھ کر شاید دوبارہ کبھی سر بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ انہی ای میلز میں سے ایک ای میل میں ایرک کے ساتھ ہونے والے اس واقعے کی تفصیلات بھی تھیں جو مثال نے انہی میں سے کسی دوسرے مرد سے شیئر کی تھیں۔ وہ ایڈگر نامی اس دوسرے شخص کی جوابی ای میل پوری نہیں پڑھ سکی تھی۔ وہ بچی اور اس کی تکلیف ان سب مردوں کے لیے فٹ بال کا کام کر رہی تھی...... یا شاید ایک رولنگ اسٹون......

مثال کی زندگی میں چڑیا کی طرح سات دوست بونے نہیں تھے جن کے لیے وہ اسنو وائٹ تھی۔ اس کی زندگی میں چند گدھ تھے جن کے سامنے وہ ایک مردار سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔

عکس نے ای میلز پڑھنی بند کر دیں۔ وہ اس جہنم سے گزری تھی، اس درد سے واقف تھی جس جہنم کی لپیٹ میں اس نے مثال کو دیکھا تھا...... اور اسے لگا اس کا وجود ایک بار پھر جلنے لگا تھا۔ وہ بھی تو شہباز حسین کی طرف اسی لیے جاتی تھی کیونکہ وہ اس کی، شرمین اور شہربانو کی زندگی کا حصہ بننا چاہتی تھی۔ اس پرفیکٹ لائف کا حصہ جسے وہ ہر روز لان میں اور اس گھر میں دیکھتی تھی...... وہ بھی کہیں نہ کہیں شہباز حسین میں وہ باپ دیکھتی تھی جو اگر اس کے اور حلیمہ کے ساتھ ہوتا تو وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسے بھی بہت پیار کرتا۔ ویسے ہی ہوا میں اچھالتا جیسے شہباز باربی ڈول کو اچھالتا تھا ویسے ہی اٹھائے پھرتا جیسے وہ اس کو اٹھائے پھرتا تھا اس کی امی کے لیے ویسی ہی چیزیں لاتا جیسی وہ شرمین کے لیے لاتا تھا۔ خیر دین نے بہت ساری کمیاں پوری کی تھیں لیکن وہ بہت ساری خواہشوں کو حسرت میں بدلنے سے نہیں روک سکا تھا۔

ہر بار جب شہباز حسین اسے ذرا سی بھی توجہ دیتا تو چڑیا خوشی سے پھولے نہیں سماتی تھی اور خیر دین کو اس کا احساس تھا لیکن وہ یہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ شہباز حسین، چڑیا کے لیے کیا ہوتا جا رہا تھا۔

اس رات بھی یہی ہوا تھا شہباز کے لہجے کی نرمی اور اس کی توجہ کو وہ ویسی ہی محبت سمجھی تھی جیسی وہ شہر بانو سے کرتا تھا۔ وہ وہاں سے وقت پر بھاگ سکتی تھی اگر وہ اس کو باپ جیسا نہ سمجھ رہی ہوتی۔ اگر اسے یہ یقین نہ ہوتا کہ وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا...... عکس بلک بلک کر روئی تھی۔ یہ کام اس نے پہلی بار کیا تھا۔ وہ دام جس میں وہ آئی تھی، اس میں کسی اور کو آتے دیکھ کر وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ اس کی زندگی میں خیر دین آ گیا تھا، وہ بچ گئی تھی...... لیکن مثال کی زندگی میں کوئی خیر دین نہیں تھا، وہ اس کے لیے شہباز کی نواسی نہیں تھی، شیر دل کی بیٹی تھی۔ چیس کی بساط پر موجود بادشاہ جس کی طاقت محدود تھی اور وہ کمزور تھا لیکن کوئین کمزور نہیں تھی اور وہ بہت طاقتور تھی...... وہ بادشاہ کو چیک میٹ ہونے سے بچانے کے لیے ہر چال چل سکتی تھی۔

”شہر بانو سے کچھ مت کہنا اس سب کے بارے میں...... میں اور تم پہلے بھی الگ الگ جگہوں پر پوسٹڈ ہیں اب بھی الگ رہ سکتے ہیں، تم شہر بانو کو اپنے پاس رکھ لو تب تک جب تک مثال بڑی نہیں ہو جاتی اس عمر سے گزر جائے پھر دیکھیں گے کیا کرنا ہے۔“

وہ اب بت بنے شیر دل کے بازو پر ہاتھ رکھے اس سے کہہ رہی تھی۔ وہ شیر دل کی تکلیف کو سمجھ پا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر آج اسے خیر دین کا چہرہ نظر آیا تھا۔ بس فرق یہ تھا کہ خیر دین کے چہرے پر اسے کبھی شکست نظر نہیں آئی تھی جو شیر دل کے چہرے پر نظر آئی تھی۔

”ابھی سب کچھ بچ گیا ہے شیری...... ابھی کچھ بھی نہیں گیا۔“ اس نے شیر دل کا بازو دبایا تھا، شیر دل نے اس ملکہ کو دیکھا جو بادشاہ کو بچانے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ رہی تھی۔

”کوئین ہر جگہ جا سکتی ہے، ہر چال چل سکتی ہے، اس لیے کوئین میرا فیورٹ چیس پیس ہے۔“

اسے یاد آیا تھا اس نے گرمیوں کی ان چھٹیوں میں پہلی بار چڑیا کے ساتھ چیس کھیلنے کے لیے چیس بورڈ سیٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔

”کوئین کی طرح کوئی نہیں، کوئین، کوئین ہوتی ہے اور اس کو knight کی طرح کا کوئی کام نہیں کرنا پڑتا...... but she is still powerful کیونکہ وہ کنگ کی وائف ہوتی ہے اور بادشاہ اس سے محبت کرتا ہے۔“

”لیکن میں ایک ایسی گیم بناؤں گی بڑی ہو کر جس میں کوئین ہی کنگ ہوگی جب وہ زیادہ powerful ہے تو بورڈ بھی کوئین کا ہونا چاہیے کنگ کا نہیں۔“ چڑیا نے جواباً اس سے کہا تھا اور اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا۔ وہ زندگی کے اس کھیل میں کوئین ہوتے ہوئے بھی بادشاہ بن گئی تھی...... بورڈ بھی اس کا تھا، مہرے بھی، پاورز بھی...... نام بھی......

وہ خیر دین کی نسل میں سے تھی اور اس کے جینز میں خیر کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا۔

ایک شیر دل نے زندگی میں کبھی اس عورت کی برتری کو تسلیم نہیں کیا تھا...... وہ آج کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

☆☆☆

طغرل نے ہاتھ میں پکڑی ڈور کو جھٹکا دیا۔ مثال نے دونوں ہاتھوں میں پکڑی اس پتنگ کو اچھل کر ہوا میں چھوڑا۔ باذل نے بے حد خوشی سے ایک چیخ مارتے ہوئے جیسے اپنے بڑے بہن، بھائی کی مہارت کو داد تحسین دیتے ہوئے فضا میں بلند ہوتی ہوئی پتنگ کو فخریہ انداز میں دیکھا، اس کے ہاتھ میں ڈور والی چرخی تھی جو وہ ان دونوں کے لاکھ منع کرنے

کے باوجود چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔

برآمدے کی قدِ آدم کھڑکی کے سامنے کھڑے شیر دل نے لان میں ایک پتنگ کو بلند سے بلند کرنے کی سرتوڑ جدوجہد میں مصروف اپنے تینوں بچوں کو مدھم مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ گرمیوں کی چھٹیوں میں شیر دل کی پوسٹنگ کے دوران وہاں آئے تھے۔ عکس اسلام آباد میں کسی کانفرنس میں مصروف تھی اور اسے ایک ہفتے کے بعد وہاں سے فارغ ہونا تھا ابھی کچھ دیر پہلے وہ فون پر اس سے بات کر رہا تھا اور وہ چند منٹ پہلے ہی فون رکھ کر باہر آیا تھا جب شام کو ٹینس کھیلنے کے لیے جاتے جاتے وہ ان لوگوں کو دیکھ کر رک گیا تھا۔

”تم نے جانا نہیں؟“ شہر بانو کی آواز نے اسے چونکایا تھا، وہ شاید لان میں بچوں کے پاس جانے کے لیے نکلی تھی۔

”جا رہا تھا بچوں کو دیکھ کر رک گیا۔“ اس نے پلٹ کر شہر بانو کو مسکرا کر دیکھا۔ وہ بھی اس کے قریب آ گئی اور باہر دیکھنے لگی۔

”طغرل کائٹ فلائنگ میں ایکسپرٹ ہوتا جا رہا ہے۔“ اس نے فضا میں بلند اس پتنگ کو مہارت سے اڑاتے ہوئے طغرل کو دیکھ کر ستائشی انداز میں شیر دل سے کہا۔

”ہاں بیٹا کس کا ہے۔“ شہر بانو اس کی بات پر مسکرا دی۔

”عکس کا۔“ وہ اس کی بات پر بے اختیار ہنس پڑا تھا۔

”میں ذرا باہر جا رہی ہوں، باذل کو کیوں نہیں پکڑا رہے یہ دونوں پتنگ...... وہ بے چارہ کس طرح بار بار کہہ رہا ہے...... یہ ہمیشہ اس کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں۔“ وہ کھڑکی سے باہر پتنگ پکڑنے کے لیے ان دونوں کے پیچھے بھاگتے باذل کو دیکھ کر پھر بے چین ہوئی تھی۔ شیر دل کے کچھ کہنے سے پہلے وہ تیز قدموں سے باہر نکل گئی تھی۔ وہ تب بھی وہیں کھڑا رہا۔

کئی سالوں کے بعد بالآخر ان سب کی زندگی میں وہ مدوجزر اور تلاطم ختم ہو گیا تھا جو انہیں گرداب کی گردش بنائے ہوئے تھا۔ باذل، شہر بانو کو باہر آتے دیکھ کر اس کی طرف شکایت کرنے کے لیے بھاگ پڑا تھا۔ وہ اب ان کے درمیان صلح صفائی کروانے میں مصروف تھی۔ پتا نہیں کس بے دھیانی میں پتنگ طغرل کے ہاتھ سے چھوٹی تھی یا ڈور کہیں سے ٹوٹ گئی تھی شیر دل نے ان سب کو پتنگ کو دوبارہ پکڑنے کی کوشش میں بھاگتے دیکھا صرف شہر بانو تھی جو باذل کو اس باڑ سے کودنے سے بچا رہی تھی جس پر سے اگر وہ کودتا تو بری طرح گرتا۔

پتنگ کو بالآخر انہوں نے لان میں سے باہر جانے سے پہلے ہی دوبارہ پکڑ لیا تھا۔ کیونکہ وہ ابھی بہت بلند نہیں تھی۔

زندگی اور پتنگ بعض دفعہ انسان کو ایک ہی طرح خوار کرتے ہیں۔ ایک ہی طرح fantacise کرتے ہیں...... ایک ہی طرح اپنے پیچھے دوڑاتے ہیں...... ایک ہی طرح خوشی سے پاگل کرتے ہیں اور ایک ہی طرح مایوس کرتے ہیں...... لیکن نہ پتنگ کو کوئی آسمان میں اڑنے سے روک سکتا ہے نہ زندگی کو چلنے سے۔

شیر دل نے اپنے سیل فون پر لان میں ہونے والی اس اچھل کود کو capture کیا اور اسے عکس مراد علی کو MMS کر دیا......

ایک smiley کے ساتھ جواب فوراً آیا تھا۔ "My clan"۔

شیر دل ٹیکسٹ پڑھتے ہوئے مسکرایا اور باہر نکل گیا۔

(ختم شد)

معزز قارئین! عمیرہ احمد کے اس ناول کے بارے میں اگر آپ کے ذہن میں کوئی سوال ہو یا آپ کوئی بات جاننا چاہیں تو بذریعہ خطوط پوچھ سکتے ہیں۔ ہمیں آپ کی آرا کا انتظار رہے گا۔

(مدیرہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM

ناولٹ

کہیں دیپ جلے کہیں دل

قیصرہ حیات

تیسرا حصہ

توقیر اپنے ویل فرنشڈ آفس میں اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر انتہائی پریشانی اور اداسی کے تاثرات تھے۔ وہ کمپیوٹر پر کچھ کام کرنے لگا تو ردا کے الفاظ echo کی صورت اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ وہ جلدی سے چیئر سے اٹھا اور کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ باہر جھولتے ہوئے درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ میں اسے ردا کے الفاظ کی سرگوشیاں محسوس ہونے لگیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''کیا محبت...... محبت کی رٹ لگا رکھی ہے۔ نہیں ہے مجھے آپ سے کوئی محبت......'' ردا کے الفاظ توقیر کے کانوں میں گونجنے لگے۔

''ردا نے میری محبت کو یوں ریجیکٹ کر دیا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا، اس نے تو میرے چہرے پر ایسا طمانچہ مارا ہے جس کی جلن میں ساری زندگی محسوس کرتا رہوں گا۔'' توقیر نے آہ بھر کر سوچا اور اپنا ہاتھ اپنے گال پر رکھ کر رگڑنے لگا..... اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔ وہ واپس چیئر پر جا کر بیٹھ گیا اور اس کی پشت کے ساتھ سر کو ٹکا کر نمناک آنکھوں سے چھت کو گھورنے لگا۔

''محبت میں اتنی ذلّت اور شکست...... میں کیسے یہ سہہ پاؤں گا۔'' اس نے آہ بھر کر سوچا اور ہونٹ بھینچ کر سسکی روکنے کی کوشش کرنے لگا مگر آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ کتنا مشکل ہوتا ہے یہ سب برداشت کرنا...... کسی کو اتنی شدت اور محبت سے چاہا جائے اور وہ اس محبت کو قدموں تلے روند کر چلا جائے...... محبت بھرے احساسات اور جذبات کو ایسی ٹھیس لگتی ہے کہ سب کچھ چکنا چور ہو جاتا ہے۔ دل سنبھلنے میں نہیں آتا۔ کسی پل سکون آتا ہے نہ قرار...... دکھ کا شدید احساس رگ وپے میں سرایت کر جاتا ہے اور انسان چاہنے کے باوجود بھی کچھ نہیں کر پاتا۔ توقیر بھی اسی کیفیت سے گزر رہا تھا اور ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

☆☆☆

حاتم کا موڈ سخت آف تھا۔ اس کے چہرے پر انتہائی غصے کے تاثرات تھے۔ حاتم لاؤنج میں صوفے پر بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریموٹ تھا۔ جس سے وہ چینلز بار بار چینج کر رہا تھا۔ خدیجہ اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کا موبائل بھی اس کے پاس صوفے پر پڑا تھا۔

''حاتم بیٹا! کیا بات ہے، تم مجھے کچھ اپ سیٹ لگ رہے ہو۔'' خدیجہ اس کی طرف بغور دیکھ کر بولیں۔

''کچھ نہیں......'' حاتم نے ہڑبڑا کر ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''مگر تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم کچھ پریشان ہو۔'' خدیجہ سنجیدگی سے بولیں۔

''مما! کوئی لڑکا مجھے ردا کے بارے میں عجیب عجیب میسجز کر رہا ہے۔'' حاتم گہری سانس لے کر بولا۔

''کون ہے وہ؟'' خدیجہ نے یک دم گھبرا کر پوچھا۔

''اگر مجھے اس کا پتا چلے تو میں اسے گولی سے نہ اُڑا دوں۔'' حاتم نے غصے سے بھڑک کر کہا۔

''بیٹا! یوں غصے میں مت آؤ اور اپنی بہن پر یقین رکھو۔ وہ ایسی نہیں ہے۔'' خدیجہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے کہا۔

''اس بات کا تو یقین ہے۔ اسی لیے تو میں خاموش ہوں۔'' حاتم نے گہری سانس لے کر کہا۔ اُس کا موبائل بجا تو وہ میسج پڑھنے لگا۔

''اب پھر اسی کا میسج ہے۔'' حاتم غصے سے نتھنے پُھلا کر بولا۔

''کیا تم نے فہام کو اس کے بارے میں بتایا ہے؟'' خدیجہ نے پریشانی سے پوچھا۔

''نہیں...... وہ بزنس پرابلمز دیکھیں یا پھر یہ والی...... میں خود ہی اسے ہینڈل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' حاتم گہری سانس لے کر بولا تو فہام اندر داخل ہوا...... اس کے ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ تھا۔

''مما اسے کھول کر دیکھیں......'' فہام نے مسکرا کر بیگ ماں کی طرف بڑھا کر کہا۔

''یہ...... گولڈ کا سیٹ...... کس کے لیے ہے؟'' خدیجہ نے شاپر کھول کر اس کے اندر موجود زیور کا ڈبا دیکھ کر حیرت سے کہا۔

''ردا کے لیے...... دیکھیں تو کتنا خوب صورت ہے...... میں ایک فرینڈ کے ساتھ جیولر کے پاس گیا تو مجھے یہ سیٹ پسند آ گیا تو اس کے لیے لے آیا ہوں۔'' فہام مسکرا کر بولا۔

''بیٹا! پہلے ہی اتنی جیولری اس کے پاس ہے، اس کی کیا ضرورت تھی؟'' وہ منہ بنا کر بولیں۔

''بات ضرورت کی نہیں پسند کی ہے، بتائیں سیٹ اچھا ہے ناں؟'' فہام مسکرا کر بولا۔

''ہاں...... بہت اچھا ہے۔ حاتم تم بھی دیکھو۔'' خدیجہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... اچھا ہے۔'' حاتم زبردستی مسکرا کر بولا۔

''حاتم کیا بات ہے، تم کچھ پریشان لگ رہے ہو؟'' فہام نے حیرت سے حاتم کو دیکھ کر پوچھا۔

''میرے سر میں درد ہے، میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔'' اس نے گہری سانس لے کر کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

''مما! حاتم ٹھیک تو ہے ناں؟'' فہام نے ماں سے پوچھا۔

''ہاں ہاں، سب ٹھیک ہے۔ سیٹ بہت اچھا ہے۔'' خدیجہ نے ہڑبڑا کر کہا تو فہام مسکرانے لگا مگر خدیجہ بہت پریشان ہو گئیں۔

''ردا کہاں ہے۔ اسے بھی دکھائیں ناں۔'' فہام نے اسے آواز دینا چاہی۔

''وہ ابھی سو رہی ہے۔ بعد میں دکھا دینا۔'' خدیجہ نے جلدی سے کہا۔

''اوکے......'' اور وہ سیٹ اٹھا کر مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا مگر خدیجہ کچھ پریشان سی وہیں بیٹھی رہیں۔

☆☆☆

حاتم سلیپنگ سوٹ میں ملبوس موبائل پکڑے اپنے کمرے سے باہر نکلا تو اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے۔ وہ ہونٹ سکوڑ کر موبائل پر میسج پڑھتا ہوا لاؤنج میں آیا تو خدیجہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

''کیا...... پھر؟'' خدیجہ نے پریشانی سے پوچھا۔

''ہاں......'' حاتم گہری سانس لے کر بولا تبھی ردا تیزی سے اپنا بیگ پکڑے کمرے سے باہر نکلی۔ وہ پیپر دینے جا رہی تھی۔

''مما...... ڈرائیور کو جلدی سے بلائیں۔ مجھے پیپر دینے جانا ہے۔'' ردا نے خدیجہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ردا...... چلو میں خود تمہیں ڈراپ کر آتا ہوں۔'' حاتم نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''حاتم بھائی آپ؟'' وہ چونک کر بولی۔

''ہاں...... میں کیوں نہیں؟'' حاتم نے چونک کر پوچھا۔

''ایکچوئلی...... یہ آپ کے سونے کا ٹائم ہے ناں۔'' ردا جلدی سے بولی۔

''نہیں تم چلو۔'' حاتم نے آہستہ آواز میں کہا۔

''مما...... بہت دعا کیجیے گا کہ پیپر اچھا ہو جائے۔'' ردا نے ماں سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

''ہاں، اللہ سب ٹھیک کرے گا۔'' وہ فکرمندی سے بولیں اور حاتم، ردا کے ہمراہ باہر نکل گیا۔

''حاتم بیٹا...... تحمل سے۔'' خدیجہ نے پیچھے سے آواز دیتے ہوئے کہا۔ حاتم نے گہری سانس لے کر ماں کی طرف دیکھا اور وہ منہ ہی منہ میں دعا پڑھنے لگیں۔

☆☆☆

ردا، حاتم کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ وہ اپنے بیگ میں سے نوٹس نکال کر انہیں پڑھنے میں مصروف تھی۔ حاتم ہر گاڑی کو مشکوک نظروں سے دیکھ کر ڈرائیونگ کر رہا تھا اس کے چہرے پر غصے کے آثار تھے اور وہ بار بار اپنا نچلا ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ کافی دیر سے پیچھے آنے والی ایک گاڑی کو اپنے بیک ویو مرر میں سے واچ کر رہا تھا۔ وہ گاڑی اسے اوورٹیک کرتے ہوئے آگے چلی گئی تو حاتم نے تیزی سے گاڑی چلاتے

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوئے اُس گاڑی کو اوورٹیک کیا اور آگے جا کر گاڑی کو زور سے جھٹکا دیا تو ردا سیٹ سے اچھل کر ڈیش بورڈ سے جا ٹکرائی۔

''حاتم بھائی...... سب ٹھیک تو ہے ناں؟'' ردا نے گھبرا کر بھائی سے پوچھا۔

''کیا مطلب؟'' حاتم نے چونک کر کہا۔

''آپ نے تو ایسی ریش ڈرائیونگ کبھی نہیں کی۔'' ردا نے پریشانی سے کہا تو حاتم نے ایک گہری سانس لی۔

''آپ مجھے کچھ اپ سیٹ لگ رہے ہیں۔'' ردا نے اس کی طرف بغور دیکھ کر کہا۔

''نہیں بس یونہی...... تمہارے پیپرز کب ختم ہوں گے؟'' حاتم نے جلدی سے بات بدلتے ہوئے کہا۔

''اس کے بعد لاسٹ پیپر ہے۔'' اس نے بتایا، حاتم کے موبائل پر ایک میسج ٹون آئی وہ جلدی سے موبائل دیکھ کر غصے سے نتھنے پھلانے لگا اور غصے سے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارنے لگا۔

''ردا...... تمہیں کبھی کوئی رانگ کالز یا میسجز تو نہیں آتے۔''

''نن...... نہیں...... مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' وہ یکدم گھبرا کر بولی۔

''یونہی...... وہ میرے موبائل پر اکثر رانگ کالز اور میسجز آتے ہیں ناں...... اس لیے پوچھ رہا ہوں۔'' حاتم منہ بنا کر بولا۔

''تو آپ سم بدل لیں۔'' ردا مسکرا کر بولی۔

''دوبار چینج کی ہے مگر پھر بھی اس کو میرے نمبر کا پتا چل جاتا ہے۔'' وہ گہری سانس لے کر بولا۔

''آئی ایم شیور...... وہ پھر آپ کا کوئی کلوز فرینڈ ہی ہوگا جو جان بوجھ کر آپ کو تنگ کر رہا ہے۔'' ردا نے چونک کر کہا۔

''مگر میں نے تو وہ نمبر کسی کو نہیں بتائے۔'' حاتم گہری سانس لے کر بولا۔

''اٹس ایزنگ پھر کیسے...... کسی کو پتا چل جاتا ہے؟'' ردا نے چونک کر پوچھا۔

''یہی تو پتا نہیں چل رہا۔ بہت کوشش کر رہا ہوں۔ ہر بار نئے نمبر سے میسج آتے ہیں۔'' حاتم بولا۔

''وہ لڑکا ہے یا لڑکی؟'' ردا نے چونک کر پوچھا۔

''لڑکا......'' حاتم نے گہری سانس لے کر کہا۔

''لڑکا بھلا آپ کو کیوں تنگ کر رہا ہے؟'' ردا نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا تو حاتم نے اس کی طرف دیکھا اور گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ ردا بھی اسے دیکھ کر خاموش ہو گئی اور وہ تیزی سے ڈرائیونگ کرنے لگا مگر اس کا ذہن بری طرح ماؤف ہو رہا تھا۔

☆☆☆

ردا کے پیپرز کیا ختم ہوئے گھر میں زندگی لوٹ آئی۔ اس کے پیپرز کی وجہ سے باہر گھومنا پھرنا، لان میں بھائیوں کا بیڈمنٹن کھیلنا، ڈنر کے لیے باہر جانا، فرینڈز کا آنا جانا، سب ایکٹیویٹیز ماند پڑ گئی تھیں کیونکہ ردا ان میں شامل نہیں ہوتی تھی اور جس روز وہ فارغ ہوئی تو فہام نے سب سے پہلے ڈنر کا پروگرام بنالیا اور اس نے شمیلہ کو بھی انوائٹ کیا۔

رات کو ساری فیملی ایک چائنیز ریسٹورنٹ میں ڈنر کرنے گئی تو وہ بہت خوش تھی۔ شمیلہ بہت ماڈرن گیٹ اپ میں خدیجہ اور ردا کے پاس بیٹھی تھی جبکہ ٹیبل کے دوسری جانب فہام، حاتم اور عاصم بیٹھے تھے۔ فہام بہت خوش تھا اور مسکرا مسکرا کر شمیلہ کی طرف دیکھتا، عاصم اس بات کو نوٹ کر رہا تھا اور شرارتی انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''بھئی، یہ آپ لوگ کب تک آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہیں گے۔ ایک بار ہی نظریں چار کر کے زمانے کو بھی دیکھیں اور سامنے والوں کو بھی۔'' عاصم نے مسکرا کر کہا۔

''تمہاری اتنی لمبی چوڑی بات کا مطلب؟''

شمیلہ نے چونک کر عاصم سے پوچھا۔

''کیا آپ واقعی اتنی ناسمجھ ہیں یا پھر......'' عاصم نے مسکراتے ہوئے شمیلہ کو مخاطب کیا اور جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا۔

''مجھے پہیلیاں اچھی نہیں لگتیں......'' شمیلہ منہ بنا کر تیزی سے کہنے لگی۔

''جبکہ مجھے پہیلیاں بھی اچھی لگتی ہیں اور سہیلیاں بھی۔'' عاصم نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''لگتا ہے تم یہ Meaningful باتیں ان سہیلیوں سے ہی سیکھتے ہو۔'' شمیلہ نے مسکراتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

''یس آف کورس...... کسی دن آپ کو بھی سنواؤں گا۔ تفصیل سے......'' عاصم نے مسکراتے ہوئے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

''لیکن مما ابھی تو آپ ان دونوں کی شادی کا فائنل کریں گھر میں کچھ ہلا گلا ہو...... ہم بھی کچھ انجوائے کریں۔'' عاصم، ماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں، میں تو بس ردا کے پیپرز ختم ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ کل ہی ریحانہ کی طرف جا کر شادی کی تاریخ طے کرتی ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

''مما! اتنی جلدی، آئی مین، حاتم کا بھی کہیں......'' فہام نے چونک کر چھوٹے بھائی حاتم کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اس کی بعد میں دیکھوں گی...... پہلے تمہاری اور شمیلہ کی شادی ہو جائے۔'' خدیجہ مسکراتے ہوئے بولیں تو شمیلہ شرما کر مسکرانے لگی۔

''لڈو پھوٹ رہے ہیں کہ نہیں۔'' ردا نے آہستگی سے شمیلہ کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

''لڈو تو تب پھوٹیں گے جب تمہاری شادی بھی میرے ساتھ ہو گی۔'' شمیلہ منہ بنا کر ردا کی طرف دیکھ کر بولی۔

''ہیں...... ہیں یہ میری شادی کا ذکر کہاں سے آ گیا؟'' ردا نے چونک کر پوچھا۔

''ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے...... کیوں حاتم؟''

''ہاں...... یہ تو ہے۔'' حاتم کے ساتھ فہام نے بھی ہنستے ہوئے ہاں میں ہاں ملائی۔

''یہ آپ میرا احسان مانیں کہ آپ کی رخصتی کرا رہا ہوں۔'' عاصم نے شمیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس لیے کہ تمہاری باری جلدی آئے۔'' شمیلہ تیزی سے بولی۔

''خاصی سمجھدار ہو گئی ہیں۔ وہ بھی چند منٹوں میں۔'' عاصم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا بھئی، اب جلدی کھانا ختم کرو...... رات کافی ہو چکی ہے، اب گھر چلنا چاہیے۔'' خدیجہ بولیں۔

کھانا کھا کر سب لوگ ریسٹورنٹ سے باہر نکلے تو خدیجہ بولیں۔

''فہام بیٹا! تم شمیلہ کو ڈراپ کر آؤ، میں اور ردا، حاتم اور عاصم کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے مما۔'' فہام نے کہا۔

''جاؤ بیٹا، فی امان اللہ......'' خدیجہ، شمیلہ کو محبت سے چوم کر بولیں تو شمیلہ بھی ردا کے گالوں کو چوم کر مسکراتے ہوئے گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر فہام کے ساتھ بیٹھ گئی اور فہام گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔

''تم نے آج ڈنر انجوائے کیا ناں؟'' فہام نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں، بہت زیادہ...... میں تو ہمیشہ سے آپ اور آپ کی فیملی کے ساتھ بہت انجوائے کرتی ہوں۔'' شمیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شمیلہ...... میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ہمارا فیملی یونٹ کبھی نہ ٹوٹے۔ سب ایک دوسرے کے دکھ، درد اور خوشیوں کو محسوس کریں اور پیار محبت سے رہیں۔'' فہام مسکراتے ہوئے بڑے مان سے بولا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''انشاء اللہ...... ایسا ہی ہوگا۔'' شمیلہ نے بھی مسکرا کر کہا۔

''اور میں تم سے بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم بھی ان کے ساتھ ہمیشہ ویسی ہی محبت کرو جیسی میں کرتا ہوں۔''

''فہام...... کیا آپ کو مجھ پر یقین نہیں......؟'' شمیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

''ارے...... مجھے تو تم پر اپنے آپ سے بھی زیادہ یقین ہے کہ تم میری فیملی کا بہت زیادہ خیال رکھوگی۔ خاص طور پر ردا کا۔'' فہام نے مسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''ردا...... کا...... ہی کیوں؟'' شمیلہ چونک کر بولی۔

''اس لیے کہ...... میں...... اس سے بہت محبت کرتا ہوں، میں بتا نہیں سکتا...... ردا میرے لیے کیا ہے۔'' فہام قدرے جذباتی انداز میں نم آنکھوں سے بولا تو شمیلہ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نمایاں ہونے لگے مگر وہ زبردستی مسکرا کر اسے دیکھتی رہی۔ فہام نے شمیلہ کو گھر کے گیٹ پر اتارا تو وہ قدرے آف موڈ کے ساتھ بیگ کندھے پر ڈالے لاؤنج میں داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر انتہائی غصے کے تاثرات تھے۔ ریحانہ صوفے پر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ شمیلہ غصے سے اپنا بیگ صوفے پر پھینک کر منہ پھُلا کر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا......؟ تمہارا موڈ کیوں آف ہے، ڈنر پر جانے سے پہلے تو اچھی بھلی تھیں؟'' ریحانہ نے چونک کر شمیلہ سے پوچھا۔

''میں تنگ آگئی ہوں، ان لوگوں سے۔'' شمیلہ غصے سے منہ بنا کر بولی۔

''کیوں...... کیا ہوا؟'' ریحانہ حیرت سے بولیں۔

''مما! ان لوگوں کی عجیب ہی باتیں ہیں اور سب سے بڑھ کر فہام...... یوں ردا کے ناز نخرے اور چونچلے اٹھاتا ہے۔ جیسے وہ دودھ پیتی بچی ہو۔ ردا یہ تو ردا وہ......'' شمیلہ خفگی سے بولی۔

''ہاں، وہ اس سے محبت بھی تو بہت کرتا ہے۔'' ریحانہ نے مسکرا کر بڑی بے پروائی سے جواب دیا۔

''اور اس کی محبت میں اسے اس وقت کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ میں بھی نہیں۔'' شمیلہ غصے سے بولی۔

''بیٹا، رشتوں میں یوں مقابلہ مت کرو، فہام نے اسے باپ بن کر پالا ہے۔ جو تمہاری جگہ ہے وہ وہ کی کبھی نہیں ہو سکتی اور ردا کی جگہ تم کبھی نہیں لے سکوگی۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا۔'' ریحانہ نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

''مجھ سے تو سلمان بھائی نے کبھی ایسے محبت نہیں کی اور نہ ہی آپ نے جیسے خالہ ردا سے کرتی ہیں۔'' شمیلہ خفگی سے بولی۔

''ہر ایک کا اپنا، اپنا مزاج ہوتا ہے اگر میں اظہار نہیں کرتی تو اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ میں تم سے محبت نہیں کرتی۔ آپا کا مزاج مختلف ہے، وہ ہر ایک کے دل میں اتر جاتی ہیں۔'' ریحانہ گہری سانس لے کر بولیں۔

''ردا...... سمیت۔'' شمیلہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

''شمیلہ...... مت ایسی باتیں کیا کرو، تم نے بیاہ کر اس گھر میں جانا ہے۔ ابھی سے دل میں نفرتیں پالوگی تو گزارہ کیسے ہوگا۔'' ریحانہ سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں۔

''ہاں، نفیسہ بھابی کے دل میں بھی میں نے ہی نفرتیں پیدا کی ہیں ناں...... مما! آپ میرے علاوہ ہر بندے کا فیور کرتی ہیں، سب اچھے ہیں، میں ہی بری ہوں۔'' وہ نہایت غصے سے بولی۔

''میں نے ایسا کب کہا ہے؟ میری بیٹی تو سب سے اچھی ہے۔ تم تو خوش قسمت ہو کہ فہام جیسا اچھا لڑکا تمہیں مل رہا ہے۔ خاندان بھر میں اس کی کتنی تعریف ہوتی ہے، تم جانتی ہو ناں......'' ریحانہ نے مسکرا کر شمیلہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''مجھے فہام سے تو کوئی شکوہ نہیں۔'' اس نے منہ بنا کر آہستہ آواز میں کہا۔

''باقی سب لوگ بھی بہت اچھے ہیں۔'' ماں نے مسکرا کر کہا۔

''آپ نہیں سمجھیں گی۔'' اس نے تختی سے جواب دیا۔

''تم آخر سمجھانا کیا چاہتی ہو...... خواہ مخواہ کُڑھ کُڑھ کر اپنا خون جلاتی رہتی ہو...... بیٹا اپنے دل میں دوسروں کے لیے محبت پیدا کرو۔ اس محبت کا رنگ جب چہرے پر نمایاں ہونے لگتا ہے تو ہر دیکھنے والا اس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔ محبت بہت بڑا ہتھیار ہے۔ اس سے تم دوسروں کے دل جیت سکتی ہو...... اب دیکھو ناں...... ردا ہر ایک سے کتنی محبت اور پیار سے بات کرتی ہے کہ سیدھی دل میں اتر جاتی ہے اور پھر اسے پیار کرنے کو بہت دل چاہتا ہے۔'' ریحانہ نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں...... اب آپ بھی اس کی شان میں قصیدے پڑھیں۔ آپ لوگ جتنی اس کی تعریفیں کرتے ہیں، اتنی ہی میرے دل میں اس کے لیے نفرت بڑھتی جاتی ہے۔'' وہ غصے سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی...... اور ریحانہ بے حد پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

☆☆☆

محسن رضا نے بی اے اچھے نمبروں سے پاس کرنے کے بعد ایم بی اے میں داخلہ لے لیا تھا۔ میرٹ پر آنے کی وجہ سے اسے یونیورسٹی سے اسکالرشپ بھی مل گئی۔ وہ بہت خوش تھا مٹھائی لے کر گھر لوٹا تو طیبہ اس کی منتظر تھی۔ اس کے چہرے پر پریشانی اور اضطراب کے تاثرات نمایاں تھے۔ محسن کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبا دیکھ کر وہ چونکی۔

''میرا یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہوا ہے اور مجھے اسکالرشپ بھی ملی ہے۔'' محسن نے طیبہ کے چہرے پر چھائی حیرانی کو بھانپتے ہوئے بتایا۔

''مبارک ہو بہت بہت......'' وہ ایک دم کہہ کر خاموش ہوگئی۔

''بھائی جان بہت مبارک ہو۔'' سمیرا نے بھائی کے ساتھ لپٹ کر اسے مبارک دیتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو، اب پلیٹ میں مٹھائی نکال کر لاؤ سب کھاتے ہیں۔ حسن اور احسن کو بھی بلاؤ، وہ کہاں ہیں؟'' محسن نے کہا۔

''وہ باہر کھیلنے گئے ہوئے ہیں۔ میں ابھی انہیں بلاتی ہوں۔'' سمیرا کہہ کر دروازے تک چلی گئی اور محسن کمرے میں چلا گیا۔ طیبہ کچھ دیر کھڑی سوچتی رہی اور پھر اس کے پیچھے پیچھے کمرے کے اندر چلی آئی۔

''محسن۔'' وہ اسے آواز دے کر خاموش ہوگئی۔

''ہاں کہو، کیا بات ہے؟'' محسن نے مڑ کر بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا بتانے سے ہی کسی بات کا پتا چل سکتا ہے۔'' طیبہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''کیا مطلب؟'' محسن نے حیرت سے پوچھا۔

''میری خاموشی اور میری ان آنکھوں سے آپ کو میرے دل کی کیفیت معلوم نہیں ہوتی؟ کیا آپ میری زبان سے سب کچھ سننا چاہتے ہیں؟'' طیبہ نے ہمت کر کے کہا۔

''نہیں...کیونکہ تم جو کچھ سوچتی ہو وہ ممکن نہیں ہے۔'' محسن نے کہا۔

''کیوں، کیا میں آپ کے قابل نہیں؟'' طیبہ نے بھرائی ہوائی آواز میں پوچھا۔

''ایسی بات نہیں مگر دل کو کسی کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔'' محسن نے آہ بھر کر کہا۔

''کیا آپ کے دل میں کوئی اور ہے؟'' طیبہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

''معلوم نہیں۔'' محسن نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''مگر میں جانتی ہوں...... آپ جس کی محبت میں گرفتار ہیں۔'' طیبہ نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

''کیا مطلب؟'' محسن نے چونک کر پوچھا۔

''وہ یمنیٰ ہے ناں!'' طیبہ نے کہا۔ محسن نے بغور

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کی طرف دیکھا مگر کچھ نہ بولا۔

"محسن وہ ایک ہیولا بن کر آپ کے اندر گھر کر چکی ہے اور آپ اس کے سحر میں مبتلا ہو گئے ہیں مگر یہ بھول بیٹھے ہیں کہ اب وہ کبھی نہیں آئے گی۔" طیبہ نے دُرشت لہجے میں کہا۔

"زندگی ناممکنات کا سفر نہیں...... جب معجزے کائنات میں رونما ہو سکتے ہیں تو معمولی سی ناممکن بات ممکن کیوں نہیں ہو سکتی؟" محسن نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"آپ حقیقت سے نظریں چُرا کر خیالی دنیا میں جی رہے ہیں اور حقیقت کبھی نہیں بدلتی۔" طیبہ نے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو، میں مانتا ہوں مگر میرا دل نہیں مانتا اسے کیسے مناؤں۔" محسن نے صاف گوئی سے کہا۔ طیبہ نے اس کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھا اور ایک سرد آہ بھر کر رہ گئی۔

"طیبہ میرے پاس کچھ نہیں ہے سوائے یقینِ کامل کے اور میری یہی سچی لگن اگر میرے خدا کو منظور ہوگا تو وہ کبھی نہ کبھی زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر ضرور رنگ لائے گی۔" وہ پُرامید لہجے میں بولا۔

"اور میں...... اور میری محبت آپ کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی؟" طیبہ نے تقریباً روتے ہوئے پوچھا۔

"تم میرے لیے بہت محترم ہو اسی لیے تو تمہیں کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ اگر چاہتا تو تم سے محبت کا ڈھونگ رچا کر تمہارے احساسات مجروح کر سکتا تھا لیکن میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ تم بہت اچھی لڑکی ہو...... مگر میرا نصیب نہیں ہو۔" محسن نے کہا تو طیبہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"پلیز چپ ہو جاؤ...... بچے آ گئے تو وہ کیا سوچیں گے۔" محسن نے کہا تو اس نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑیں۔

"اب میں چلتی ہوں، دعا کرتی ہوں وہ آپ کو ضرور ملے۔" طیبہ نے دکھے دل سے کہا۔

"شکریہ، تمہارا دل واقعی بہت بڑا ہے۔" محسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"محبت خود ہی ایسا منتر پھونکتی ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی دل بڑا اور ظرف اونچا ہو جاتا ہے۔ شاید محبت کرنے والے کسی کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتے۔ معلوم نہیں ایسا کیوں ہو جاتا ہے۔ پہلے مجھے اس لڑکی سے حسد ہوتا تھا مگر اب اس پر رشک آنے لگا ہے جسے بِن بتائے کوئی اتنا چاہے...... جس کی محبت میں گرفتار ہو کر اسے کوئی اور دکھائی نہ دے۔" طیبہ نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"سوری...... تم میری وجہ سے ہرٹ ہوئی ہو مگر میں بے بس ہوں۔ میں تمہیں دھوکا دے سکتا ہوں اور نہ ہی اپنے آپ کو۔ بس تم مجھے معاف کر دینا اور جو اچھا پرپوزل آئے اسے قبول کر کے اپنی زندگی اچھے طریقے سے گزارنا۔" محسن نے بڑے خلوص سے کہا۔

"کتنا آسان ہوتا ہے دوسروں کو نصیحت کرنا اور کتنا مشکل ہوتا خود اس پر عمل کرنا...... اینی وے تھینک یو۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئی اور محسن مضطرب سا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔

"میں نے جو کچھ کیا وہ سب ٹھیک ہے کیا؟ میں نے کوئی غلطی تو نہیں کی۔ انجانے میں کسی کا دل توڑ کر کوئی گناہ تو نہیں کیا؟ طیبہ کی مہربانیوں کا بدلہ میں نے اس کے جذبات کی نفی کر کے دیا اور اس سے وہ کتنی ہرٹ ہوئی یہ سب کچھ کر کے میں گناہ گار تو نہیں ٹھہرا......؟" اس نے آہ بھر کر سوچا۔

"کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ دل اس کی یاد سے کسی پل غافل ہی نہیں ہوتا۔ وہ جو معلوم نہیں کبھی ملے گی بھی یا نہیں۔ دنیا کی اس بھیڑ میں نہ جانے کہاں کھو گئی ہے وہ اور شاید میں ایک خیال، ایک ہیولے کے پیچھے بھاگ رہا ہوں۔ میں کیا کر رہا ہوں؟" وہ خود اپنا محاسبہ کر رہا تھا۔

☆☆☆

فہام ماں کے پاس بیڈ پر بیٹھا ان کی ٹانگیں دبا رہا تھا۔ ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ وہ بہت محبت سے

انہیں دباتے ہوئے آہستہ آہستہ ان سے باتیں بھی کر رہا تھا اور وہ ہوں، ہاں میں اسے جواب دے رہی تھیں۔

"مما! میں کل ہی کسی آرتھوپیڈک سے آپ کے لیے اپائنٹمنٹ لے لیتا ہوں۔ آپ کی ٹانگوں کا درد بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔" فہام نے ان کی ٹانگیں دباتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔

"ٹھیک ہو جائے گا، تم فکر نہیں کرو، اور اب جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرو، میں ٹھیک ہوں۔" خدیجہ درد کی شدت کو برداشت کرتے ہوئے آہستہ سے بولیں۔ اتنے میں حاتم انتہائی غصے میں موبائل پکڑے کمرے میں داخل ہوا مگر فہام کو خدیجہ کے پاس بیٹھا دیکھ کر چونکا اور کچھ کہتے ہوئے یک دم رک گیا اور وہ حاتم کا چہرہ دیکھ کر گھبرا گئیں۔

"حاتم تم گھبرائے ہوئے لگ رہے ہو...... خیر تو ہے؟" فہام نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے واپس مڑتے ہوئے کہا اور ماں کو آنکھوں ہی آنکھوں میں گویا کچھ سمجھایا۔

"رکو حاتم۔" خدیجہ نے گہری سانس لیتے ہوئے حاتم کو بلایا تو وہ رک گیا اور چونک کر ماں کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا پھر کوئی ایسا میسج آیا ہے؟" انہوں نے بڑی فکرمندی سے پوچھا۔

"حاتم کیا پرابلم ہے اور یہ مما تم سے کس میسج کے بارے میں پوچھ رہی ہیں؟" فہام نے چونک کر بھائی سے پوچھا تو وہ بوکھلا گیا۔

"حاتم کے موبائل پر کوئی لڑکا ردا کے بارے میں فضول میسجز کرتا ہے۔" خدیجہ نے گہری سانس لے کر اسے بتایا۔

"کیا...... ردا کے بارے میں؟" فہام کی حیرانی قابلِ دید تھی وہ تیزی سے حاتم کے نزدیک آیا اور موبائل اس کے ہاتھ سے لے کر میسج پڑھنے لگا۔

"کب سے یہ میسجز آ رہے ہیں؟" اس نے گہری سانس لے کر حاتم سے پوچھا۔

"کچھ روز سے...... میں نے سم بھی بدلی ہے اور نمبر ٹریس آؤٹ کرانے کی کوشش بھی کی ہے مگر ہر بار میسج نئے نمبر سے آتا ہے اور جب میں ٹریس آؤٹ کروانے کی کوشش کرتا ہوں تو سمز عورتوں کے نام کی نکلتی ہیں مگر میسجز کوئی لڑکا ہی کرتا ہے۔" حاتم منہ بنا کر بولا۔

"کیا تم ردا کے بارے میں مشکوک ہو؟" فہام نے چونک کر اس سے پوچھا۔

"معلوم نہیں...... مگر میں بہت ڈسٹرب ہوں۔" حاتم گہری سانس لے کر بولا۔

"ردا پر یوں یقین رکھو جیسے اپنے آپ پر رکھتے ہو۔ زمانہ کچھ بھی کہے تمہارے اس یقین میں کمی نہیں آنی چاہیے۔ وہ ہماری بہن ہے اور اس کی پارسائی کے گواہ ہم ہیں اور محافظ بھی۔" فہام نے حاتم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اگر کوئی اتنا سچا ہے تو وہ ہمارے سامنے آ کر بات کرے۔ ایسے اوچھے ہتھکنڈے جھوٹے لوگ ہی اپناتے ہیں۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب تک میں زندہ ہوں، ردا کی عزت پر کوئی حرف نہیں آنے دوں گا جاؤ جا کر آرام کرو۔" فہام نے موبائل اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا تو وہ وہاں سے چلا گیا۔

"خدا میری ردا کے سر پر تم بھائیوں کا سایہ ہمیشہ قائم رکھے۔" خدیجہ نے مسکرا کر فہام کی طرف دیکھ کر دعائیہ لہجے میں کہا ان کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"مما! آپ کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہیں اور وہ بھی میرے ہوتے ہوئے۔" فہام نے مسکرا کر ماں کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، جن ماؤں کے تم جیسے بیٹے ہوں، انہیں کبھی نہیں گھبرانا چاہیے۔ مگر کیا کروں ایک جوان بیٹی کی ماں بھی تو ہوں۔" خدیجہ نے مسکرا کر فہام کا ماتھا چومتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆☆☆

شمیلہ اپنے کمرے میں بیڈ پر نیم دراز ایک فیشن میگزین دیکھنے میں مصروف تھی کمرے میں آہستہ آواز میں میوزک آن تھا۔ ریحانہ تیار ہو کر بیگ ہاتھ میں پکڑے شمیلہ کے کمرے میں آئیں۔

''بیٹا! میں ٹیلر کے پاس جارہی ہوں اگر تمہیں بھی جانا ہے تو چلو۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''نہیں، مجھے نہیں جانا۔'' شمیلہ منہ بنا کر بولی۔

''کیوں، تم نے آپا والا سوٹ نہیں سلوانا؟'' ریحانہ نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں، وہ مجھے پسند نہیں آیا؟'' شمیلہ صفحہ پلٹتے ہوئے منہ بنا کر بولی۔

''کیوں، وہ تو بہت اچھا ہے اور اس وقت تو تم کہہ رہی تھیں کہ تمہیں بہت پسند آیا؟'' ریحانہ نے انتہائی حیرت سے چونک کر پوچھا۔

''اس لیے کہ میں فہام کو ناراض نہیں کرنا چاہتی۔'' شمیلہ ماں کے قریب کھڑے ہو کر معنی خیز انداز میں بولی۔

''مگر فہام کا اس سے کیا تعلق؟'' ریحانہ نے چونک کر پوچھا۔

''فہام کی فیملی دنیا کی سب سے اچھی فیملی ہے، وہ لوگ کبھی کوئی غلطی کر ہی نہیں سکتے، ان پر کسی قسم کا اعتراض یا تنقید فہام برداشت نہیں کرتا۔'' شمیلہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔ ''اس لیے میں فہام کو کبھی ناراض نہیں کر سکتی۔'' اس نے آنکھیں گھما کر معنی خیز انداز میں کہا۔

''ورنہ تم آپا اور ان کی فیملی کی کبھی عزت نہ کرو۔'' ریحانہ خفگی سے بولیں۔

''ہاں، تو...... کیوں کروں؟'' شمیلہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

''شمیلہ، شمیلہ تمہیں کیسے سمجھاؤں۔'' وہ غصے سے جھنجلا کر بولیں۔

''میں سب سمجھتی ہوں اور وہ بھی بہت اچھی طرح...... مجھے کیا کرنا ہے اور کس کے ساتھ رشتہ نبھانا ہے، سب جانتی ہوں۔'' شمیلہ نے مسکرا کر ماں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ غصے سے منہ بناتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں اور شمیلہ معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی۔

☆☆☆

خدیجہ بیگم نے لاؤنج میں فروٹ اور مٹھائیوں کے ٹوکرے رکھے تھے۔ زاہدہ انہیں خاص اہتمام سے سجا رہی تھی اور شوکت ڈرائیور انہیں گاڑیوں میں رکھ رہا تھا۔ خدیجہ بیگم بھی خصوصی طور پر تیار ہوئی تھیں کیونکہ وہ آج فہام کی شادی کی تاریخ رکھنے جارہی تھیں اور بے حد خوش تھیں۔ خوشی سے ان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ ردا لاؤنج میں آئی تو اتنا زیادہ اہتمام دیکھ کر چونک گئی۔

''مما آپ اتنا سب کچھ شمیلہ آپی کے گھر لے کر جارہی ہیں؟'' ردا نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں بیٹا، یہ بھی رسم ہوتی ہے۔ بہو کے گھر جب بھی جائیں تو اس شان سے جائیں کہ اسے اپنی عزت اور قدر محسوس ہو۔'' خدیجہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''ردا بی بی کو کیا پتا...... جب ان کی سسرال والے یہ سب کچھ لائیں گے پھر ان کو پتا چلے گا۔'' زاہدہ نے سرخ گوٹے والے رومال سے مٹھائی کی ٹوکری کو لپیٹتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''ہٹو...... کیا فضول باتیں کر رہی ہو...... میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں، مجھے تو ابھی یونیورسٹی جانا ہے بہت پڑھنا ہے۔'' ردا نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''پڑھ کر بھی تو شادی کرنی ہے ناں!'' زاہدہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تب کی تب دیکھی جائے گی۔'' ردا نے منہ بنا کر جواب دیا۔

''اچھا زاہدہ...... جلدی سے سارا سامان

WWW.PAKSOCIETY.COM

گاڑیوں میں رکھواؤ...... ریحانہ انتظار کررہی ہوگی۔"

خدیجہ بیگم نے اپنا پرس اٹھاتے ہوئے کہا اور مسکراتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔ زاہدہ، شوکت کے ہمراہ ٹوکریاں گاڑی میں رکھوانے لگی۔

☆☆☆

شمیلہ اتنا سب کچھ دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی۔ نفیسہ بھی قدرے حیرت سے ان کی طرف دیکھتی رہی اور دل ہی دل میں اس سے حسد کرتی رہی۔ ریحانہ اپنی بیٹی کی اتنی قدر اور خوش نصیبی پر فخر محسوس کررہی تھیں اور بے حد خوش تھیں۔

خدیجہ اکیلے ہی گئی تھیں اب وہ ریحانہ کے بہو، بیٹے کے ہمراہ بیٹھی شادی کی تاریخوں پر بات کررہی تھیں۔ ریحانہ کی مالی حیثیت بھی مستحکم نہیں رہی تھی۔ نہ ہی گھر زیادہ پُرآسائش اور بڑا تھا۔ خدیجہ کے مقابلے میں ان کی مالی حیثیت بہت کم تھی مگر خدیجہ ہمیشہ انہیں سپورٹ کرتیں اور کبھی کسی کمی کا احساس نہ ہونے دیتیں۔ شوہر کی وفات کے بعد جو فنڈ ملا ریحانہ نے اسے بینک میں جمع کروادیا اور یہی سوچا کہ شمیلہ کی شادی پر نکلوائیں گی۔ سلمان کی تنخواہ سے گھر کا خرچ مشکل سے پورا ہوتا تھا۔

"ریحانہ، میں تو اس غرض سے آئی ہوں کہ جلد سے جلد فہام اور شمیلہ کی شادی کردی جائے۔" خدیجہ نے کہا۔

"خالہ جان اتنی جلدی...... تیاری کے لیے کوئی وقت تو دیں۔" سلمان جلدی سے بولا۔

"بیٹا کیسی تیاری...... ریحانہ کان کھول کر سن لو میں ایک پائی کا جہیز نہیں لوں گی۔ شمیلہ کے لیے زیورات اور کپڑے میں خود بنواؤں گی اور بارات میں بھی بہت کم لوگ لاؤں گی۔" خدیجہ نے کہا۔

"نہیں آپا...... اب ہم نے بیٹی کو ایسے ہی تو رخصت نہیں کرنا۔" ریحانہ نے کہا۔

"ریحانہ میں نمود ونمائش اور پیسے کے زیاں کو اچھا نہیں سمجھتی۔ گھر بہو کی چیزوں سے نہیں اس کے اخلاق سے خوب صورت لگتا ہے...... اور شمیلہ مجھے مل رہی ہے تو اور کیا چاہیے۔" خدیجہ نے مسکرا کر کہا تو نفیسہ نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ ریحانہ اور سلمان کی طرف دیکھا۔

"بس پھر ٹھیک ہے اس ماہ کی 25 تاریخ رکھ لیتے ہیں۔" خدیجہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسا آپ کہہ رہی ہیں۔ ہمیں اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔" سلمان نے مسکرا کر کہا تو سب مسکرانے لگے۔

☆☆☆

شمیلہ کو جب خبر ملی کہ خالہ نے جہیز لینے سے انکار کردیا ہے تو وہ بری طرح سیخ پا ہوئی۔ اس نے تو پلان کررکھا تھا کہ وہ بہت ٹھیک ٹھاک جہیز لے کر جائے گی مگر اس کی ساری پلاننگ پر پانی پھر گیا تھا۔ رات کو فہام اپنے کمرے میں بیڈ پر نیم دراز شمیلہ سے موبائل پر باتیں کررہا تھا۔ کمرے میں ہلکی سی موسیقی بھی سنائی دے رہی تھی۔

"آج تو تم بہت خوش ہوگی۔ ہماری شادی کی ڈیٹ جو فکس ہوگئی ہے۔" فہام نے سرگوشی کے انداز میں شمیلہ سے پوچھا۔

"میرا موڈ سخت آف ہے۔" شمیلہ نے منہ بنا کر خفگی سے جواب دیا۔

"کیوں؟" فہام نے چونک کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"خالہ جان نے جہیز لینے سے انکار کرکے میری ساری خواہشات کو ختم کردیا ہے۔" شمیلہ خفگی سے بولی۔

"کیا مطلب...... میں سمجھا نہیں؟" فہام نے اس کی بات کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"میری اتنی خواہش تھی کہ میں اپنی شادی پر اپنی مرضی سے کراکری، بیڈ شیٹس اور گھر کی دوسری چیزیں خریدوں گی مگر خالہ جان نے تو......" شمیلہ غصے

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے بولی۔
"مما نے تو تم لوگوں کا ہی بھلا سوچا ہے۔" فہام نے سمجھاتے ہوئے کہا۔
"کیا ضرورت تھی اتنا ہمدرد بننے کی۔ میرے بھائی، بھابی کون سا مجھ پر پہلے ہی بہت کچھ خرچ کرتے ہیں۔ ایک شادی پر ہی کرنا تھا، وہ بھی انہیں روک دیا گیا ہے۔" شمیلہ خفگی سے بولی۔
"کیا مطلب؟" فہام نے اسے حیرت سے پوچھا۔
"سلمان بھائی کو تو اپنی بیوی کے ناز نخرے اٹھانے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ میں اور مما، ڈیڈی کی پنشن سے گزارہ کرتی ہیں۔ مما نے میری شادی کے لیے کچھ سیونگ کر رکھی ہے۔ اب انہیں موقع مل جائے گا۔ دونوں اب اسے بھی ہتھیا لیں گے۔" شمیلہ فہام کو بتاتے ہوئے بولی۔
"آئی ایم سوری... میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ اینڈ آئی ایم شیور مما بھی نہیں جانتی ہوں گی لیکن شمیلہ ہمارے گھر میں تمہیں کسی بھی چیز کی کمی نہیں ہوگی۔" فہام اسے نے اچھی طرح سمجھایا۔
"فہام بات کمی کی نہیں ہے بات میرے کنجوس بھائی اور گھٹیا فطرت والی بھابی کی ہے۔ خود غرض اور لالچی ہیں۔" وہ انتہائی حقارت سے بولی۔
"شمیلہ تم ان لوگوں کے بارے میں ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو؟" فہام کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔
"اس لیے کہ میں ان دونوں کو اچھی طرح جانتی ہوں، ہر کوئی ردا کے بھائیوں جیسا نہیں ہوتا۔" شمیلہ نے غصے سے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔
"یہ تم لوگوں کا پرسنل میٹر ہے، اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" فہام ذرا بھنا کر بولا۔
"یہی تو میں سمجھا رہی ہوں کہ آپ لوگوں کو کسی بھی معاملے میں بولنے کی ضرورت نہیں۔ ہر گھر کے اپنے مسائل اور ضروریات ہوتی ہیں۔" شمیلہ نے قدرے خفگی سے کہا تو فہام پریشانی سے ہونٹ کاٹنے لگا۔
"اوکے...... تم اپنا موڈ آف نہ کرو۔ میں مما سے کہوں گا۔ وہ آئندہ تم لوگوں کے معاملات میں انٹرفیئر نہیں کریں گی۔" فہام نے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے کہا تو شمیلہ کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ جو وہ چاہتی تھی فہام اسی طرف آ رہا تھا۔ اس کا موڈ یک دم ٹھیک ہو گیا اور وہ اس سے مسکرا مسکرا کر باتیں کرنے لگی۔
"اچھا یہ بتاؤ تم اپنے اور میرے اس ملن پر کتنی خوش ہو؟" فہام نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں پوچھا۔
"آنکھوں نے جس کے سپنے دیکھے ہوں اور دل نے جس کے بارے میں کیا کچھ محسوس کیا ہو۔ وہ شخص ملنے جا رہا ہو تو کیا احساسات ہوتے ہیں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔" شمیلہ نے مسکرا کر کہا تو فہام نے بھرپور قہقہہ لگایا۔
"بالکل...... میری بھی یہی کنڈیشن ہے شمیلہ... آئی لو یو سو مچ۔" فہام نے مسکرا کر کہا۔
"آئی لو یو ٹو۔" شمیلہ نے قدرے شرما کر جواب دیا تو دونوں مسکرانے لگے۔

☆☆☆

خدیجہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی تھیں اور ردا ان کے پاس بیٹھی انتہائی خوشی سے شاپنگ بیگز میں سے کپڑے نکال نکال کر دکھا رہی تھی۔
"مما یہ دیکھیں، کتنا خوب صورت دوپٹا ہے اور کلر کومبی نیشن بھی بہت خوب صورت ہے۔ شمیلہ آپی کو بہت سوٹ کرے گا۔ مجھے پہلی نظر میں ہی اتنا پسند آیا کہ میں نے اسے فوراً ہی خرید لیا۔" ردا نے ایک خوب صورت کامدار دوپٹا انہیں دکھاتے ہوئے کہا۔
"ہاں ماشاء اللہ کام بھی بہت خوب صورت ہے اور رنگ بھی۔ خدا شمیلہ کو پہننا اوڑھنا نصیب کرے۔" خدیجہ نے اپنی عینک لگا کر دوپٹے کو ہاتھ لگا کر دیکھتے ہوئے کہا۔
"آمین...... آمین۔ مما، شمیلہ آپی کے لیے شاپنگ کرتے ہوئے مجھے اتنی خوشی محسوس ہوتی ہے کہ آپ کو کیا بتاؤں۔" ردا نے مسکرا کر جلدی سے کہا۔
"بیٹا یہ محبتوں کے رشتے ہوتے ہیں اور خوشی بھی تب ہی محسوس ہوتی ہے جب انسان دل سے کسی کو چاہتا ہے۔" خدیجہ مسکرا کر بولیں۔
"مجھے تو اس دن کا شدت سے انتظار ہے جس دن شمیلہ آپی ہمیشہ کے لیے ہمارے گھر میں آ جائیں گی۔" ردا نے مسکرا کر دوپٹا تہ کرتے ہوئے کہا۔
"اللہ خیر سے وہ دن لائے لیکن سوٹ واقعی بہت اچھا ہے۔" خدیجہ مسکرا کر بولیں۔
"ہے ناں مما...... میں شمیلہ آپی کو فون کر کے بتاتی ہوں۔" ردا نے خوش ہو کر کہا۔
"ردا تم بھی ناں...... کیا کچھ بتاؤ گی۔ سب کچھ ہی بہت اچھا ہے۔" خدیجہ ہنستے ہوئے بولیں اور وہ اپنے موبائل پر شمیلہ کا نمبر ملانے لگی۔
"ہیلو شمیلہ آپی، آج میں نے آپ کے لیے بہت زبردست شاپنگ کی ہے ایک ڈریس مجھے اتنا پسند آیا کہ میں نے فوراً ہی خرید لیا۔" ردا نے خوش ہو کر شمیلہ سے کہا۔
"اچھا اس میں کیا خاص بات ہے؟" اس نے زبردستی مسکرا کر پوچھا۔
"ملٹی کلر کے کومبی نیشن پر بہت خوب صورت کام ہوا ہے۔" ردا مسکرا کر بولی۔
"ملٹی کلر......؟" شمیلہ نے چونک کر پوچھا۔
"کیوں، آپ کو ملٹی کلر پسند نہیں ہے؟" ردا نے ایک دم گھبرا کر پوچھا۔
"ارے نہیں...... نہیں تم جو بھی لاؤ گی وہ مجھے پسند ہوگا۔" شمیلہ نے جلدی سے موڈ بدلتے ہوئے کہا۔
"تھینک یو۔" ردا مسکرا کر بولی۔
"خالہ جان کے گھٹنوں میں بہت درد تھا تو کیا تم اکیلی شاپنگ کرنے گئی تھیں؟" شمیلہ نے یک دم منہ بنا کر پوچھا۔

غزل

ہم بھی سوچیں اگر خساروں کو
منہ دکھائیں گے کیا بہاروں کو

لُطف دے گی شکستہ کشتی بھی
بھول جاؤ اگر کناروں کو

چین ملتا ہے تیری محفل میں
چاند کو جگنوؤں کو تاروں کو

مرسلہ: دور یشم کراچی

"ارے نہیں، رشنا میرے ساتھ تھی اور ہم نے بہت انجوائے کیا۔" ردا مسکرا کر بولی۔
"آئی سی پھر تو تم بہت تھکی ہوئی ہوگی۔ اب تھوڑا سا ریسٹ کر لو۔" شمیلہ نے بجھے ہوئے لہجے میں آہستہ آواز میں کہا۔
"ہاں، اوکے بائے۔" وہ مسکرا کر بولی۔
"مما شمیلہ آپی کو بھی ڈریس کا سن کر اچھا لگا ہے۔" ردا نے ماں کو خوشی سے بتایا تو دونوں مسکرانے لگیں۔

☆☆☆

ریحانہ اپنے کمرے میں وارڈروب کھولے کھڑی تھیں اور اس میں سے کچھ نئے کپڑے نکال کر دیکھ رہی تھیں۔ شمیلہ قدرے غصے میں ان کے کمرے میں داخل ہوئی۔
"شمیلہ بیٹے میں نے یہ کچھ کپڑے نکالے ہیں، تمہارے لیے اور ردا کے لیے جو تمہیں پسند ہوں وہ دیکھ لو۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"مجھ سے پسند کروانے کی کیا ضرورت ہے۔ جو دل چاہتا ہے دے دیں۔" شمیلہ خفگی سے منہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

بنا کر بولی۔

"کیوں ایسی کیا بات ہوگئی؟" ریحانہ نے چونک کر پوچھا۔

"اُدھر ردا اپنی فرینڈ کے ساتھ میری شاپنگ کررہی ہے۔ اس نے اتنا گوارا نہیں کیا کہ مجھے ساتھ لے جاکر میری چوائس کے ڈریس خریدتی۔" شمیلہ نے منہ بنا کر شکایتی لہجے میں کہا۔

"بیٹا شادی بیاہ کی شاپنگ مائیں، بہنیں بڑے ارمانوں اور چاہتوں سے کرتی ہیں اور میرا خیال ہے آپا نے اس لیے تمہیں نہیں بلایا ہوگا۔ ورنہ وہ تو تمہیں ہر بات میں آگے کرتی ہیں۔ تم اس بات سے دل میلا نہ کرو۔ ساری زندگی تم نے اپنی ہی پسند سے کپڑے پہننے ہیں۔ انہیں اپنے ارمان پورے کرنے دو۔" ریحانہ نے گہری سانس لے کر اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن مما...... پھر بھی۔" وہ خفگی سے ماں کو دیکھنے لگی۔

"تم جس گھر میں جارہی ہو وہ بہت نصیب والیوں کو ملتا ہے۔ جتنی محبت اور چاہت وہ لوگ دکھا رہے ہیں ان کی قدر کرو۔" ریحانہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا تو وہ کچھ شرمندہ سی ہوگئی۔

"پلیز بیٹا، اس گھر میں جانے سے پہلے اپنے ذہن سے تمام منفی باتیں نکال دو اور اب یہ سوٹ پسند کرو جو تمہیں اچھا لگے۔" ریحانہ نے مسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا تو وہ زبردستی مسکرا کر کپڑے دیکھنے لگی۔

☆☆☆

توقیر کمرے میں اندھیرا کیے بیڈ پر آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بار بار نم ہورہی تھیں۔ کبھی وہ آہیں بھرتا ہوا اٹھ کر بیٹھ جاتا اور کبھی لیٹ جاتا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا۔ ردا نے میری محبت کو کیوں ویلیو نہیں کیا، میں تو اس سے بہت پُرخلوص اور شدید محبت کرنے لگا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا کہ یوں انکار کرنے سے میں کتنا ہرٹ ہوں گا۔" توقیر نے پریشان ہوکر سوچا اور اپنی نم آنکھوں اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے لگا۔

"کمرے میں اتنا اندھیرا کیوں کر رکھا ہے؟" نجمہ نے اس کے کمرے میں داخل ہوکر حیرت سے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ کر لائٹ آن کی تو توقیر نے جلدی سے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"توقیر کیا تم سو رہے ہو بیٹا کھانا بھی نہیں کھایا تم نے۔" نجمہ نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کا بازو ہلاتے ہوئے کہا تو توقیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نجمہ اسے آوازیں دینے لگیں مگر وہ خاموش رہا۔

"توقیر تو اتنی جلدی سونے کا عادی نہیں پھر آج کیسے سو گیا۔" نجمہ حیرت سے بڑبڑائیں۔

"توقیر بیٹا تم ٹھیک تو ہو ناں آج جلدی کیوں سو گئے؟" انہوں نے اس کا بازو پھر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"میرے سر میں بہت درد ہے، مجھے سونے دیں۔" توقیر نے منہ بنا کر آہستہ آواز میں کہا اور کروٹ بدل لی۔ انہوں نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھا اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔

ان کے جاتے ہی وہ آہ بھر کر اٹھ بیٹھا اور واش روم میں جاکر شیشے کے پاس کھڑا ہوگیا اس کی آنکھیں متورم تھیں، وہ پانی کے چھینٹے زور زور سے اپنے چہرے پر مارنے لگا۔ جس میں اس کے آنسوؤں کی آمیزش بھی شامل تھی۔

☆☆☆

نجمہ اور رشنا دونوں ...... بیٹھی ناشتا کرنے میں مصروف تھیں۔ توقیر اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ اس کی آنکھیں انتہائی سرخ اور چہرہ بہت اداس اور پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے شیو بھی نہیں کی تھی اور نہ ہی ٹھیک سے تیار ہوا تھا۔ وہ اپنا بیگ پکڑے لاؤنج سے باہر جانے لگا۔

"توقیر...... کیا تم ناشتا کیے بغیر آفس جارہے ہو؟" نجمہ نے چونک کر اسے آواز دیتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"توقیر یہاں آؤ۔" نجمہ نے خفگی سے تحکمانہ انداز میں کہا تو توقیر خاموشی سے ڈائننگ ٹیبل کے قریب آگیا۔

"اِدھر بیٹھو اور ناشتا کرکے آفس جاؤ اور تم تیار بھی ٹھیک سے نہیں ہوئے۔" نجمہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ مجھے بھوک نہیں ہے اور میں ٹھیک ہوں۔" توقیر نے قدرے جھنجلا کر کہا۔

"رشنا بھائی کو چائے بنا کر دو۔" نجمہ نے رشنا کی طرف دیکھ کر کہا۔ توقیر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ رشنا نے کپ میں چائے ڈالتے ہوئے بار بار اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"توقیر کیا بات ہے، چہرے سے بہت پریشان لگ رہے ہوں۔ یوں لگ رہا ہے جیسے رات بھر سو نہیں سکے۔" انہوں نے اس کی طرف بغور دیکھ کر کہا۔

"کچھ نہیں۔" توقیر نے چائے پیتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا۔

"کیا آفس میں کوئی ٹینشن چل رہی ہے؟" نجمہ نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"پھر کیا بات ہے، کچھ تو بتاؤ۔ تمہارا چہرہ صاف بتا رہا ہے کہ تم بہت پریشان ہو؟" انہوں نے خفگی سے جھنجلا کر پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"مگر توقیر بھائی آج آپ چہرے سے بالکل مجنوں لگ رہے ہیں اور وہ بھی ناکام مجنوں۔" رشنا نے اس کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

"کہیں محبت میں ناکامی تو نہیں ہوئی؟" رشنا نے مسکرا کر رازدارانہ انداز میں پوچھا تو توقیر نے یک دم چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں اور وہ چائے کا کپ وہیں چھوڑ کر اٹھ کر چلا گیا تو رشنا یک دم پریشان ہوگئی۔

"یہ توقیر بھائی کو کیا ہوا ہے...... جب تک بات کا جواب نہیں دے لیتے تھے وہ خاموش نہیں بیٹھتے تھے اور آج تو بولے نہیں کچھ گڑبڑ ہی لگ رہی ہے۔" وہ فکرمندی سے بولی۔

"ہاں، میں بھی یہی محسوس کررہی ہوں۔ اچھا بھلا تھا اچانک ہی اسے کچھ ہوگیا ہے۔" نجمہ نے پریشانی سے کہا تو رشنا بھی پریشان ہوگئی۔

☆☆☆

ردا گاڑی ڈرائیو کررہی تھی۔ رشنا اس کے ساتھ ہی تھی۔ وہ بہت خاموش تھی، زیادہ باتیں نہیں کررہی تھی۔

"کیا بات ہے رشنا، آج تم خاموش کیوں ہو، کیا فراز بھائی سے جھگڑا ہوگیا ہے؟" ردا نے چونک کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں یار، میں توقیر بھائی کی وجہ سے بہت اَپ سیٹ ہوں۔" رشنا نے فکرمندی سے کہا۔

"کیوں، انہیں کیا ہوا ہے؟" ردا نے ایک دم چونک کر پوچھا۔

"یہی تو پتا نہیں چل رہا۔ ہر وقت ہنسنے ہنسانے والے اور خاموش نہ بیٹھنے والے توقیر بھائی ایک دم اتنے چپ ہوگئے ہیں کہ کسی سے بات ہی نہیں کرتے اور چہرے سے بھی بہت پریشان اور اداس دکھائی دیتے ہیں۔" رشنا نے اِک آہ بھر کر کہا تو ردا نے ایک زبردست بریک لگائی اور بوکھلا کر ریش ڈرائیونگ کرنے لگی۔

☆☆☆

فہام، خدیجہ کے ہمراہ صوفے پر بیٹھا تھا اور خدیجہ خوشی خوشی شاپنگ بیگز کھول کر اسے دکھا رہی تھیں۔ کپڑوں کو دیکھ کر فہام کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''بیٹا کیا تمہیں شمیلہ کے یہ کپڑے پسند آئے ہیں۔ تمہاری تو اپنی چوائس بہت اچھی ہے اگر کوئی کلرز چینج کرنے ہوں تو بتا دینا۔'' خدیجہ نے مسکرا کر فہام سے پوچھا۔

''سب بہت اچھے ہیں۔'' فہام نے مسکرا کر کپڑوں کو ہاتھ لگا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''بے چاری ردا ہی اپنی سہیلی کے ساتھ ساری شاپنگ کر رہی ہے۔ میں تو گھٹنوں کے درد کی وجہ سے کہیں جا ہی نہیں پا رہی۔'' خدیجہ نے مسکرا کر کہا۔

''ویسے تم شمیلہ سے اس کی پسند بھی پوچھ لینا اور جو جو چیزیں اسے پسند ہوں وہ بھی۔'' خدیجہ مسکراتے ہوئے بولیں۔ ''میں نے تو ریحانہ کو صاف کہہ دیا ہے کہ وہ کوئی جہیز نہ بنائے۔ سب میں ہی بناؤں گی۔ زیور بھی، کپڑے بھی۔'' خدیجہ اپنی ہی لے میں بولیں۔

''مما آپ کو ایسا کچھ نہیں کہنا چاہیے تھا۔'' فہام نے نظریں چراتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا۔

''بیٹا...... کیا تم چاہتے ہو کہ شمیلہ جہیز لے کر اس گھر میں آئے؟'' خدیجہ ایک دم چونک کر بولیں۔

''نہیں...... مگر میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ہم اُن کے گھریلو معاملات میں بولیں۔'' فہام نے جھنجلا کر کہا۔

''بیٹا...... تم کیا کہہ رہے ہو، مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''مما...... بس آپ شمیلہ کی فیلنگز کا خیال رکھیں۔ وہ کسی بات سے ہرٹ نہ ہو۔'' فہام نے یک دم بوکھلا کر بات کو گول مول کرتے ہوئے کہا اور خدیجہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''کیا یہ سب شمیلہ نے تم سے کہا ہے؟'' انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں...... وہ؟'' فہام ایک دم بوکھلا گیا۔

''بیٹا...... میں تو اسے بھرپور محبت اور خوشیاں دینے کی کوشش کر رہی ہوں۔ صرف اس لیے کہ یہ گھر اس کو سسرال نہیں میکا ہی لگے۔'' خدیجہ گہری سانس لے کر بولیں۔

''وہ تو سب ٹھیک ہے مگر......'' فہام پریشانی سے بولا۔

''میں سب سمجھ گئی ہوں تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔'' خدیجہ شکستہ لہجے میں بولیں اور خاموش ہو کر بے دلی سے کپڑے شاپنگ بیگ میں ڈالنے لگیں۔ فہام شرمندہ سا وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

☆☆☆

ردا ایک اسٹائلش ڈریس پہنے تیار ہو کر بیگ کندھے پر ڈالے خدیجہ کے کمرے میں آئی تو دیکھا ماں بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھیں، ردا مسکراتے ہوئے ان کے پاس آ بیٹھی۔

''مما...... ہاں تو بتائیں آج شمیلہ آپی کے لیے کیا شاپنگ کرنی ہے؟'' وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''جو کچھ بھی لانا ہے بس آج لا کر شاپنگ ختم کرو۔'' خدیجہ گہری سانس لے کر بڑی بیزاری سے بولیں۔

''کیوں...... مما، ابھی تو بہت شاپنگ رہتی ہے۔'' اس نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا بات ہے آج آپ مجھے شاپنگ کے لیے بھیجتے ہوئے خوش نہیں لگ رہیں ورنہ آپ تو بہت خوش ہوتی ہیں۔'' ردا نے اُن کی طرف بغور دیکھ کر پوچھا۔

''کچھ نہیں، بس میری طبیعت ٹھیک نہیں۔'' خدیجہ گہری سانس لے کر بولیں اور اسے اپنے پرس میں سے پیسے نکال کر دینے لگیں۔

''بس آج شاپنگ مکمل کرو، جو کچھ رہ جائے گا وہ شمیلہ خود آ کر دیکھ لے گی۔'' خدیجہ نے آہ بھر کر کہا۔

''کیوں...... کیا کوئی بات ہوئی ہے؟'' ردا نے چونک کر پوچھا۔

''نہیں، یونہی کہہ رہی ہوں، اب تم جاؤ۔'' خدیجہ نے اس کی بات ٹالتے ہوئے کہا اور ردا حیرت سے ماں کو دیکھ کر وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

سب لاؤنج میں جمع تھے۔ ان کے سامنے...... بہت خوب صورت شادی کے کارڈز کا ڈھیر میز پر پڑا ہوا تھا۔ عاصم اور ردا کارڈز لکھنے میں مصروف تھے جبکہ حاتم کے ہاتھ میں مہمانوں کی لسٹ تھی۔ فہام بہت خوش تھا اور مسکرا مسکرا کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ خدیجہ کچھ خاموش تو ضرور تھیں لیکن اُن کی کوشش تھی کہ کسی کو کچھ محسوس نہ ہو۔

''فہام بھائی...... آپ نے اپنی شادی کا کارڈ اتنا خوب صورت بنوایا ہے تو میری شادی پر کیسا بنوائیں گے؟'' عاصم ایک کارڈ پکڑ کر شرارتی لہجے میں بولا۔

''بے فکر رہو...... تمہارا کارڈ تو میں سونے کے پانی سے لکھواؤں گا۔'' فہام مسکراتے ہوئے بولا۔

''اوہ...... رئیلی......'' عاصم خوش ہو کر بولا۔

''اور ردا کا کارڈ؟'' عاصم مسکرا کر ردا کی طرف دیکھ کر بولا۔

''جیسا ردا کہے گی۔'' فہام مسکراتے ہوئے بولا تو ردا منہ نیچے کر کے شرمانے لگی۔

''کچھ شرم کریں، کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' ردا نے عاصم کو گھورتے ہوئے کہا۔

''اور حاتم بھائی کی شادی پر ہم کارڈ پرنٹ نہیں کروائیں گے صرف ایک پلین کاغذ پر انویٹیشن لکھ کر بھیج دیں گے۔'' عاصم نے حاتم کی طرف دیکھ کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''وہ کیوں بھئی؟'' فہام نے حیرت سے پوچھا۔

''حاتم بھائی ٹھہرے سوبر...... سنجیدہ مزاج، انہیں زندگی کی شوخیوں اور رنگینیوں سے کیا کام...... مجھے تو لگتا ہے ان کی دلہن کے ڈریس پر بھی کام نہیں کڑھائی ہوگی اور وہ بھی سمپل سی۔'' عاصم مسکرا کر شرارتی لہجے میں بولا تو سب ہنسنے لگے۔

''بس کرو عاصم کیا فضول باتیں کر رہے ہو اور جلدی سے کارڈز لکھو اتنا زیادہ کام ہے۔'' خدیجہ مصنوعی خفگی سے بولیں۔

''مما...... آپ حکم کریں، دو منٹ میں لکھ دوں گا۔'' عاصم نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

''کیا اللہ دین کا جن ہے آپ کے پاس؟'' ردا نے چونک کر پوچھا۔

''نہیں، جن کی خالہ یعنی کہ تم۔'' عاصم نے بہن کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

''جائیں، میں کارڈ نہیں لکھتی اب دو منٹ میں خود ہی لکھیں۔'' ردا نے مصنوعی خفگی سے کارڈ اور پین چھوڑ کر جاتے ہوئے کہا۔

''اگر میری گڑیا ناراض ہو کر کارڈز نہیں لکھے گی تو پھر کوئی بھی نہیں لکھے گا۔'' فہام نے مسکرا کر پیار سے اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا تو ردا مسکرا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

''بیٹا...... اب جلدی کام کرو، ردا سب سے پہلے رشنا کا کارڈ لکھو اور کل تم خود اُن کے گھر کارڈ دینے جانا۔ اس بچی نے شادی میں بہت کام کیا ہے۔'' خدیجہ سنجیدگی سے بولیں۔

''جی...... مما!'' اس نے مسکرا کر کارڈز لکھتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

توقیر، نجمہ کے ساتھ لان میں چیئر پر بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور وہ چہرے سے بہت افسردہ دکھائی دے رہا تھا۔ رشنا ضروری چیزوں کی لسٹ پکڑے لان میں آئی وہ قریب کی ہی مارکیٹ جا رہی تھی۔

''مما! ایک بار یہ چیزوں کی لسٹ دیکھ لیں اور بتا دیں کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی لسٹ ماں کو دکھاتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے سب چیزیں تو میں نے لکھ دی ہیں کوئی نہیں رہ گئی۔'' نجمہ نے لسٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''لائیں...... میں ابھی لے کر آئی ہوں۔'' رشنا لسٹ پکڑتے ہوئے بولی اور وہ ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں چلی گئی۔ توقیر ہر چیز سے بے نیاز آہستہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

آہستہ چائے کے سپ لے رہا تھا۔

"توقیر خدا کے لیے کچھ تو بولو...... کچھ تو بتاؤ، تمہاری اس خاموشی کو میں کیا سمجھوں؟" نجمہ نے اس کی طرف بغور دیکھ کر کہا مگر توقیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ابھی رشنا کو نکلے پندرہ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ ردا گیٹ سے داخل ہوئی اور ان کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"آؤ...... ردا کیسی ہو، بیٹا؟" نجمہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"آنٹی، رشنا کہاں ہے؟" ردا نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ذرا مارکیٹ تک گئی ہے ابھی آجائے گی، تم بیٹھو۔" نجمہ نے کہا۔

"آنٹی...... میں فہام بھائی کی شادی کا کارڈ دینے آئی ہوں۔" ردا نے مسکرا کر بیگ میں سے کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔

"آپ سب نے ضرور آنا ہے۔" ردا نے مسکرا کر کہا اور ایک دم توقیر کی طرف دیکھا مگر توقیر خاموشی سے دوسری جانب دیکھ رہا تھا۔

"ہاں، ہاں بیٹا ہم سب آئیں گے، تم بیٹھو تو سہی۔" نجمہ مسکراتے ہوئے بولیں۔ وہ گہری سانس لے کر بیٹھ گئی۔ توقیر خاموشی سے چائے پی رہا تھا۔ اس نے ایک دفعہ بھی ردا کی طرف نہیں دیکھا۔

"آنٹی رشنا کب تک آئے گی؟" ردا نے آہستہ سے نجمہ سے پوچھا۔

"بس تھوڑی دیر تک آجائے گی۔" نجمہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو ردا خاموش ہوگئی۔ اتنے میں ٹیبل پر رکھا نجمہ کا موبائل بجنے لگا۔

"تمہارے ڈیڈی کا فون ہے۔ مجھے ان سے ایک ضروری بات کرنی ہے میں ابھی آتی ہوں۔" نجمہ نے توقیر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ردا بیٹے میں بس ابھی آئی، تم یہیں بیٹھو۔" نجمہ نے ردا سے کہا اور خود فون پر بات کرتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں تو ردا نے نظریں چراتے ہوئے توقیر کی جانب دیکھا۔ وہ اداس چہرہ لیے دوسری جانب دیکھ رہا تھا۔

"آپ بہت اپ سیٹ لگ رہے ہیں۔" ردا نے بہ مشکل اپنے آپ کو کمپوزڈ کرتے ہوئے کہا تو توقیر نے کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی اس کی طرف دیکھا تو ردا نے ایک گہری سانس لی۔

"کیا آپ، میری وجہ سے...... آئی ایم سوری میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔" ردا رک رک کر بولی تو توقیر نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا اور ایک آہ بھری مگر بولا کچھ نہیں۔

"آپ کی یہ خاموشی مجھے گلٹی کر رہی ہے، پلیز کچھ تو کہیے۔" ردا نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں نے آج تک کسی سے محبت نہیں کی صرف اور صرف آپ سے کی ہے مگر آپ نے میری محبت کو یوں ٹھکرا دیا جیسے ہم کچرے میں کوئی چیز پھینکتے ہیں، کیا میری محبت اتنی بے وقعت ہے؟" توقیر نے آہ بھر کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آئی، ایم سوری...... اگر آپ میری وجہ سے ہرٹ ہوئے ہیں لیکن میں نے آپ کو حقیقت بتانے کی کوشش کی ہے کہ میرے دل میں آپ کے لیے وہ فیلنگز نہیں جو آپ اپنے دل میں میرے لیے محسوس کرتے ہیں۔" ردا نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"کیوں؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"میں نہیں جانتی...... مگر میرے دل پر میرا اختیار بھی نہیں کہ میں اسے آپ کی طرف مائل کرسکوں۔" ردا خشک لہجے میں بولی تو توقیر نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اور اپنی بدنصیبی مجھے دکھ دے رہی ہے کہ جس سے میں نے محبت کی اس کے لیے میری محبت کوئی معنی نہیں رکھتی۔" وہ بڑی بے چارگی سے بولا۔

"میں کیسے اپنے دل کو آپ کی چاہت کے لیے مجبور کردوں۔ میں جب بھی آپ کے بارے میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

سوچتی ہوں تو میرا دل اس سوچ کو ہی قبول نہیں کرتا۔‘‘ روا نے آہستہ سے کہا اور سر جھکا لیا۔

’’مجھے خوشی ہے کہ آپ نے پوری سچائی سے مجھے اپنے دل کی حالت بتادی ہے، روا میں کوئی آوارہ اور فلرٹ انسان نہیں جو دوبارہ کبھی آپ کا پیچھا کروں گا۔ میں آئندہ کبھی آپ کے راستے میں نہیں آؤں گا لیکن یہ یاد رکھیے کہ میری پہلی اور آخری محبت آپ ہی ہیں اور آپ ہی رہیں گی۔ میری زندگی میں آپ کے سوا کوئی اور نہیں آئے گا۔‘‘ توقیر نے آہ بھرتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو روا نے یک دم چونک کر اسے دیکھا، اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔ رشنا کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور وہ گاڑی سے نکل کر اس کی جانب آئی۔

’’اوہ، روا...... تم کب آئیں چلو اندر چلتے ہیں۔‘‘ رشنا جلدی سے بولی اور وہ خاموشی سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی، توقیر نم آنکھوں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

فہام اپنے کمرے میں صوفے پر نیم دراز بہت رومینٹک موڈ میں شمیلہ سے باتیں کررہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی۔

’’شمیلہ، ہماری شادی میں تین دن رہ گئے ہیں۔ تمہیں کیا محسوس ہو رہا ہے، آئی مین...... کیا تم ایکسائٹڈ ہو؟‘‘ فہام نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

’’آف کورس...... یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ فہام میری زندگی میں آپ سب سے اہم ہیں اور آپ کو پانے کا خواب ہمیشہ سے دیکھتی آئی ہوں۔‘‘ شمیلہ مسکرا کر قدرے شرماتے ہوئے بولی۔

’’اور اب خواب پورا ہونے جا رہا ہے۔‘‘ فہام مسکراتے ہوئے بولا۔

’’پھر بھی آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں...... کیا میں خوش ہوں، میری زندگی اور خوشی سب کچھ آپ ہی ہیں۔‘‘ شمیلہ مسکراتے ہوئے بولی۔

’’تمہارا یہی اندازِ محبت تو مجھے امپریس کرتا ہے۔‘‘ فہام مسکرا کر بولا۔

’’صرف...... امپریس؟‘‘ شمیلہ نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں پوچھا۔

’’یار امپریس ہونا ہی سب سے بڑی بات ہوتی ہے۔‘‘ فہام ہنستے ہوئے بولا۔

’’دیکھیے گا...... میرے علاوہ زندگی میں اور کسی سے امپریس نہیں ہونا۔‘‘ شمیلہ مسکراتے ہوئے بولی۔

’’بے فکر رہو...... میری زندگی میں جو جگہ تمہاری اور روا کی ہے کسی کی کبھی نہیں ہوسکے گی۔‘‘ فہام مسکراتے ہوئے بولا تو شمیلہ کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔

’’ہاں، ہاں...... وہ تو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔‘‘ شمیلہ خود کو نارمل کرتے ہوئے جلدی سے بولی۔

’’شمیلہ جانتی ہو جب مما نے مجھ سے شادی کے بارے میں پوچھا تو میں نے تمہیں ترجیح کیوں دی؟‘‘ فہام مسکراتے ہوئے بولا۔

’’ہاں...... میری محبت کی وجہ سے!‘‘ شمیلہ مسکراتے ہوئے بولی۔

’’ہاں، یہ بھی بہت بڑا فیکٹر ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ ہم آپس میں کزنز ہیں اور تم روا کے ساتھ بھی کافی اٹیچڈ ہو۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید وہ میرے اور روا کے ریلیشن شپ کو کبھی سمجھ نہیں پاتی لیکن تمہیں تو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔‘‘ فہام مسکراتے ہوئے بولا۔

’’تو ہمارے ریلیشن شپ کی ریزن روا ہے کچھ اور نہیں؟‘‘ شمیلہ یک دم چونک کر بولی۔

’’ہاں...... یونہی سمجھو۔‘‘ فہام مسکراتے ہوئے بولا تو اس نے گہری سانس بھری اور خاموش ہوگئی۔

’’میں بس یہی چاہتا ہوں کہ تم روا سے ویسی ہی محبت کرو جیسی میں کرتا ہوں۔‘‘ فہام مسکراتے ہوئے بولا۔

’’ہاں، ہاں...... کیوں نہیں، میں نے تو اسے

ہمیشہ اپنی چھوٹی بہن سمجھا ہے اور سمجھتی رہوں گی۔‘‘ شمیلہ یک دم منہ بنا کر مگر لہجے میں نرمی لاتے ہوئے بولی۔

’’تھینک یو شمیلہ...... تم ہمیشہ میری بات مانتی آئی ہو اور تمہاری یہ خوبی مجھے سب سے اچھی لگتی ہے۔‘‘ فہام مسکراتے ہوئے بولا۔

’’شکر ہے میں آپ کو کہیں دکھائی تو دی۔‘‘ وہ طنزیہ انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔

’’یار تم میرے دل میں رہتی ہو اور جو دل میں ہوں وہ کہیں اور دکھائی کیوں دے۔‘‘ فہام نے ہنستے ہوئے کہا تو شمیلہ معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی۔ فہام باتیں کرتا رہا اور شمیلہ ہونٹ سکوڑ کر اور منہ بنا کر انہیں سنتی رہی۔ ظاہری طور پر اس کی ہاں میں ہاں ملاتی رہی مگر اس کا دل بری طرح کھٹا ہو چکا تھا۔ فہام کی محبت کی خاطر وہ سب کچھ برداشت کر رہی تھی۔

☆☆☆

شمیلہ اور فہام کی شادی کی دونوں گھروں میں زبردست تیاریاں ہو رہی تھیں۔ خاندان اور ملنے جلنے والے بھی بہت خوش تھے اور فہام کی شادی کا خاص چاؤ کر رہے تھے شاید اس کی وجہ فہام کی ہر ایک سے دوستی اور اپنائیت تھی...... سب ہی اسے بہت چاہتے تھے۔

☆☆☆

فہام احمد کی شادی میں جانے کے لیے رشنا انتہائی خوب صورت اسٹائلش ڈریس پہنے، بالوں کا اسٹائل بنائے تیار تھی۔ نجمہ بھی خوب صورت لباس میں ملبوس صوفے پر بیٹھی اپنے بیگ میں اپنا موبائل اور پیسے گن کر رکھ رہی تھیں۔ ٹیبل پر خوب صورت پیکنگ میں گفٹس رکھے تھے۔

’’بہت اچھی لگ رہی ہو۔‘‘ نجمہ نے مسکرا کر رشنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’تھینک یو مما...... میں تو تیار ہوں اور آپ؟‘‘ شمیلہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

’’میں بھی بس تیار ہوں۔ توقیر نہ جانے کہاں رہ گیا ہے۔ اسے میں نے صبح ہی کہا تھا کہ شادی میں ضرور چلنا ہے۔‘‘ نجمہ نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

’’اور انہیں یقیناً اپنی سوچوں میں سب کچھ بھول گیا ہوگا۔ آج کل تو وہ اچھے خاصے absent minded ہو رہے ہیں۔ ابھی تک آفس سے ہی نہیں آئے۔‘‘ رشنا منہ بنا کر بولی۔

’’بیٹا اسے فون کرو کہ وہ جلدی گھر آئے۔‘‘ نجمہ نے کہا تو رشنا اپنے موبائل پر توقیر کا نمبر ملانے لگی کہ اس کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ کچھ لمحوں بعد وہ بوجھل قدموں سے اندر آیا۔ چہرے سے بہت اداس لگ رہا تھا۔

’’کیا...... آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں؟‘‘ توقیر نے دونوں کو تیار دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

’’دیکھا میں کیا کہہ رہی تھی؟‘‘ رشنا نے منہ بنا کر خفگی سے کہا۔

’’آج روا کے بھائی کی شادی ہے اور ہم سب کو وہاں جانا ہے۔ جلدی سے تیار ہو کر آؤ۔‘‘ نجمہ نے توقیر کے قریب آکر کہا۔

’’مجھے کہیں نہیں جانا...... میری طبیعت ٹھیک نہیں۔‘‘ توقیر نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

’’کیا ہوا...... بخار تو نہیں ہے؟‘‘ نجمہ نے گھبرا کر اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

’’انہیں جو بخار ہے، دکھائی دینے والا نہیں۔‘‘ رشنا نے منہ بنا کر جواب دیا۔

’’کیا مطلب ہے تمہارا؟‘‘ توقیر نے خفگی سے پوچھا۔

’’بیماری ہے ہی نہیں تو دکھائی کہاں سے دے۔ آپ بس ایکسکیوزز ڈھونڈ رہے ہیں...نہ جانے کے۔‘‘ رشنا نے منہ بنا کر کہا۔

’’ہاں...... یونہی سمجھو۔‘‘ توقیر اسے غصے سے دیکھتے ہوئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

’’یہ توقیر کو کیا ہوا...... اس نے تو کبھی اس لہجے

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں بات نہیں کی۔" نجمہ حیرت سے بولیں۔
"نہیں جاتے تو نہ جائیں۔ آپ تو چلیں ہم لوگ پہلے ہی لیٹ ہو رہے ہیں۔" رشنا نے خفگی سے منہ بنا کر کہا تو نجمہ آہ بھر کر رہ گئیں۔

☆☆☆

"یمنیٰ بیٹا اپنی تیاری کر لو۔ سامان باندھ لو بیگم صاب کا حکم ہے کل شام تمہیں شہر جانا ہے۔" اماں بشیراں نے رات کو سونے سے پہلے اس سے کہا۔
"اماں میری پیکنگ تو مکمل ہے مگر یہاں میرا دل لگ گیا ہے۔ بالکل جانے کو دل نہیں چاہ رہا اور خاص طور پر آپ سے تو بہت محبت ہو گئی ہے۔ اماں آپ بہت اچھی ہیں۔ آپ میرے ساتھ شہر کیوں نہیں چلتیں۔" یمنیٰ نے محبت سے بشیراں کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔
"نہیں بیٹا...... میرا جینا مرنا اس حویلی میں ہے۔ یہی میرا میکا اور سسرال ہے۔ اب مر کر ہی یہاں سے نکلوں گی مگر اب تم آتی رہنا۔" بشیراں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"معلوم نہیں اب کب آؤں گی۔" وہ افسردگی سے بولی۔
"کیوں؟" بشیراں نے حیرت سے پوچھا۔
"پڑھائی بھی تو کرنی ہے۔" وہ اکتاہٹ سے بولی۔
"تم کیا پڑھتی ہو؟"
"بہت سی کتابیں...انگریزی اور اردو میں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔
"کتابیں بندے کو عقل سکھاتی ہیں۔ ہم جیسے ان پڑھ لوگوں کو جو باتیں زندگی کی ٹھوکریں کھا کر پتا چلتی ہیں تم لوگ وہ پہلے ہی کتابوں میں پڑھ لیتے ہو۔ تمہارے دادا جی کی ڈھیروں کتابیں الماریوں میں پڑی ہیں وہ جنتی بھی رات کو کتاب پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے۔ میں اکثر ان سے پوچھتی تھی۔ صاب جی آپ سارا دن زمینداری کر کے تھکے ہوئے ہوتے ہیں اور پھر رات گئے تک کتابیں پڑھتے ہیں، آپ کو نیند نہیں آتی؟ تو جانتی ہو وہ کیا جواب دیتے تھے...... کہتے تھے۔ بشیراں اچھی کتاب سے پیارا اور کوئی دوست نہیں اور جب تک میں اپنے دوست کا حال چال نہ پوچھ لوں نیند نہیں آتی۔" بشیراں نے ہنستے ہوئے کہا تو یمنیٰ بھی کھلکھلا کر ہنس دی۔
"اس کا مطلب ہے دادا جی بہت خوش مزاج انسان تھے۔" یمنیٰ نے کہا۔
"ہاں۔ بچوں، بڑوں اور ملازموں سب سے بہت محبت اور نرمی سے پیش آتے تھے مگر دشمنوں اور دغابازوں کے بارے میں بہت سخت تھے۔ کھڑے کھڑے بندے کو پھڑکا دیتے تھے۔" بشیراں نے کہا۔
"کیا مطلب؟" یمنیٰ نے حیرت سے پوچھا۔
"ایسی سزا دیتے تھے کہ وہ یاد رکھتا تھا۔" بشیراں مسکرا کر بولی۔
"اور ماں جی تب بھی اتنی سخت تھیں جتنی اب ہیں؟ مجھے پہلے پہلے ماں جی سے بہت ڈر لگتا تھا۔ اونچی آواز میں بات کرتیں تو میں اکثر ڈر کر چھپ جاتی تھی لیکن اب یہاں آ کر محسوس ہوتا ہے کہ وہ اتنی سخت نہیں ہیں جتنی نظر آتی ہیں۔" یمنیٰ نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔
"ہاں سچ کہتی ہو، وہ دل کی بڑی نرم ہیں اور اگر وہ اتنی سختی نہ کریں تو ملازم سارا کچھ ہڑپ کر جائیں۔ یہ تو بیگم صاب کی دانش مندی ہے کہ وہ سب پر کڑی نظر رکھتی ہیں۔ صاب جی کے ساتھ ان کی بہت اچھی بنتی تھی۔ سمجھدار عورت ہیں اس لیے صاب جی بھی ہر کام ان کے مشورے سے کرتے، ان کی ہر بات مانتے تھے دونوں نے بڑی پیاری زندگی گزاری ہے مگر ایک بات ہے صاب جی ان سے ڈرتے بھی بہت تھے۔" بشیراں نے آہستہ آواز میں قہقہہ لگا کر کہا تو یمنیٰ بھی ہنسنے لگی۔
"بیٹا اب تم سو جاؤ۔ کل صبح تمہیں جلدی اٹھنا ہے۔"

بشیراں نے اس کے اوپر چادر پھیلاتے ہوئے کہا۔
"لیکن اماں جانے سے پہلے مجھے آموں کے باغ میں ضرور جانا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
"ہاں، ہاں چلی جانا۔ میں چھیمو اور عذرا کو کہہ دوں گی۔ تجھے ساتھ لے جائیں گی۔" بشیراں نے محبت سے کہا۔
"نہیں، اماں کل آپ بھی میرے ساتھ چلنا۔" یمنیٰ نے کہا۔
"اچھا، ٹھیک ہے۔ بیگم صاب سے پوچھ لوں گی۔ اگر کوئی کام نہ ہوا تو ضرور چلوں گی۔" بشیراں نے مسکراتے ہوئے کہا اور لائٹ بند کر دی۔
اگلے روز وہ ناشتا کرنے کے بعد ماں جی سے اجازت لے کر آموں کے باغ میں چلی گئی۔ وہ ایک منٹ میں درخت پر چڑھ جاتی تھی اور نیچے کھڑے سب دیکھتے رہ جاتے تھے۔
"واہ بیٹا، تو تو بڑی کاری گر ہے۔ کیسے بندریا کی طرح درخت پر چڑھ گئی۔" بشیراں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"مگر میں بندریا نہیں ہوں۔" یمنیٰ نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا۔
"ارے تو، تو میری شہزادی ہے۔" بشیراں محبت سے بولی۔
"اماں...... آگے آ کر جھولی پھیلاؤ۔ میں اوپر سے آم پھینکتی ہوں۔" یمنیٰ نے کچے پکے آم توڑتے ہوئے کہا۔
"بیٹا کاہے کو توڑ رہی ہے۔ حویلی میں آموں کی پیٹیاں بھری رکھی ہیں۔" بشیراں نے کہا۔
"اماں یہ آم میں اپنے ساتھ شہر لے جاؤں گی اور ڈیڈی کو بتاؤں گی کہ یہ میں خود توڑ کر لائی ہوں۔" وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔
"بیٹا تو بھی بڑی نرالی ہے۔ بھلا جمال بیٹے کے لیے کیا یہ انوکھی بات ہو گی جو خود سارا دن درختوں پر چڑھ کر کھیلتا تھا خیر...... توڑ لے تو آم۔" بشیراں درخت کے نیچے اپنا دوپٹا پھیلا کر بولی۔ چھیمو اور عذرا زمین سے کچے آم چنتی رہیں۔ یمنیٰ کافی دیر آم توڑتی رہی اور خوب انجوائے کرتی رہی۔
"بیٹا اب بس کرو۔ میرا دوپٹا پھٹنے کو ہے اب نیچے آ جاؤ۔" بشیراں نے اسے کہا۔
"یہ دیکھو میں آنے لگی ہوں۔ اوپر سے جمپ لگاتی ہوں۔" یمنیٰ نے پُرجوش انداز میں کہا۔
"نہ...... نہ بیٹا کہیں چوٹ نہ آ جائے۔" بشیراں نے گھبرا کر کہا مگر یمنیٰ اس کے کہنے سے پہلے ہی وہاں سے کود چکی تھی اور دھڑام سے زمین پر آ گری اور گرتے ہی اس کی ٹانگ بری طرح مڑ گئی۔ وہ بیٹھی چلا رہی تھی بشیراں، چھیمو اور عذرا گھبرا گئیں۔ یمنیٰ کے رونے، چلانے کی آواز سن کر رکھوالے اور ڈرائیور بھی دوڑے چلے آئے اور جلدی سے یمنیٰ کو گاڑی میں ڈال کر حویلی لے گئے۔
ماں جی، بشیراں پر بگڑنے لگیں کہ اس نے یمنیٰ کو درخت پر چڑھنے ہی کیوں دیا۔ گاؤں کے ڈاکٹر کو جلدی سے بلایا گیا۔ اس نے وقتی طور پر تو ٹانگ کو باندھ دیا مگر اسے شہر لے جانے کو کہا کیونکہ اس کی دائیں ٹانگ فریکچر ہو چکی تھی۔ ماں جی نے بیٹے کو فون پر ساری بات بتائی اور ڈرائیور کے ساتھ اسے لے کر شہر آ گئیں۔ وہ اسے سیدھا اسپتال لے کر گئیں۔ جمال اور ایمن بھی اسپتال پہنچ گئے تھے۔

☆☆☆

یمنیٰ کافی روز اسپتال میں ایڈمٹ رہنے کے بعد اب گھر آ گئی تھی۔ اس کی ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا تھا جس کی وجہ سے وہ زیادہ حرکت نہیں کر سکتی تھی۔ بس بستر پر لیٹی رہتی تھی اور مسلسل بستر پر لیٹنے سے اسے ڈپریشن ہونے لگا تھا۔ ایمن ہر وقت اس کی دیکھ بھال میں مصروف رہتیں اور جمال اس کا دل بہلاتے رہتے۔ یمنیٰ کے دل میں ماں کی محبت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ ایمن کھانے پینے کے علاوہ اس کی صفائی ستھرائی کا ہر وقت خیال

WWW.PAKSOCIETY.COM

رکھتیں اور یمنیٰ کے دل میں ماں کے لیے محبت کے علاوہ تشکر کا احساس پیدا ہونے لگا۔ وہ بستر پر لیٹی ہر وقت سوچوں میں گم رہتی کبھی اسے محسن رضا اور اس کے بہن بھائی بہت یاد آتے، کبھی ماں جی اور بشیراں، کبھی اپنے اسکول اور کالج کے دوست اور اساتذہ مگر سب سے زیادہ اماں بشیراں کی محبت بھری باتیں......

ماں جی ہر روز فون کر کے اس کا حال پوچھتیں۔ کبھی کبھار اس کی اماں بشیراں سے بھی بات چیت ہو جاتی۔ وہ اُن سے یوں کھل کر باتیں کرتی جیسے کوئی اپنی پرانی بچھڑی دوست سے باتیں کرتا ہے۔ ایمن حیرانی سے اسے فون پر باتیں کرتے دیکھتیں مگر خاموش رہتیں۔ یمنیٰ میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ پہلے وہ ایمن کی ذرا سی بات پر مشتعل ہو کر ردِعمل کرتی تھی۔ اب ان کی ہر بات کا جواب نرمی سے دیتی تھی۔ پہلے وہ ان کی ہر بات کا الٹا مطلب لیتی اور بات بے بات ان سے بحث و تکرار کر کے انہیں جان بوجھ کر زچ کرتی۔ ایمن اس کے رویے پر مشتعل ہوتیں تو وہ اس صورتِ حال سے لطف اندوز ہوتی مگر اب وہ کافی حد تک بدل چکی تھی۔ وہ ہر وقت ایمن کی محبت کو آبزرو کرتی۔ ان کی انتہائی توجہ اور خدمت کو دیکھ کر سوچ میں پڑ جاتی کہ اگر وہ یوں بیمار نہ ہوتی تو کبھی ایمن کے قریب نہیں آسکتی تھی۔ زندگی بھر دونوں ایک دوسرے سے دور رہتیں۔ اسے یوں محسوس ہوتا جیسے اس کی بیماری کے پیچھے قدرت کا خاص مقصد تھا۔ شاید وہ دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لانا چاہتا تھا۔

یمنیٰ کے اے لیولز کے ایگزامز مس ہو گئے تھے اور اس وجہ سے وہ شدید ڈپریشن کا شکار رہی۔ جمال احمد نے اسے پیپرز نہیں دینے دیے تھے ورنہ وہ تو وہیل چیئر پر جا کر پیپر دینے کو تیار تھی۔ وہ بستر پر لیٹی چھت کو گھورتی رہتی اور روتی رہتی تھی۔ اسے سال مس ہونے کا بہت افسوس تھا مگر جمال احمد مطمئن تھے۔

''ایگزامز مس ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ مجھے اس کی صحت کی فکر ہے۔'' ایمن کے شکایت کرنے پر انہوں نے کہا۔

''مگر اب وہ بہت شدید ڈپریشن کا شکار ہے۔ اسے خود سمجھائیں۔'' ایمن نے جمال سے کہا۔

''ہاں، میں ابھی اس کے کمرے میں جاتا ہوں۔'' جمال نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''جمال اس نے کل سے کھانا بھی نہیں کھایا۔'' ایمن نے بتایا۔

''واٹ ...... اور تم مجھے اب بتا رہی ہو۔ اس کا کھانا اندر منگواؤ میں خود اسے کھلاتا ہوں۔'' جمال نے پریشانی سے کہا اور یمنیٰ کے کمرے میں چلے گئے۔

''میری جان، میری گڑیا کیوں اپ سیٹ ہے۔ میری گڑیا کو معلوم بھی ہے کہ ڈیڈی کتنے ڈسٹرب ہو جاتے ہیں جب ان کی گڑیا روٹھ جاتی ہے۔'' جمال نے یمنیٰ کا ماتھا چومتے ہوئے کہا اور اسے سہارا دے کر بٹھایا۔ یمنیٰ جمال کی بات سن کر رونے لگی۔

''کم آن ڈیئر، کس بات پر رو رہی ہو؟'' جمال نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''ڈیڈی، آپ نے مجھے ایگزامز دینے کی پرمیشن کیوں نہیں دی۔ میرا سال ضائع ہو گیا۔'' یمنیٰ نے شکایت کی۔

''اوہ، مائی سویٹ یمنیٰ اتنی سی بات پر ناراض ہے۔ ڈیئر میں چاہتا ہوں کہ تم ایم بی اے کرو اور بزنس میں میری ہیلپ کرو۔ یہاں ایک نیا پرائیوٹ کالج کھل رہا ہے، میں چاہتا ہوں بی بی اے میں تمہارا ایڈمیشن وہاں کرواؤں۔'' جمال نے کہا تو یمنیٰ حیرت سے باپ کی طرف دیکھنے لگی۔

''ڈیڈی آپ نے سب کچھ خود ہی طے کر لیا ہے اور مجھے کچھ بتایا ہی نہیں۔'' یمنیٰ نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''نہیں بیٹا، تمہاری رائے کے بغیر تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ سب کچھ تب ہو گا جب تم خود کالج میں جا کر ایڈمیشن کرواؤ گی لیکن اس وقت مجھے تمہاری صحت کی

زیادہ فکر ہے۔ پڑھائی تو تم ساری عمر کر سکتی ہو مگر صحت ایک دفعہ چلی جائے تو انسان بہت مشکل سے سنبھلتا ہے پلیز ریلیکس یور مائنڈ۔'' جمال نے بیڈ پر بیٹھ کر یمنیٰ کو محبت سے اپنے ساتھ لگا لیا۔

ڈیڈی کی محبت رفتہ رفتہ شدید تر ہوتی جا رہی تھی اور ایمن کی محبت کا انداز بھی بدل رہا تھا۔ ماں جی کی محبت کا اپنا اسٹائل تھا اور اماں بشیراں اسے اپنے طریقے سے چاہتی تھی۔ واقعی ایک محبت دوسری سے کتنی مختلف ہے مگر ہر ایک کا احساس اور لمس کتنا دلفریب ہے وہ کتنی افسردہ تھی مگر ڈیڈی کی تسلی اور محبت سے وہ ایک لمحے میں بدل گئی۔ وہ دل جو پہلے افسردہ ہو کر آہیں بھر رہا تھا اب ڈیڈی کی محبت سے محظوظ ہو کر مسرور ہو رہا تھا۔ وہ ڈیڈی کی باتوں کو یاد کر کے مسکرانے لگی۔

☆☆☆

شمیلہ دلہن بنی بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ برائڈل روم میں کھڑی قد آور آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ دروازہ کھلا ریحانہ مسکراتے ہوئے اندر آئیں اور خوش ہو کر شمیلہ کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

''خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ آج تو میری بیٹی پری لگ رہی ہے اور فہام بھی ماشاء اللہ کسی شہزادے سے کم نہیں لگ رہا۔'' ریحانہ نے بھرپور نگاہوں سے شمیلہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اللہ تم دونوں کو نظرِ بد سے بچائے بیٹا...... اب، دو خاندانوں کے درمیان تم محبت کی سفیر بن کر جا رہی ہو۔ تمہاری وجہ سے یہ رشتے داری مزید مضبوط بھی ہو سکتی ہے اور کمزور بھی...... اپنی محبت اور خدمت سے ان سب کے دلوں میں گھر کرنا...... سب رشتے خود بخود مضبوط ہوتے جائیں گے۔'' ریحانہ نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے موڈ بدل کر ماں کی طرف دیکھا۔

''اگر وہ لوگ میرے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو میں کیوں ان کے ساتھ برا کروں گی۔ میں کوئی پاگل تھوڑی ہوں۔'' شمیلہ گہری سانس لے کر بولی۔

''ہاں، ہاں...... میں جانتی ہوں تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے لیکن کہیں یہ کوئی کمی یا کوتاہی دکھائی دے تو نظر انداز کرنے کی کوشش کرنا۔ کبھی کبھی معمولی سی باتیں بھی دلوں میں ہمیشہ کے لیے ایسی گرہیں ڈال دیتی ہیں کہ پھر ساری زندگی نہیں کھلتیں۔'' ریحانہ جلدی سے بولیں۔

''کوشش کروں گی مما......'' شمیلہ نے مڑ کر آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا۔

''خدا تمہیں ہمیشہ سکھی رکھے...... اور تمہیں اتنی خوشیاں دے کہ سنبھالنا مشکل ہو جائیں، ہمیشہ خوش رہو، آباد رہو......'' ریحانہ بیٹی کی طرف نم آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا کر محبت سے چومنے لگیں۔

پورے گھر کو بہت خوب صورت انداز سے سجایا گیا تھا۔ سب لوگ بہت زیادہ خوش تھے۔ ساری رسمیں ادا کی گئی تھیں، رخصتی کے بعد فہام دلہن کو لے کر گھر آ گیا۔ گاڑی میں اس نے ردا کو اپنے ساتھ بٹھایا تھا۔ خدیجہ بیگم ملازمہ کے ساتھ جلدی گھر آ گئی تھیں۔ دونوں دولھا، دلہن لاؤنج میں داخل ہوئے تو خدیجہ دروازے پر کھڑی ہو کر دونوں کا استقبال کرنے لگیں۔ فہام کے ہمراہ ردا، عاصم اور حاتم تھے۔ شمیلہ اور فہام دونوں بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ خدیجہ محبت سے دروازے میں اپنے ہاں کی رسم کے مطابق تیل گرا کر شمیلہ کو اندر لائیں اور محبت سے اس کی پیشانی چوم کر اسے گلے لگایا۔ اس کے سر سے پیسے وار کر انہوں نے ملازمہ کو پکڑائے۔ ردا بھی بہت خوش تھی۔ اس نے بہت اسٹائلش لہنگا سوٹ پہن رکھا تھا جبکہ شمیلہ کا چہرہ بہت سپاٹ تھا۔ خدیجہ بہ مشکل چلتے ہوئے شمیلہ اور فہام کو اپنے ساتھ لگا کر لاؤنج میں لائیں اور صوفے پر بٹھا کر مٹھائی کھلانے لگیں۔ حاتم اور عاصم بھی کافی خوشگوار موڈ میں تھے۔ خدیجہ، شمیلہ کے منہ میں رس گلا

WWW.PAKSOCIETY.COM

ڈالنے لگیں تو عاصم نے جلدی سے ماں کے ہاتھ سے چھین کر خود کھالیا...... شمیلہ قدرے خفگی سے اس کی طرف دیکھنے لگی اور منہ بنا کر رہ گئی۔

''شمیلہ بھابی اگر اس وقت دلہن نہ بنی ہوتیں تو میری خوب شامت آئی تھی۔'' عاصم قہقہہ لگا کر بولا۔

''تم بے فکر رہو...... شامت تمہاری پھر بھی آئے گی...... شمیلہ اسے چھوڑنا مت۔'' حاتم مسکرا کر بولا تو شمیلہ زبردستی مسکرانے لگی۔ ردا آگے بڑھ کر شمیلہ کو مٹھائی کھلانے لگی تو عاصم نے پھر وہی حرکت کرنا چاہی تو شمیلہ کو غصہ آگیا اور اس نے مٹھائی کی پلیٹ اس طرح پیچھے کی کہ وہ ردا کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئی۔ سب چونک کر ہکا بکا رہ گئے۔

''یہ تو شگون کی مٹھائی تھی۔'' خدیجہ پریشانی سے بڑبڑائیں۔

''میں کوئی شو پیس نہیں، جس کا تماشا لگا کر تم انجوائے کررہے ہو۔'' شمیلہ نے غصے سے عاصم کو کہا۔

''بھابی میں تو......'' عاصم گھبرا کر بولا۔

''شمیلہ کیا ہوگیا ہے...... وہ تو مذاق کررہا ہے۔'' فہام نے انتہائی حیرت سے کہا اور فہام نے عاصم کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

''ردا بھابی کو اس کے کمرے میں لے جاؤ۔ تھک گئی ہوگی۔'' خدیجہ نے کہا تو وہ شمیلہ کو اپنے ساتھ لگا کر وہاں سے چلی گئی اور سب ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ خدیجہ سب کو سمجھانے لگیں۔ ردا باہر آئی تو خدیجہ نے فہام کو شمیلہ کے کمرے میں بھیجا مگر وہ بہت جھینپا ہوا اور پریشان لگ رہا تھا۔ اس نے کلاہ اور ہار اتار کر کاریڈور ہی ٹیبل پر رکھ دیے تھے۔ اس کے چہرے پر افسردگی اور پریشانی کے تاثرات تھے۔ وہ اپنے کمرے میں جانے لگا۔ دروازہ کھولا اور پھر رک گیا۔ خدیجہ دور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ اس کے قریب آکر محبت سے بولیں۔

''بیٹا...... شمیلہ ایسی نہیں ہے، وہ ہم سب سے محبت کرتی ہے، تم پریشان مت ہو، شادی کے فنکشنز کی وجہ سے کسی نے ریسٹ نہیں کیا۔ سب لوگ ہی تھکے ہوئے ہیں۔ شمیلہ بھی تو تھکی ہوگی اس لیے ذرا غصے میں آگئی۔ تم اس بات سے دل میلا نہ کرو۔ اسے محبت سے سمجھانا اور اپنی زندگی کا سفر خوشی خوشی شروع کرو۔'' انہوں نے محبت سے اسے سمجھایا اور ٹیبل سے ہار اٹھا کر اسے پہنایا اور کلاہ اس کے سر پر رکھا اور محبت سے اس کی پیشانی کو چوما۔

''اللہ تمہیں بہت خوش رکھے اب جاؤ۔'' خدیجہ محبت سے بولیں تو فہام نے نم آنکھوں سے ماں کا ہاتھ چوما اور وہاں سے چلا گیا اور خدیجہ آہ بھر کر رہ گئیں۔

☆☆☆

کمرے کو بہت خوب صورت انداز میں فریش فلاورز سے سجایا گیا تھا۔ کمرے میں انتہائی خوب صورت اور قیمتی فرنیچر رکھا تھا۔ شمیلہ دلہن بنی بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اس کا موڈ قدرے آف تھا اور چہرے پر سنجیدگی چھائی تھی۔ فہام کمرے میں آیا اور شمیلہ کی طرف دیکھ کر گہری سانس لی۔ کلاہ اتار کر ٹیبل پر رکھا اور بیڈ پر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''زندگی کا نیا سفر مبارک ہو۔'' فہام بُجھے ہوئے لہجے میں بولا تو شمیلہ نے آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا پر خاموش رہی۔

''شمیلہ میں نے تم سے بہت محبت کی ہے اور میں اپنی فیملی سے بھی بہت محبت کرتا ہوں۔'' فہام گہری سانس لے کر بولا تو شمیلہ نے پھر چونک کر اسے دیکھا۔

''اچھی طرح جانتی ہوں...... کیا آپ کو میری محبت پر اعتبار نہیں ہے؟'' شمیلہ نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''اعتبار نہ ہوتا تو تم سے شادی کیوں کرتا...... دیکھو شمیلہ محبت کا سفر بہت کٹھن ہوتا ہے۔ اس میں ہمیں اپنا بہت کچھ sacrifice کرنا پڑتا ہے ان کے لیے کہ جن سے ہم سچی محبت کرتے ہیں۔ تمہیں بھی اپنے سلوک سے میرے لیے اپنی محبت کو ثابت کرنا ہوگا۔'' فہام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' شمیلہ نے چونک کر پوچھا۔

''ہر رشتے کے تقاضے الگ ہوتے ہیں مگر محبت ان سب میں مشترکہ عنصر ہے۔ مما نے مجھ سے بہت محبت کی ہے اور انہوں نے ڈیڈی کی ڈیتھ کے بعد سے مجھے اس گھر کا بڑا بنادیا۔ میں ان سب کے لیے صرف بڑا بھائی ہی نہیں...... باپ بھی ہوں، اگر چھوٹے کہیں غلطیاں کر بھی جائیں تو بڑوں کو درگزر کرنا پڑتا ہے۔'' فہام گہری سانس لے کر سنجیدگی سے بولا۔

''آج اس گھر میں تمہارا پہلا دن تھا اور اگر تم تھوڑا سا برداشت کرلیتیں تو اس میں کیا برائی تھی۔ شادی بیاہ پر تو ایسے مذاق چلتے ہی رہتے ہیں مگر یوں مائنڈ کرنے سے دلوں میں جو نفرتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ وہ ساری زندگی ختم نہیں ہوتیں۔'' فہام نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''آئی ایم سوری...... اس وقت مجھے ایک دم غصہ آگیا...... کچھ سمجھ ہی نہیں آیا...... سوری......'' شمیلہ اس کے قریب آکر نظریں جھکاتے ہوئے شرمندگی سے بولی۔

''زندگی میں سب سے مشکل کام رشتوں کو نبھانا ہوتا ہے اور انہیں نبھانے کے لیے اپنے دل کو قبرستان بنانا پڑتا ہے۔ جس میں دوسروں کی غلطیاں اور خطائیں دفن ہوسکیں۔'' فہام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بڑے انداز میں کہا۔

''ایکچوئیلی...... ہمارے گھر میں۔'' شمیلہ شرمندگی سے بولی۔

''تمہارے گھر کی باتیں وہاں تک ختم...... یہ ہمارا گھر ہے اور اس میں سب محبت سے رہتے ہیں۔ کوشش کرنا کہ آئندہ کسی کی فیلنگز ہرٹ نہ کرو۔'' فہام نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''اوکے...... میں کوشش کروں گی۔'' شمیلہ نے آہستہ آواز میں کہا اور دونوں مسکرانے لگے۔

☆☆☆

خدیجہ کافی پریشان اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی تھیں۔ حاتم، عاصم اور ردا ان کے گرد کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ عاصم بہت زیادہ افسردہ تھا اور اس کی آنکھوں میں بار بار آنسو آرہے تھے۔

''مما...... یقین کریں میری کوئی بری نیت نہیں تھی۔ میں تو بس مذاق کررہا تھا۔'' عاصم نے نم آنکھوں سے ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بیٹا! دیور بھابی کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے۔ بھابی کی ناپسندیدگی تمہیں ہمیشہ کے لیے بھائی سے دور کرسکتی ہے۔'' خدیجہ آہ بھر کر بولیں۔

''لیکن فہام بھائی پر ہمیں پورا اعتبار ہے۔'' ردا یک دم چونک کر بولی۔

''رشتے بدلتے دیر نہیں لگتی۔'' خدیجہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''کیا...... آپ فہام بھائی کے بارے میں ایسا کہہ رہی ہیں؟'' ردا نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں...... میں تو رشتوں کی اونچ نیچ سمجھا رہی ہوں، خدا کرے تم لوگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ سلامت رہے لیکن بیٹا اب تم سیکھ لو، ہر قدم بہت پھونک پھونک کر رکھنا ہے۔ شمیلہ کے ساتھ اب بہت سوچ سمجھ کر بات کرنا...... زیادہ فرینک ہونے کی ضرورت ہے اور نہ ہی زیادہ ہمدرد بننے کی...... اس کا مزاج ذرا مختلف لگ رہا ہے جو اَب دکھائی دے رہا ہے۔'' انہوں نے عاصم کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''یہی تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ شمیلہ آپی ایسی نہیں تھیں۔ انہیں کیا ہوگیا ہے، ہم لوگ اکٹھے گھومتے پھرتے، انجوائے کرتے تھے اور اب؟'' ردا آہ بھر کر بولی۔

''پہلے اس کا رشتہ اس گھر اور اس کے مکینوں کے ساتھ اتنا مضبوط نہیں تھا، جتنا کہ اب ہے۔ فہام اس گھر کا سربراہ ہے۔ اب وہ فہام کی ہم سفر ہے۔ اب اس کے قدم مضبوط ہوچکے ہیں۔'' خدیجہ نے سنجیدگی سے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آپ کا مطلب ہے وہ ہمیں ایکسپلائٹ کریں گی؟" حاتم نے چونک کر پوچھا۔
"میں ایسا کچھ نہیں کہتی مگر تم سب سے صرف یہ کہوں گی کہ اب رشتوں کی آزمائش کا وقت شروع ہوگیا ہے اور آزمائش میں ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ ایک دوسرے کو تنہا نہیں چھوڑتے۔" خدیجہ کافی سنجیدگی سے انہیں سمجھانے لگیں تو وہ لوگ انہیں دیکھنے لگے۔

☆☆☆

خدیجہ ڈائننگ چیئر پر بیٹھی ردا اور ملازمہ زاہدہ کو ہدایات دے رہی تھیں۔ دونوں بھاگ بھاگ کر کھانے کی ڈشز لا لا کر ٹیبل پر رکھ رہی تھیں۔ ٹیبل کھانوں سے بھر گئی تھی۔
"مما! کوئی چیز رہ گئی ہے تو وہ بھی بتا دیں۔ فائیو اسٹار ہوٹلز میں اتنا زبردست ناشتا نہیں ملتا۔ جو آپ نے آج گھر میں بنوایا ہے۔" ردا نے ٹیبل کی طرف دیکھ کر کہا۔
"آج میری بہو کا اس گھر میں پہلا ناشتا ہے اور وہ بہت پُرتکلف ہونا چاہیے۔" خدیجہ نے مسکرا کر خوشی سے کہا۔
"بیگم صاحبہ! لیجیے...... یہ نہاری ہوگئی۔ حلوا پوری بھی ہے، نان اور یہ بھی۔" زاہدہ نے نہاری کا ڈونگا رکھتے ہوئے کہا۔
"اگر شمیلہ بی بی کے گھر والے بھی ناشتا لے کر آگئے تو ہم کہاں رکھیں گے، ٹیبل تو بھر گئی ہے۔" زاہدہ مسکرا کر بولی۔
"میں نے انہیں منع کر دیا ہے...... سلمان بے چارہ کہاں صبح صبح اتنی دور سے آئے گا۔" خدیجہ مسکرا کر بولیں۔
"زاہدہ...... ایسا کرو، جاؤ فہام اور شمیلہ کو بلالاؤ۔ ناشتا ٹھنڈا ہورہا ہے۔" خدیجہ نے زاہدہ سے کہا۔
"جی بیگم صاحبہ......" زاہدہ نے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔
شمیلہ تیار ہورہی تھی اور فہام محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو فہام نے دروازہ کھولا۔ زاہدہ مسکراتے ہوئے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
"ناشتا تیار ہے۔ بیگم صاحبہ آپ دونوں کو بلا رہی ہیں۔"
"کیا سلمان بھائی میرا ناشتا لے کر آگئے ہیں؟" شمیلہ نے جلدی سے پوچھا۔
"نہیں، انہیں تو بیگم صاحبہ نے آنے سے منع کر دیا تھا۔" زاہدہ نے بتایا۔
"کیا......؟" اس نے حیرت سے چلّا کر فہام کی طرف دیکھا۔
"زاہدہ...... تم جاؤ، ہم آرہے ہیں۔" فہام نے جلدی سے زاہدہ کو کہا اور دروازہ بند کرلیا۔
"دیکھا فہام...... پہلے خالہ جان نے سلمان بھائی کو جہیز سے منع کر دیا اور اب ناشتا لانے سے...... یہ ایک رسم ہوتی ہے جس میں بھائی بہنوں کے لیے ناشتا لے کر آتے ہیں اور خالہ جان نے جان بوجھ کر انہیں منع کر کے میرے ارمانوں اور خوشیوں کا خون کرنے...... کی کوشش کی ہے۔ وہ میری کوئی خوشی پوری نہیں ہونے دے رہیں۔" وہ ایک دم سسکی بھر کر بولی۔
"میں نے مما کو منع بھی کیا تھا کہ آپ ان لوگوں کے معاملات میں انٹرفیئر نہ کریں پھر بھی......" وہ ہونٹ سکوڑتے ہوئے بڑبڑایا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔
شمیلہ کو غصہ آنے لگا اور اس نے اسی وقت فون پر ماں کا نمبر ملایا۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور وہ بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹی تھیں۔ موبائل پر مسلسل گھنٹی بج رہی تھی کافی دیر بعد انہوں نے موبائل کان سے لگایا تو دوسری جانب شمیلہ روتے ہوئے بولی۔
"مما......" شمیلہ نے سسکی بھری۔

"شمیلہ...... تمہیں...... ک...کیا ہوا؟" انہوں نے گھبرا کر پوچھا۔
"بس آپ جلدی یہاں آئیں......" شمیلہ نے روتے ہوئے ماں سے کہا۔
"کیوں...... سب خیر تو ہے ناں؟" ریحانہ نے گھبراہٹ کے عالم میں چیخ کر پوچھا مگر شمیلہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"بیٹا رونا بند کرو اور مجھے بتاؤ۔ آخر بات کیا ہے؟" ریحانہ نے فکرمندی سے پوچھا۔
"مما! آپ ہر بات میں مجھے قصور وار ٹھہراتی ہیں لیکن رات کو عاصم نے میرے ساتھ اتنی بدتمیزی کی کہ آپ کو کیا بتاؤں۔" شمیلہ نے ریحانہ کو سب بتایا تو وہ کہنے لگیں۔
"یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی۔ جس کا تم نے اتنا بُرا منایا...... دیور تو بھابیوں کے ساتھ بہت مذاق کرتے ہیں، کیا تم عاصم کے مزاج سے واقف نہیں ہو؟" ریحانہ گہری سانس لے کر بولیں۔
"آپ ہمیشہ ان لوگوں کی ہی سائیڈ لیتی ہیں۔ کبھی میرا ساتھ نہیں دیا۔" شمیلہ نے غصے سے کہا۔
"کیونکہ یہ ایسی بات نہیں تھی جسے تم ایشو بناتیں...... اور اب بتاؤ میں کیوں آؤں؟ اور فہام کہاں ہے؟" ریحانہ نے خفگی سے پوچھا۔
"فہام باہر ہیں اور آپ آکر خالہ جان کو خود ہی سمجھائیں کہ میری بھی کچھ خوشیاں اور ارمان ہیں۔ میں بھی چاہتی ہوں کہ میری رسمیں بھی پوری ہوں۔ زندگی میں ایک بار ہی تو شادی ہوتی ہے انہوں نے نہ جہیز لینے دیا اور اب سلمان بھائی کو ناشتا لانے سے بھی منع کردیا۔ آخر وہ کیوں میری خوشیوں کی دشمن ہورہی ہیں؟" شمیلہ غصے سے شکایتی لہجے میں بولی۔
"شمیلہ...... تمہارا دماغ ٹھیک تو ہے۔ سارے الزام آپا پر لگائے جارہی ہو۔ سلمان رات بھر الٹیاں کرتا رہا۔ صبح ناشتا لانے کے لیے تیار ہونے لگا مگر اس کی طبیعت بہت خراب ہوگئی۔ میں نے ہی آپا کو فون کیا تو انہوں نے منع کر دیا کہ خدانخواستہ راستے میں اسے کچھ ہوگیا تو...... سنو شمیلہ تمہاری رسموں سے زیادہ اور خوشیوں سے زیادہ میرے لیے سلمان کی جان اہم ہے۔ ابھی باہر جاؤ اور خاموشی سے ناشتا کرو۔ عاصم سے بھی معافی مانگو، خبردار تم نے آپا سے کوئی بدتمیزی کی...... سنا تم نے۔" انہوں نے غصے سے بیٹی کو ڈانٹا تو وہ کچھ شرمندہ ہوئی۔
"اچھا وہ تو ٹھیک ہے مگر معافی میں کیوں مانگوں؟" شمیلہ نے آہستہ سے کہا۔
"میں کہتی ہوں...... باہر جاؤ اور سب کے ساتھ مل بیٹھ کر ناشتا کرو۔" ریحانہ نے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا تو شمیلہ نے منہ بنا کر موبائل آف کر دیا۔
خدیجہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی بہو، بیٹے کا انتظار کررہی تھیں۔ ردا نے ٹی پاٹ لا کر ٹیبل پر رکھا تو فہام کمرے سے باہر نکل کر آیا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھائی تھی۔
"بیٹا...... ناشتا تیار ہے۔ شمیلہ کہاں ہے؟" خدیجہ نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"فہام بھائی...... دیکھیں، مما نے آپ لوگوں کے لیے کتنے زبردست ناشتے کا اہتمام کیا ہے۔" ردا نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔
"کیا ضرورت تھی...... وہی کچھ رہنے دیتیں۔ جو سلمان بھائی لے کر آتے۔" فہام نے نظریں چراتے ہوئے بات کو گول کرتے ہوئے کہا۔
"بیٹا میں نے ہی سلمان کو منع کیا ہے۔" خدیجہ بولیں۔
"مما اس موقع پر بہنوں کو بھائیوں کا انتظار ہوتا ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ ان لوگوں کے معاملات میں نہ بولیں۔ آپ نے پھر وہی بات کی۔" فہام سنجیدگی سے بولا۔
"ریحانہ نے بتایا کہ سلمان کی رات سے بہت طبیعت خراب ہے تو کیسے میں اسے آنے کا کہتی۔ ناشتے سے زیادہ اس کی صحت اہم تھی۔" خدیجہ گہری سانس

WWW.PAKSOCIETY.COM

لے کر بولیں۔ فہام کچھ کہنے لگا کہ دروازہ کھلا اور شمیلہ ایک سادے سے سوٹ میں ملبوس کمرے سے باہر نکل آئی اور آکر آہستہ آواز میں سلام کر کے خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ ردا نے بھی پریشان ہو کر کبھی خدیجہ کی طرف دیکھا اور کبھی فہام کی طرف۔ فہام بھی شرمندہ سا کرسی پر بیٹھا تھا اور صرف چائے کا کپ پیا۔ خدیجہ بھی بہت خاموش تھیں اور ان کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

''بیٹا! یہ بھی کھاؤ۔'' خدیجہ نے پیار سے شمیلہ سے کہا اور چیزیں آگے کیں مگر شمیلہ نے ان کے ہاتھ سے پکڑ کر رکھ دیں۔

''نہیں، مجھے بھوک نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔'' خدیجہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا اور وہاں سے چلی گئیں تو فہام پریشانی سے ہونٹ کاٹنے لگا۔ وہ بہت شرمندہ ہو رہا تھا۔ ماں سے نظریں نہیں ملا سکا تو جلدی سے چائے پی کر وہاں سے چلا گیا۔ ردا پریشان ہکا بکا سب کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

خدیجہ اپنے کمرے میں آکر بیڈ پر بیٹھی تھیں۔ ان کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ وہ آہ بھر کر دیواروں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''فہام کا لہجہ آج سے ہی بدلنے لگا ہے۔ میں سوچتی تھی ساری دنیا بدل جائے گی مگر میرا فہام کبھی نہیں بدلے گا۔'' خدیجہ نے آہ بھر کر سوچا۔ دروازہ کھلا اور فہام شرمندہ سا نظریں جھکائے کمرے میں داخل ہوا۔ انہوں نے ایک ٹک اسے دیکھا اور سر جھکا لیا۔ فہام نے ان کے قریب آکر ان کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگایا اور سسکیاں بھرنے لگا۔

''مما! آئی ایم سوری۔'' فہام نے روتے ہوئے کہا۔

''کس بات کی سوری؟'' خدیجہ آہ بھر کر بولیں۔

''میں نے آپ سے......'' فہام شرمندہ ہو کر بولا۔

''ہاں...... مجھے بھی دکھ ہوا ہے۔ جس فہام نے ہمیشہ ماں پر بھروسا کیا آج وہ اس ماں سے سوال کرنے لگا ہے۔'' خدیجہ نے نم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مما...... مجھے اس وقت سمجھ میں ہی نہیں آیا۔'' وہ گھبرا کر ماں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''سلمان بھائی کے نہ آنے سے شمیلہ رونے لگی تو......'' فہام نے صاف گوئی سے کہا۔

''تو...... تم ماں سے پوچھنے آگئے۔'' خدیجہ یک دم بات کاٹتے ہوئے بولیں تو وہ بہت شرمندہ ہوا۔

''آئی ایم سوری......'' فہام نے ان کے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا تو انہوں نے گہری سانس لی۔

''بیٹا مرد کی آزمائش شادی کے بعد شروع ہو جاتی ہے۔ ایک طرف اس کے خون کے رشتے ہوتے ہیں تو دوسری طرف دل کے اور دونوں ہی بہت نازک ہوتے ہیں اور اپنا پورا حق لینا چاہتے ہیں لیکن اصل کام ان میں توازن رکھنا ہوتا ہے۔ جس میں بڑے بڑے ناکام ہو جاتے ہیں۔'' انہوں نے اس کے سر پر پیار دیتے ہوئے کہا۔

''زندگی ایک دم ہی بدل جائے گی میں نے ایسا کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔'' فہام نے نم آنکھوں سے کہا۔

''شادی کے بعد ہر ایک کی زندگی یونہی بدلتی ہے، تم ابھی سے گھبرا گئے۔'' انہوں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''مما! میں سب کو خوش دیکھنا اور خوش رکھنا چاہتا ہوں۔'' فہام نے پریشانی سے ماں کو دیکھ کر کہا۔

''تو پھر شمیلہ کی باتیں اس تک اور ہماری باتیں ہم تک رکھو۔ اس کی یا ہماری باتوں پر فوری ردعمل مت کرو۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جاؤ اب جا کر تم اور شمیلہ تیار ہو جاؤ اور ہاں اتنے اہتمام سے ناشتا بنایا گیا ہے تم دونوں سب کے ساتھ مل کر ناشتا کرو۔'' خدیجہ نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تو فہام نے نم آنکھوں سے انہیں دیکھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

بقیہ اگلے ماہ پڑھیں

مجھے منظور ہے

عقیلہ حق

''کیا بددعائیں ساری زندگی پیچھا کرتی ہیں۔

یا اللہ تیرے دربار میں مجھ بدنصیب کی توبہ قبول نہ ہوئی، میں بدنصیب...... کرموں جلی، ماں باپ کی نافرمان... یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم تیرے دربار میں پچھلے کتنے برسوں سے شرمندہ ہاتھ باندھے کھڑی ہوں...... میں سجدوں میں گڑگڑا کر تجھ سے اور اپنے ماں باپ سے معافی مانگتی ہوں، عزت کی بھیک مانگتی ہوں، زندگی میں سر اٹھانا چاہتی ہوں، میرے مالک

WWW.PAKSOCIETY.COM

صرف ایک بار...... ایک بار تو مجھے معاف کر دے۔ میرے ماں باپ مجھے معاف کر دیں......" میں اس رات آسمان کے نیچے رات کی تاریکی میں کھڑی ہوئی خدا سے گھنٹوں دعا مانگتی رہی۔" میرے مالکِ برحق مجھ پر رحم کر، میرے ماں باپ کی قبروں پر سکون بھیج۔ میری توبہ قبول فرما۔ مجھے دنیا کے طعنوں سے بچالے، میری روح کو گھن لگ گیا ہے۔ میری ریاضتوں کو قبول فرمالے۔ میرے مالک میری توبہ قبول فرما۔ میری بیٹی کو بھٹکنے سے بچالے۔" میں ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ میرا چہرہ، گردن اور سینہ آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا اور نائلہ گم صم سی کھڑی ماں کا یہ روپ دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

میری نظر نائلہ پر تھی وہ کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ ہلکے گلابی کاٹن کے سوٹ پر گلابی سا جچ دیتا ہوا میک اپ اس کے چہرے کو ایک تازگی دے رہا تھا۔ بڑی بڑی غلافی آنکھیں کاجل سے سجی سنوری سحر انگیز لگ رہی تھیں۔ اس کی نرم و نازک گلابی انگلیاں بہت تیزی سے اس کی لمبی سی چوٹی میں بل ڈال رہی تھیں۔ وہ مسکراتی ہوئی بہت حسین لگ رہی تھی۔

جب اس عمر میں کوئی لڑکی بلاوجہ مسکرانے لگے ......آنکھیں بولنے لگیں اور جب وہ بیٹھے بیٹھے چونکنے لگے تو ماں کو ہوشیار ہو جانا چاہیے اور اگر اس لمحے کو ماں نظر انداز کر جائے، اس لمحے میں غافل ہو جائے اور بے پروائی سے جھٹک دے تو......!

☆☆☆

وہ میرے بھائی کا دوست تھا۔ اس کا ہمارے گھر بڑی بے تکلفی سے آنا جانا تھا۔ وہ بہت بذلہ سنج تھا ویسے تو اس سے ابا کی بھی دور پرے کی رشتے داری تھی لیکن رشتے داری پر بھیا کی دوستی زیادہ حاوی تھی۔ وہ جب بھی ہمارے گھر آتا لگتا زندگی آگئی ہے۔ اس کے برجستہ جملوں پر میرے بہت سنجیدہ سے اباجی بھی ہنس پڑتے کہ وہ بات کرنے کے فن سے بہ خوبی واقف تھا۔ وہ واقعی فنکار تھا۔

احسن جمال اکثر بھیا کی غیر موجودگی میں آتا اور میں گھنٹوں اس سے باتیں کرتی۔ اپنی ہر بات، اپنی سہیلیوں کے قصے، اپنے اسکول کی باتیں اور اس وقت اماں کچن میں مصروف ہوتیں کہ وہ وقت ہمیشہ اماں کے کھانا پکانے کا ہوتا تھا۔ آخر احسن جمال ٹھیک اسی وقت ہمارے گھر کیوں آتا تھا جب بھیا اور ابا دکان پر اور اماں باورچی خانے میں مصروف ہوتیں۔ کیا صرف سولہ سال کی عمر میں آپ یہ بات سوچ سکتی ہیں...... نہیں ناں تو میں نے بھی نہیں سوچی لیکن اماں تو سوچ سکتی تھیں۔

☆☆☆

وہ اوائل اپریل کے دن تھے۔ میں فرسٹ ائیر پری میڈیکل کی طالبہ تھی جب آل کراچی انٹر کالجز مقابلۂ تقاریر میں میری پہلی پوزیشن آئی تو مانو زمین پر پیر ہی نہ ٹکتے تھے۔ ہر ایرے غیرے کو میں اپنی ٹرافی دکھاتی پھرتی اور جب احسن بھائی آئے تو ان کے سامنے بھی ٹرافی لے کر پہنچ گئی۔

"دیکھیں، دیکھیں احسن بھائی سینٹ جوزف کالج میں مقابلۂ تقاریر میں چوبیس کالجوں کے طلبہ و طالبات کے درمیان مقابلہ تھا۔ مجھے اس سال کی بہترین مقررہ کی ٹرافی ملی ہے۔" میں پھولی سانسوں کے درمیان احسن بھائی کو راستے ہی میں روک کر اپنی ٹرافی دکھانے لگی۔

"ارے بے وقوف، بچہ ابھی تو آیا ہے، سانس تو لینے دے۔" اماں نے مجھے گھُرکا۔

"تو کیوں آئے ہیں پانچ دن کے بعد۔ پانچ دن سے انتظار کر رہی تھی۔" میں نے اپنی ازلی بے پروائی سے جواب دیا اور اماں سر جھٹک کر مجھے میرے حال پر چھوڑ کر ابا کے لیے کھانے نکالنے چلی گئیں۔

"ویری گڈ، ویری گڈ گڑیا۔ تم ہو ہی زبردست۔ چلو ٹرافی کو تو ایک طرف کرو اور یہ بتاؤ کیا واقعی تم کو یاد

رہا کہ میں پانچ دن سے گھر نہیں آیا اور تم میرا انتظار کرتی رہیں؟" احسن بھائی کا ہاتھ نہ جانے کب میرے کاندھے پر آکر ٹھہر سا گیا، وہ مجھ پر جھکے، لَو دیتی آنکھوں کو میرے چہرے پر جما کر پوچھنے لگے۔

مجھے بہت عجیب سا لگا۔ کچھ مختلف تھا ان کے انداز میں۔ خود بخود میرا ہاتھ میرے دوپٹے پر چلا گیا اور میں اپنے آپ میں سمٹ سی گئی۔ نہ جانے کیوں میں دل ہی دل میں دعا مانگنے لگی کہ اماں کسی طرح کمرے میں آجائیں یا مجھے آواز دے کر باہر بلالیں لیکن اماں تو حسبِ عادت مجھے بھول کر کچن میں مصروف تھیں۔

☆☆☆

وقت کی رفتار نہ کبھی تھمی ہے نہ تھمے گی۔ وقت کا کام گزرنا ہے اور وہ گزر جاتا ہے لیکن میری زندگی جیسے ایک نقطے پر ٹھہر سی گئی اور وہ نقطہ تھا احسن جمال کی محبت...... میں لاشعوری طور پر نہ جانے کیسے احسن بھائی کی محبت میں گرفتار ہوگئی بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ انہوں نے مجھے اپنی محبت میں گرفتار کرلیا۔ انہیں محبت کرنا آتی تھی...... وہ محبت کروانا بھی جانتے تھے۔ میں بے وقوف چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوش ہونے والی اماں ابا... کی لاڈلی، بھیا کی چہیتی سب بھول گئی یاد رہا تو صرف احسن۔

بعض اوقات انسان کے ساتھ بہت عجیب سے معاملات ہو جاتے ہیں۔ اِک انسان کی محبت ساری محبتوں پر حاوی ہو جاتی ہے۔ اچھائی اور برائی کی تمیز مٹا دیتی ہے۔ باپ کی شفقت پر... ماں کی ممتا اور بھائی کی چاہت پر ہم خیالوں میں رہنے والی لڑکیوں کا نفس چھا جاتا ہے۔ ہم سب اقدار بھلا دیتے ہیں۔ مجھے بھی ان دنوں کچھ یاد نہیں رہتا تھا۔

میں جو ہمیشہ اے گریڈ لے کر پاس ہوتی آئی تھی۔ اب مجھے پڑھائی میں کوئی دلچسپی نہیں رہی کہ میں مکتبِ عشق میں جو داخل ہوگئی تھی۔ احسن نے بہت آہستہ آہستہ اور غیر محسوس انداز میں اپنی محبت کی زنجیریں مجھے پہنا دی تھیں اور میں نے خوشی خوشی یہ زنجیریں اپنے پاؤں میں پہن لیں۔ مجھے اب بھی اکثر وہ لمحہ یاد آتا ہے جب چند ثانیوں میں دل کی سلطنت لُٹی تھی، جب میں نے بلا چون و چرا خاموشی سے اپنا دل کسی کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔ جب میں بالکل بھول گئی تھی کہ میں اپنے ماں باپ کو دھوکا دینے کے جرم میں کبھی گرفتار بھی ہو سکتی ہوں۔

☆☆☆

وہ عید کی سہ پہر تھی...... ابا اور اماں ہماری اکلوتی پھوپی کے گھر سوّیاں لے کر گئے ہوئے تھے۔ بھیا نہا رہے تھے اور میں صحن میں بچھے تخت پر بیٹھی اپنی شاعری پڑھ رہی تھی کہ میں ایک بہت اچھی شاعرہ بھی تھی۔ احسن نہ جانے کہاں سے چلے آئے اور چپکے سے پیچھے سے آکر میری ڈائری اچک لی۔

"پلیز احسن بھائی، میری ڈائری واپس کر دیں۔ یہ میری پرسنل ڈائری ہے۔" میں پنجوں کے بل اچک اچک کر ان کے ہاتھ سے ڈائری لینے کی کوشش کرنے لگی اور نہ جانے کیسے بالکل اچانک انہوں نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا۔

"پلیز احسن بھائی۔" میری آواز جیسے حلق میں پھنس گئی۔ میں پوری جان سے لرز گئی۔ میرا ہاتھ ان کی گرفت میں تھا اور میں دیوار سے لگ گئی کہ اپنے پیروں پر کھڑا رہنے کے لیے مجھے اِک سہارے کی ضرورت تھی چاہے وہ اینٹوں اور پتھروں سے بنی دیوار ہی ہو۔

"می...... میر...... میرا ہاتھ چھوڑ دیں پلیز۔" ڈائری میرے ذہن سے نکل گئی لیکن ہاتھ پیروں میں عجیب سی سنسناہٹ سی ہونے لگی کہ زندگی میں پہلی مرتبہ میں اِک نئے احساس اور تجربے سے گزر رہی تھی اور جب میں نے ان کی طرف دیکھا تو مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ وہ احسن بھائی نہ تھے وہ ایک مرد تھے اور میں ایک عورت...... بس وہیں سے عورت اور مرد کی کہانی شروع ہوگئی۔ احسن بھائی نے آہستگی سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

میرا ہاتھ اپنے لبوں سے لگا کر چھوڑ دیا اور آہستہ سے میرے کان میں گنگنا کر کہا۔

''اب تم مجھے احسن بھائی نہ کہا کرو کیونکہ میں تمہارا بھائی نہیں ہوں بے وقوف۔'' ان کے ہونٹوں پر اِک دلآویز مسکراہٹ تھی اور اسی لمحے سے وہ میرے لیے احسن ہو گئے۔

وہ جب بھی گھر آتے ان کی خوب صورت آنکھوں میں جذبے بولتے اور میں ان سے چھپتی پھرتی لیکن کیا کبھی کوئی محبت سے چھُپ سکا ہے۔

☆☆☆

ماؤں کی نظریں اس قدر کمزور کیوں ہو جاتی ہیں بیٹیوں کی ماں کی تو نظریں عقاب جیسی ہونی چاہیے۔ منافق ہونے کی اِک نشانی یہ بھی تو ہوتی ہے کہ وہ لوگ امین نہیں ہوتے اور بیٹیاں بھی تو امانت ہوتی ہیں تو کیا میری ماں منافق تھیں......؟

جب گھروں میں پکے پھل کی طرح بیٹیاں موجود ہوں تو ان کی مائیں کیسے بے خبری کی نیند سو جاتی ہیں۔ ان کے اٹھتے قدموں اور لبوں کی مسکراہٹ کو کیسے نظر انداز کر دیتی ہیں۔ وہ مائیں جو گھروں میں آنے والے پتھروں کو نظر انداز کر دیں، وہ مائیں جن کی نظریں بیٹیوں کے قدموں کے ساتھ نہ اٹھیں، وہ مائیں جو اِک امانت صحیح طور پر نہ سنبھال سکیں کیا وہ مائیں ماں کہلانے کی حق دار ہوتی ہیں؟ خدا نے ایسے ہی تو جنت ماں کے قدموں تلے نہیں رکھ دی۔ ماں کی ذمے داری باپ سے بھی سوا ہوتی ہے۔ میری ماں بھی شاید اِک بے پروا اور اپنے آپ میں مگن رہنے والی عورت تھی۔ میں اور احسن گھنٹوں صحن میں باتیں کرتے تھے۔ لوڈو کھیلتے اور کبھی کیرم کی بازی جماتے اور وہ اندر بیٹھی ٹی وی دیکھتی رہتیں یا پھر کسی کام میں مصروف رہتیں۔ شاید ان کے گمان میں بھی کچھ نہ ہو۔

''بس میں جلد ہی اپنی گڑیا کو اپنے گھر لے جاؤں گی۔'' اس روز میں جیسے ہی کالج سے گھر آئی۔ میری اکلوتی پھوپی نے مجھے سینے سے لگا کر ابا سے کہا اور میری نظریں میز پر رکھے مٹھائی کے ڈبے پر جم سی گئیں۔

''ہاں آپا، جب دل چاہے لے جاؤ۔'' اماں نے مسکراتی نظروں سے ابا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے کوئی میری بچی سے تو پوچھ لے۔'' پھوپی نے میرے دھواں دھواں چہرے پر نظریں جما کر ابا سے کہا۔

''ارے آپا، یہ میری بیٹی ہے۔ میری جان، میری زندگی۔ اس کی میں نے تربیت ہی ایسی کی ہے میں جانتا ہوں میری مرضی ہی اس کی رضا ہے۔ میری بیٹی نے کبھی مجھ سے اختلاف نہیں کیا تو اب بھی میرا مان رکھے گی۔'' ابا کی آواز اور لہجے میں ایک محبت بھرا مان جھلک رہا تھا اور میں نے ابا کا مان ہی نہیں بلکہ پورے خاندان کا مان توڑ دیا۔ سب کچھ میری ضد اور ہٹ دھرمی کے سامنے بکھر گیا اور پھر ایک روز ابا نے پھوپی کو بلا کر کہا۔

''اسے یہاں سے لے جاؤ، تم اسے اپنی بیٹی کہتی ہو۔ اس ناہنجار کو چاہو تو اپنے گھر سے اس کے عاشق کے ساتھ رخصت کر دو۔'' اور میری پیاری پھوپی خاموشی سے مجھے لے کر اپنے گھر چلی آئیں کہ انہیں ڈر تھا کہیں مان اور فخر کے ٹوٹنے سے ان کا بھائی مر ہی نہ جائے اور پھر چند آدمیوں کی موجودگی میں میرا نکاح احسن جمال سے ہو گیا اور وقتِ رخصت مجھے یہ خیال تک نہ آیا کہ ابا اور اماں آئے تک نہیں ہیں۔ جب میں رخصت ہونے لگی تو میرے بھائی نے میرا راستہ روک لیا۔

''اب تم جس طرح رہو، جس حال میں بھی رہو ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا......ہم مر بھی جائیں تو ہمارے جنازوں میں نہ آنا اور ساری زندگی ہم تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔ یقیناً تمہارے لیے یہ رخصتی ہوگی لیکن ہم نے تمہارا جنازہ اٹھایا ہے اور جنازے واپس نہیں آتے اور تمہارے لیے بھی واپسی

کا ہر دروازہ بند ہے۔''

☆☆☆

احسن کے والدین نے مجھے قبول نہیں کیا لہٰذا میں کچھ دن احسن کے دوست کے گھر رہی اور پھر ہم نے دو مرلے کا ایک مکان کرائے پر لے لیا اور زندگی شروع ہو گئی۔ زندگی کیا ہوتی ہے ...... دھوپ کیسے بدن کو جلاتی ہے، تپتی زمین پر ننگے پیر کھڑا ہونا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ مجھے چند دن ہی میں اندازہ ہو گیا۔ احسن فطری طور پر ہڈحرام اور نکما انسان تھا۔ اس کی سرشت میں محنت تھی ہی نہیں جبھی وہ گھنٹوں ہمارے گھر میں اپنا وقت بِتاتا تھا۔ بقول اس کے اس نے مجھ سے شادی ہی اس لیے کی تھی کہ میں اکلوتی بیٹی اور میرا باپ مالدار آدمی تھا۔ وہ رات دن میرے باپ اور بھائی کو گالیاں دیتا کہ انہوں نے مجھے خالی ہاتھ رخصت کر دیا جبکہ میرے ماں باپ نے پھر بھی ضرورت کی ہر چیز مجھے دی تھی لیکن احسن نہ جانے کیا کیا امید لگائے بیٹھا تھا اور یوں پہلے زیور بکا اور پھر جہیز کے برتن تک بک گئے۔ جن گھروں کی بنیادیں بددعاؤں اور آہوں پر رکھی گئی ہوں...... جن کی اینٹ اینٹ کسی کی عزت کو روند کر رکھی ہو...... جہاں صرف نفس کی اجارہ داری ہو، خود غرضی ہو، بے حسی ہو وہ چار دیواری والے مکان تو ہوتے ہیں گھر نہیں ہوتے اور میں بھی اِک مکان میں رہتی رہی جہاں احسن نے مجھے کوئی خوشی نہیں دی سوائے نائلہ کے۔ نائلہ کی پیدائش نے میرے لیے ذلتوں اور ندامتوں کے در کھول دیے۔ احسن خود کمزور کردار کا مرد تھا۔ اس لیے ہر لمحہ مجھ پر شک کرتا کبھی اسے نائلہ کی شکل پڑوسی میں ملتی لگتی، کبھی وہ اسے اپنے بھائی کی بیٹی کہنے لگتا اور جو بھی موڈ میں ہوتا اور میں روتی اس کی زیادتیوں پر تو وہ جملے دُہراتا جو اس کی حمایت میں، میں نے اپنے ماں باپ سے کہے تھے اور پھر میرے نیک باپ کو گالیاں دینے لگتا جو اس بے کسی کی حالت میں ہماری کوئی مدد نہیں کرتے...... اس کے لاکھ اصرار کے باوجود میں کبھی اپنے باپ کی دہلیز پر نہ گئی کہ مجھے اب احساس ہوا کہ میرا تو منہ ہی نہیں ہے کہ میں کسی عزت دار آدمی کا سامنا کر سکوں اور وہ تو میرے ماں باپ ہیں جنہوں نے مجھے شیشے کی گڑیا کی طرح پالا تھا۔

وہ اِک نادانی ...... پتا نہیں صرف میری نادانی تھی یا میری ماں کی غفلت، میرے باپ کا اندھا اعتماد تھا یا میرے بھائی کی بے لوث محبت...... مجھے کیسے کیسے نہ رُلایا۔ میرے ابا، میرے پیارے ابا کا آخری دیدار میں نے مسجد میں کیا کہ گھر کی دہلیز پر سے اماں نے مجھے دھکے دے کر نکال دیا تھا اور جب میری ماں نے اس دارِ فانی سے کوچ کیا تو بھائی نے ان کا چہرہ بھی دیکھنے نہ دیا کہ یہ میری ماں کی وصیت تھی۔

ہم جیسی بیٹیوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے جو ماں باپ کی عزت کو اپنے نفس پر قربان کر دیں، جو بھائیوں کا اعتماد برباد کر دیں، جو خاندان میں آنے والی نسلوں کو شرمندگی کی دلدل میں دھکیل دیں ان کے ساتھ اس سے بھی برا سلوک ہونا چاہیے۔ انہیں سنگسار کر دینا چاہیے۔

شادی کے صرف سات برس کے بعد جب نائلہ صرف پانچ سال کی تھی احسن نے ایک رقاصہ کے لیے مجھے طلاق دے کر اپنی دوسری دنیا بسا لی اور میں صرف اٹھائیس سال کی عمر میں بیوہ کا روپ بھر کر نئے شہر میں کرایے دار کی حیثیت سے اس تخت پر کپڑوں کے ڈھیر کے ساتھ مشین لے کر بیٹھ گئی اور بیس سال مشین چلاتے چلاتے میں بھول گئی کہ مکافاتِ عمل اور میرے ماں باپ کی بددعا کبھی میرا پیچھا نہیں چھوڑے گی اور یہ کاغذ...... اس کاغذ سے گویا اِک آگ نکل رہی ہے۔

☆☆☆

''پتا نہیں امی کو کیا ہو گیا ہے۔ صبح سے کمرا بند کیے لیٹی ہیں۔ دوپہر کا کھانا کھایا اور نہ ہی شام کی چائے پی۔ شاید مجھ سے ناراض ہیں لیکن میں نے تو

WWW.PAKSOCIETY.COM

کچھ نہیں کیا۔'' نائلہ گم صم سی باورچی خانے میں اپنے آپ سے ہی بولے جا رہی تھی۔

''پتا نہیں امی کس بات کے لیے ہر وقت روتی رہتی ہیں۔ آج صبح بھی جائے نماز پر بیٹھی اس قدر رو رو کر اللہ سے معافی مانگ رہی تھیں۔ اپنے ابو کی تو مجھے ہلکی سی شبیہہ یاد ہے اور میں نے اپنی ماں سے زیادہ شریف، باعزت اور نفیس عورت نہیں دیکھی۔ پوری زندگی امی نے انتہائی شرافت سے گزار دی۔ پتا نہیں کس گناہ کو یاد کرتی ہیں۔ امی کو ماموں بھی بہت یاد آتے ہیں۔ میرے نانا، نانی تو چلو اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں لیکن ماموں تو زندہ ہیں وہ ہم سے کیوں نہیں ملتے۔ امی بھی میرے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیتیں۔ میں نے ہمیشہ امی کو خوش رکھنے کی کوشش کی ہے۔

جو امی نے کہا وہ مانا لیکن بعض اوقات امی کا رویّہ میرے ساتھ بہت تلخ ہو جاتا ہے لیکن مجھے پھر بھی کوئی شکایت نہیں ہے۔ امی جو کچھ کرتی ہیں میرے بھلائی کے لیے کرتی ہیں۔ میرا کتنا دل چاہتا ہے کہ میں اپنی سہیلیوں کے گھر جاؤں یا انہیں اپنے گھر بلاؤں لیکن امی کو پسند ہی نہیں ہے۔ برابر والی خالہ کی صغریٰ کتنی اچھی ہے۔ امی کو اس سے دوستی پر کوئی اعتراض نہیں لیکن ان کے گھر بھی امی مجھے اپنے ساتھ لے کر جاتی ہیں اور اپنے ساتھ لے کر آتی ہیں لیکن میں اپنی امی کے لیے سب کچھ کر سکتی ہوں۔ میرے اللہ میں اپنی امی کو ایک دفعہ ہنستے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں۔ میری سب سہیلیاں کہتی ہیں کہ میری امی بہت خوب صورت ہیں۔ جب یہ بات میں نے امی کو بتائی تو نہ جانے امی کیوں پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔'' نائلہ صبح سے خود سے باتیں کرتے کرتے جیسے تھک سی گئی اس سے قطع نظر کہ میں اس کی بڑبڑاہٹ بھی سن رہی تھی۔

☆☆☆

رات سوا نو بجے کا وقت تھا۔ سردیوں کی راتوں میں لگتا ہے چاند بھی سردی سے چھپ جاتا ہے۔ ہر طرف خاموشی اور اِک اداسی تھی۔ ہر طرف پھیلا گہرا سکوت اِک عجیب سا تاثر دے رہا تھا۔ گہرے سرخ رنگ کے سوٹ پر سیاہ چادر اوڑھے میں اندھیر دیوار کی طرف منہ کیے جانے کیا کیا سوچ رہی تھی کہ نے سوکھے ہوئے پتوں پر پیر رکھا اور پتوں چرچراہٹ نے ماحول میں اِک عجیب سا خوف کر دیا۔ میں اپنی سوچوں میں غرق تھی۔ سردی سے ہا برف ہو رہے تھے اور ٹانگیں کسی انجانے خوف سے کپکپا رہی تھیں...... لیکن آنے والا لمحہ فیصلے کا تھا اور لمحے کا سامنا کرنے کے لیے ہمت مجتمع کر رہی تھی کہ آنے والا بالکل قریب آگیا۔ میرے پورے جسم میں اِک سرد سی لہر دوڑ گئی اور آنے والے نے کہا۔

''تم آگئیں...... مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی کہ میں جو بات کرنے جا رہا ہوں وہ تمہاری زندگی میں روشنی بھر دے گی۔'' آنے والے کی آواز میں کی خوشی تھی۔

''ہاں، میں آگئی ہوں عارف امتیاز کہ مجھے ہی تھا۔'' میں ایک دم پلٹ کر بولی اور عارف امتیاز ایسا لگا کہ آسمان اس کے سر پر گر گیا ہے اور اس کے قدموں کے نیچے زمین نہیں رہی۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے اپنی مٹھی اس کے سامنے کھول دی وہ کاغذ جو صبح سے میری ہتھیلی جلا رہا تھا وہ عارف امتیاز کا خط تھا میری بیٹی کے نام۔

''نائلہ!

تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ ایسی بات جو ہماری زندگیوں کو خوشیوں سے بھر دے گی۔ امید کرتا ہوں تم رات نو بجے گھر کے پیچھے بنے پارک میں مجھ سے ضرور ملو گی۔

عارف امتیاز''

عارف دھواں دھواں چہرے کے ساتھ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آواز حلق میں کہیں پھنس گئی تھی۔

''تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میری بیٹی کو تم اتنی آسانی سے بے وقوف بنا لو گے۔ وہ میری بیٹی ہے اِک امتحان سے گزری ہوئی عورت کی بیٹی۔ اس عورت کی بیٹی جس کی پوری زندگی ایک غلطی کا تاوان ادا کرتے ہوئے گزر گئی۔ میں نے اپنی پوری زندگی ایک ماں کی غفلت کا تاوان ادا کرتے ہوئے گزار دی۔ بے پروا ماں تو مرغی جیسے چھوٹے جانور سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ وہ چیل کو دیکھ کر کم از کم اپنے بچوں کو پروں میں چھپا تو لیتی ہے لیکن ایک بے پروا عاقبت نااندیش ماں اپنی اولاد کو کوؤں اور چیلوں کو آسمان پر منڈلاتے دیکھنے کے باوجود کیوں نہیں لپک کر اپنے پروں میں چھپاتی۔ خود کیوں دڑبے میں جا چھپتی ہے اور پھر جب اس کے بچوں کو وہ جانور نوچ کھاتے ہیں یا اپنے پنجوں میں دبا کر لے اڑتے ہیں اور کبھی ان کا گوشت کھا کر اور کبھی ان سے کھیل کر کہیں پر بھی کسی بھی گندگی میں یا کسی جنگل میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں تو پھر وہ ماں ان بچوں کے لیے کیوں سسکتی ہے؟

''میں بھی اپنی بیٹی کو پروں میں چھپا کر رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میرے پروں میں کہاں چھید تھے جہاں سے تم نے میری بیٹی پر نگاہ ڈالی۔ میرے باپ کی بددعائیں کب تک میرا پیچھا کریں گی۔ میرے باپ نے کہا تھا کہ خدا تجھے بیٹی دے اور تیرے جیسی دے پھر تجھے پتا چلے گا تو نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ کہتے ہیں روز کی توبہ تلا نافرمان اولاد کو بھی فرمانبردار اولاد کی صف میں کھڑا کر دیتی ہے شاید میرا جرم ناقابلِ معافی اور میرے باپ کی تکلیف ناقابل تلافی تھی۔'' میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ عارف امتیاز ان ہی قدموں پر بغیر کچھ کہے پلٹ گیا اور نائلہ میرے پیچھے بالکل ساکت کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ وہ تو اپنی ماں کے پیچھے چلی آئی تھی کہ صبح سے ماں کمرا بند کیے بیٹھی تھی اور اب وہ خاموشی سے کہیں جا رہی تھی۔ اسے کیا پتا تھا کہ اس کی ماں بدگمانیوں کی انتہا پر تھی۔

☆☆☆

''پیاری ڈائری آج امی کی گفتگو سن کر حقیقت میں دل بہت پریشان ہوا ہے۔ کاش امی ایک دفعہ مجھ سے پوچھ لیتیں کہ عارف امتیاز کون ہے؟ میرا اس سے کیا رشتہ ہے، میں تو بہت خلوص سے امی کے لیے خوشیوں کے اطمینان کے در کھولنا چاہتی تھی لیکن امی تو ساری دنیا سے ناراض ہیں۔ مجھے عارف امتیاز نے سب کچھ امی کے بارے میں، میرے ابو کے بارے میں بتا دیا ہے۔ میں تو اپنی امی کی بہت عزت کرتی ہوں۔ دل سے ان کی شرافت کی، ان کی پاکیزگی کی قدردان ہوں۔ مجھ سے زیادہ کون ان کے شب و روز کا گواہ ہوگا۔ کاش امی کبھی اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتیں۔ اے میرے پروردگار میری ماں کی زندگی کی ہر آزمائش کو ختم کر دے۔ انہیں حقیقی خوشی اور اطمینان دے دے۔ اچھا پیاری ڈائری میں سو رہی ہوں تم سے کل باتیں کروں گی۔''

نائلہ کی ڈائری پڑھ کر مجھے نہ جانے کیا ہوا تھا۔ میں جب بھی نائلہ کو خاموشی سے گھر کے کاموں میں مصروف دیکھتی تو دل میں ایک ہوک سی اٹھتی اور لب پر یہی دعا کہ ''یا اللہ میری نیک، سعادت مند بیٹی کا نصیب کھول دے۔ میرا تو تیرے سوا کوئی نہیں ہے۔ میرے مالک میرے گناہوں کی سزا میری بچی کو نہ دے۔ اس کا نصیب کھول دے۔ اس کے نصیب میں جو بھی تو نے لکھا ہے۔ اسے بھیج دے تاکہ وہ اپنی امانت لے جائے اور میں سکون سے مر سکوں مگر اس نے خود سے......''

''امی دیکھیں کون آیا ہے۔'' میں اپنے خیالوں میں گم تھی کہ نائلہ کی خوشی سے بھرپور لرزتی ہوئی آواز مجھے اس دنیا میں واپس لے آئی اور آنے والے پر نظر پڑتے ہی مجھے ایسا لگا کہ سوکھے دھانوں پر پانی پڑ گیا...... جیسے آنکھوں میں دریا اتر گیا۔ جیسے زندگی کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

عنوان مل گیا۔ آنے والے بھیا تھے۔ کیسے نہ میں اپنے خون کو پہچانتی ان کے ساتھ وہ یقیناً میری بھابی تھیں اور ساتھ کھڑے دو تو جوان لڑکوں میں عارف امتیاز بھی تھا۔ اُف خدا عارف امتیاز میرے بھیا کے ساتھ ...... کہیں یہ میرا بھتیجا تو نہیں۔ میں اب بھائی کے سینے سے لگی رو رہی تھی۔

”غلطی صرف تمہاری نہیں حاجرہ ہماری بھی تھی۔ تم صرف بہن کہاں تم تو میری بیٹی تھیں۔ ہمیں معاف کر دینا چاہیے تھا تمہیں۔ جب ہم لوگ کہیں سے سنتے کہ تم پریشان ہو یا تم سلائیاں کر رہی ہو یا احسن تمہیں بہت ستاتا ہے تو ہم بے چین ہو جاتے لیکن جھوٹی انا ہمارے قدم روک لیتی۔ معاشرے کے ... اور خاندان والوں کے طعنے ہمیں روک لیتے لیکن جب ایک روز مجھے پتا چلا کہ تمہیں طلاق ہوگئی اور احسن اپنی دوسری بیوی کے ساتھ اک روڈ ایکسیڈنٹ میں مارا گیا ہے تو میں بے حد بے چین ہو گیا۔ جب تمہارے بارے میں معلومات کیں تو پتا چلا کہ تم تو بہت عرصے پہلے کسی دوسرے شہر چلی گئی ہو۔ بس جب سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔ عارف میرا بڑا بیٹا ہے۔ تمہارے گھر کے برابر میں اس کا دوست رہتا ہے، یہ اپنے دفتر کے کام کے سلسلے میں فیصل آباد سے جب لاہور آیا اور اپنے دوست سے ملنے گیا تو تم باہر دروازے پر کھڑی سبزی خرید رہی تھیں۔ میرے بچے تم سے اور تمہاری صورت سے اچھی طرح واقف تھے کہ میری کوئی بات تمہارے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ عارف نے اپنے دوست کی فیملی سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کیں پھر دوست کی بہن کے ذریعے نائلہ سے بات کی اور اس دن بھی وہ نائلہ سے صرف اس لیے ملنا چاہتا تھا کہ اسے بتا سکے کہ اب تم اکیلی نہیں ہو اور وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ فیصل آباد جا رہا ہے۔ اس کے بچھڑے ماموں کو لینے بس حاجرہ میرے یہ دونوں بچے تمہیں سرپرائز دینا چاہتے تھے۔“ بھیا نے ساری تفصیل بتا کر میرے دُکھے دل پر جیسے مرہم رکھا۔

”تم بہت احتیاط پسند ہو حاجرہ اور اک اچھی ماں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ عارف نے یا ہم میں سے کسی نے تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانا۔ اب تم ہمیں معاف کر دو اور ہم نے بھی تمہارے لیے اپنے دل کے دروازے کھول دیے ہیں۔ تم میری نند نہیں میری بہن ہو۔ ایک ایسی بہن جس کی شرافت، پاکیزگی اور نیک نامی کی لوگ قسمیں کھاتے ہیں۔“ بھابی بہت عقیدت سے مجھ سے مخاطب تھیں۔

”بھابی آپ لوگوں نے مجھے وہ خوشی دی ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں آپ کے لیے کیا کروں۔“ میں روتے روتے مسکرا کر بولی۔

”کچھ نہیں کرنا بس نائلہ مجھے دے دو۔ عارف کی بات تو طے ہے۔ یہ چھوٹا کاشف اسی سال کنگ ایڈورڈ سے ایم بی بی ایس کر کے فارغ ہوا ہے۔ حاجرہ میں اس کے لیے تمہارے آگے جھولی پھیلاتا ہوں۔ نائلہ جیسا گوہر نایاب میری جھولی میں ڈال دو۔“ بھیا التجائیہ انداز میں کہہ رہے تھے اور میں خوشی سے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سامنے کچن میں کھڑی نائلہ کو دیکھ رہی تھی۔ نائلہ شرماتے ہوئے چائے بنا رہی تھی اور عارف اس کی کسی بات پر پیار سے اس کے سر پر چپت لگا رہا تھا۔ کاشف سر جھکائے مسکرا رہا تھا۔ میرے دائیں طرف بھیا اور بائیں طرف بھاوج میری کمر کے گرد بازو پھیلائے محبت سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ آج میرے چاروں طرف خوشیاں تھیں، اطمینان تھا، دعائیں تھیں۔ تمام دکھ، تکلیفیں اور بددعائیں کہیں کھو گئیں۔ شکر الحمدللہ کہتے ہوئے میں نے آنکھیں موند کر بھیا کے کاندھے پر سر ٹکایا اور روتے ہوئے کہا۔

”مجھے منظور ہے بھیا...... مجھے یہ سب منظور ہے۔“

فیصلے کی صلیب

اسما قادری

”بجلی اور گیس کے بل آئے رکھے ہیں بیٹا، جلدی جمع کروا دو تو بہتر ہے ورنہ آخری تاریخ پر بہت رش ہو جاتا ہے۔“ عابدہ بیگم نے چائے کی پیالی اس کے آگے رکھتے ہوئے یاددہانی کروائی۔

”جی امی، ایسا کریں کہ ابھی مجھے دے دیں، میں لنچ ٹائم میں جمع کروا دوں گا۔“ اس نے فرمانبرداری سے جواب دیا تو عابدہ بیگم دل ہی دل میں اس کی بلائیں لینے لگیں۔ گرے پینٹ پر اسکائی بلو

WWW.PAKSOCIETY.COM

لائننگ والی شرٹ پہنے، قرینے سے بال سنوارے وہ آفس جانے کے لیے بالکل تیار تھا کچھ شکل،صورت بھی اچھی تھی اس لیے اس تیاری کے ساتھ بہت ہی ہینڈسم لگ رہا تھا پھر جب دیکھنے والی نظر ماں کی ہو اور وہ بھی اپنے فرمانبردار بیٹے کو تو زبان سے ماشاء اللہ نکلنا تو لازم تھا۔ ان کے زیرِ لب کہے ماشاء اللہ کو عادل نے تو نہیں سنا لیکن اس کے ساتھ ہی ناشتے میں مصروف خلیل صاحب کے کانوں تک ضرور ان کی آواز پہنچ گئی، وہ بہت شوخی سے مسکراتے ہوئے بولے۔

”میرا بیٹا بالکل مجھ پر گیا ہے، جوانی میں میری والدہ بھی مجھے تیار دیکھ کر ایسے ہی ماشاء اللہ کہا کرتی تھیں۔“

”اللہ جانے آپ کن وقتوں کا ذکر کر رہے ہیں، میری نظروں نے تو آپ کی ایسی خوب صورتی کا کبھی نظارہ نہیں کیا کہ زبان سے ماشاء اللہ نکل سکے۔“ حسبِ توقع عابدہ بیگم نے منہ بنا کر ان کی مخالفت کی اور مزید بولیں۔ ”عادل تو بنا بنایا اپنے چھوٹے ماموں کی کاپی ہے۔ اس کی عمر میں وہ تھا ایسا بانکا سجیلا کہ ہم بہنیں اور اماں قدم قدم پر اس کی بلائیں لیتی تھیں۔“

”چھوڑیں بھی بیگم، آپ کا بھائی کہاں سے میرے بیٹے جیسا خوب صورت ہو گیا۔ اتنا گہرا سانولا تو رنگ ہے اس کا۔“ خلیل صاحب نے مزے سے توس پر مکھن لگاتے ہوئے انہیں چھیڑا۔

”ارے وہ تو بعد میں ٹائیفائڈ سے اس کا رنگ جل گیا تھا ورنہ ایسا سجیلا تھا میرا بھائی کہ لڑکیاں پٹاپٹ گرتی تھیں اس پر۔“ عابدہ بیگم نے جلبلا کر جواب دیا۔

”خوف سے گر جاتی ہوں گی بے چاریاں۔“ خلیل صاحب باز نہ آئے۔

”آپ اپنے تجربے نہ بیان کریں۔“ انہوں نے بھی ترت جواب دیا۔ عادل مسکراہٹ دبائے چائے پیتے ہوئے ماں، باپ کی جھڑپ سنتا رہا۔ دونوں میں محبت بہت تھی لیکن خلیل صاحب کے چھیڑنے کی عادت کی وجہ سے اکثر و بیشتر ایسی چھو
موٹی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔

”اچھا بھئی...... اللہ حافظ میں چلتا ہوں، آ
دونوں کا تو کسی نتیجے پر پہنچنا مشکل ہے۔“ اس
چائے ختم ہو گئی تھی اس لیے وہ میز پر سے بل
بائیک کی چابی اٹھاتے ہوئے بولا۔

”جاؤ بیٹا فی امان اللہ۔“ عابدہ بیگم جھگڑا بھو
بھال بیٹے کی طرف متوجہ ہوئیں اور اسے رخصت
کرنے اس کے پیچھے ہولیں۔

ان کا معمول تھا کہ بچے گھر سے باہر جاتے
انہیں دروازے تک ضرور رخصت کر کے آتیں۔
بھی صرف دو ہی تھے ایک عادل، دوسری چھوٹی ا
...... عادل پڑھائی سے فارغ ہو کر ایک کوریئر
میں ملازمت کر رہا تھا جبکہ انیلا بی اے کے فائنل
میں تھی۔ وہ اپنے چھوٹے سے خاندان کے سا
اطمینان سے اپنے معمولات انجام دیتی خاصی آ
زندگی گزار رہی تھیں۔ خلیل صاحب کا ایک چھو
جنرل اسٹور تھا جس کی آمدن سے اس مختصر کنبے کا
خوبی گزارہ ہو جاتا تھا۔ طرزِ زندگی میں بہت زیادہ
نمائش کا دخل نہ ہونے کے باعث بھی کافی آسا
تھی۔ البتہ جب سے انیلا بڑی ہوئی تھی گھر کے ماحو
میں تھوڑی بہت تبدیلی آئی تھی۔ کچھ ٹی وی کی بدو
اور کچھ اپنی باحیثیت سہیلیوں کو دیکھ کر انیلا نے گھر
کئی ایسی اشیا کا اضافہ ضروری قرار دیا تھا جن کے بغ
پہلے بنا کسی پریشانی کے گزارہ ہو رہا تھا۔ حیرت ا
طور پر عابدہ بیگم اس موقع پر بیٹی کی ہمنوا بن گئی تھیں
اس کے لیے ان کی یہ دلیل تھی کہ جوان بچی گھر میں
رشتے کے لیے آنے والے لڑکی کے ساتھ ساتھ گ
بھی دیکھتے ہیں۔ اس لیے گھر میں کچھ تبدیلیاں کر
بہتر ہے۔ ان کچھ تبدیلیوں پر اچھی خاصی رقم خرچ ہو
تھی لیکن خلیل صاحب نے یوں اعتراض نہیں کیا
کفایت شعار بیگم نے پہلی بار فضول خرچی کی را

اختیار کی تھی اور اس میں بھی ان کی ذاتی خواہش سے زیادہ بیٹی کی پسند اور مفادات کا دخل تھا۔

”عادل بیٹا جاتے ہوئے رقیہ سے بھی پوچھ لینا کہ کہیں اسے تو بل وغیرہ جمع نہیں کروانا، تم ان کا بھی بل جمع کروا دو تو اچھا ہے ورنہ اس بے چاری کو بعد میں دھکے کھانا پڑیں گے۔“ ماں سے دعائیں لے کر عادل نے سیڑھیوں کی طرف قدم ہی بڑھائے تھے کہ پیچھے سے انہوں نے اس سے کہا۔

”جی اچھا امی، میں معلوم کر لوں گا۔“ اس نے حسبِ معمول فرمانبرداری سے جواب دیا لیکن اس بار اس فرمانبرداری میں اس کے دل کی خوشی بھی شامل تھی۔

رقیہ آنٹی ان سے ایک فلور نیچے ہی رہتی تھیں۔ وہ ایک بیوہ خاتون تھیں جنہیں قدرت نے تین بیٹیوں اور ایک بیٹے سے نوازا تھا لیکن قسمت کی ستم ظریفی سے ان کا بیٹا بہت کم عمری میں ہی نشے کا عادی ہو گیا۔ سر پہ باپ موجود ہوتا تو کچھ دیکھ بھال اور سختی کرتا۔ رقیہ بے چاری تو بس آٹھ آٹھ آنسو رو کر اور بیٹے کی منت ترلے کر کے ہی رہ جاتیں یا اس امید پر دعائیں کرتی رہتیں کہ کبھی تو وہ سُدھرے گا لیکن ایک روز یہ امید بھی ٹوٹ گئی۔ ان کا اکلوتا بیٹا شاہ زیب ایک رات گھر سے گیا تو زندہ واپس نہ آیا۔ بتانے والوں نے بتایا کہ شاہ زیب اور اس کے دو ساتھی بلڈنگ کی چھت پر بیٹھ کر کوئی نئے قسم کا نشہ ٹرائی کر رہے تھے۔ جانے وہ کس قسم کا نشہ تھا کہ منشیات کے عادی وہ لڑکے بھی اسے برداشت نہیں کر سکے اور ان کی حالت غیر ہو گئی یہاں تک کہ وہ اس قابل بھی نہ رہے کہ کسی کو اپنی مدد کے لیے ہی پکار سکتے۔ صبح جب بلڈنگ کا چوکیدار پانی کا وال کھولنے اوپر چڑھا تو اس نے تینوں لڑکوں کی ابتر حالت دیکھ کر شور مچا دیا۔ فوراً ہی ایمبولینس منگوائی گئی اور تینوں کو اسپتال لے جایا گیا۔ باقی دونوں لڑکے تو طبی امداد ملنے پر بچ گئے لیکن شاہ زیب جو ان میں سب سے کم عمر اور کمزور تھا اپنی جان کی بازی ہار گیا، اس کی موت نے رقیہ کو ادھ موا کر دیا۔ بیٹا جیسا بھی تھا زندہ تھا تو انہیں آس تھی کہ کبھی نہ کبھی سُدھر کر ان کے بڑھاپے کا سہارا بنے گا۔ بیوگی کے سخت شب و روز جو وہ میاں کے ادارے سے ملنے والی پنشن اور اپنی سلائی کی مشین کی دن رات کی محنت کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کاٹ رہی تھیں اور بھی دشوار ہو گئے اور دیکھنے والوں کو یوں لگا کہ جیسے بیٹے کے بعد رقیہ کسی طور سنبھل نہیں پائیں گی۔ ان حالات میں بلڈنگ کے تقریباً سارے ہی لوگوں نے ان کی اشک شوئی کی کوشش کی خصوصاً عابدہ نے تو اس خاندان کا بہت خیال رکھا اور رقیہ کو یہ سمجھانے میں کامیاب رہیں کہ بے شک جوان بیٹے کی موت کا غم بہت بڑا ہے لیکن تین جوان بیٹیوں کی ماں ہونے کے ناتے وہ اس غم میں جوگ لے لینے کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ انہیں اپنی بیٹیوں کو زمانے کے سرد و گرم سے بچانے کے لیے ہمت کرنی ہو گی۔ ان کے مستقل سمجھانے بجھانے پر رقیہ نے کسی نہ کسی طور خود کو سنبھال لیا۔ دوسری طرف عابدہ بھی مسلسل ان کی خبر گیری کرتی رہیں۔ اس خبر گیری میں رقیہ کے گھر کے بیرونی کام اپنے بیٹے سے انجام دلوانا بھی شامل تھا۔ نیک طبیعت بیٹا کچھ انسانی ہمدردی کے ناتے اور کچھ دل کے کہنے پر یہ ڈیوٹی بخوشی انجام دے رہا تھا۔ اب بھی اس نے دل ہی دل میں دعائیں مانگتے ہوئے رقیہ کے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھلتے ہی وہ سرشار ہو گیا کہ سفید لباس میں ملبوس، سر پر دوپٹا جمائے منیبہ اس کے سامنے کھڑی تھی...... بڑی بڑی آنکھوں والی منیبہ جو بالوں کو سیدھی مانگ نکال کر سنوارتی تھی، اپنی سادگی کے ساتھ اسے بہت اچھی لگتی۔ اس نے کبھی میک اپ کے نام پر اس کی آنکھوں میں کاجل کی لکیر تک نہیں دیکھی تھی۔ اس وقت بھی وہ صاف ستھرے یونیفارم میں دُھلے چہرے کے ساتھ کالج جانے کے لیے تیار تھی۔ کالج میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

پڑھنے والی اپنی ہم عمر لڑکیوں کی طرح اس کے چہرے پر شوخی کے بجائے ہر وقت ایک گہری سنجیدگی طاری رہتی۔ عادل اس کے اس روپ کو پسند کرنے کے باوجود کبھی کبھی اس کے لیے اداس ہو جاتا تھا کہ وہ بے چاری حالات کے ہاتھوں اس بری طرح گھُٹ گئی تھی کہ مسکرانا ہی بھول گئی۔ ورنہ وہ روز صبح آفس جاتے ہوئے دیکھتا ہی تھا کہ لڑکیاں کس طرح بن سنور کر شوخ تتلیوں کی طرح تعلیمی اداروں کا رخ کرتی تھیں۔ خود اس کی اپنی بہن انیلا بھی عابدہ بیگم کی کڑی نظر کے باعث شوخ میک اپ نہ سہی آئی لائنر اور فیئر اینڈ لولی کا استعمال تو ضرور کرتی تھی یہاں پر اس کا بھی نام و نشان نہیں تھا اس کے باوجود اس کی نظریں منیبہ کے چہرے سے ٹکراتی تو واپس پلٹنا بھول جاتی تھیں۔ اس وقت بھی کچھ ایسا ہی ہوا آخر اس کی نظروں سے خائف منیبہ کو ہی کھنکھار کر اسے اس بے خودی کی کیفیت سے نکالنا پڑا۔

"وہ...... میں آنٹی سے پوچھنے آیا تھا کہ اگر بل جمع کروانے ہوں تو دے دیں، میں اپنے بلوں کے ساتھ جمع کروا دوں گا۔" اس نے خود کو سنبھال کر جلدی سے آمد کا مقصد بیان کیا۔

"جی اچھا...... میں امی سے کہتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے اندر چلی گئی اور رقیہ آنٹی بلوں کے ساتھ مطلوبہ رقم لے کر دروازے پر آ گئیں۔

"باہر کیوں کھڑے رہے بیٹا اندر آ جاتے۔" اس کے سلام کا جواب دینے کے بعد اسے بل اور پیسے تھماتے ہوئے انہوں نے شفقت سے کہا۔

"بس آنٹی آفس جانا ہے، ذرا جلدی میں ہوں بعد میں کسی دن امی کے ساتھ آؤں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے خوش خلقی سے جواب دیا۔ پرانی محلے داری کے باوجود اس کا ان لوگوں کے گھر بے دھڑک آنا جانا نہیں تھا۔ عام طور پر وہ دروازے پر کھڑے کھڑے ہی کام کی بات کر لیتا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ خود رقیہ آنٹی نے ابھی اس سے جو بات کہی ہے محض تکلفاً ہی کہی ہے ورنہ گھر میں جوان بیٹیوں کی موجودگی کی وجہ سے وہ خود بھی احتیاط کرنا ہی پسند کرتیں لہٰذا ان کی رواداری کے جواب میں خود بھی رواداری کا مظاہرہ کرتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا۔ یہ اور بات کہ صبح صبح ہونے والے منیبہ کے دیدار نے اس کی طبیعت میں سرشاری سی بھر دی تھی اور وہ خوش اور مگن سا آفس کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

"سوچ رہی ہوں تمہارے لیے لڑکی ڈھونڈنا شروع کر دوں۔ تعلیم سے فارغ ہو گئے ہو اور جاب بھی مناسب ہے اس لیے اب تمہاری شادی کر دینی چاہیے۔" وہ سب شام کی چائے پی رہے تھے جب عابدہ بیگم نے روئے سخن اس کی طرف کر کے یہ بات کہی۔

"زبردست آئیڈیا ہے امی! بھائی کی شادی ہو گی تو کتنا مزہ آئے گا۔ میں ڈھیر سارے نئے کپڑے بناؤں گی اور اپنی سہیلیوں کو انوائٹ کروں گی۔" انیلا نے سب سے پہلے ماں کے خیال کی تائید کرتے ہوئے اپنے ارادوں کا اظہار کرنا ضروری سمجھا۔

"اسے کہتے ہیں ابھی گاؤں بسا نہیں لٹیرے پہلے آ گئے۔ تمہارے ڈھیر سارے کپڑوں اور ڈھیر ساری سہیلیوں کے بھگتانے کے بعد مجھ غریب کے پاس بچے گا ہی کیا کہ میں بیوی کا ٹنٹا پال سکوں۔ میں تو کہتا ہوں کہ چھوڑو بلی چوہا لنڈورا ہی بھلا۔" انیلا کا پروگرام سن کر اس نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"دیکھ رہی ہیں امی بھائی کو...... شادی ہونا تو دور کی بات صرف شادی کا ذکر ہی ہوا ہے تو بھائی نے اپنی نظریں پھیر لی ہیں۔" انیلا نے فوراً ٹھنک کر ماں سے شکایت کی۔ چھوٹی ہونے کی وجہ سے وہ ذرا لاڈلی اور نخریلی تھی۔

"کیوں دل پر لے رہی ہو بیٹا...... بھائی مذاق

WWW.PAKSOCIETY.COM

کررہا ہے۔" عابدہ بیگم نے اسے سمجھایا اور خود دوبارہ بیٹے کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"کیا کہتے ہو پھر شروع کروں لڑکی کی تلاش!"

"شادی تو مجھے ایک نہ ایک دن کرنی ہی ہے امی لیکن میں سوچ رہا تھا کہ پہلے انیلا کی ہوجائے تو پھر میں اپنے بارے میں سوچوں۔" اس بار اس نے سنجیدگی سے ماں کی بات کا جواب دیا۔

"کیوں، پہلے میری کیوں...... آپ بڑے ہیں پہلے آپ کی شادی ہونی چاہیے۔" اس کی بات سن کر انیلا نے فوراً ہی تنک کر کہا۔

"وہ اس لیے خونخوار بلی کہ یہ جو تمہیں ہر وقت پنجے نکالنے کی عادت ہے اس سے میری بے چاری بیوی کو خطرہ ہوسکتا ہے۔ تم تو جب دیکھو تب پنجے جھاڑ کر اس بے چاری کے پیچھے پڑی رہوگی۔" اس نے ایک بار پھر اسے چھیڑا تو وہ چیخ پڑی۔

"دیکھ رہی ہیں امی آپ بھائی کی چالاکیاں...... لیکن آپ نے کیا سمجھا ہے کہ میری شادی ہوگئی تو میرا اس گھر سے واسطہ ختم ہوجائے گا۔ ارے میں تو شادی کے بعد بھی آپ کی اور آپ کی بیگم کا ناک میں دم کرسکتی ہوں اور ضرور کروں گی۔" سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اس نے اپنے عزائم کا اظہار کیا۔

"میں پہلے ہی تمہارے میاں کے کان بھر دوں گا کہ اس بلی کو زیادہ چھوٹ دینے کی ضرورت نہیں، سختی میں رکھنا اور کم کم میکے آنے کی اجازت دینا۔" انیلا کے تاثرات کے برعکس اس کے ہونٹوں پر بڑی محظوظ ہونے والی مسکراہٹ تھی۔

"ابو دیکھیں ناں بھائی کو۔" اس بار انیلا نے خلیل صاحب کو پکارا جو چائے پیتے ہوئے دونوں بہن بھائی کی نوک جھوک سے لطف اندوز ہورہے تھے۔

"ارے بھئی...... تم بہن، بھائی نے کیوں خواہ مخواہ چونچیں لڑانا شروع کردی ہیں۔ میں کون سا بارات لے کر جانے کے لیے دروازے پر کھڑی ہوں۔ شادی ہوتے ہوتے بھی وقت لگے گا۔ ہوسکتا ہے اتنے عرصے میں تمہارا کوئی اچھا سا رشتہ آجائے تو میں دونوں بھائی، بہن کو ایک ساتھ ہی نمٹا دوں.... فی الحال تو عادل کے لیے اچھی لڑکی ڈھونڈنے کا مسئلہ ہے۔ دسیوں گھر چھانکو تب ہی کہیں جا کر اچھی لڑکی مل پاتی ہے۔" عابدہ بیگم نے ان کی لڑائی میں دخل دیتے ہوئے اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔

"تو یوں کہیں ناں کہ آپ بہو ڈھونڈنے کے بہانے دوسروں کے گھر جا کر مفتا اڑانے کے چکر میں ہیں۔" خلیل صاحب تو موقع کی تلاش میں ہی رہتے تھے کہ کب بیگم کو چھیڑ سکیں۔ چنانچہ فوراً ہی ان کی بات پکڑ لی۔

"میری اتنی گھٹیا سوچ نہیں ہے۔ آپ کے خاندان میں ہوگا یہ رواج کہ لڑکی ڈھونڈنے کے بہانے دوسروں کے گھروں میں مفت کی دعوتیں اڑاتے پھریں۔" حسب معمول عابدہ بیگم سلگ اٹھیں۔

"کہاں بھئی...... اگر ہمارے خاندان میں لڑکیاں تلاش کرنے کے لیے اتنی محنت کی جاتی ہوتی تو آپ کیسے یہاں آتیں۔" انہوں نے جان بوجھ کر ایک سرد آہ بھرتے ہوئے حسرت سے کہا، اس بار تو عابدہ بیگم سچ مچ ہی سلگ گئیں۔

"اتنی سرد آہیں بھرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جائیں اب جا کر کوئی حسینہ ماہ جبینہ ڈھونڈ لیں، بیٹے کے ساتھ ساتھ میں آپ کے سر پر بھی سہرا سجانے کا انتظام کردوں گی۔"

"پیشکش تو آپ کی شاندار ہے بیگم لیکن سوچ لیں کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے سامنے آپ کے بیٹے کی پرسنالٹی ڈاؤن ہوجائے اور لوگ کہیں بیٹے پر باپ جیسا روپ نہیں چڑھا۔" وہ بیگم کے غصے سے پوری طرح محظوظ ہورہے تھے۔ دوسری طرف انیلا اور عادل بھی اپنا جھگڑا بھول کر ان دونوں کے درمیان

WWW.PAKSOCIETY.COM

جاری مکالمے سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ دروازے پر ابھرنے والی دستک کی آواز نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' عادل بولتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ سامنے رقیہ آنٹی کی سب سے چھوٹی بیٹی اریبہ کھڑی تھی۔ چودہ پندرہ سال کی اریبہ میٹرک کی طالبہ تھی لیکن اپنی عمر کی دیگر بچیوں کی طرح شوخ و چنچل ہونے کے بجائے بہت سنجیدہ مزاج تھی۔ اس وقت بھی اس نے دوپٹے کو بہت سلیقے سے سر پر جما رکھا تھا اور نظریں نیچی کیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ شاید گھر میں کسی مرد کے نہ ہونے کے باعث رقیہ آنٹی بیٹیوں کے معاملے میں حد سے زیادہ احتیاط پسندی سے کام لیتی تھیں، اسی لیے ان کی بیٹیاں اتنی سنجیدہ مزاج تھیں صرف بیچ والی طیبہ کے مزاج میں تھوڑی بہت شوخی پائی جاتی تھی اور وہ ہر وقت ماں سے ڈانٹ بھی کھاتی رہتی تھی۔

''آؤ اریبہ اندر آجاؤ۔'' اس نے کہتے ہوئے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

''نہیں عادل بھائی، میں اپنا فزکس کا جرنل بنا رہی تھی مجھے فوراً واپس جانا ہے آپ سے صرف یہ کہنے آئی تھی کہ امی کہہ رہی ہیں ہو سکے تو کسی پلمبر کو بلا کرلادیں۔ ہمارے واش بیسن کا نل خراب ہو گیا جس کی وجہ سے سارا پانی ضائع ہو رہا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے آنے کی وجہ بیان کی۔

''اچھا تم چلو میں دیکھتا ہوں۔'' اس نے اریبہ سے کہا اور خود اندر جا کر پہلے امی، ابو کو مطلع کیا پھر رقیہ آنٹی کے فلیٹ کی طرف روانہ ہوا۔ اریبہ جا چکی تھی...... عادل نے فلیٹ کی گھنٹی بجائی تو آنٹی دروازے پر نمودار ہوئیں۔

''کیا ہوا بیٹا اتنی جلدی پلمبر کو لے آئے کیا؟'' حیران سی رقیہ آنٹی نے اس کے پیچھے کسی کو ڈھونڈنے کی کوشش کی۔

''پلمبر کو نہیں لایا آنٹی...... میں نے سوچا پہلے میں خود دیکھ لوں، چھوٹے موٹے کام تو میں خود بھی نمٹا لیتا ہوں۔''

''اس سے اچھی بات کیا ہوگی۔ آؤ اندر آجاؤ۔'' وہ خوش ہو گئیں۔ محدود آمدنی میں سے اس قسم کے خرچوں کے لیے رقم نکالنا ظاہر ہے انہیں شاق گزرتا تھا ایسے میں اگر عادل ان کا یہ کام کر ڈالتا تو وہ پلمبر کے خرچے سے بچ جاتیں۔ عادل نے مشکل سے دس بارہ منٹ میں ان کا یہ مسئلہ حل کر دیا۔

''بہت بہت شکریہ بیٹا...... اگر یہ نل ایسے ہی بہتا رہتا تو بڑی پریشانی ہو جاتی۔'' رقیہ آنٹی نے تہہ دل سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ لوگ جس بلڈنگ میں رہتے تھے وہاں مخصوص اوقات میں پانی سپلائی کیا جاتا تھا جسے ہر فلیٹ کے مکین فلیٹ میں موجود ٹنکی میں ذخیرہ کرلیتے۔ اگر یہ ذخیرہ شدہ پانی ختم ہو جاتا تو پھر پانی لینے کے لیے نیچے اتر کر جانا پڑتا تھا اور ظاہر ہے خواتین پر مشتمل اس فیملی میں سے تو کوئی نیچے سے پانی کے کین بھر بھر کر اوپر نہیں لا سکتا تھا۔ اس لیے چھوٹا سا یہ مسئلہ ان کے لیے بڑی پریشانی کا باعث تھا۔

''شکریے کی کیا بات ہے آنٹی...... چھوٹا سا کام تھا، محلے داری میں انسان کو اتنا خیال تو رکھنا ہی پڑتا ہے۔'' اس نے عاجزی سے جواب دیا اس سے قبل کہ رقیہ آنٹی کچھ کہہ پاتیں طیبہ وہاں نازل ہو گئی۔

''امی عادل بھائی بالکل صحیح کہہ رہے ہیں۔ ہمارا ان پر اتنا حق تو ہے ہی۔ آپ یہ بتائیں عادل بھائی کہ چائے پئیں گے یا شربت......؟'' اس نے ایک ہی سانس میں ماں اور عادل دونوں سے اپنی بات کہہ ڈالی۔

''چائے پیوں گا مگر ہونی زبردست چاہیے ورنہ کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔'' وہ جانتا تھا کہ تینوں بہنوں میں منیبہ سب سے اچھی چائے بناتی ہے اس لیے چائے پی کر آنے کے باوجود جان بوجھ کر فرمائش

کر ڈالی۔ اصل میں یہاں اتنی دیر سے موجود ہونے کے باوجود اسے ابھی تک منیبہ کی شکل دکھائی نہیں دی تھی۔ وہ اندر کمرے میں بچوں کو ٹیوشن پڑھا رہی تھی۔ شام کے اوقات میں اس کے پاس بلڈنگ ہی کے کئی بچے ٹیوشن پڑھنے آتے تھے جس سے اسے اپنے تعلیمی اخراجات کے علاوہ چھوٹی موٹی دیگر ضروریات پوری کرنے میں سہولت ہو جاتی تھی۔

''صاف کہیں کہ آپی کے ہاتھ کی چائے پینی ہے۔ زبردست چائے تو ہمارے گھر میں وہی بناتی ہیں۔'' منہ پھٹ طیبہ نے ہنستے ہوئے کہا اور ماں کے گھورنے کی پروا نہ کرتے ہوئے منیبہ کو چائے کا کہنے چلی گئی۔

''یہ لڑکی جانے کس پر گئی ہے۔ کتنا ہی روکو ٹوکو اس کا چنچل پن ختم نہیں ہوتا۔'' رقیہ بڑبڑائیں لیکن مہمان نوازی کے تقاضے تو نبھانے ہی تھے۔ چنانچہ نہایت مروت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے بولیں۔ ''آؤ بیٹا وہاں چل کر بیٹھو۔'' وہ اسے ساتھ لیے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں آ گئیں جہاں ایک پرانا لیکن صاف ستھرا صوفہ سیٹ رکھا ہوا تھا۔ وہ ایک سنگل صوفے پر بیٹھ گیا اور رقیہ آنٹی سے ان کی دلچسپی کے موضوعات پر گفتگو کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں منیبہ ٹرے میں چائے کی پیالیاں لیے چلی آئی۔ سیدھی مانگ نکالے ہمیشہ کی طرح سر پر دوپٹا اوڑھے ہوئے۔ منیبہ کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور ساتھ ہی تھوڑی دیر قبل امی سے ہونے والی گفتگو بھی یاد آ گئی۔

''امی سے کہوں گا کہ لڑکی کی تلاش میں دسیوں گھر جانے کی زحمت کرنے کی کیا ضرورت ہے بس ایک سیڑھی اتر کر رقیہ آنٹی کے ہاں چلی جائیے گا۔'' اپنے دل میں آنے والے خیال پر وہ خود ہی مسکرا اٹھا۔ سادہ سی منیبہ کب سے اس کے دل کو بھانے لگی تھی وہ صحیح طور پر نہیں بتا سکتا تھا البتہ یہ ضرور یاد تھا کہ وہ اسے ہر روپ میں بھاتی تھی۔ اکلوتے بھائی کی موت پر ضبطِ گریہ سے سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ، ماں، بہنوں کو سنبھالتی منیبہ نے بھی اسے متاثر کیا تھا اور ہر روز سادگی کا پیکر بنی سفید یونیفارم میں نظریں جھکائے کالج جاتی منیبہ بھی اسے اچھی لگتی تھی اگر اس پسندیدگی کو وہ امی تک پہنچاتا تو یقیناً انہیں اعتراض نہ ہوتا۔ وہ خود بھی رقیہ آنٹی کی تینوں بیٹیوں کی تعریف ہی کیا کرتی تھیں پھر پتا نہیں کیوں بہو کے لیے انہیں منیبہ کا خیال نہیں آیا تھا بہرحال اسے امید تھی کہ جب وہ ان کا دھیان اس طرف کروائے گا تو وہ اعتراض نہیں کریں گی۔

''طیبہ کہاں ہے اس کے ہاتھ سے چائے بھجوا دیتیں۔'' میز پر چائے رکھتی منیبہ سے رقیہ آنٹی نے کہا۔ ان کی جہاندیدہ نظروں سے عادل کی پسندیدگی چھپی نہیں رہی تھی اس لیے وہ بہت محتاط تھیں۔

''وہ سامنے گئی ہے۔ کہہ رہی تھی ارم سے کڑھائی کا نمونہ لینا ہے۔'' منیبہ نے آہستہ سے جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

''ایک تو اس لڑکی سے میں بہت پریشان ہوں، نچلا تو بیٹھا ہی نہیں جاتا اس سے...... سیر سپاٹے اور شوخیاں ہی سوجھی رہتی ہیں۔'' رقیہ بڑبڑائیں۔

''جانے دیں آنٹی...... اس عمر میں تو سب لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ ہماری انیلا کو نہیں دیکھا آپ نے، کتنی شوخ اور شرارتی ہے۔'' اس نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

''انیلا کی اور بات ہے بیٹا! اس کے سر پر باپ اور بھائی کا ہاتھ ہے کوئی اس کی طرف انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا جبکہ میرے دروازے پر سب کی نظریں رہتی ہیں کہ کب موقع ملے اور باتیں بنائیں۔ میں ان بچیوں پر اتنی سختی اسی لیے کرتی ہوں کہ عزت سے اپنے گھر کی ہو جائیں۔ کسی ایک سے بھی ذرا سی لغزش ہو گئی تو باقی بہنوں کے لیے بھی مشکل ہو جائے گی۔ مرد کے سہارے کے بغیر رہنے والی عورتوں کی معمولی سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

معمولی غلطی کو بھی لوگ معاف نہیں کرتے بلکہ غلطی نہ ہو صرف شک ہی ہو تو بے شمار الزامات لگا ڈالتے ہیں اور میں ایسے ہی وقت سے ڈرتی ہوں۔'' رقیہ آنٹی بولتی جا رہی تھیں اور وہ خواہ مخواہ شرمندہ ہو رہا تھا کہ کیوں منیبہ کے ہاتھ کی چائے پینے کی فرمائش کر کے انہیں مشکل میں ڈالا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اس وقت شرمندگی کے باعث منیبہ کی تیار کردہ لذیذ چائے نے بھی اپنا ذائقہ کھو ڈالا تھا۔

☆☆☆

وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ مناسب موقع دیکھ کر امی سے منیبہ کے سلسلے میں بات کر لے کہ انیلا کے لیے ایک بہت اچھا رشتہ آ گیا۔ لڑکا دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا اور ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر کام کر رہا تھا...... شکل صورت کا بھی اچھا تھا۔ عابدہ بیگم کا تو پہلی بار میں ہی اس پر دل آ گیا تھا...... شاید وہ جلد بازی میں فوراً ہاں بھی کر دیتیں لیکن خلیل صاحب نے سمجھایا کہ بیٹی کی پوری زندگی کا معاملہ ہے۔ اچھی طرح دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا مناسب ہوگا۔ عادل بھی ان کا ہمنوا تھا چنانچہ عابدہ بیگم کو صبر سے کام لینا پڑا۔ لڑکے کے چال چلن اور دیگر معاملات کی چھان بین کی ذمّے داری قدرتی طور پر عادل کو سونپ دی گئی۔ اسے بھی اپنی اکلوتی بہن سے بہت محبت تھی سو خوب ٹھونک بجا کر لڑکے کو جانچنے کے بعد امی، ابو کو اوکے کی رپورٹ دی۔ اس کے اوکے کرتے ہی لڑکے والوں کو اثبات میں جواب دیا گیا اور فوراً ہی گھر میں ایک خوشگوار سا ہنگامہ شروع ہو گیا۔ رشتے سے جڑے کئی معاملات طے کرنے کے لیے دونوں طرف کے لوگوں نے ایک دوسرے سے خوب ملاقاتیں کیں اور آخر کار باہمی مشورے سے چھٹی والے دن منگنی کی تقریب کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا گیا۔ شادی چھ سات مہینے بعد ہونی تھی کیونکہ لڑکے کی ایک منگنی شدہ بہن کو بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی رشتہ ازدواج میں منسلک کیا جانا تھا۔ لڑکے کی بہن یعنی انیلا کی ہونے والی نند کا منگیتر روزگار کے سلسلے میں دبئی میں مقیم تھا جہاں سے اس کی تقریباً چھ ماہ بعد چھٹیوں پر آنے کی امید تھی۔ عابدہ بیگم اور خلیل صاحب نے شادی کے لیے لی جانے والی چند ماہ کی مہلت پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ حقیقتاً انہیں خود بھی تیاری کے لیے اتنی مہلت تو درکار ہی تھی۔ بیٹی اور وہ بھی اکلوتی بیٹی کا جہیز جوڑنا اتنا آسان نہیں تھا۔ والدین کی خواہش تھی کہ وہ اپنی حیثیت سے بھی بڑھ کر اسے جہیز دے کر میکے سے رخصت کریں۔ چنانچہ ملنے والی مہلت کو غنیمت سمجھا گیا اور جوش و خروش سے منگنی کی تیاری کی جانے لگی۔ انیلا کے لیے لباس اور دیگر اشیا تو اس کی سسرال سے ہی آنا تھیں لیکن پھر بھی وہ منگنی والے دن خوب صورت و تر و تازہ نظر آنے کے لیے مختلف قسم کے دیسی و ولایتی نسخے آزمانے میں مصروف تھی۔ منگنی کے میک اپ اور مہندی کے لیے اچھے پارلر کی تلاش کا مسئلہ اپنی جگہ تھا۔ اور سب سے بڑھ کر انیلا کی بے تحاشا سہیلیوں کو ان کے گھروں پر جا کر دعوت دینے کا سلسلہ تھا۔ اکلوتے بھائی کی حیثیت سے عادل کو یہ سارے فرائض انجام دینے کے لیے خاصی بھاگ دوڑ کرنی پڑ رہی تھی اور اس گہما گہمی میں اس کے پاس ذرا فرصت نہیں تھی کہ وہ امی سے منیبہ کے سلسلے میں بات کر سکے۔ اس نے اس معاملے کو منگنی کے بعد اطمینان سے ڈسکس کرنے کا سوچ کر فی الحال دل کی بات دل تک ہی محدود رکھ لی تھی۔ اتفاق سے آج کل اس کے دفتر میں بھی بہت کام تھا اس لیے وہ ضرورت سے زیادہ ہی مصروفیت اور تھکن کا شکار ہو گیا تھا ایسے حالات میں جب رقیہ آنٹی نے اس سے اریبہ کو میتھس اور فزکس پڑھانے کے سلسلے میں درخواست کی تو اس نے منگنی تک کی مہلت مانگ لی۔ رقیہ بھی سمجھتی تھیں کہ اس پر کتنی ذمّے داریاں ہیں اس لیے اریبہ کے امتحانات کی تاریخ نزدیک ہونے کے باوجود انہوں نے اصرار نہیں کیا اور اسی بات پر شکریہ ادا کرتی رہیں کہ وہ منگنی کے بعد ہی سہی پڑھانے کے لیے راضی تو ہے۔

اللہ اللہ کر کے آخر کار وہ مبارک دن آ ہی گیا جب انیلا کو اپنی انگلی میں حسن کے نام کی انگوٹھی پہننی تھی۔ تقریب کا اہتمام ان کی بلڈنگ کے وسیع کمپاؤنڈ میں ہی کیا گیا تھا۔ فینسی شامیانوں میں سیٹ کی گئی وی آئی پی کرسیوں اور گلاس ٹاپ ٹیبلز کے علاوہ نہایت خوب صورتی سے کی گئی لائٹنگ نے ہر دیکھنے والی آنکھ کو متاثر کیا۔ دولہا والے آئے تو وہ بھی ان انتظامات سے متاثر نظر آنے لگے ورنہ لڑکے کی والدہ کی تو خواہش تھی کہ تقریب کسی بڑے ہوٹل میں انجام دی جائے اور یہ خلیل صاحب کو منظور نہیں تھا۔ ہوٹل میں تقریب کرنے کی صورت میں اخراجات بہت زیادہ بڑھ جاتے اور چند گنے چنے لوگوں کو ہی دعوت دینی پڑتی جبکہ ان کی خواہش تھی کہ گھر میں ہونے والی خوشی کی پہلی تقریب کے موقع پر عزیز و اقارب سمیت پاس پڑوس کے لوگوں کو بھی شریک کریں۔ موجودہ انتظامات سے ان کی یہ خواہش پوری ہو گئی تھی اور لڑکے والے بھی خوش نظر آ رہے تھے۔ خوشگوار ماحول میں منگنی کی رسم انجام دینے کے بعد پُرتکلف کھانے کا آغاز کر دیا گیا۔ ابھی کھانا کھایا ہی جا رہا تھا کہ پنڈال میں ایک طرف ہنگامہ سا کھڑا ہو گیا۔ لوگ کھانا پینا بھول کر اس طرف متوجہ ہو گئے۔ تقریب کے میزبان کی حیثیت سے متفکر سا عادل بھی اس طرف دوڑا۔ قریب جا کر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ رقیہ آنٹی کے سامنے والے فلیٹ میں مقیم غزالہ آنٹی بلند آواز میں کسی کو لعنت ملامت کر رہی تھیں وہ ان کے الفاظ سے کوئی نتیجہ اخذ کر پاتا کہ نظر سر جھکا کر بے تحاشا روتی طیبہ اور غزالہ آنٹی کے بیٹے شاہد پر پڑی۔ اس کا چہرہ بھی کسی مجرم کی طرح بجھا ہوا تھا لیکن وہ کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح اپنی والدہ کو چپ کروا سکے لیکن وہ تو گویا زندگی بھر کا غبار نکالنے کے چکر میں تھیں۔ معاملہ کچھ کچھ

عادل کی سمجھ میں آنے لگا۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کر پاتا منیبہ ہجوم میں سے راستہ بناتے ہوئے طیبہ کے قریب پہنچی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے لے جانے لگی۔

''ہاں، ہاں لے جاؤ اپنی آوارہ بہن کو...... پہلے چھپ چھپ کر میرے بیٹے کو بغیر نام کے خط لکھتی تھی اور اب اس کی ہمت اتنی بڑھ گئی کہ بھری محفل میں اس سے عشق لڑانے لگی۔'' غزالہ نے گرج دار آواز میں منیبہ سے کہا۔ وہ بے چاری جواب میں کیا کہتی بس خاموشی سے طیبہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے لے گئی۔

''کم بخت اپنے نام کی ہی کچھ لاج رکھ لیتی۔ ایسی آوارہ لڑکی کو کون طیبہ کہہ کر پکارے گا۔'' غزالہ کی زہر افشانی جاری تھی بالآخر عابدہ بیگم کو آگے بڑھ کر انہیں احساس دلانا پڑا کہ وہ اپنے ایک ذاتی مسئلے کی وجہ سے ان کے گھر کی تقریب خراب کر رہی ہیں۔ ان کے احساس دلانے پر غزالہ نے بہ آواز بلند شور مچانا بند کر دیا اور بلڈنگ کی دوسری خواتین کے ساتھ منہ پھلا کر ایک طرف بیٹھ گئیں۔ باقی کی پوری تقریب میں وہ سرگوشیوں میں ان خواتین کو بتاتی رہیں کہ کس طرح انہوں نے اپنے بیٹے کے پاس موجود ایسے عشقیہ خطوط پکڑے جن پر کسی کا نام موجود نہیں تھا اور ٹوہ میں لگ گئیں کہ اس لڑکی کو ڈھونڈیں جس نے ان کے بھولے بھالے بیٹے کو عشق کی راہ پر لگا دیا تھا۔ آج کی تقریب میں انہیں کامیابی حاصل ہو گئی اور انہوں نے سب سے الگ تھلگ ایک کونے میں کھڑے باتیں کرتے طیبہ اور شاہد کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ ادھر غزالہ کے یہ دلچسپ اور سنسنی خیز انکشافات جاری تھے اُدھر رقیہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ تقریب سے چلی گئی تھیں۔ اس واقعے کے بعد تقریب کا رنگ پہلے جیسا نہیں رہا تھا اور سب کی طبیعت مکدر سی ہو گئی تھی خصوصاً عادل کی کیفیت بہت عجیب تھی۔ کچھ دیر قبل منیبہ کو قدرے تیاری کے ساتھ محفل میں دیکھ کر اس کا دل جو خوشی محسوس کر رہا تھا وہ ان آنسوؤں میں ڈوب کر ختم ہو گئی تھی جو یہاں سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

جاتے سے اس کی آنکھوں میں تھے۔

☆☆☆

منگنی کی تقریب سے فارغ ہوتے ہی عادل اریبہ کو پڑھانے کے سلسلے میں رقیہ آنٹی سے کیا جانے والا وعدہ نبھانے ان کے گھر جا پہنچا۔ دروازہ رقیہ آنٹی نے ہی کھولا۔ ان کی صورت دیکھ کر عادل کو جھٹکا سا لگا دو دن میں ہی وہ برسوں کی بیمار لگنے لگی تھیں۔ چہرے پر ایسی زردی کھنڈی تھی جیسے جسم میں خون ہی نہ ہو۔ عادل کو دروازے پر دیکھ کر انہوں نے قدرے ہچکچاتے ہوئے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے آنٹی...... آپ مجھے بہت کمزور لگ رہی ہیں؟'' ڈرائنگ روم میں ان کے روبرو بیٹھتے ہوئے اس نے ان سے دریافت کیا۔

''بی پی بہت ہائی ہوگیا تھا۔ دوا کھا رہی ہوں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے آہستہ آہستہ کنٹرول میں آجائے گا، تم بتاؤ کیسے آنا ہوا؟'' انہوں نے مختصراً اپنی طبیعت کے بارے میں بتا کر اس سے آنے کی وجہ پوچھی تو اسے ان کا اندازہ کچھ عجیب سا لگا۔ وہ اس سے کچھ اس طرح کا برتاؤ کر رہی تھیں جیسے وہ ان کے لیے اجنبی ہو۔

''آپ نے مجھ سے اریبہ کو میتھس اور فزکس پڑھانے کے لیے کہا تھا تو میں اسی سلسلے میں آیا ہوں۔ اریبہ کہاں ہے۔ اسے کہیں کہ کتابیں لے کر آجائے۔'' اس نے ان کے رویے کو ان کی طبیعت کی خرابی پر محمول کرتے ہوئے نرمی سے جواب دیا۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ بیٹا کہ تم نے میری درخواست کو یاد رکھا لیکن اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اریبہ کو جو کچھ پڑھنا ہوگا منیبہ سے پڑھ لے گی۔'' انہوں نے سپاٹ سے لہجے میں کہا تو وہ حیران رہ گیا۔

''منیبہ کیسے اسے پڑھا سکتی ہے۔ اس نے تو آرٹس کے مضامین میں میٹرک کیا تھا اور اس کا میتھس اور فزکس سے دور دور تک تعلق نہیں ہے۔''

''دونوں بہنیں مل کر کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گی۔ میں نے اریبہ سے کہہ دیا ہے کہ وہ اپنی اسکول ٹیچروں سے ہی اچھی طرح سمجھ لیا کرے۔ اسکول میں اتنا تو پڑھایا ہی جاتا ہے کہ اس کے پرچے ہو جائیں۔''

''لیکن آپ اس کے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟ وہ اچھی خاصی ذہین طالبہ ہے۔ صحیح رہنمائی ملے گی تو بہت اچھے گریڈ سے پاس ہوگی۔ اگر اس کے اچھے نمبر نہیں آئے تو مجھے بہت افسوس ہوگا کہ میرے ہوتے ہوئے بھی ایسا ہوا۔'' وہ اپنے تئیں انہیں سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔

''بات کو سمجھا کرو عادل بیٹا...... جو کچھ انیلا کی منگنی والے دن ہوا اس کے بعد میں مزید کوئی رسک نہیں لے سکتی۔ غزالہ نے برسوں کے تعلقات کا لحاظ کیے بغیر اس روز اتنا ہنگامہ کیا کہ میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہی۔ اس واقعے کے بعد اب سب کی نظریں میری بیٹیوں پر ہی لگی رہیں گی اور لوگ کسی بھی غیر مرد کو میرے گھر آتا جاتا دیکھیں گے تو انگلیاں اٹھانے اور باتیں بنانے سے نہیں چوکیں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ طیبہ سے جو غلطی ہوئی اسے کوئی اور بھی دہرائے۔ میں کسی بھی مزید بدنامی کے بغیر ان تینوں کا ان کے گھروں کا کرنا چاہتی ہوں۔ تینوں میں سے جیسے ہی کسی کا بھی مناسب رشتہ آئے گا میں اسے رخصت کردوں گی۔ نصیب میں ہوا تو اپنے گھروں میں جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرلیں گی۔'' رقیہ آنٹی ان دنوں میں ہی بہت سے فیصلے کرچکی تھیں اسے محسوس ہوا کہ کہیں عجلت میں وہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کر جائیں اس لیے نہایت خلوص سے انہیں سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔

''میں مانتا ہوں... آنٹی کہ طیبہ سے غلطی ہوئی لیکن نادانی میں کبھی کبھار ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ غزالہ آنٹی نے زیادتی کی کہ اس بات کو اتنا زیادہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

اچھالا اگر وہ طیبہ کو اپنی بہو کی حیثیت سے قبول نہیں کر سکتی تھیں تو اس معاملے کو کسی اور طریقے سے بھی حل کیا جا سکتا تھا۔ بہر حال انہوں نے جو کرنا تھا کر چکیں لیکن آپ تو ایسا نہ کریں۔ آپ ان کی ماں ہیں۔ آپ کو اپنی بیٹیوں کے لیے فیصلے کرتے وقت دنیا والوں کی پروا کرنے کے بجائے ان کا خیال ہونا چاہیے۔''

''تم میری حالت نہیں سمجھ سکتے بیٹا! میں نے جو سوچا ہے اپنی بچیوں کے بھلے کے لیے ہی سوچا ہے، مجھ غریب بیوہ ماں کے پاس اپنی بچیوں کے لیے مال و متاع تو ہے نہیں جسے دیکھ کر لوگ میرے در پر آئیں۔ بچیوں کی شرافت اور سلیقہ مندی سے ہی امید تھی کہ شاید کوئی ان خوبیوں کا قدر دان نکل آئے لیکن شرافت پر بھی ایک داغ لگ گیا۔ ہو سکتا ہے کہ وقت اس داغ کو دھندلا دے لیکن میں یہ رسک نہیں لے سکتی کہ جانے انجانے میں مزید کوئی داغ ان کا نصیب بنے۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ جب تک تینوں کے کسی مناسب جگہ رشتے نہیں ہو جاتے انہیں گھر کی چار دیواری تک ہی محدود رکھوں گی۔ اریبہ اور منیبہ اپنے امتحانوں سے فارغ ہو جائیں تو ان کی تعلیم کا سلسلہ یہیں ختم کروا دوں گی۔ اب تم سمجھ ہی سکتے ہو کہ جب مجھے اریبہ کو مزید آگے پڑھوانا ہی نہیں تو اس کے اچھے یا برے نمبروں سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' ان کا انداز بڑا بے لچک تھا۔ عادل کو احساس ہوا کہ انہوں نے ہونے والے واقعے کا بہت زیادہ اثر لیا ہے اور ایسی کیفیت میں نہیں ہیں کہ فی الحال سمجھانے سے کچھ سمجھ سکیں لہٰذا مزید بحث کیے بغیر وہاں سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔ اپنے گھر آ کر بھی اس کا ذہن وہیں الجھا رہا۔ عابدہ بیگم نے بھی اس کی یہ کیفیت محسوس کرلی اور اس سے اس کی خاموشی کے بارے میں استفسار کیا جواباً اس نے رقیہ آنٹی سے ہونے والی ساری گفتگو ان کے سامنے دہرا دی۔

''میرے خیال میں رقیہ نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔ ایک غریب بیوہ کو جس کی تین تین جوان بیٹیاں ہوں ان حالات میں یہی کچھ کرنا چاہیے تھا ورنہ آگے چل کر اسے مزید پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' انہوں نے اس کی زبانی سب کچھ سن کر تبصرہ کیا۔

''یہ کیا بات ہوئی امی! ان کا غریب یا بیوہ ہونا اتنا بڑا جرم تو نہیں ہے کہ ان کی بیٹیوں سے عام انسانوں کی طرح رہنے کا حق ہی چھین لیا جائے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ طیبہ کی ایک معمولی سی غلطی کی سزا اس کی دوسری بہنیں بھی بھگتیں۔'' وہ ان کی بات سن کر خفا سا ہو گیا۔

''پہلی بات تو یہ کہ طیبہ نے کوئی معمولی غلطی نہیں کی تھی۔ لڑکیوں کی ایسی غلطیاں بعض اوقات نسلوں تک یاد رکھی جاتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ تمہیں اس معاملے میں ...... زیادہ انوالو ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم اریبہ کو پڑھانے کے لیے گئے تھے، بہت اچھا کیا۔ آگے ان کی مرضی کہ انہوں نے انکار کر دیا۔ تمہارا فرض پورا ہو گیا اس لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے...... باقی میں دیکھوں گی کہ رقیہ کو تھوڑا بہت سمجھا سکوں۔'' عابدہ بیگم نے اس کی خفگی کی پروا کیے بغیر نہایت سختی سے اسے ٹوک دیا۔

''یہ کوئی بات نہیں ہوئی امی! رقیہ آنٹی سے ہمارے اتنے پرانے تعلقات ہیں، ہمارا فرض بنتا ہے کہ وہ کچھ غلط کر رہی ہیں تو انہیں اس کا احساس دلائیں۔ طیبہ سے اگر کوئی غلطی ہوگئی ہے تو اس کی سزا باقی دونوں بہنوں کو نہیں ملنی چاہیے یا آپ سمجھتی ہیں کہ وہ دونوں بھی اپنی بہن کی شریکِ جرم ہیں؟'' ماں کے سخت لہجے کے باوجود وہ کلمۂ حق بلند کرنے سے باز نہیں آیا۔

''خدانخواستہ میں کیوں کسی کی بیٹیوں پر بہتان باندھنے لگی۔ اریبہ اور منیبہ دونوں ہی بڑی اچھی اور سمجھدار بچیاں ہیں۔ خصوصاً منیبہ کا مزاج تو بہت ہی سنجیدہ ہے۔ وہ تو طیبہ کو بھی اس کی شوخی اور بے باکی پر

اکثر روکتی ٹوکتی رہتی تھی۔ اگر اس کے علم میں یہ بات ہوتی تو نوبت کبھی یہاں تک نہ آتی، وہ بہت پہلے ہی ماں کو بتا کر مسئلہ حل کر چکی ہوتی لیکن خیر جو ہونا تھا ہو گیا۔ آگے رقیہ کی مرضی ہے کہ وہ اپنے مسائل کو کس طرح حل کرتی ہیں۔ ہم کون ہوتے ہیں ان کے معاملات میں دخل دینے والے؟ اس طرح کی دخل اندازی کرتے ہوئے وہی لوگ اچھے لگتے ہیں جن کے پاس مسئلے کا کوئی حل ہو۔‘‘ اسے باز نہ آتا دیکھ کر انہوں نے ایک اور زاویے سے سمجھایا لیکن اس کے ہاتھ ایک اچھا پوائنٹ آ گیا سو آہستہ سے بولا۔

’’ہم رقیہ آنٹی کا کم از کم ایک مسئلہ تو حل کر ہی سکتے ہیں۔‘‘

’’کیا مطلب ہے تمہارا؟‘‘ عابدہ بیگم نے اسے گھورا۔

’’میرے خیال میں آپ میرا مطلب سمجھ رہی ہیں۔ آپ اس دن کہہ رہی تھیں کہ انیلا کی رخصتی کے بعد آپ کو اکیلے گھر سنبھالنے میں دشواری ہو گی اس لیے اسے رخصت کرنے کے ساتھ ساتھ آپ بہو بھی گھر لے آئیں گی تو اس کے لیے منیبہ بہت مناسب رہے گی۔ وہ تمیزدار اور سلیقہ شعار لڑکی ہے۔ ابھی آپ بھی اس کی تعریف کر رہی تھیں۔‘‘ آخر کار وہ بہت دنوں سے دل میں دبی بات زبان پر لے ہی آیا۔

’’ہرگز نہیں...... میرا دماغ خراب نہیں ہے کہ منیبہ کو اپنی بہو بنا لوں۔‘‘ انہوں نے فوراً ہی بہت سختی سے انکار کر دیا۔

’’لیکن کیوں امی...... منیبہ آپ کی دیکھی بھالی لڑکی ہے اور آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ وہ گھر سنبھالنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔‘‘ اسے ان سے اتنے صاف انکار کی امید نہیں تھی اس لیے کچھ حیران ہو کر انہیں سمجھانے لگا۔

’’دیکھو عادل مجھ سے بحث مت کرو، تم میرے اکلوتے بیٹے ہو اور میں تمہاری شادی دیکھ بھال کر کسی اچھے خاندان میں کرنا چاہتی ہوں۔‘‘

’’اچھے خاندان سے آپ کی مراد کہیں [illegible] والے لوگ تو نہیں ہیں؟‘‘ اسے گمان ہوا کہ دیگر سی ماؤں کی طرح کہیں اس کی ماں بھی اپنے اکلوتے ہونہار بیٹے کو کیش کروانے کا ارادہ نہ رکھتی ہو اس [illegible] کچھ تیکھے لہجے میں پوچھا۔

’’لاحول ولا قوۃ ...... تم نے مجھے ایسا لالچی [illegible] رکھا ہے کیا! جو کچھ ہمارے پاس ہے اسے بہت [illegible] سمجھتی ہوں۔ مجھے روپے پیسے سے کوئی غرض نہیں [illegible] لیکن لوگ عزت دار تو ہونے چاہئیں۔ رقیہ [illegible] خاندان میں رشتہ جوڑ کر میں لوگوں کو کیا بتاؤں کی لڑکی کا اکلوتا بھائی نشے کی زیادتی کی وجہ سے آوارہ کتوں کی طرح جان سے گیا اور بہن پڑوسی سے [illegible] مٹکا کرنے کے جرم میں بھری محفل میں بے عزت ہوئی۔ نہ بابا نہ مجھے نہیں جوڑنی ایسی رشتے داری۔‘‘ انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

’’کتنے افسوس کی بات ہے امی...... [illegible] تو آپ کے رقیہ آنٹی سے بہنوں جیسے تعلقات ہیں [illegible] بے چاری تو آپ کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتیں [illegible] آپ پیٹھ پیچھے ان کے بارے میں ایسے خیالات [illegible] ہیں۔‘‘ اس نے ماں کو ملامت کی۔

’’وہ تو اس کی بیوگی اور تنہائی کا خیال کر کے اس سے ہمدردی کرتی تھی لیکن اس کا یہ مطلب تو [illegible] کہ میرے بیٹے کو اپنی بیٹی کے لیے گھیر لے۔‘‘ انہوں نے شرمندہ ہونے کے بجائے چمک کر جواب دیا۔

’’اب آپ بہتان لگا رہی ہیں۔ رقیہ آنٹی نے کچھ نہیں کہا۔ ان لوگوں کو تو کچھ معلوم ہی نہیں ہے تو میں نے آپ کو اپنے دل کی بات بتا دی کہ ماں [illegible] بڑھ کر کون ہو گا جو اولاد کی خوشی کو سمجھ سکے۔‘‘ بلند آواز سے ان کے الزام کی تردید کرتے کرتے آخر میں [illegible] کا لہجہ خود بخود بے حد دھیما اور افسردہ ہو گیا۔

’’تم صحیح کہہ رہے ہو کہ ماں سے بڑھ کر اولاد [illegible]

خوشی کسی کو پیاری نہیں ہوتی لیکن اگر اولاد غلط سمت میں قدم بڑھائے تو ماں کا فرض ہے کہ اسے روکے اور صحیح راستے کی طرف رہنمائی کرے۔ منیبہ کتنی ہی اچھی صحیح لیکن اس کا ساتھ تمہارے لیے خوشیوں سے زیادہ مسائل لے کر آئے گا۔ اس کے میکے میں اتنے مسئلے ہیں کہ وہ کبھی تمہیں اور تمہارے گھر کو بھرپور توجہ نہیں دے پائے گی۔ آج تمہیں ان لوگوں سے ہمدردی ہو رہی ہے لیکن کل جب سکون کے لیے ترسو گے تو خود ہی پریشان ہو جاؤ گے۔ اس رشتے سے انکار کا دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ میں تمہاری خوشی کے لیے انیلا کی آئندہ زندگی میں کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرنا چاہتی...... اس کی منگنی والے دن غزالہ نے وہاں جو ہنگامہ کیا تھا وہ اس کے سسرالیوں نے بھی دیکھا تھا۔ اگر میں تمہارا رشتہ منیبہ سے کر دیتی ہوں تو کل کو اس کی سسرال والے اسے طعنہ دے سکتے ہیں کہ اس کی بھاوج کا تعلق کیسے گھٹیا خاندان سے ہے۔ ویسے بھی میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ تھوڑے نازک مزاج لوگ ہیں جو اس قسم کی باتوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کل کو وہ انیلا کو یہ کہہ کر میکے آنے سے روک سکتے ہیں کہ تمہاری بھاوج جس قسم کے بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتی ہے ہم تمہارا اس سے میل جول مناسب نہیں سمجھتے پھر سوچو کہ ہم کیا کریں گے؟ کیا تم اپنی خواہش کی خاطر اپنی اکلوتی بہن کی خوشیوں کو برباد کر سکتے ہو؟‘‘ وہ ایسے ایسے نکات نکال کر اسے سمجھا رہی تھیں کہ جن کا وہ تصور بھی نہیں کر سکا تھا۔

’’آپ بہت عجیب باتیں کر رہی ہیں امی......! میں تو آپ کی باتوں سے صرف اتنا سمجھ سکا ہوں کہ آپ کو منیبہ میں کوئی برائی نظر نہیں آ رہی لیکن آپ دنیا والوں کے ڈر سے اس رشتے سے انکار کر رہی ہیں۔‘‘

’’تم یہی سمجھ لو بیٹا...... دنیا میں رہنا ہے تو دنیا والوں کا خیال بھی کرنا پڑے گا۔ تم بس مجھ پر اتنا بھروسا رکھو کہ میں تمہاری ماں ہوں اور میرا ہر فیصلہ تمہاری بھلائی کے لیے ہی ہے۔‘‘ انہوں نے گویا بحث کی گنجائش ہی ختم کر دی اور اتنا تو عادل بھی جانتا تھا کہ اگر اس کی ماں ایک بار کی بحث کے بعد قائل نہیں ہو سکی تھیں تو اس کا مطلب تھا کہ ان سے کتنی ہی بار اس موضوع پر گفتگو کی جائے نتیجہ یہی نکلے گا اس لیے اب خاموشی ہی مناسب تھی۔

☆☆☆

’’رقیہ آنٹی نے منیبہ کا رشتہ طے کر دیا ہے۔ انہوں نے مجھے تصویر دکھائی تھی، مجھے تو وہ آدمی منیبہ کے حساب سے بالکل اچھا نہیں لگا۔ چالیس سال سے تو زیادہ ہی عمر ہو گی اس کی۔‘‘ عابدہ بیگم سے اس کی گفتگو کے کوئی ڈیڑھ ماہ بعد اس کے کانوں نے منیبہ سے متعلق کوئی خبر سنی تھی اور وہ بھی ایسی کہ دل افسردہ ہو گیا۔ اس ڈیڑھ ماہ میں اس نے منیبہ سمیت اس کی کسی بہن کی جھلک تک نہیں دیکھی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ رقیہ آنٹی بڑی سختی سے اپنے فیصلے پر قائم تھیں اور حقیقتاً انہوں نے اپنی تینوں بیٹیوں کو گھر کی چار دیواری میں محدود کر دیا تھا اور اب انیلا جو خبر سنا رہی تھی اس کے بعد یہ بھی تصدیق ہو گئی تھی کہ وہ اپنے کہے کے مطابق بیٹیوں کو کسی بھی طرح ٹھکانے لگانے کے ارادے پر نہ صرف قائم تھیں بلکہ عملی طور پر بھی ایسا ہی کر رہی تھیں۔

’’کوئی اتنی زیادہ عمر نہیں ہے۔ میں نے بھی لڑکے کی تصویر دیکھی ہے۔ اچھا بھلا ہے پھر یہ کیا کم ہے کہ رقیہ کے رشتے داروں میں ہی سے ہے اور بغیر کسی قسم کے جہیز کے تین کپڑوں میں نکاح پڑھوا کر لڑکی لے جانے کو تیار ہے۔ رقیہ تو بہت مطمئن تھی کہ اس کا اتنا بڑا مسئلہ اتنی آسانی سے حل ہو گیا۔ ہو سکتا ہے ایک آدھ مہینے میں وہ منیبہ کو رخصت بھی کر دے۔ تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے الٹی سیدھی باتیں کر کے منیبہ کا دل خراب کرنے کی۔‘‘ انیلا کی دی گئی اطلاع پر عابدہ بیگم نے فوراً ہی اپنا ردعمل ظاہر کیا کہ مبادا کہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

منیبہ کے ساتھ زیادتی کا سن کر عادل کی رگِ ہمدردی ایک بار پھر پھڑک جائے۔ ویسے بھی اس کے خاموشی اختیار کر لینے کے باوجود وہ اس کی طرف سے تشویش کا ہی شکار تھیں۔ اس عرصے میں اس نے اپنی مصروفیت بہت بڑھالی تھی اور صبح کا نکلا رات گئے ہی واپس آتا تھا۔ انہوں نے سب کچھ سمجھتے ہوئے اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ تو اتنی محتاط تھیں کہ اپنے اور عادل کے درمیان ہونے والی گفتگو کی خلیل صاحب اور انیلا تک کو ہوا نہ لگنے دی کہ کہیں گھر میں اس کا کوئی اور طرف دار پیدا نہ ہو جائے بلکہ انہوں نے اس بات پر شکر ہی کیا تھا جس روز عادل سے ان کی وہ گفتگو ہوئی خلیل صاحب اور انیلا گھر پر موجود نہیں تھے۔

''میرے خیال میں امی آپ نے چشمہ لگائے بغیر ہی وہ تصویر دیکھی ہوگی جبھی اتنے بڑے آدمی کے لیے لڑکے کا لفظ استعمال کر رہی ہیں لیکن منیبہ کی نظریں بالکل ٹھیک ہیں اور میرے کچھ کہے بغیر بھی وہ جانتی ہے کہ آنٹی اس کی شادی کسی ''بابے'' سے کر رہی ہیں۔'' انیلا کو کون باز رکھ سکتا تھا۔ جو دل میں تھا اس نے کہہ ڈالا۔

''تمہیں ضرورت نہیں ہے اس معاملے میں دخل دینے کی۔ رقیہ، منیبہ کی ماں ہے۔ اس نے کچھ سوچ سمجھ کر یہ رشتہ طے کیا ہوگا۔ منیبہ ماں کی فرمانبردار ہے کبھی کوئی اعتراض نہیں کرے گی لیکن تم......'' انہوں نے دانت کچکچاتے ہوئے اسے گھورا۔ ''تم کبھی میری بات مت ماننا، میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تمہیں وہاں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری اپنی شادی قریب ہے۔ تیرے میرے گھر جھانکنے کے بجائے اپنی تیاری کی طرف توجہ دو۔ ویسے بھی معلوم نہیں کہ تمہاری سسرال والے کن لوگوں سے تمہارا ملنا پسند کریں اور کن سے نہیں۔ تمہیں خود ہی پہلے سے محتاط ہو جانا چاہیے۔'' انہوں نے انیلا کو جھڑک کر رکھ دیا تو وہ منہ بسورتے ہوئے خاموشی سے کھانا کھانے لگی لیکن عادل کے لیے یہ سننے کے بعد حلق سے نوالہ نیچے اتارنا ممکن نہیں رہا تھا چنانچہ وہ چپکے سے اٹھ گیا۔ منیبہ سے کسی قسم کا عہد و پیماں نہ کرنے کے باوجود اس وقت وہ خود کو اس کا مجرم سمجھ رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ وہ پیاری لڑکی ایسے جیون ساتھی کی حق دار نہیں تھی جس کا انتخاب عجلت میں، مصلحتوں کے تحت کیا گیا تھا لیکن وہ سوائے اس کے لیے دکھی ہونے کے کر بھی کیا سکتا تھا۔ اس کی تربیت ہی اس طرح سے کی گئی تھی کہ وہ ایک حد سے آگے جا کر کسی بھی شے کے لیے ضد کرنے کا عادی نہیں تھا اور یہاں تو یہ حقیقت بھی اس کے سامنے تھی کہ اگر اس نے ضد کر کے کسی طرح منیبہ سے شادی کی خواہش منوا بھی لی تو منیبہ کو اس گھر میں کوئی خوشی نہیں مل سکے گی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی بے شمار خوبیاں رکھنے والی ماں میں یہ بہت بڑی برائی موجود تھی کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف ہونے والی کسی بات کو کبھی قبول نہیں کر پاتی تھیں۔ منیبہ ان کی مرضی کے خلاف بہو بن کر اس گھر میں آجاتی تو وہ اس کا ناطقہ بند کر دیتیں اس لیے بہتر یہی تھا کہ وہ اپنی خواہش سے ہی دستبردار ہو جاتا لیکن دل کے ملال کا کیا کرتا، دل کو اداس ہونے سے روکنا اس کے بس میں نہیں تھا...... ہاں اگر منیبہ کی شادی کسی بہت اچھی جگہ ہو رہی ہوتی تو دوسری بات تھی وہ اتنا دکھ محسوس نہ کرتا۔ اب تو دوہری تکلیف تھی ایک طرف منیبہ کو نہ پاسکنے کا غم تھا تو دوسری طرف اس کی بربادی کا رنج...... دل ہی دل میں یہ درد سہتا وہ کچھ اور اپنے خول میں سمٹ گیا۔ عابدہ بیگم اس کی کیفیت کو خوب سمجھ رہی تھیں اس لیے ضرورت سے زیادہ مستعدی دکھائی اور انیلا کے سسرالی عزیزوں میں سے کسی کی لڑکی پسند کر کے منیبہ کے نکاح سے ایک ہفتہ قبل اس کی منگنی کر ڈالی اور ساتھ ہی ضرورت سے زیادہ روشن خیالی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ انتظام بھی کر ڈالا کہ عادل کی اپنی منگیتر سے گفت و شنید اور ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان کے خیال میں اس طرح عادل کو منیبہ کا غم بھول کر جلد بہلنے میں مدد ملتی۔ تین چار ماہ بعد ویسے بھی

شادی ہونی ہی تھی اس لیے اتنی آزادی دینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ان کی یہ تدبیر خاصی کارگر رہی۔ عادل واقعی بہلنے لگا اور اس نے خود پر جو قنوطیت سی طاری کر لی تھی وہ بھی دور ہوتی محسوس ہونے لگی۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ منیبہ اپنے شوہر کے گھر رخصت ہو چکی تھی اور اب ایسی کوئی آس نہیں رہی تھی کہ وہ اسے پاسکے گا اس لیے وہ حالات کے ساتھ خود کو ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عابدہ بیگم خاموشی سے ان تبدیلیوں کو دیکھتی کافی مطمئن ہو چکی تھیں اور پوری تندہی سے بیٹے اور بیٹی کی شادی کی تیاریاں کرنے میں مصروف تھیں لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک بہت بڑا حادثہ ان کا منتظر ہے جس کے بعد ان کا سارا اطمینان رخصت ہو جائے گا۔

☆☆☆

وہ ایک معمول کا دن تھا۔ خلیل صاحب اپنی دکان اور عادل آفس میں تھا۔ انیلا گھر کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھی جبکہ عابدہ بیگم جلدی جلدی رات کا کھانا تیار کرنے کی کوشش میں تھیں۔ انہیں کپڑوں اور زیورات کی خریداری کے سلسلے میں بازار جانا تھا اس لیے چاہتی تھیں کہ گھر کا کام جلد از جلد نمٹ جائے تاکہ بعد میں وہ بے فکری سے خریداری کر سکیں۔ انیلا کو اپنے رنگ روپ کی بہت فکر رہتی تھی اس لیے وہ لوگ دوپہر کے بجائے شام کے وقت خریداری کے لیے نکلتے تھے اور واپس گھر آتے آتے رات ہو جاتی تھی اس لیے ضروری تھا کہ جانے سے پہلے رات کا کھانا تیار کر کے جائیں کیونکہ واپس آنے کے بعد تو اتنی تھکن ہو جاتی تھی کہ کچھ کرنے کی ہمت ہی نہیں رہتی۔ دوسرے کھانا تیار ہونے کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ اگر انہیں زیادہ دیر ہو جاتی تو خلیل صاحب اور عادل ان کے انتظار کی زحمت کیے بغیر خود ہی کھانا کھا لیتے تھے۔

''انیلا تمہیں آواز نہیں آرہی کب سے فون کی گھنٹی بجے جارہی ہے۔'' کانوں پر ہیڈ فون چڑھائے اپنے کام میں مگن انیلا کے سر پر آکر عابدہ بیگم چلائیں...... جو فون کی آواز سن کر آٹا گوندھتے کچن سے آئی تھیں تو اسے ہوش آیا۔ اسے گھر کو صاف ستھرا رکھنے کا خبط تھا اور اس چکر میں وقت بے وقت ہیڈ فون لگا کر گانے سنتے ہوئے صفائی میں مصروف رہتی تھی۔ عابدہ بیگم نے خفگی کا اظہار کیا وہ ہیڈ فون ایک طرف ڈال کر فون کی طرف لپکی۔ ریسیور اٹھانے پر دوسری طرف سے جانے کیا خبر سنائی گئی کہ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''کیا ہوا...... کس کا فون ہے؟'' اس کے تاثرات دیکھ کر عابدہ بیگم کا ماتھا ٹھنکا۔

''امی ...... چھوٹے ماموں کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' اس نے لرزتی آواز میں ماں کو خبر سنائی۔

''یا اللہ خیر...... کہاں چوٹیں آئی ہیں۔ وہ ہے کس اسپتال میں؟ اپنے ابو کو فون کرو ہم ابھی اسے دیکھنے چلتے ہیں۔'' وہ انیلا سے کہہ کر جیسے تیسے ہاتھ دھو کر دوبارہ فون کے پاس آئیں۔ انہیں اپنا چھوٹا بھائی دل و جان سے عزیز تھا اور وہ اس کے ایکسیڈنٹ کی خبر

خوشخبری

طلسماتی انگوٹھی ایک عظیم تحفہ ہے۔ ہم نے سورۂ یاسین کے نقش پر فیروزہ یمنی، عقیق، پکھراج، لاجورد، نیلم، زمرد، یاقوت پتھروں سے تیار کی ہے۔ انشاء اللہ جو بھی یہ طلسماتی انگوٹھی پہنے گا اس کے تمام بگڑے کام بن جائیں گے۔ مالی حالات خوب سے خوب تر اور قرضے سے نجات مل جائے گی۔ پسندیدہ رشتے میں کامیابی، میاں بیوی میں محبت، ہر قسم کی بندش ختم، رات کو تکیے کے نیچے رکھنے سے لاٹری کا نمبر، جادو کس نے کیا، کاروبار میں فائدہ ہوگا یا نقصان معلوم ہو جائے گا۔ آفیسر اپنی طرف مائل، نافرمان اولاد نیک، میاں کی عدم توجہ، جج یا حاکم کے غلط فیصلے سے بچاؤ، مکان، فلیٹ یا دکان کسی قابض سے چھڑانا، معدے میں زخم، دل کے امراض، شوگر، یرقان، جسم میں مرد و عورت کی اندرونی بیماری، مردانہ کمزوری، ناراض کو راضی کرنے یہ سب کچھ اس انگوٹھی کی بدولت ہوگا۔ یاد رکھو سورۂ یاسین قرآن پاک کا دل ہے۔

رابطہ: صوفی علی مراد

0333-3092826,021-32446647

M-20A الرحمان ٹریڈ سینٹر بالمقابل سندھ مدرسہ کراچی

WWW.PAKSOCIETY.COM

سن کر بھی کوئی انتہائی بات سوچنے کی ہمت نہیں کر سکی تھیں اس لیے دل کی منتشر ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے انیلا کو ہدایات دینے لگیں۔

''ماموں اسپتال میں نہیں ہیں امی، وہ چلے گئے...... ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔'' وہ دہاڑیں مار کر روتے ہوئے ان سے لپٹ گئی پھر تو جیسے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے ان کی دل دوز چیخیں اور رونے کی آوازیں سن کر پاس پڑوس والے دوڑے آئے۔ صورتِ حال جاننے پر سب نے اپنے طور پر انہیں دلاسا دینے کی کوشش کی لیکن دکھ ایسا تھا کہ انہیں اپنے ہوش و حواس قائم رکھنا مشکل لگ رہا تھا۔ محلے والوں میں سے ہی کسی نے خلیل صاحب کو ان کی دکان سے بلوایا اور وہ لوگ عجلت میں گھر سے روانہ ہوگئے۔ جوان بھائی جس کی شادی کو ابھی چھ سات سال ہی گزرے تھے جو دو چھوٹے چھوٹے بچوں کا باپ تھا سفید کفن میں لپٹا چارپائی پر لیٹا تھا۔ ایسی جوان موت پر غیروں کی آنکھیں بھی اشک بار تھیں۔ وہ کیسے گود وں کھلائے ماں جائے کو اس حال میں دیکھ کر اپنی سُدھ بُدھ نہ کھوتیں۔ کس کس نے غم بانٹا، کس نے تسلی دی، کب جنازہ اٹھا انہیں تو کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔ انیلا بھی پیارے ماموں کی ناگہانی موت پر غم سے نڈھال تھی اس پر سے ماں کی حالت نے اسے بوکھلا دیا تھا۔ وہ دوسرے عزیزوں کے ساتھ حواس باختہ سی انہیں سنبھالنے کی سعی کر رہی تھی۔ عادل جسے دفتر میں ہی فون پر اس حادثے کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ وہیں چلا آیا تھا ماں کو تسلی تشفی دیتا رہا۔ بعد نماز عشا ماموں کی نمازِ جنازہ پڑھائی گئی اور پھر انہیں ان کی آخری آرام گاہ تک پہنچا دیا گیا۔ ابھی تدفین کا مرحلہ طے ہی ہوا تھا کہ عادل کے موبائل فون پر اس کے ایک پڑوسی لڑکے کی کال آگئی۔

''عادل بھائی! آپ جلدی سے یہاں پہنچیں، آپ کے فلیٹ میں پتا نہیں کیا مسئلہ ہے، ایسا لگ رہا ہے کہ آگ لگ گئی ہے۔ بری طرح جلنے کی بو آرہی ہے اور دھواں باہر آرہا ہے۔ شاید آنٹی لوگ جلدی میں یہاں سے جاتے ہوئے چولھا بند کرنا بھول گئی تھیں۔'' لڑکے نے اطلاع دی تو عادل عجلت میں گھر کے لیے روانہ ہوگیا۔ اسے پڑوسی لڑکے کا اندازہ درست لگ رہا تھا کہ جس وقت ماموں کے انتقال کی خبر آئی ہوگی چولھے پر کچھ پک رہا ہوگا۔ خبر سننے کے بعد گھبراہٹ اور پریشانی میں کسی کو یہ یاد نہیں رہا ہوگا کہ چولھا جل رہا ہے اور اس جلتے چولھے نے اپنا کام دکھانا شروع کر دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ بہت زیادہ نقصان ہوجاتا وہ جلد سے جلد گھر پہنچ جانے کی کوشش میں تھا اور عادت کے برخلاف بہت تیز رفتاری سے بائیک دوڑا رہا تھا۔ ماموں کے کفن دفن کی مصروفیت میں اسے یہ بھی نہیں معلوم ہوسکا تھا کہ گھر جانے کے لیے اسے جس راستے سے گزرنا ہے وہاں دہشت گردی کی فائرنگ کی وجہ سے حالات کشیدہ ہیں۔ پبلک ٹرانسپورٹ غائب دیکھ کر بھی اسے دھیان نہیں آیا۔ اصل میں وہ خود بھی اپنے چھوٹے ماموں سے بہت زیادہ اٹیچڈ تھا۔ عمروں میں بہت زیادہ تفاوت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی آپس میں خاصی دوستی تھی اس لیے ان کی اچانک موت نے اسے بھی گہرے صدمے سے دوچار کیا تھا اور دیکھا جائے تو اس کے اپنے حواس بھی پوری طرح کام نہیں کر رہے تھے اس لیے وہ راستے میں کہیں کھڑے پولیس والوں کا ٹارچ سے کیا گیا اشارہ بھی نہیں دیکھ سکا اور بائیک کو اسی رفتار سے دوڑاتا رہا لیکن اس کے نصیب میں مزید آگے جانے کے بجائے دوسری دنیا میں جانا لکھا تھا۔ اس نے بائیک نہیں روکی تو پولیس والوں نے اسے دہشت گرد جان کر فائر کھول دیا۔ کئی گولیاں اس کی پشت پر لگیں اور وہ پوری رفتار سے دوڑتی بائیک سے گرا تو پھر دوبارہ نہ اٹھ سکا۔

☆☆☆

عادل کی موت اس کی ذرا سی غلطی اور پولیس

WWW.PAKSOCIETY.COM

والوں کی عجلت کی وجہ سے ہوئی تھی۔ وہ چاہتے تو اس پر ڈائریکٹ فائر کھولنے کے بجائے اس کا تعاقب کر کے اسے زندہ گرفتار کرنے کی کوشش بھی کر سکتے تھے یا فائر کرنا ہی تھا تو اس کی بائیک کے پہیے کو نشانہ بناتے لیکن انہوں نے جو کرنا تھا کر گزرے اور کمال تو یہ تھا کہ بعد میں حقائق سامنے آنے پر بھی انہوں نے اپنی غلطی تسلیم نہیں کی اور عادل کے پاس سے جانے کہاں سے اسلحہ اور دھماکا خیز مواد برآمد کر کے اسے دہشت گرد ثابت کر دیا یہاں تک کہ اس کا بدنام زمانہ دہشت گرد تنظیم سے تعلق بھی جوڑ ڈالا...... عادل کے اہلِ خاندان نے میڈیا کے ذریعے اس ساری کہانی کو جھوٹ کا پلندا ثابت کرنے کی اپنی سی کوشش کی لیکن ان کی یہ کوشش نقار خانے میں طوطی کی آواز ثابت ہوئی۔ ویسے بھی حالات اتنے مخدوش تھے کہ ظلم و زیادتی کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو اپنی گردن بچانا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ اس لیے قریبی جاننے والوں کے علاوہ کسی کو عادل پر لگے جھوٹے الزامات کی حقیقت کا علم نہ ہو سکا۔ اس حادثے نے خلیل صاحب کے شانے جھکا ڈالے۔ انیلا کے ہونٹوں پر خاموشی کا قفل لگ گیا جبکہ عابدہ بیگم کا تو وہ حال ہوا کہ وہ نہ زندوں میں رہیں نہ مردوں میں...... عادل کی موت کی خبر ان کے حواس پر بجلی بن کر گری اور انہیں اتنا زبردست ہارٹ اٹیک ہوا کہ وہ مہینہ بھر تو اسپتال سے واپس ہی نہ آ سکیں۔ واپس آئیں تو بس ایسی حالت میں کہ گویا ان کے نحیف جسم میں سانسیں ڈال کر انہیں جینے کی سزا دے دی گئی ہو۔

غم کے ان لمحات میں ان کے پڑوسیوں نے ہی بڑھ چڑھ کر دل جوئی کی۔ یہ پڑوسی ہی تھے جنہوں نے فون کرنے کے باوجود عادل کے آنے میں تاخیر ہوتی دیکھی تو گھر کا دروازہ توڑ کر وہاں لگی آگ بجھائی ورنہ شاید وہ بیٹے کے ساتھ ساتھ تنکا تنکا جوڑ کر بنائے گئے آشیانے سے بھی محروم ہو چکی ہوتیں۔ طیبہ والے واقعے کے بعد خود کو گھر تک محدود کر لینے والی رقیہ نے بھی اس موقع پر ان کا بھرپور ساتھ دیا اور نہ صرف خود مزاج پرسی کے لیے آتی رہیں بلکہ عابدہ بیگم کے گھر کے کام کاج نمٹانے کے لیے اریبہ کو بھی باقاعدگی سے وہاں بھیجتی رہیں۔ ان حالات میں انیلا کے سسرالیوں کا رویہ البتہ بہت عجیب تھا۔ وہ لوگ صرف عادل کی میت میں شرکت کے لیے آئے تھے اس کے بعد نہ تو انہوں نے اسپتال جا کر عابدہ بیگم کی عیادت کرنا ضروری سمجھا اور نہ ہی فون پر مزاج پرسی کی...... عابدہ بیگم کو تو خیر اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ البتہ خلیل صاحب کو ہی خیال آیا کہ بیٹی کے متوقع سسرالیوں کے اس رویے کی جانچ پڑتال کی جائے۔ ان کے احساس دلانے پر عابدہ بیگم کے اسپتال سے گھر واپس آنے کے پندرہ دن بعد ان لوگوں کو کھانے پر گھر آنے کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے کھانے کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن عندیہ دیا کہ شام کے وقت انیلا کی ساس اور سسر ملاقات کے لیے آئیں گے۔ انیلا نے ماں کے کہنے پر اریبہ کے ساتھ مل کر چائے کے ساتھ کئی لوازمات تیار کر لیے۔ بھائی کی موت نے اس کے مزاج کی ساری شوخی چھین لی تھی اور پہلے کی طرح وہ گھر کے معاملات میں شوق سے دلچسپی نہیں لیتی تھی۔ خلیل صاحب کا خیال تھا کہ اس کی سسرال والوں سے بات کر کے اسے مقررہ وقت پر رخصت کر دیں تاکہ کم از کم وہ تو اس جمود سے نکلے۔ وہ اپنے گھر میں ہنسی خوشی رہتی تو شاید ان میاں بیوی کو بھی کچھ سکون ملتا ورنہ عادل کے بعد تو ان کے اندر سے زندہ رہنے کی خواہش ہی مر گئی تھی لیکن انیلا کے ساس سسر آئے تو ان کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ان میاں، بیوی کی خوش دلی کے مقابلے میں وہ دونوں بہت سرد مہری سے ملے اور انیلا کی بہت اہتمام سے سرو کی گئی چائے کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

''معاف کیجیے گا بھائی صاحب! اب ہم آپ

کی بیٹی سے یہ رشتہ قائم رکھنے میں انٹرسٹڈ نہیں ہیں۔ ہم یہ بات آپ کو پہلے ہی بتا دیتے لیکن یہ سوچ کر چپ رہے کہ آپ لوگ اتنے بڑے صدمے سے گزر رہے ہیں۔ ذرا سنبھل جائیں تو آپ کو بتایا جائے۔'' چائے اور دیگر لوازمات کے لیے ان کے بے پناہ اصرار کو نظر انداز کرتے ہوئے لڑکے کی والدہ مسز راشدی نے یہ بات کہی... تو عابدہ بیگم اور خلیل صاحب کی سماعتوں پر بم آ گرا۔

''لیکن کیوں بہن جی! ہم سے ایسی کیا غلطی ہو گئی؟'' آخر کار خلیل صاحب نے ہی ہمت کر کے ان سے پوچھا۔

''بات کسی کی غلطی کی نہیں بلکہ حالات کی ہے۔ جن حالات میں آپ کے بیٹے کی موت ہوئی ہے...... ہمارے لیے ممکن نہیں رہا ہے کہ آپ کی بیٹی کو بیاہ کر اپنے گھر لے جا سکیں۔ ہم عزت دار لوگ ہیں اور ایسی لڑکی کو بہو نہیں بنا سکتے جس کے بھائی پر دہشت گردی کا الزام ہو۔'' انہوں نے گلا کھنکھارتے ہوئے نہایت صاف گوئی سے وجہ بتائی۔

''لیکن آپ لوگ جانتے ہیں کہ وہ الزام غلط تھا۔ میرے بیٹے پر ظلم ہوا تھا اور وہ صرف غلط فہمی کی وجہ سے مارا گیا۔'' خلیل صاحب نے تڑپ کر صفائی پیش کی۔

''یہ تو آپ کہہ رہے ہیں ناں، شاید آپ کی بات صحیح بھی ہو لیکن ساری دنیا یہی جانتی ہے کہ وہ ایک دہشت گرد تھا اور ظاہر ہے ہمیں دنیا والوں کے ساتھ ہی رہنا ہے، اس لیے ان کا خیال تو کرنا ہی پڑے گا ورنہ آگے ہمیں اپنی بیٹیاں بیاہتے ہوئے مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' مسز راشدی کے جملے عابدہ بیگم کے دماغ پر ہتھوڑے سے لگتی ضربوں کی طرح لگے۔ یہی کچھ تو انہوں نے بھی اس وقت کہا تھا جب عادل نے ان سے منیبہ کے لیے خواہش ظاہر کی تھی۔ انہوں نے بھی تو منیبہ جیسی اچھی لڑکی کو صرف اس لیے ٹھکرا دیا تھا کہ اس کا بھائی نشے کے باعث مر گیا تھا اور بہن پڑوسی سے معاشقہ کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی۔ اگر وہ منیبہ کو کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے رد کر سکتی تھیں تو مسز راشدی انیلا کو ٹھکرانے میں حق بجانب کیوں نہیں تھیں۔

''پلیز راشدی صاحب! آپ ہی اپنی بیگم کو سمجھائیں، میرا بیٹا بے قصور تھا اور اگر فرض کیا کہ اس کی کوئی غلطی تھی بھی تو اس کے جرم کی سزا میری بے گناہ معصوم بیٹی کو تو نہیں ملنی چاہیے۔'' خلیل صاحب اب راشدی صاحب کے سامنے گڑگڑا رہے تھے۔ اب تک خاموش بیٹھی عابدہ بیگم کو ان کی آواز کہیں بہت دور پاتال سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

''مجھے افسوس ہے خلیل صاحب...... لیکن ہم لوگوں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور گھر میں باہم سب سے مشورہ کر کے ہی یہاں آئے ہیں۔ اللہ کرے کہ آپ کی بیٹی کو کوئی دوسرا بہت اچھا رشتہ مل جائے ہماری طرف سے البتہ صاف انکار ہے۔'' وہ دونوں میاں، بیوی فیصلے کی تلوار چلا کر چلے گئے۔ خلیل صاحب اس ظلم پر یوں پھوٹ پھوٹ کر روئے کہ شاید جوان بیٹے کی موت پر بھی ایسا نہیں روئے ہوں لیکن عابدہ بیگم کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہیں ٹپکا۔ وہ رونے کے لائق تھیں ہی نہیں۔ ان کے ذہن میں تو منیبہ اور انیلا کے چہرے گڈمڈ ہو رہے تھے۔ انہیں یاد آ رہا تھا کہ کیسے منیبہ لاش کی طرح لٹھے جیسا سفید چہرہ لیے اس ادھیڑ عمر آدمی کے ساتھ ماں کے گھر سے رخصت ہوئی تھی شاید ایسا ہی انیلا کے ساتھ ہونے والا تھا لیکن وہ کہاں جا کر دہائی دیتیں کہ یہ منصفانہ فیصلہ تو یقیناً اوپر کہیں آسمانوں میں ہوا تھا۔ قدرت انسان سے کبھی اس طرح بھی تو انتقام لیتی ہے کہ اس کے کیے گئے گناہ کی سزا اس کی اولاد کو دے کر اسے ساری زندگی کے لیے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ عابدہ بیگم بھی اس عذاب میں مبتلا کر دی گئی تھیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

زندگی

ناہید سلطانہ اختر

نوک شمشیر پہ یوں ہم نے گزارے لمحے
کانچ کی آنکھوں سے خوابوں کا گزر ہو جیسے

قسط 12

زندگی میں جہاں رشتے ناتے اور روابط بہت اہم ہوا کرتے ہیں ...وہیں ایک دوسرے کے مثبت رویے بھی کسی خاندان کے لیے مضبوط ستون کا درجہ رکھتے ہیں ... مگر ہمیں بہت سے لوگ، بہت سے مواقع ایسے ضرور ملتے ہیں ... جب محبت دستک دیتی ہے ...اور اس کی خوشبو میں روشنی کی تابناکی بھی ہوا کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ... مکر و فریب ... سفاکی اور تنگ نظری کے سائے ...ازل سے محبت کرنے والوں کے دشمن رہے ہیں اور زندگی بھی یہی ہے کہ کبھی کبھی ترپ کی دگی بھی حکم کے اکے کو کاٹ دیا کرتی ہے ...

ہماری مایہ ناز مصنفہ ناہید سلطانہ اختر کے قلم سے ایک شاہکار ناول

جس کی سطر سطر میں زندگی سفر کرتی نظر آئے گی

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

دولت خان آفریدی تھے اور ماہتاب شنواری...... دولت خان کی پہلی منکوحہ بی بی جان تھیں۔ بی بی جان کی پہلی شادی دولت خان کے بڑے بھائی رحمت خان آفریدی سے ہوئی۔ دولت خان کو اس نئے رشتے سے ایسی شرم آئی کہ وہ بغیر بتائے کراچی آگئے اور آٹھ نو سال ایک پلمبرنگ کے استاد کے پاس رہے۔ پھر ایک ریکروٹنگ ایجنسی کے توسط سے کویت جانے کا موقع مل گیا۔ حجاب نے ایم اے بی ایڈ کیا اور وہ ایک محکمہ تعلیم میں سولہ گریڈ کی آفیسر تھی پھر پبلک سروس کمیشن کے توسط سے خود کو ہیڈ مسٹریس کی اسامی کا اہل ثابت کیا۔ ایک ثانوی تعلیمی ادارے میں حجاب کا تقرر کیا گیا۔ رباب انجینئر بننے جارہی تھی۔ تقدیم، تسنیم کے موبائل پر مدثر کے میسج پڑھ لیتی ہے اور سب کچھ ابا کو بتادیتی ہے، تسنیم یونیورسٹی کے بہانے مدثر کے ساتھ جاکر کورٹ میرج کرلیتی ہے۔ تقدیم ابا کو بتاتی ہے کہ تسنیم نے کورٹ میرج کرلی ہے۔ مدثر یونیورسٹی جانے سے پہلے تسنیم سے مل کر جاتا ہے تو یونیورسٹی میں تقدیم کو اپنا منتظر پاتا ہے۔ حجاب کے نکاح کی تقریب گھر کے بجائے الطاف کے کہنے پر فائیو اسٹار ہوٹل میں ہوتی ہے۔ تقدیم کے گھر میں مدثر کی کال کا انتظار ہوتا ہے۔ مدثر، تسنیم کو بھیجنے کی حامی بھر لیتا ہے اور پھر اپنی والدہ کو اپنی کورٹ میرج کے بارے میں بتاتا ہے۔ زیتون نے تقدیم کے لیے عباد کا رشتہ بتایا تو اماں رضامند ہوگئیں کہ وہ لوگ لڑکی کو دیکھنے آجائیں۔ تسنیم گھر واپس آکر اپنے کمرے میں رہ رہی ہے لیکن کوئی اس سے بات چیت نہیں کرتا بس اس کو کھانا دے دیتے ہیں، رات میں اسے پیاس لگتی ہے تو وہ دروازہ کھولنا چاہتی ہے لیکن دروازہ باہر سے بند تھا۔ حجاب کا فون بند ہونے پر الطاف امی کے فون پر کال کرتا ہے لیکن حجاب بات نہیں کرتی۔ تسنیم مدثر سے کہتی ہے کہ وہ اپنی امی کو بھیجے۔ حجاب کی امی الطاف کی بہن سے بات کرتی ہیں تو وہ سب لوگ ان کے گھر آجاتے ہیں اور بسمہ کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ اکیڈمی میں پاسنگ آؤٹ کی تیاریاں ہورہی تھیں۔ مونس کو آؤٹ پاس نہیں ملتا تو صبور احمد پوری فیملی کے ساتھ کاکول آگئے۔ زیتون ان کو عباد کے لیے جو لڑکی دکھاتی ہے وہ انہیں بہت پسند آتی ہے لیکن عباد کو ان کی غربت پر اعتراض ہوتا ہے۔ امی اسے منع کرنے سے انکار کرتی ہیں تو عباد جہیز کی لسٹ لکھ کر بھیج دیتا ہے۔ ابا پریشان ہوتے ہیں کہ مدثر نے ابھی تک کوئی پیش رفت کیوں نہیں کی۔ مدثر پریشان تھا کہ ڈیڈی نے وہاں جانے سے منع کردیا تھا۔ تسنیم، مدثر سے بات کرتی ہے تو مدثر کا رویہ اکھڑا اکھڑا سا ہوتا ہے۔ الطاف، حجاب کے اسکول پہنچ جاتا ہے اور اسے ڈراتا ہے کہ اسٹاف کے لوگوں کو بلا کر وہ سب کو بتادے گا۔ تقدیم اور ابا مونس کی پاسنگ آؤٹ کی تقریب میں جاتے ہیں تو صبور احمد اور ان کی فیملی کا بہت اچھی طرح خیال رکھتے ہیں اور واپسی پر ان کو تحائف کے ساتھ رخصت کرتے ہیں۔ تقدیم سمجھ جاتی ہے کہ وہ لڑکی عائزہ ہے جس کی وجہ سے مونس انکار کررہا ہے۔ وہ مونس سے بات کرتی ہے تو مونس کو یہ ڈھارس ہوجاتی ہے کہ اس معاملے کو اب تقدیم سنبھال لے گی۔ تقدیم اماں کو بتادیتی ہے کہ مونس، عائزہ میں انٹرسٹڈ ہے اس لیے وہ خوش بخت کا خیال دل سے نکال دیں۔ عباد اچھی جگہ شادی کرنے کے لیے شادی دفتر میں اپنا اندراج کراتا ہے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوپاتا۔ مدثر، تسنیم کو طلاق بھجواتا ہے بذریعہ رجسٹری تو مونس کو تمام باتوں کا علم ہوتا ہے، تسنیم، مدثر کو فون کرتی ہے تو وہ فون ریسیو نہیں کرتا اور میسج کے ذریعے بتاتا ہے کہ ڈیڈی راضی نہیں ہوئے اس لیے طلاق دینی پڑی۔ مونس، مدثر کا ایڈریس پوچھتا ہے تاکہ اس سے طلاق کی وجہ پوچھ سکے لیکن تسنیم اس کی رہائش سے لاعلمی کا اظہار کردیتی ہے۔ الطاف امی کو دھمکی دیتا ہے اب وہ کورٹ میں مقدمہ دائر کردے گا۔ حجاب کو امی کی سپورٹ ملی تو اس نے خلع کا مقدمہ دائر کردیا۔ عائزہ اور اس کے گھر والے خوش تھے کہ انہیں کسی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ تسنیم کے پریگنٹ ہونے پر ابا نے مدثر کے والد سے بات کی کہ ایک دن کے لیے اسے رخصت کراکے اپنے گھر لے جائیں۔ بہت مشکل سے وہ اس بات کے لیے راضی ہوجاتے ہیں۔ عباد کو ابھی تک وہ گوہر نایاب نہیں ملا تھا جس کی اسے تلاش تھی۔ الطاف نے وکیل کو فون کیا اور اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ یہ کیس نہ لڑے اور حجاب کو کیس واپس لینے پر آمادہ کرلے تو الطاف اسے منہ مانگا معاوضہ دے گا۔ تقدیم اپنے این جی او کے وکیل اویس انصاری کو تسنیم کا کیس بتاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ شرع کے مطابق تسنیم عدت اپنے سسرال میں گزارے گی اس لیے وہ مدثر کے والدین سے بات کرتا ہے اور تسنیم کو ان کے گھر رہنے اور اس کا خرچ اٹھانے پر مجبور کرتا ہے۔ حجاب کے کیس کی پیشی ہوتی ہے اور اگلی پیشی کی تاریخ دو ماہ بعد کی ملتی ہے۔ تسنیم کے مدثر کے گھر آنے پر مدثر ہاسٹل میں شفٹ ہوجاتا ہے۔ تسنیم سمجھتی ہے کہ شاید وہ اس سے کچھ بات کرے گا لیکن جب وہ اس سے نہیں ملتا اور اسے پتا چلتا ہے کہ وہ باہر جارہا ہے تو تسنیم جذباتی ہوکر ایک غلط قدم اٹھا لیتی ہے۔

اب آگے پڑھیں

بات کھل گئی تھی...... اسے کھولنا پڑی تھی...... جب موت سامنے کھڑی دکھائی دے تو اچھے اچھوں کے حوصلے پست ہوجاتے ہیں۔ زندگی کی چاہ زبان پر پڑے سارے قفل کھول دیتی ہے۔ تسنیم کو بھی اپنا کیا اپنی معالج کے سامنے قبولنا پڑا...... جسے خدا رکھے اسے کون چکھے...... بروقت علاج معالجہ بھی خدا کی مشیت ہی سے میسر آیا، نئی زندگی اسقاط سے محفوظ رہی تھی۔

''تم نے ایسی حماقت کیوں کی بی بی؟'' اس کی حالت بہتر ہونے کے بعد اس کی معالج نے پوچھا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

''بولو......؟''

وہ چپ رہی۔

''میری معلومات کے مطابق تمہاری یہ پہلی پریگننسی ہے...... تم نے اسے ضائع کرنے کی کوشش کیوں کی......'' اس کے ہونٹ کپکپائے...... اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر اوندھا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ایزی...... ایزی......'' ڈاکٹر نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی اور اپنے ہمراہ موجود نرس کو آنکھ کے اشارے سے کمرے سے باہر جانے کی ہدایت کی۔

''کیا مسئلہ ہے؟'' ڈاکٹر نے دلسوز لہجے میں پوچھا۔

''اس کا باپ مجھے طلاق دے چکا ہے......'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا...... ''اور اب ملک سے باہر جارہا ہے...... میں اکیلے اس کا بوجھ کیسے اٹھاؤں گی۔'' اس کے آنسوؤں، آواز کی بھراہٹ اور لہجے کے سوز نے ڈاکٹر کا دل برما دیا۔

''بوجھ! تم اولاد کو بوجھ کہہ رہی ہو...... اولاد تو نعمت ہوتی ہے بی بی...... رحمتِ خداوندی...... جو کسی کسی کو نہیں بھی ملتی...... شکر کرو اللہ تمہیں یہ نعمت دے رہا ہے...... ہم دن بھر یہاں بیٹھے دیکھتے رہتے ہیں...... نہ جانے کتنی عورتیں، کتنے مرد...... اولاد کے لیے تڑپتے پھرتے ہیں...... زیادہ نہیں صرف ایک بچہ چاہیے ہوتا ہے انہیں جوان کا اپنا ہو...... اور تم کفرانِ نعمت کررہی ہو۔''

''میں...... میں اکیلی...... جو ہوں۔''

''تم اکیلی نہیں ہو...... تم جیسی نہ جانے کتنی عورتیں ہوں گی اس دنیا میں...... ہمارے اپنے معاشرے میں...... ہمارے اردگرد...... ہمارے آس پاس...... طلاق ہی تو دی ہے نا تمہارے شوہر نے تمہیں...... تمہاری زندگی تو تمہارے اپنے پاس ہے۔''

''ایسی فضول زندگی کا کیا فائدہ ڈاکٹر!'' ڈاکٹر دھیرے سے مسکرائی۔

''زندگی فضول نہیں انمول ہوتی ہے...... چیزوں کو...... حالات کو مثبت انداز میں دیکھنا سیکھو۔''

''نہ کچھ سیکھنے کو جی چاہتا ہے، نہ کچھ کرنے کو۔'' اس کی آواز رقت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''تو پھر کیا جی چاہتا ہے؟''

''مرنے کو......'' ڈاکٹر پھر مسکرادی۔

''کسر تو نہیں چھوڑی تھی تم نے...... بچہ ضائع ہوتا تو ہوتا تمہاری اپنی زندگی کو بھی خطرہ تھا مگر دیکھ لو مرنا بھی آسان نہیں......'' ڈاکٹر نے پل بھر کو توقف کیا پھر انتہائی نرم و رسان لہجے میں بولی۔ ''طلاق واقعی بہت بڑا حادثہ ہوتا ہے، عورت کے لیے مگر حادثہ جتنا بڑا ہو، اتنی ہی جلد اور اسی قدر برداشت کی قوت بھی دیتا ہے رب اپنے

WWW.PAKSOCIETY.COM

بندے کو...... مجھے بھی میرے رب ہی نے ہمت دی۔“ تنیم نے چونک کر ڈاکٹر کو دیکھا۔

”جب میاں بیوی کے رشتے کی بنیاد خلوص پر نہ ہو تو جلد یا بدیر یہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے...... مگر رشتہ ٹوٹنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آدمی خدا سے مایوس ہو جائے...... ہمت کرنا ہوتی ہے، میرا قصور بس اتنا تھا کہ میں نے یکے بعد دیگرے تین بیٹیاں ہی بیٹیاں پیدا کی تھیں...... شوہر کا وارث نہیں پیدا کر پا رہی تھی میں اور میرے شوہر اور اس کی ماں کو اپنی جائداد کا وارث چاہیے تھا...... اور جائداد اتنی تھی کہ تین مرلہ زمین پر دو منزلہ مکان! طلاق کے بعد میں نے اپنی تین بیٹیوں کو اکیلے ہی پالا...... بڑی بیٹی ڈاکٹر ہے، دوسری انجینئر ہے...... تیسری اسکالرشپ پر انگلینڈ گئی ہوئی ہے، بڑی بیٹی کی شادی کر چکی ہوں باقی دو کی بھی انشاء اللہ ہو ہی جائے گی...... کبھی کبھی انسان کو زندگی سے اکیلے ہی جو کھی لڑنا پڑتی ہے۔“

اپنی مسیحا کی باتوں سے اس کے دل سے احساس تنہائی کچھ کم ہو گیا تھا۔

”یہ جو خاتون تمہارے ساتھ ہیں یہ تو خود کو تمہاری مدر اِن لا بتاتی ہیں۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”شاید ہوتیں مگر اب نہیں ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”طلاق کے بعد تو اس شخص کے گھر سے سارے رشتے ختم ہو گئے میرے۔“

”تو پھر یہ تمہارے ساتھ کیسے؟“

”عدت انہی کے گھر میں گزار رہی ہوں۔“

”آئی سی......“ ڈاکٹر کو اچنبھا ہوا۔ ”یہ کیسے؟“

”پتا نہیں...... میرے گھر والوں نے وکیل کیا تھا اس نے کہا شرعاً مجھے عدت اسی گھر میں گزارنا ہو گی۔“

”شوہر سے تمہاری بات چیت ہوتی ہے؟“

”بالکل نہیں...... جب سے میں اس گھر میں آئی ہوں وہ تو گھر چھوڑ کر ہی چلا گیا اور اب تو...... ملک سے ہی جا رہا ہے۔“

ڈاکٹر کے چہرے پر کچھ تاثر اس طرح کا تھا جیسے بات اس کے لیے دلچسپ بھی ہو تعجب خیز بھی۔

”پہلی دفعہ ایسا کیس دیکھ رہی ہوں۔“

”میں بہت اذیت میں ہوں ڈاکٹر صاحبہ...... اس گھر میں نہیں رہنا چاہتی...... مگر مجبور ہوں۔“

”تمہارے گھر والے تمہیں کیوں نہیں لے جاتے اپنے ساتھ؟“

وہ چپ رہی...... اس سوال کا جواب دینے کے لیے اسے وہ ساری مصلحتیں اپنی معالج کے سامنے کھولنا پڑتیں جو اس کے گھر والوں کو درپیش تھیں۔

”بہر حال جہاں بھی رہو اس نعمت کی جو خدا تمہیں دے رہا ہے احتیاط سے حفاظت کرو۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”میں اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتی ہوں...... پھر جاب بھی کرنی ہے۔“

”اچھی بات ہے...... آج کے دور میں خواتین کو خود کفیل ہونا چاہیے۔“

”مگر...... اس ذمے داری کے ساتھ میں یہ سب کیسے کرسکوں گی۔ پلیز آپ کچھ ایسا نہیں کرسکتیں کہ......“

”انتہائی بے وقوف ہو تم...... اتنا سمجھاتے پر تمہاری سوئی اب تک وہیں اٹکی ہوئی ہے...... کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہلی اولاد ہی آخری بھی ہوتی ہے..... اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا کی دی ہوئی کسی نعمت کی قدر نہ کرو تو پھر وہ نعمت دوبارہ نہیں ملتی......“

تسنیم پر ڈاکٹر کی اس بات کا مطلق اثر نہ ہوا...... وہ جس کیفیت میں تھی اسے اس نعمت کے دوبارہ ملنے یا نہ ملنے سے چنداں دلچسپی نہیں تھی۔

”اللہ تمہیں جو نعمت دے رہا ہے اس کی قدر کرو...... اوکے......“ وہ بدستور مذبذب رہی۔

☆☆☆

مدثر کے والدین کو تو گویا بہانہ ہاتھ آیا...... تسنیم کا اُن کے گھر میں آپڑنا بلائے ناگہانی سے کم نہیں تھا جسے وہ قہراً جبراً برداشت کیے ہوئے تھے۔ اب جو موقع ملا تو انہوں نے ابا سے کہا۔ ”دیکھ لیں کیا حرکت کی ہے آپ کی بیٹی نے...... شکر ہوا کہ قبول گئی ورنہ اصل قصہ پتا بھی نہیں چلتا...... بہتر یہی ہے کہ آپ لوگ اسے لے جائیں خرچا جب تک ملنا ہے ملتا رہے گا۔“

تقدیم جو اماں کی معذوری کے باعث اپنی موجودگی سے ان کی نمائندگی کر رہی ہوتی تھی ابا کو دیکھنے لگی۔

”میرا خیال ہے ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ ابا بولے۔

”وکیل صاحب سے پوچھ لیں ابا۔“ تقدیم نے کہا۔

”بی بی وکیل سے کیا پوچھنا۔“

”مشورہ لینا ضروری ہے۔“

”میں تو ضروری نہیں سمجھتا...... مسئلہ خرچے کا ہے، وہ پہنچتا رہے گا...... سکونت کا کرایہ اگر چاہیے تو وہ بھی دینے کو راضی ہیں ہم۔“ مدثر کے ڈیڈی کا لہجہ انتہائی مفاہمانہ تھا۔ ”مگر اس طرح کا خطرہ بار بار مول نہیں لیا جاسکتا...... آج آپ کی بہن نے یہ حرکت کی ہے...... کل کچھ اور کر لے تو۔“ اُن کے لہجے میں اب تلخی تھی۔

”ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ۔“ مدثر کی والدہ نے شوہر کی تائید کی۔

”لیکن یہ بھی تو دیکھیں کہ اس نے کن حالات کے تحت ایسا کیا...... وہ ڈپریشن میں ہے...... آپ کے گھر میں اجنبیوں کی طرح رہ رہی ہے...... کوئی بات تک نہیں کرتا اس بے چاری سے...... اسے ہمدردی کی ضرورت ہے...... دُکھ بٹانے کی ضرورت ہے۔“

”بی بی......! جن حالات میں آپ کی ہمشیرہ ہمارے گھر آئی ہے اس میں ایسا ہی ہوتا تھا...... کس تعلق سے بات کرے کوئی...... اور کس رشتے سے دکھ بٹائے......“ مدثر کے ڈیڈی نے کہا۔

”انسانیت سب سے بڑا رشتہ ہے۔“

”یہ جذباتی باتیں ہیں بی بی...... حقیقت بہت تلخ ہوتی ہے...... آپ لوگوں نے اپنے ساتھ ہمیں بھی خوار کر دیا ہے...... ہم تو سر پڑی مصیبت کو بھگت رہے ہیں ورنہ آپ کی بہن سے ہم نہ پہلے کوئی تعلق رکھنا چاہتے تھے نہ اب کوئی تعلق ہے ہمارا۔“

”اور مدثر کے جانے کے بعد تو یہ بالکل ہی ختم سمجھو۔“ مدثر کی ممی نے لقمہ دیا۔

”ہاں...... انسان کو اپنی اولاد سب سے پیاری ہوتی ہے...... میرا بیٹا صرف اس لڑکی کی وجہ سے ہم سے اتنی دور سات سمندر پار جا رہا ہے......“ ڈیڈی نے کہا۔

”اور جو ایک بار گیا وہ واپس کب لوٹتا ہے۔“ ممی نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔

”تسنیم بھی اسی لیے اپ سیٹ ہے۔“ تقدیم نے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''اسے کیا ضرورت ہے اپ سیٹ ہونے کی...... مدثر سے اب اس کا کیا تعلق؟'' ڈیڈی نے ناگواری سے کہا۔

''بچے سے تو ہوگا۔'' تقدیم بولی۔

''او چھوڑو بی بی! کس کا بچہ! کہاں کا بچہ...... جتنا ٹریپ کرنا تھا آپ لوگ کر چکے...... اس سے زیادہ نہیں۔''

''اب آپ پھر ہماری انسلٹ کر رہے ہیں۔'' تقدیم کو غصہ آ گیا۔

''انسلٹ تو ہماری ہو رہی ہے...... سیدھی سی بات ہے یا تو آپ لوگ اپنی لڑکی کو اپنے گھر لے جائیں ورنہ اگر اس نے آئندہ کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو ہم ذمے دار نہیں ہوں گے...... مرے یا جیے ہماری کوئی ذمے داری نہیں۔''

''کیسے نہیں ہوگی ذمے داری۔'' تقدیم بپھر گئی۔

''ایک منٹ...... ایک منٹ بیٹی......'' ابا نے بات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ ''تم ادھر آؤ میرے ساتھ۔'' ابا تقدیم کو راہداری کے ایک کونے میں لے گئے اور آہستگی سے بولے۔ ''بہتر یہی ہے کہ اسپتال سے ڈسچارج ہونے کے بعد تسنیم ہمارے ساتھ ہی اپنے گھر چلے۔''

''کیوں ابا......؟''

''مدثر کے جانے کے بعد خدا جانے ان لوگوں کا کیا رویہ ہو تسنیم کے ساتھ...... غیر لوگ ہیں...... کیا اعتبار...... ابھی تو تسنیم نے حماقت دکھائی ہے...... بعد میں اسی کو بنیاد بنا کر یہ لوگ خود ہی کوئی نقصان نہ پہنچا دیں اسے...... الفاظ سن رہی ہو تم ان کے......''

''میں اویس صاحب سے بات کرتی ہوں۔''

''کیا بات کرو گی؟''

''ان کو درمیان میں ڈالا ہے...... مدد لی ہے ان سے تو اب بھی مشورہ کرنا ضروری ہے...... بتا دوں گی انہیں کہ تسنیم خود بھی خوش نہیں ہے مدثر کے گھر رہنے میں...... اپنے گھر جانا چاہتی ہے...... اور یہ لوگ بھی اسے رکھ کر خوش نہیں...... کیا کیا جائے۔''

''پوچھ لو۔''

تقدیم نے وہیں کھڑے کھڑے اویس انصاری کا نمبر ملایا اور ابا سے ذرا ہٹ کر دھیمی آواز میں اس سے بات کی۔

''میں مدثر سے بات کرتا ہوں۔'' اویس انصاری نے کہا۔

''کب بات کریں گے؟ تسنیم کو اسپتال سے ڈسچارج کیا جا رہا ہے۔''

''ابھی کرتا ہوں...... آپ میری کال کا انتظار کریں۔''

''او کے...... تھینک یو ویری مچ۔''

وہ اور ابا بے تابانہ اویس انصاری کی کال کا انتظار کرنے لگے...... مدثر کے ڈیڈی خود ان کی طرف آ گئے۔

''اسپتال کا بل ادا کر دیا ہے میں نے۔'' انہوں نے تمہید باندھی پھر کہا۔ ''تو پھر لے جا رہے ہیں آپ اسے اپنے ساتھ۔''

''ہم نے اپنے وکیل سے بات کی ہے...... ان کے مشورے کا انتظار ہے۔'' جبڑوں پر دباؤ کی وجہ سے ڈیڈی کی ہڈیاں باہر کو نکلی ہوئی نظر آنے لگیں...... وہ ممی کی طرف پلٹ گئے۔

تقدیم کے سیل نمبر پر اویس انصاری کی کال آ گئی۔

''مس تقدیم میری بات ہو گئی ہے مدثر سے...... وہ اپنے والدین سے بات کر رہا ہے...... فی الحال تو تسنیم کو انہی کے ساتھ بھیجیں پھر اس مسئلے کا کوئی حل نکالنے کے لیے وہیں بیٹھ کر بات کرنے کے لیے ٹائم طے کرتے ہیں۔''

''او کے!''

ڈیڈی کے فون پر غالباً مدثر ہی کی کال تھی وہ کان سے فون لگائے بات کر رہے تھے اور ممی بڑے انہماک سے انہی کو دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

''عذاب کر دی اس لڑکی نے ہماری زندگی......'' اماں بڑبڑائیں پھر ابا کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

''کوئی اور بات سوچنے ہی کے نہیں رہے ہم۔''

''ٹھیک کہتی ہو۔'' ابا کے لہجے میں دل گرفتگی تھی۔

''نہ باقی لڑکیوں کے لیے سوچنے کی مہلت ملتی ہے نہ بے چارے مونس کا دکھ سکھ ٹٹول پاتی ہوں...... بس اسی منحوس کے چکر میں پڑے رہو...... بھلا کیا ضرورت تھی اسے یہ حرکت کرنے کی...... قصہ ختم ہی کرنا تھا تو تھوڑا سا زہر کھا لیتی تاکہ آنے والے ساتھ اس کا اپنا بھی پاپ کٹ جاتا...... دو چار دن رو کر بیٹھ جاتے اسے...... ہر وقت کی تلوار تو سر پر نہ لٹکتی رہتی۔'' اماں شدید رنج اور غصے کی کیفیت میں بک جھک رہی تھیں۔

''ایسی باتیں نہ کریں اماں۔'' تقدیم دھیرے سے بولی۔

''ایسی نہیں تو پھر کیسی باتیں کروں...... کسی کو منہ دکھانے کا چھوڑا ہے اس نے ہمیں...... ارے ابھی تو لوگوں کو معلوم نہیں ہے...... جس دن ایک کو پتا چلا ساری دنیا کو خبر ہو جائے گی...... تھو تھو کریں گے لوگ...... کل بیٹی کو دیکھو پہلے کلھیا میں گڑ پھوڑ بیٹھی اور اب یہ حرکتیں کر رہی ہے...... کیا ضرورت تھی دوا کھانے کی...... لڑکے کے گھر والوں کو جو تھوڑی بہت شرم ہو گی اس کی اس حرکت نے وہ بھی ختم کر دی ہو گی...... کہیں نہ کہیں دل میں تو سوچتے ہوں گے کہ گنوں کی پوری ہے...... پہلے بچے کی دفعہ تو لڑکیوں کو کچھ پتا نہیں ہوتا، یہ مردودنی یہ حرکت کر بیٹھی، کیا عزت رہ گئی ہو گی مدثر کے گھر والوں کی نظروں میں۔''

''اماں ڈپریشن میں آدمی ایسی حرکتیں ہی کرتا ہے۔'' تقدیم نے پھر تسنیم کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

''ارے بس رہنے دو۔'' اماں بھڑک کر بولیں۔ ''نہ ڈپریشن نہ کچھ اور...... اس کی فطرت بری ہے، مجھ سے زیادہ ڈپریشن ہو سکتا ہے اسے...... کتنے سال ہو گئے اپنے پیروں پر چلے...... بچیوں کی فکر دل کو دیمک کی طرح چاٹ گئی ہے میرے...... آنکھیں پتھرا گئیں راہ تکتے تکتے کہ کوئی تو بھلے مانس آئیں جو میری بچیوں کو عزت سے اپنے گھر لے جائیں...... رات کو آنکھ کھل جائے تو دوبارہ لگنی مشکل ہو جاتی ہے...... اس کمبخت کی طرف بھی بار بار دھیان جاتا ہے...... غیر لوگوں کے بیچ رہ رہی ہے اور وہ بھی ان کی مرضی کے خلاف...... سسر ہٹا کٹا، دیور جوان، کوئی منہ نہ دبا دے اپنا عیب چھپانے کو لوگ گردن دبانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔''

''تقدیم کی ماں، میں خود یہی بات کہہ رہا تھا تقدیم سے...... ابھی تک تو خیر یہ تھا کہ مدثر یہاں ہے...... اس کے جانے کے بعد تسنیم کا اس گھر میں جہاں غیر محرم رہتے ہوں رہنے کا کیا جواز بنتا ہے؟''

''میں تو پہلے بھی اس حق میں نہیں تھی کہ وہ وہاں رہے...... یہ تقدیم ہی کو سوجھی تھی۔'' اماں بولیں۔

''اماں! وہ لوگ کچھ تو دباؤ میں آئے...... پتا چلا انہیں کہ لڑکی کوئی دودھ میں پڑی مکھی نہیں کہ نکال پھینکی......

WWW.PAKSOCIETY.COM

طلاق دینے والوں کو پتا ہونا چاہیے کہ طلاق کے بعد بھی عورت کے مرد پر حقوق ہوتے ہیں۔"

"کیا حقوق ہوتے ہیں! عدت کے دوران رہنے کی جگہ اور چند ہزار کا نفقہ!" اماں کے لہجے میں تلخی تھی۔

"گھٹیا لوگ تو یہ بھی نہیں دیتے اماں۔"

"اچھا خیر...... دفع کرو...... اسے اپنے گھر لے آؤ...... کتنے بجے بلایا ہے وکیل نے؟"

"شام چھ بجے۔"

"میں بھی چلوں؟"

"کیا ضرورت ہے!" ابا بولے۔ "تھکو گی۔"

"ویسے اماں...... آپ مجھے لاکھ برا بھلا کہیں...... ایک فائدہ ضرور ہوا ہے تسنیم کے اتنے دن اس گھر میں رہنے سے۔" تقدیم دبی زبان میں بولی۔ "لوگوں کو یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی کہ تسنیم سسرال جانے کے بجائے میکے میں کیوں بیٹھی ہے۔" اماں نے تقدیم کو تیکھی نظروں سے دیکھا۔

"جی بالکل...... اور اب اگر تسنیم گھر آجاتی ہے تو ہمارے پاس یہ جواز ہوگا کہ اس کا شوہر باہر چلا گیا ہے لہٰذا وہ ہمارے پاس رہ رہی ہے۔"

"کتنا عرصہ؟" اماں نے تقدیم کو یوں دیکھا جیسے اسے کوئی بہت مشکل پہیلی بوجھنے کو دے رہی ہوں۔ "کتنے عرصے چلے گا یہ بہانہ......"

"اماں باہر جانے والے کبھی کبھی بدل بھی تو جاتے ہیں...... بے وفائی کر بیٹھتے ہیں...... بیویوں کو بے قصور چھوڑ دیتے ہیں...... بدیسی عورتیں کے چکر میں پڑ جاتے ہیں...... گوریوں کو دل دے بیٹھتے ہیں اور گھر کی عورتوں سے نظریں پھیر لیتے ہیں...... ہزار بہانے ہوں گے اماں...... ہمیں بس کوئی ایک بہانہ بنانا پڑے گا۔"

"اور جو کسی روز لوگوں کو اصل بات پتا چل گئی۔"

"چل جائے...... پروا نہیں...... دنیا میں بہت بڑی بڑی باتیں ہو جاتی ہیں اماں...... ہم ایک چھوٹے سے حادثے کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی مشکل کیوں بنالیں۔"

"یہ حادثہ چھوٹا حادثہ نہیں ہے تقدیم...... اس نے زندگی تلپٹ کر کے رکھ دی ہے ہماری۔" اماں دل گرفتگی سے بولیں۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا اماں...... اللہ پر بھروسا رکھیں۔"

"سچ ہے کوئی تسلی دے تو آدمی کی ڈھارس بندھ ہی جاتی ہے۔" اماں دھیرے سے بولیں۔

☆☆☆

اور یہ بھی سچ ہے کہ پیسے والا انسان اپنے ظرف اور خدا کی دی ہوئی ڈھیل کے موافق اپنے مدِ مقابل کے لیے اتنی مشکلات پیدا کر سکتا ہے کہ وہ رونے کو آجائے۔ حجاب کو اس کی وکیل نے فون کیا تھا۔

"مس حجاب! آئی ایم سوری میں اپنی بعض نجی مصروفیات کی وجہ سے آپ کے کیس کو مزید وقت نہیں دے سکوں گی۔ آپ کو دوسرا وکیل کرنا ہوگا۔" وکیل کے لہجے سے جھلکتی سرد مہری سے حجاب دم بخود رہ گئی۔ کیا یہ وہی زبان تھی جو اسے تسلی دیا کرتی تھی...... اسے امید دلاتی تھی کہ زیادہ نہیں چند پیشیوں میں عدالت اس کے حق میں فیصلہ دے دے گی...... اور یہ کہ اس مقدمے کی پیروی وہ اسے اپنی کلائنٹ نہیں چھوٹی بہن سمجھ کر کر رہی تھی...... کیا چھوٹی بہنوں سے اچانک یوں لہجہ بدل لیا جاتا ہے۔

"وکیل صاحبہ! اب جبکہ مقدمہ بقول آپ کے فیصلہ کن مرحلے میں ہے، میں دوسرا وکیل کہاں سے لاؤں؟"

"بہت مل جائیں گے آپ کو...... کورٹ وکیلوں سے بھری پڑی ہے...... ایک مانگو ہزار ملتے ہیں۔"

"لیکن میں نے فیملی کیسز میں آپ کی شہرت سن کر آپ کو اپنا وکیل کیا تھا...... اب نئے سرے سے ایک نیا وکیل کرنا میرے لیے مشکل ہوگا...... پلیز وقت نکالیں وکیل صاحبہ۔" وہ لجاجت سے بولی۔

"سوری...... میں وقت نہیں دے سکتی...... آپ نے جو فیس ادا کی ہے وہ آپ واپس لے سکتی ہیں۔"

"بات فیس کی نہیں میڈم...... ایک نئے وکیل کا اس مرحلے پر کیس ہاتھ میں لینا فیصلے میں تاخیر کا سبب بھی بن سکتا ہے۔"

"ظاہر ہے...... نئے وکیل کو کیس اسٹڈی کرنا پڑے گا۔"

"برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔"

"ہاں۔"

"کہیں دوسری پارٹی نے تو آپ کو اس کیس سے ہاتھ اٹھا لینے کے لیے پریشرائز نہیں کیا؟"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وکیل نے ناگواری سے کہا۔ "کیا میں دوسری پارٹی کے کہنے پر کیس چھوڑ رہی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے...... کیونکہ وہ شخص کوئی خانہ خالی نہیں رہنے دینا چاہتا...... مجھے ڈرا دھمکا کر تو وہ تھک چکا ہے۔"

"آپ کے خیال میں وہ اب مجھے ڈرا رہا ہوگا۔"

"شاید!"

"جی نہیں...... وہم ہے آپ کا...... ہر پروفیشن کی کچھ eth i cs (اخلاقیات) ہوتی ہیں، میں کسی قیمت پر اپنے پروفیشن کی ethics کے خلاف کام نہیں کروں گی۔"

"انتہائی معذرت وکیل صاحبہ...... کسی کا منجدھار میں ہاتھ پکڑ کر عین اس وقت چھوڑ دینا جب کنارہ قریب ہو یہ بھی تو آپ کی پروفیشنل ethics کے خلاف ہونا چاہیے۔"

"لیکن جب انسان کی اپنی زندگی سامنے آجاتی ہے میم تو ساری اخلاقیات دھری کی دھری رہ جاتی ہیں...... میری کچھ پرسنل کمٹ منٹس ہیں۔"

"یعنی اپنی زندگی کی خاطر آپ کسی اور کی زندگی داؤ پر لگا دینا چاہتی ہیں۔"

"ہر انسان خود غرض ہوتا ہے۔"

"معاف کیجیے گا میڈم...... ہر انسان نہیں۔"

"میں کسی بحث میں نہیں الجھنا چاہتی۔"

"مقدمے کی پیروی سے انکار کر کے آپ اس شخص کو تاخیری حربہ فراہم کرنا چاہتی ہیں۔"

"اگر آپ ایسا سمجھتی ہیں تو یونہی سہی۔"

"مجھے افسوس ہوا۔"

"مجھے بھی افسوس ہے۔" وکیل سے تیز لہجے میں گفتگو کے بعد وہ کتنی ہی دیر نڈھال سی بیٹھی رہی...... غالب کا ایک شعر بار بار اس کے ذہن میں ابھر رہا تھا، ڈوب رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
اب کسے چارہ گر کرے کوئی

''کیا ہوا؟'' امی نے اسے یوں بیٹھے دیکھا تو تشویش سے بولیں۔ اسے نہ چاہتے ہوئے بھی امی کو جملہ رُوداد سنانا پڑی۔

''ان پیسے والے لوگوں کا یہی ہوتا ہے۔ پیسہ پھینکتے ہیں آدمی خریدتے ہیں۔'' امی کرب سے بولیں۔

''ضروری نہیں امی کہ اس نے ہماری وکیل کو خرید ہی لیا ہو...... عورت بے چاری کے لیے تو اسے بے عزت کردینے کی دھمکی بھی بہت ہوتی ہے۔''

''اب کیا کرو گی؟''

''یہی سوچ رہی ہوں...... ظاہر ہے کسی دوسرے وکیل کا بندوبست۔''

''اوہ خدایا! کس مصیبت میں پھنس گئے...... ان مصیبتوں سے تو وہ ایک مصیبت ہی بھلی تھی۔ جس کا نام الطاف ہے۔'' امی نے کہا۔

''ذرا یہ تو سوچیں امی کہ جس ایک مصیبت کی وجہ سے ہمارے لیے اتنی مصیبتیں کھڑی ہوئی ہیں وہ مصیبت کتنی خوفناک ہوگی۔''

''ارے بیٹا عورتیں تو بہت بڑے بڑے مردوں سے بھی گزارہ کرلیتی ہیں۔'' امی بولیں۔

اس نے بے ساختہ چونک کر امی کو دیکھا...... کیا وہ بیزار ہوگئی تھیں یا تھک گئی تھیں۔

''سوری امی...... میری وجہ سے آپ کو اتنی پریشانی اٹھانا پڑ رہی ہے۔'' اس نے خفت سے کہا۔

''کوئی نتیجہ نکل آئے۔'' امی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

☆☆☆

مدثر کے گھر والوں کا اس واقعے کو جواز بنا کر تسنیم کو اپنے گھر میں رکھنے کا تردد اور خود تسنیم کی بھی وہاں مطلقاً نہ رہنے کی رضا پا کر بالآخر یہی ٹھہرا کہ تسنیم اپنے گھر چلی جائے لیکن اس فیصلے کے بعد مدثر نے ایک مرتبہ تسنیم سے علیحدگی میں بات کرنے کی خواہش ظاہر کر کے سب کو چونکا دیا۔ ممی اور ڈیڈی اسے دوسرے کمرے میں لے گئے۔

''کیا بات کرو گے تم اس سے؟'' ممی نے تیور بگاڑ کر پوچھا۔

مدثر چپ رہا۔

''اب کیا بات رہ گئی کرنے کو؟'' ڈیڈی نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''میں بچہ نہیں ہوں...... مجھے اپنی زندگی خود گزارنے دیں۔'' مدثر نے کہا۔

''ہاں! زندگی تم گزارو...... ذلت ہم سہیں۔'' ڈیڈی بھڑکے۔

''وہ میری بیوی رہی ہے...... میرے بچے کی ماں بننے والی ہے...... میں اگر حدود و قیود میں رہتے ہوئے کوئی ضروری بات کرنا چاہوں تو اس میں حرج کیا ہے ڈیڈی!'' مدثر بولا۔

''اب تم بتاؤ گے ہمیں کہ کس بات میں کیا حرج ہے اور کس میں نہیں۔'' ڈیڈی نے آنکھیں نکالیں۔

''ڈیڈی! آپ بلاوجہ غصہ کر رہے ہیں۔''

''بلاوجہ......'' ڈیڈی نے دانت پیسے...... ''باہر بھجوانے پر اتنی رقم تم پر خرچ کر رہا ہوں۔'' ڈیڈی نے دونوں ہاتھوں کو ہتھیلیوں کے رخ پر افقاً ایک دوسرے کے سامنے کرتے ہوئے ان کے درمیانی فاصلے سے خرچ کی

جانے والی رقم کا اندازہ ظاہر کیا۔ ''اور...... اسے نان نفقہ بھی میری جیب سے جا رہا ہے...... اسپتال کا بل کس کی جیب سے گیا ہے، میری...... میری برخوردار۔'' ڈیڈی نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور بھبک کر بولے۔ ''میں ادا کر رہا ہوں اس کے ہر ماہ ڈاکٹر کے پاس جانے کی فیس اور دواؤں کا خرچ۔''

''اتار دوں گا آپ کا سارا قرض......'' مدثر کو بھی غصہ آگیا۔

''ہونہہ...... اتارے گا۔'' ڈیڈی نے ممی کی طرف دیکھا۔ ''سن رہی ہو اپنے لاڈلے کی بات۔''

''کیوں بدتمیزی کر رہے ہو مدثر۔'' ممی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''میں بدتمیزی نہیں کر رہا ہوں...... ڈیڈی کی بات کا جواب دے رہا ہوں انہیں...... منعم کی بیوی اور بچے پر جو اتنا پیسہ بہایا جاتا ہے اس کا حساب بھی تو رکھا کریں۔''

''تمہیں اصل تکلیف اسی کی ہے۔'' ممی بولیں۔

''ہاں ہے...... تو کوئی غلط ہے کیا......'' مدثر نے اپنا پاؤں زور سے فرش پر مارا۔

''ہیں...... ہیں! ایک اتنی سی بات کیا پوچھ لی تم سے کہ اب کیا بات کرو گے اس سے، تم تو آپے ہی سے باہر ہوگئے۔''

''میں نے اسے طلاق صرف آپ لوگوں کے کہنے میں آکر دی...... پچھتا رہا ہوں۔''

''پچھتا رہے ہو تو جاؤ دوبارہ بیوی بنالو اسے۔'' ڈیڈی نے ناگواری سے کہا۔

''کاش! ممکن ہوتا۔''

''جس لڑکی نے ہمارے گھر کا سکون درہم برہم کردیا تم اس کی حمایت میں اپنے ماں، باپ سے بدتمیزی کر رہے ہو......'' ممی نے ناگواری سے کہا۔

''آپ لوگ میری اتنی سی بات پر کہ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں اتنے مشتعل ہوگئے ہیں...... وہ اگر ہمیشہ کے لیے اس گھر میں آجاتی تو خدا جانے آپ لوگ کیا سلوک کرتے اس کے ساتھ۔''

''گلا گھونٹ دیتے...... قتل کردیتے اسے...... یہی کہنا چاہتے ہو ناں تم......'' ڈیڈی نے لاؤنج میں بیٹھے تسنیم کے والد، بہن اور وکیل کا لحاظ رکھنے کو گھٹی گھٹی آواز میں مگر انتہائی غصے سے کہا پھر ہاتھ کو جھٹکا دے کر بولے۔ ''جاؤ...... جاؤ کرو اس سے بات......''

ملاقات اسی گھر میں ہوئی۔

دونوں رُوبرو تھے۔

تیسرا ان کے درمیان کوئی تھا تو تسنیم کے بطن میں خاموشی سے نمو پاتا وہ وجود جو ان دونوں کے باہم اختلاط کی یادگار تھا۔

تسنیم کی آنکھیں ساون بھادوں کی طرح برس رہی تھیں اور مدثر کا سر جھکا ہوا تھا۔

''چلے جاؤ...... چلے جاؤ یہاں سے...... میں تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا نہیں چاہتی......'' کہاں تو یہ عالم تھا کہ تسنیم کو ہر آہٹ پر اسی کے ہونے کا گمان ہوتا تھا اور کہاں یہ کہ جب وہ سامنے آیا تو وہ پھٹ پڑی تھی۔

''سوری...... آئی ایم رئیلی سوری۔'' مدثر نے شرمندگی کا اظہار کیا۔

تسنیم نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

''میں تم سے بہت شرمندہ ہوں تسنیم...... مجرم ہوں تمہارا...... جو چاہو سزا دے لو۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

''سزا...... سزا تو تم نے دی ہے مجھے...... تصور کر سکتے ہو کہ کس عذاب سے گزری ہوں اور اب بھی گزر رہی ہوں۔'' وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

''مجھے احساس ہے۔''

''نہیں...... تم بے حس ہو...... تم محسوس نہیں کر سکتے، وہ اذیت جو میں نے سہی ہے اور شاید...... باقی تمام زندگی بھی سہوں گی...... بے وقوف تھی میں جو آنکھیں بند کر کے تمہارے ساتھ چل پڑی...... تمہارا کیا بگڑا...... تم تو آج بھی معاشرے کو اسی طرح فیس کر رہے ہو...... تعلیم بھی ٹھاٹھ سے مکمل کر لی...... اور اب اپنے سینے پر باہر کا تمغہ سجانے ملک سے باہر بھی جا رہے ہو...... مجھے کیا ملا...... شرمندگی...... ذلت...... ادھوری تعلیم...... عدم تحفظ...... مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ میں آنے والے کو کیسے پال سکوں گی؟''

''وہ میری امانت ہے...... اس کی حفاظت کرنا...... اس کی ہر ضرورت پوری کرنا میری ذمے داری ہوگی۔''

''کس ناتے......! تمہارا اس سے کیا تعلق؟'' اس کے لہجے میں نشتر کی انی کی سی کاٹ اور چبھن تھی۔

''ایسا مت کہو، پلیز۔''

''اپنے گھر والوں سے پوچھو وہ کیا کہتے ہیں؟'' اس نے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں...... میں جانتا ہوں کہ وہ ہم دونوں کا بچہ ہے۔''

تسنیم نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر انتہائی بے بسی سے رونے لگی۔ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ محبت کے کھیل کا انجام اس قدر تکلیف دہ بھی ہو سکتا ہے۔ اسے دلاسا دینے کو مدثر نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھنا چاہا مگر بنا رکھے کھینچ لیا۔ کس ناتے وہ ایسا کر سکتا تھا۔ اس کی طمع، جلد بازی اور عاقبت نااندیشی نے اس کے اور تسنیم کے درمیان ایک حدِ فاصل کھینچ دی تھی۔

☆☆☆

عباد خوش تھا کہ اسے اس کی منزل مل گئی تھی۔ لڑکی والوں کے پاس وقت کم تھا باقی سب کچھ وافر...... وقت کی کمی کے پیشِ نظر تمام مراحل تیزی سے انجام پائے...... شادی ہوگئی...... ہر دو طرف کے جملہ اخراجات لڑکی کے باپ نے اٹھائے، اپنی ہونے والی بیوی اور ساس، سسر کو پاکستانی کرنسی پانی کی طرح بہاتے دیکھ کر عباد کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔

دلہن رخصت ہو کر اسی فائیو اسٹار ہوٹل کے ایک سوئٹ میں گئی جہاں شادی کی تقریب انجام پائی تھی۔ عباد اور دلہن تین دن تک وہاں رہے اور امی اکیلے اپنے فلیٹ میں...... عباد کو شادی کی پہلی ہی رات دلہن کے نخریلے پن اور اپنی اوقات کا اس وقت اندازہ ہو گیا جب دلہن نے ہوٹل کے آراستہ و پیراستہ سوئٹ میں جوتوں سمیت لگژری بیڈ پر نیم دراز ہو کر اپنے پاؤں مع سینڈلز عباد کے سامنے کرتے ہوئے اس سے جوتے اتارنے کی فرمائش کی۔ عباد کو اس کے پیروں سے سینڈلز اتارنے پڑے۔

ولیمے والے دن جب امی اسٹیج پر آ کر عباد اور اس کی دلہن کی بلائیں لینے لگیں تو دلہن نے انتہائی بدتمیزی سے عباد سے کہا۔

''یہ تمہاری امی... جادوگرنی کی طرح کون سا منتر کر رہی ہیں۔'' غنیمت ہوا کہ اس نے یہ بات انگریزی میں کہی تھی اور صد شکر کہ اس وقت اسٹیج پر عباد کے رشتے داروں میں سے کوئی موجود نہیں تھا ورنہ امی کو انگریزی میں

کہی گئی اس بات کا مطلب پتا چلتا تو وہ بہت رنجیدہ ہوتیں۔

تین دن بعد دولہا دلہن ہنی مون منانے شمالی علاقہ جات چلے گئے۔

''ہنی!'' عباد کے سسر نے اپنی لاڈلی بیٹی سے کہا۔ ''اصل میں تو تم عباد کے انگلینڈ آنے پر ایک شاندار استقبالیے کے بعد اپنی پسند کی جگہ پر ہنی مون منانے جاؤ گی...... فی الحال اس بہانے پاکستان کے شمالی علاقے گھوم آؤ...... آخر اپنا وطن بھی تو دیکھنا چاہیے ہمیں۔''

''ڈیڈی! میرا وطن تو انگلینڈ ہے۔'' اس نے کہا۔

''ہنی! تمہارے باپ اور اس کے پرکھوں کا وطن تو یہی ہے۔''

''تو اس سے مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ شانے اچکا کر ناگواری سے بولی۔

''اوکے...... اوکے...... ناراض مت ہو میری جان۔''

ہنی مون کے دوران عباد پر دلہن کے اطوار اور کھل گئے۔ وہ انتہائی تنگ مزاج، خودسر اور گستاخی کی حد سے بڑھ کر بدتمیز اور بدلحاظ تھی مگر پھر بھی عباد خوش تھا...... کسی معمولی گھرانے کی لڑکی سے اپنی اور امی کی ناز برداریوں سے امیر گھرانے کی لڑکی کے نخرے اٹھانا اس لحاظ سے بہت بہتر سودا تھا کہ اپنی نوبیاہتا دلہن کے طفیل ہی تو انگلینڈ جانے اور بہتر مستقبل کے مواقع اسے میسر آ رہے تھے۔ دلہن تو سر آنکھوں پر بٹھائے جانے کے لائق تھی۔ ہنی مون سے واپس آنے کے بعد عباد ہفتہ بھر اپنی سسرال ہی میں رہا۔ امی بے چاری اپنے فلیٹ میں اکیلی رہتی رہیں۔ عباد کی شادی نے انہیں تنہا کر دیا تھا۔ دن تو جوں توں گزار لیتیں، رات گزارنی مشکل ہو جاتی۔ عباد ان کے لیے زندگی کا دوسرا نام تھا۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر وہ یہ دیکھنے کی عادی رہی تھیں کہ عباد کو سوتے میں کوئی مسئلہ تو نہیں تھا۔ چادر سرکی ہوتی تو وہ اسے چادر اڑھاتیں، لحاف پلنگ سے نیچے لٹک رہا ہوتا تو وہ آہستگی سے لحاف کا لٹکتا حصہ اوپر اٹھا کر عباد کو ڈھانپ دیتیں۔ شادی کے بعد اس کا بستر خالی دیکھ کر امی کو رات کو نیند آنا مشکل محسوس ہوتی۔

ہنی مون سے واپسی پر عباد ایک روز امی کی اس فرمائش پر کہ جو محلے دار خواتین کسی باعث اس کی شادی میں شریک نہ ہو سکی تھیں دلہن کو دیکھنے کی آرزومند تھیں دلہن کو اپنے گھر لے گیا۔ جن محلے دار خواتین نے دلہن کو رخصتی یا ولیمے والے دن دیکھ رکھا تھا وہ بھی دوبارہ اسے دیکھنے کو گھر آ گئیں۔ دلہن کو آراستہ و پیراستہ روپ میں دیکھنا اور بات تھی گو اس کے چہرے پر غازہ و لالی کی تہیں اب بھی تھیں مگر اصلیت عیاں تھی۔ پڑوسنوں نے عباد کی نوبیاہتا دلہن کو انتہائی تنقیدی نظروں سے جانچا، تولا اور اپنی رائے قائم کر لی۔ دلہن پہلی بار سسرال آئی تھی۔ امی نے اس کی خاطر مدارات کے لیے خاطر خواہ بندوبست کر رکھا تھا مگر اس نے امی کے اصرار کے باوجود کسی بھی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ جتنی دیر رہی اوپری اوپری سی بیٹھی رہی۔ واپس جانے کو بلڈنگ کا زینہ اترتے ہوئے اس نے عباد سے کہا۔

''اوہ میرے خدا! تم اور تمہاری ماں کتنی گندی جگہ رہتے ہو...... ذرا سیڑھیاں تو دیکھو کتنی غلیظ ہو رہی تھیں...... گھر کے دروازوں پر میلے پردے اور گھروں کے باہر رکھے کوڑے دان...... کیسی بدبو اور کتنی گھٹن ہے یہاں...... میں تو ایک منٹ بھی رہنا پسند نہ کروں ایسے گھر میں...... توبہ! اس سے صاف اور صحت افزا جگہ پر تو ہمارے پالتو کتے رہتے ہیں...... یہاں تو عجیب سی بدبو پھیلی ہوئی ہے۔''

عباد کو اس کے بے لاگ تبصرے پر سخت شرمندگی سے دوچار ہونے کے ساتھ اپنی غلطی کا بھی احساس ہوا...... امی سے ملوانے کے لیے دلہن کو وہاں لانے کے بجائے اسے امی کو اپنی سسرال لے جانا چاہیے تھا...... خیر اب تو غلطی ہو چکی تھی اور اس کا کوئی مداوا نہ تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

عباد کی نوبیاہی دلہن اپنے والدین کے ساتھ انگلینڈ واپس چلی گئی۔ عباد امی کے پاس آگیا۔ اب اسے اپنی برطانوی قومیت کی حامل بیوی کے پاس جانے کے لیے حصول ویزا کی خاطر مروجہ قانونی تقاضوں سے گزرنا تھا۔ اسے ایک، ایک دن پہاڑ محسوس ہوتا...... انتظار کسی بھی چیز کا ہو صبر آزما ہوتا ہے۔ امی کا دل اس خیال سے بیٹھا جاتا کہ عباد ان سے دور سات سمندر پار چلا جائے گا۔

"آپ فکر نہ کریں، آپ کو بھی بلالوں گا وہاں۔" عباد امی کو پریشان دیکھتا تو انہیں دلاسا دیتا۔

"جب تمہیں انتظار کرنا پڑ رہا ہے اپنی بیوی کے پاس جانے کے لیے تو میں بھلا کس گنتی میں ہوں...... پڑوسن بتارہی تھیں۔ ان کی کوئی جاننے والی اپنی بیٹی، داماد سے ملنے کے لیے جانا چاہتی تھیں۔ ویزے سے انکار ہوگیا۔" امی اسے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگتیں۔

"انکار ہوجائے تو لوگ اپیل کردیتے ہیں۔" عباد بولا۔

"ارے بیٹا...... اپیلوں کا وقت کہاں ہے میرے پاس۔"

"انشاء اللہ اپیل کی نوبت ہی نہیں آئے گی امی...... گورے تسلی چاہتے ہیں کہ جانے والا شخص ان کی معیشت کے لیے بوجھ تو نہیں بنے گا...... لوگ تو اس چکر میں جاتے ہیں انگلینڈ کہ کسی بھی طرح وہاں کی شہریت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ اگر وہاں جاکر کام نہ بھی کریں تو گزارہ الاؤنس ملتا رہے۔ اب تو خیر اتنا آسان نہیں رہا انگلینڈ کی شہریت ملنا لیکن ایک زمانے میں آسان تھا...... لوگوں نے بہت فائدہ اٹھایا اور اب ان کی بعد کی نسلیں فائدہ اٹھارہی ہیں۔"

"ارے بیٹا مجھے کسی چیز کا لالچ نہیں...... میرے لیے تو میری زندگی کی سب سے قیمتی متاع تم ہو...... تم سے دوری کے خیال سے میرا دل کٹا جاتا ہے......" امی بولیں۔

"دلہنی کے والد کا وہاں بہت بڑا کاروبار ہے۔ ان کی اسپانسر شپ سے آپ کو انشاء اللہ فوری ویزا مل جائے گا۔"

"ایک بات کہوں بیٹا...... برا مت ماننا۔" امی نے دبی زبان سے کہا۔ "تمہاری بیوی بہت نخریلی ہے...... مجھے برداشت نہیں کرے گی وہ۔"

"وہاں کسی کا کسی کو برداشت کرنا یا نہ کرنے کا مسئلہ نہیں ہوتا امی...... ہر شخص کی اپنی زندگی ہوتی ہے...... کوئی دوسرے کی زندگی میں دخل نہیں دیتا۔"

"خواہ مخواہ تم اس کھڑاگ میں پڑے...... اپنے ہی جیسوں سے رشتہ باندھتے تو نہ تمہیں مشکل ہوتی نہ مجھے کوئی خدشہ ہوتا۔"

"مجھے تو کوئی بھی مشکل نہیں۔"

"ویزا کے انتظار میں دن گن رہے ہو یا نہیں؟"

"آسانیوں کے لیے مشکل سے تو گزرنا ہی پڑتا ہے امی...... راحت، تکلیف سے گزرنے کے بعد ہی ملتی ہے۔"

"برا مت ماننا...... اس روز جب تم دلہن کو یہاں لے کر آئے اور پڑوسنوں نے اسے قریب سے دیکھا تو بعد میں مجھ سے کہا دلہن عباد کے جوڑ کی نہیں...... سامنے والی کہنے لگیں۔ ایک ہی تو بہو آئی تھی آپ کے گھر میں...... ایسی تو لاتیں جو گھر میں چاند نا ہوتا...... خوب باتیں بنائی ہوں گی آس پاس والیوں نے منہ جوڑ جوڑ کر۔" امی کے لہجے میں دل گرفتگی تھی۔

"چھوڑیں امی!" عباد نے امی کے شانے پر ہاتھ دھر کر انہیں دلاسا دینے کی کوشش کی پھر بولا۔ "لوگوں کا

تو کام ہی یہ ہوتا ہے...... کسی کو آگے بڑھتے یا ترقی کرتے دیکھ ہی نہیں سکتے...... جلنے لگتے ہیں...... آپ کی آس پاس والیوں کو ان کے بیٹوں، بھائیوں یا بھانجوں، بھتیجوں کے لیے ایسا امیر کبیر رشتہ ملتا تو اپنا بیٹا، بھائی، بھتیجا تھالی میں رکھ کر پیش کردیتیں...... ایسی عورتوں کا وہی حساب ہوتا ہے کہ انگور ملے نہیں تو کھٹے ہیں۔"

عباد کو ثابت قدم دیکھ کر امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا۔ "اچھا میرے لال...... پہلے میں اٹھتے بیٹھتے یہ دعا کیا کرتی تھی کہ تمہیں اچھی لڑکی ملے جو اس گھر کو جنت بنادے...... اب دعا کرتی ہوں کہ جو فیصلہ تم نے کیا ہے خدا کرے تمہارے حق میں بہت رحمتوں، بہت برکتوں والا ثابت ہو۔"

عباد نے اپنا سر امی کے شانے پر رکھ دیا۔ امی دھیرے دھیرے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ امی کے ہاتھوں میں مسیحانہ گرمی اور نرمی تھی۔

☆☆☆

ثریا، تمہید کے لیے اپنے چچا زاد بھائی کا رشتہ لائی تھی۔ لڑکا معاشیات میں ایم اے اور اسٹیٹ بینک میں ملازم تھا۔ اچھی تنخواہ تھی اور بینک کی جانب سے معقول مراعات حاصل تھیں۔ والدین حیات تھے...... دو بھائی تھے اور دو بہنیں...... بڑے بھائی اور بہنوں میں سے ایک کی شادی ہوچکی تھی۔ لڑکے کے بعد چھوٹی بہن کا نمبر تھا۔ ثریا نے لڑکے کے بارے میں ہر طرح کی ضمانت کی یقین دہانی کرائی۔

"آنٹی! لڑکا پانچوں وقت کا نمازی ہے، دیندار ہے، اپنا بزنس بھی کر رکھا ہے، دکانوں کو چاول سپلائی کا...... کہتا ہے کہ بینک کی نوکری معاش کی مجبوری ہے، جیسے ہی کاروبار خوب جم گیا اپنے کاروبار پر دھیان دوں گا...... تجارت، پیشہ حبیب اللہ ہے بڑی برکت رکھی ہے اللہ نے اس کام میں...... بڑا بھائی شادی کے بعد الگ رہتا ہے۔ ہمارے چچا نے خود علیحدہ کردیا تھا انہیں...... چچا کہتے ہیں بیٹے، بہو پر اپنا قبضہ جمائے رکھنے کی سوچ غلط ہوتی ہے...... پرندے بھی اپنے بچوں کو پر نکل آنے اور اڑنے کی قوت آنے تک اپنے پیروں تلے رکھتے ہیں...... جونہی وہ خود اڑنے کے لائق ہوتے ہیں انہیں چھوڑ دیتے ہیں کہ جاؤ اپنا دانہ دنکا خود چگو...... چھوٹے کے لیے بھی ان کا یہی خیال ہے کہ بہو آنے کے بعد کچھ عرصہ اپنے ساتھ رکھ کر الگ کردیں گے...... ماشاء اللہ چھوٹے نے ایک فلیٹ بھی لے رکھا ہے۔"

"ساتھ بھی رکھیں تو کیا حرج ہے...... آخر ماں، باپ کو بھی تو ضرورت ہوتی ہے کسی دیکھ بھال کرنے والے کی...... آج اولاد ماں، باپ کا خیال کرے گی تو کل اولاد کی اولاد اپنے ماں، باپ کا خیال رکھے گی۔"

"یہ تو ہے۔" ثریا نے تائید کی۔

"ہم نے تو اپنی بچیوں کو ہمیشہ یہی تعلیم دی کہ جس گھر جاؤ بڑوں کو عزت اور چھوٹوں کو ان کا حق دینا...... ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ رشتوں کی گھنی چھاؤں میں بیٹھنا بھلا ہوتا ہے یا کسی دیوار کے سائے سے لگ کر کھڑے ہوجانا۔ گھنی چھاؤں کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ دیوار کے سائے کا کیا ہے۔ زیادہ اپنے اوپر، بہت تھوڑا زمین پر۔" اماں نے اپنا فلسفہ حیات بیان کیا۔

"ایک چھوٹی بہن ہے، اس کا بھی رشتہ طے ہے سگی خالہ کے ہاں، وہ بھی سال دو سال میں اپنے گھر چلی جائے گی...... چچی ہماری اللہ میاں کی گائے ہیں بہت سیدھی سادی...... گھر میں ہر سہولت ہے۔ اپنی تمہید بہت خوش رہے گی۔"

"تمہارے منہ میں گھی شکر ثریا...... رشتہ تو وہیں ہوگا جہاں اللہ نے لکھا ہوگا لیکن تم نے اس گھر کی کسی لڑکی

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے لیے کسی اپنے ہی کا رشتہ دے کر میرے دل سے بہت دعائیں لیں...... خدا کی قسم اس وقت میرا رُواں رُواں اللہ کی شکر گزاری کے بعد تمہیں دعا دے رہا ہے...... کون سوچتا ہے کسی ایسے گھر کی لڑکی اپنے گھر لانے کو جہاں ایک لڑکی پہلے ہی کوئی گل کھلائے بیٹھی ہو......'' اماں کی آواز بھرا رہی تھی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''نہیں، نہیں آنٹی......'' ثریا نے اماں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دوسرے ہاتھ سے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ ''ایسے نہیں سوچتے...... تسنیم سے غلطی ہوئی گناہ تو نہیں ہوا...... غلطی تو اللہ بھی معاف کر دیتا ہے...... اور اللہ نہ کرے اگر کسی گھر کا کوئی ایک فرد گناہ کر بھی بیٹھے تو اس کی سزا پورے گھر کو تو نہیں دی جا سکتی...... تمہید بہت اچھی، بہت کا می اور خدمت گزار لڑکی ہے، جس گھر جائے گی اپنے سلیقے اور خدمت گزاری سے شوہر اور اس کے گھر والوں کو جیت لے گی۔''

''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔'' اماں نے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔

''آپ گھر میں انکل اور باقی لوگوں سے مشورہ کر لیں اور مجھے بتا دیں...... جس دن کہیں گی ان لوگوں کو لے آؤں گی اپنے ساتھ۔''

''کوئی منع تھوڑی کرے گا ثریا...... تم تو اب اپنوں سے بڑھ کر ہو...... تم سے کیا پردہ داری...... تمہید کے لیے رشتے آتے رہے ہیں مگر...... لوگوں کو پتا نہیں کیوں ظاہری خوب صورتی کی تلاش ہوتی ہے حالانکہ اصل خوب صورتی تو انسان کے اندر ہوتی ہے۔ پرانے لوگوں کا کہنا ہے لڑکی اور جوتی آرام دہ تلاش کرنی چاہیے...... کرنے کو کوئی یہ اعتراض بھی کر سکتا ہے کہ لڑکی اور جوتی کو کہاں ملا دیا مگر گہرائی میں جاؤ تو پرانے لوگوں کی یہ بات سوفی صد درست ثابت ہے۔ جوتی لاکھ لعل جڑی اور قیمتی ہو اگر پہننے والے پاؤں کو آرام نہ دے تو بیکار...... اسی طرح لڑکی کتنی ہی خوب صورت اور اونچے گھر کی کیوں نہ ہو جس گھر جائے اس کے لوگوں کو آرام نہ دے تو بیکار۔''

''سوفی صد درست آنٹی۔'' ثریا نے تائیداً کہا۔

''آنے والے ہمارے سر آنکھوں پر ثریا...... مگر دیکھو...... لانے سے پہلے انہیں یہ ضرور بتا دینا کہ لڑکی کوئی اپلا پری نہیں...... اللہ کی بنائی صورت ہے...... کیا فائدہ کہ وہ کوئی لمبی چوڑی امیدیں باندھ کر آئیں اور لڑکی دیکھیں تو انکار کر دیں...... لڑکی پر بھی برا اثر پڑے گا...... سمجھ رہی ہو ناں تم میری بات؟'' اماں نے ثریا سے کھل کر بات کی۔

''آپ فکر نہ کریں آنٹی...... میں خود بھی بہنوں والی ہوں...... مجھے یہ سب معلوم ہے...... چچی میری بہت سیدھی سادی عورت ہیں...... چچا دیندار بہت ہیں، خوف خدا رکھتے ہیں دل میں...... بڑے بیٹے کے لیے بھی سیدھی سادی باپردہ لڑکی بیاہ کر لائے ہیں اور اب چھوٹے کے لیے بھی انہیں ایسی لڑکی تلاش ہے جو چھوٹے کو چھوٹا بڑے کو بڑا سمجھے۔ عزت کرے اور عزت کروائے...... انہیں اُجلی چمڑی نہیں اجلے دل والی لڑکی کی ضرورت ہے...... جو ہر وقت اپنی لیپا پوتی میں نہ لگی رہے گھر سنبھالے...... تمہید بہت خوش رہے گی ان کے گھر میں...... انہیں بتا دیا ہے میں نے کہ لڑکی نہ تو خوب صورت ہے نہ بہت پڑھی لکھی مگر گھر داری میں طاق...... بس انہیں ایسی ہی لڑکی چاہیے۔''

''یہ بھی بتا دیا کہ ہمارے پاس لڑکی کو دینے دلانے کو بھی نہ ہونے کے برابر ہے؟'' اماں نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''آپ اطمینان رکھیں آنٹی...... لالچی ہمارے خاندان میں کوئی بھی نہیں...... منہ پر ضرور بات کر دیتے

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہیں...... میری طرح...... چاہے کسی کو اچھی لگے یا بری...... مگر دل میں کوئی کھوٹ نہیں رکھتے۔"

"بہت اچھی بات ہے ثریا...... بغل میں چھری رکھ کر منہ پر رام رام کرنے سے صاف بات کر دینا بہت بہتر...... اچھا یہ بتاؤ......" اماں نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ "تسنیم کا قصہ بھی بتا دیا تم نے ان لوگوں کو؟"

"کیوں! انہیں کیوں بتاتا...... آپ بھی نہ بتانا آنٹی...... کیا ضرورت ہے بتانے کی۔" ثریا چونکی۔

اماں نے ثریا کو بے یقینی سے دیکھا پھر بولیں۔ "کبھی پتا چل بھی سکتا ہے ثریا۔"

"جب پتا چلے گا تو دیکھا جائے گا...... اپنے آپ بتانے کی کیا ضرورت ہے!"

"دیکھ لو ثریا...... بعد میں کوئی مسئلہ نہ ہو۔"

"انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا آنٹی...... ہماری تمہید اپنی کم گوئی، خدمت اور ادب، تہذیب سے ان سب کا ایسے دل جیت لے گی کہ انہیں پتا چلا بھی تو کوئی چوں نہیں کر سکے گا۔ اللہ بخشے میری والدہ کہا کرتی تھیں شادی سے پہلے لڑکا اور لڑکی والے ایک دوسرے کے بارے میں بہت چھان بین کرتے ہیں، بال کی کھال نکالتے ہیں لیکن شادی کے بعد لڑکی کے شوہر اور سسرال والوں کو بس لڑکی ہی سے غرض رہ جاتی ہے۔ پیچھے کیا تھا کیا نہیں...... ماں، باپ کیا ہیں...... بہن بھائی کیا...... اس سے کسی کو غرض نہیں ہوتی...... لڑکی اگر عقل سے کام لینا جانتی ہو تو سسرال میں اپنا پلڑا بھاری رکھ سکتی ہے۔ اپنی تمہید اللہ نے چاہا تو راج کرے گی...... ویسے بھی میرے چچا، چچی اور ان کے بچے لوگوں کی کمزوریاں دیکھنے اور طعن و تشنیع کرنے والے لوگ نہیں، خوفِ خدا رکھتے ہیں۔" اماں کے اطمینان کو ثریا نے بالتفصیل کہا۔

"خاندانی لوگوں کا یہی وصف ہوتا ہے۔" اماں بولیں۔

"آپ جب کہیں میں لے آؤں انہیں۔"

"جب تمہارا جی چاہے ثریا...... جب تمہیں سہولت ہو۔"

"آپ اپنی سہولت دیکھیں۔"

"میری سہولت کیا دیکھنی...... میں تو برسوں سے اس کرسی پر محتاج بنی پڑی ہوں۔ یہاں سے نکلوں گی بیٹھک میں جا پہنچوں گی...... بچیوں کی اتنی فکر لگی رہتی ہے ہر وقت دل کو کہ چاہتی ہوں گھڑی کی چوتھائی میں یہ اپنے، اپنے عزت کے ٹھکانوں پر پہنچیں...... بچے کی فکر بھی لگی رہتی ہے...... سیکڑوں میل دور دوسرے شہر میں اللہ جانے کس حال میں رہتا ہوگا۔"

"ایک دو لڑکیاں نمٹ جائیں تو پھر اس کا بھی گھر بسا دیں۔"

"انشاء اللہ۔"

"کوئی لڑکی نظر میں ہے اس کے لیے؟"

اماں نے ایک سرد آہ کھینچی پھر بولیں۔ "تم سے کیا پردہ ثریا...... چھوٹی نند کی بیٹی نظر میں رکھی ہوئی تھی اس کے لیے مگر...... اس کے کسی دوست کے ماموں نے اسے اپنی بیٹی کے لیے اپنے شکنجے میں پھنسا لیا۔"

"خدا غارت کرے۔" ثریا نے بے ساختہ بددعا دی پھر بولی۔ "اچھے لڑکوں پر لوگ یونہی ڈورے ڈالتے ہیں اپنی بہنوں، بیٹیوں کے لیے۔"

"بیٹے کے لیے تو میرے سارے ارمان دل کے دل میں ہی رہ گئے...... ٹھیکرے کی مانگ تھی...... سوچتی تھی بچیاں تو اپنے، اپنے گھر چلی جائیں گی وہی میری بیٹی بن کر رہے گی میرے پاس...... منہ دکھانے کے لیے بھی نہیں آتے ہم میاں، بیوی اس کے ماں، باپ کو...... نہ زبان سے کچھ کہہ سکتے ہیں ان سے...... کیا کہیں بھلا......" اماں

WWW.PAKSOCIETY.COM

دلگرفتگی سے بولیں۔

”نہیں آنٹی...... یہ تو آپ کو بتا دینا چاہیے لڑکی والوں کو...... تا کہ وہ اس کا کہیں اور کرنے کی سوچیں۔“

”کس منہ سے ثریا...... کس منہ سے...... میری تو بات کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔“

”ہمت تو کرنی پڑے گی۔“

”سچی بات بتاؤں...... ایک ہلکی سی امید یہ بھی ہے کہ شاید کوئی ایسا معجزہ ہو جائے کہ صبح کا بھٹکا شام کو گھر لوٹ آئے۔“

”چاہے شام کے انتظار میں لڑکی بیچاری کی زندگی میں رات ہو جائے۔“ ثریا کی صاف گوئی نے اماں کا مروتاً بھی لحاظ نہیں کیا اور چٹکی بجا کر بولی۔ ”یوں جاتی ہے لڑکی کی شادی کی عمر...... اپنی غرض کے لیے کسی کو اٹکا کر رکھنا مناسب نہیں...... برا مت ماننا آنٹی...... میں لگی لپٹی نہیں رکھتی۔“

”اچھا کرتی ہو ثریا...... تم سے بات کر کے مجھے یہ بھی احساس ہو رہا ہے کہ ہمیں ان لوگوں کو بتا دینا چاہیے...... دیکھو بات کرتی ہوں تمہارے انکل سے...... وہی بات کریں گے بہن سے۔“

”ضرور کریں...... جیسے آپ کو اپنی بچیوں کی فکر ہے، آپ کی نند کو بھی تو ہو گی۔“

”ہاں، کیوں نہ ہو گی بھلا۔“

”چچا اور چچی سے بات کر کے بتاتی ہوں آپ کو کہ کس دن آنا چاہ رہے ہیں وہ لوگ۔“

”ٹھیک ہے...... خدا تمہیں خوش رکھے۔“ اماں نے ثریا کو شکر گزاری سے دیکھا۔

☆☆☆

عائزہ شادی کے لیے مُصر تھی اور مونس الجھا ہوا تھا کہ ایک دو نہیں پانچ جوان بہنیں گھر میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ تسنیم کی بھی نہ ہونے کے برابر ہی تھی۔ کیسے کہہ سکتا تھا وہ گھر والوں سے کہ بہنیں بھلے سے بیٹھی رہیں، پہلے میری کر دو۔ والدین اور بہنوں کے لیے اس نے ابھی کیا ہی کیا تھا۔ مہینہ بھر انتظار کے بعد جو تنخواہ ہاتھ میں آتی تنخی بات تو یہ تھی کہ وہ اس کی اپنی کفالت کے لیے بھی ناکافی تھی۔ ہاتھ کھینچ کر خرچ کرتا۔ دو وقت کے بجائے ایک وقت کھانا منگواتا میس سے...... بلا ضرورت باہر آنے جانے سے گریز کرتا...... دوستوں کی باہر نشستوں میں شرکت سے بہانے بہانے معذرت کرتا، تب کہیں جا کر سات ہزار روپے ماہانہ اماں کے نام بھجوا پاتا۔ پہلا منی آرڈر اس نے ابا کے نام بھجوایا تھا لیکن ابا نے کہا میں تو گھر میں ہوتا نہیں ہوں پوسٹ مین سے منی آرڈر کی وصولی کے لیے مجھے دفتر سے آدھی چھٹی لے کر ڈاک خانے جانا پڑا۔ اول تو ضرورت نہیں لیکن بھجوانا ہو تو آئندہ اپنی ماں کے نام سے بھجوانا۔ وہ تو گھر ہی پر ہوتی ہیں وصول کر لیں گی۔ سو اس نے اماں کے نام منی آرڈر بھجوانا شروع کر دیا تھا۔

جونیئر فوجی افسران کی بے شکن وردیوں سے مرعوب رہنے والوں کو کیا معلوم کہ دفاعِ وطن جیسی گراں ذمے داری اٹھانے والے قوم کے یہ جری اور نڈر سپوت بھی ایک عام فرد ہی کی طرح زندگی کے مسائل سے نبرد آزما رہتے ہیں۔

ویک اینڈ پر عائزہ سے ملنے کی خاطر اسلام آباد جانے کی خواہش کو بھی وہ اپنی پیشہ ورانہ مصروفیت کے بہانے ممکنہ حد تک محض اس لیے ٹالے جاتا کہ اس کے وہاں جانے پر جب صبور احمد اور ان کے اہلِ خانہ اسے ساتھ لے کر باہر نکلتے اور کہیں باہر کھانا پینا ہوتا تو اسے بھی اپنی جیب سے والٹ نکالنا ہوتا۔ گو صبور احمد منع کرتے مگر ان کے منع کرنے کے باوجود بل وہ خود ہی ادا کرنے کی کوشش کرتا کہ اب وہ زیرِ تربیت افسر نہیں کمیشن یافتہ افسر تھا مگر بل ادا کرنے کے بعد اس کے دل کی جو حالت ہوتی وہی جانتا تھا۔ کتنی بہت سی ضرورتیں تھیں جو منہ کھولے کھڑی

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہتی تھیں ......اور اس پر مستزاد شادی کے لیے عائزہ کا اصرار۔

"یار! چھبیس کا تو ہو جانے دو......اس سے پہلے تو مجھے میرڈ آفیسرز والی مراعات بھی نہیں ملیں گی۔" ایک روز اس نے کہا۔

"دونوں مل کر مینج کر لیں گے مونس۔" اس نے امید دلائی۔

"دونوں مل کر کہاں......تم نے تو ابھی ڈگری مکمل کی ہے......کمیشن کے لیے اپلائی کرو گی......سلیکشن...... پھر ٹریننگ...... پوسٹنگ۔"

"میں نے کمیشن کے لیے اپلائی کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔"

"کیوں؟" وہ چونکا۔

"میرے فرینڈز کہتے ہیں سول لائف میں زیادہ آپشنز، زیادہ پیسہ ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔"

"میں پبلک سیکٹر کے کسی بڑے ادارے میں یا پھر کسی ملٹی نیشنل میں جاب لینے کی کوشش کروں گی۔"

"جو تمہیں مل بھی جائے گی۔" وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"جوتشی ہو کیا؟" وہ مسکرائی۔ "جو اتنے یقین سے یہ بات کہہ دی۔"

"جوتشی نہ سہی تمہاری ذہانت، تمہاری صلاحیتوں کا تو علم ہے ناں مجھے!"

"تھینک یو۔" وہ مسکرائی۔ "برنارڈ شا کا واقعہ تو سنا ہو گا تم نے!"

"کون سا واقعہ؟"

"سنا ہے برنارڈ شا کو جو اللہ کی بخشی ہوئی صورت رکھتا تھا ایک خوب صورت خاتون نے شادی کی پیشکش کی اور کہا ہماری شادی کے بعد ہمارے ہاں جو اولاد ہو گی اسے آپ کی ذہانت اور میری خوب صورتی مل گئی تو وہ کیا کمال کی مخلوق ہو گی...... برنارڈ شا نے کہا اور اگر ہماری اولاد کو آپ کی ذہانت اور میری صورت مل گئی تو......؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ جنٹلمین کہ...... مجھے آپ کی طرح کے ہینڈسم بچے چاہئیں۔" مونس کو اس کی بے باکی پر حیرت ہوئی۔ لڑکیاں اظہارِ محبت کرتے ہچکچاتی ہیں...... من پسند نوجوان سے شادی کی خواہش ظاہر کرنے میں دنوں متردد رہتی ہیں اور عائزہ......!

"تم اپنے پیرنٹس سے بات کرو نا مونس......" عائزہ ٹھنکی۔

"تھوڑا انتظار......" وہ لجاجت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

☆☆☆

اپنے مقدمے کی پیروی کے لیے نیا وکیل کرنے کو حجاب نے تقدیم سے مشورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ تقدیم نے ایک دو بار ذکر کیا تھا کہ این جی او کے قانونی معاملات کے سلسلے میں اس کا وکلا سے بھی رابطہ رہتا ہے۔ حجاب نے سوچا شاید تقدیم دوسرے وکیل کی خدمات حاصل کرنے کے سلسلے میں اسے کوئی مناسب مشورہ دے سکے۔ اب تو اسے یہ خدشہ بھی ہو گیا تھا کہ کہیں دوسرا وکیل بھی پہلے وکیل کی طرح کسی نازک موڑ پر ہری جھنڈی نہ دکھا جائے۔ بجا کہ ہر پیشے کی کچھ اخلاقیات ہوتی ہیں سو وکلا کی بھی تھیں مگر الطاف کے ہاتھ لمبے تھے اور حجاب کا دل چغلی کھاتا تھا کہ اس کی سابقہ وکیل کے انکار کے پیچھے الطاف ہی کا ہاتھ تھا۔

تقدیم نے حجاب کی ملاقات اویس انصاری سے کروائی۔ اویس انصاری نے اپنی غیر معمولی مصروفیت کے باعث اپنے ہی کسی ساتھی کو...... recommend کرنا چاہا لیکن تقدیم نے کہا۔

"اویس صاحب! یہ میری بہت اچھی دوست ہے...... کہنے کو دوست مگر بہنوں کی طرح...... آپ کسی بھی صورت خود وقت نکالیں۔"

"مس تقدیم! یہ تو میں آپ کی دوست کو لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ مقدمے کا فیصلہ انہی کے حق میں ہو گا...... طلاق اگر مرد کا اختیار ہے تو خلع عورت کا حق...... جب کوئی خاتون اپنے شوہر سے علیحدگی کا فیصلہ کر لے تو عدالت اسے اس کی مرضی کے خلاف شوہر کے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کر سکتی...... جلد یا بدیر فیصلہ عورت کے حق میں ہو جاتا ہے......اور یہ کوئی قتل کا مقدمہ بھی نہیں کہ فیصلہ ہونے میں برسوں لگیں......انشاء اللہ جلد ہو جائے گا۔"

"مگر وہ شخص مقدمے کو طول دینے کے لیے حربے پر حربہ جو آزما رہا ہے، پہلے اس کے وکیل نے دو ماہ کے لیے اس کی ملک میں عدم موجودگی کو جواز بنا کر بحث کے لیے لمبی تاریخ لی اور اب میری وکیل نے پیروی سے معذرت کر لی۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے کوئی انجانا وکیل مقرر کیا تو کہیں اسے بھی نہ توڑ لے وہ شخص۔" حجاب نے خدشہ ظاہر کیا۔

"ایسا نہیں ہوتا محترمہ...... بجا کہ ہم وکیل بھی انسان ہی ہیں...... ہو سکتا ہے آپ کی سابقہ وکیل کے عذر میں اسی شخص کا ہاتھ ہو لیکن یہ تو نہیں کہ اس کے ہاتھوں ہر وکیل ہی ٹوٹتا چلا جائے گا۔"

"وکیل صاحب! میں نے کہا ناں مجھے اس بات کا ڈر ہے...... وہم کہہ لیں۔" حجاب کو خفت محسوس ہوئی۔

"وہم کا تو کوئی علاج نہیں خاتون۔" اویس انصاری نے شگفتگی سے کہا۔ حجاب نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تقدیم کی منت کی کہ وہ اویس انصاری کو مقدمے کی پیروی پر مجبور کرے۔

"اویس صاحب! آپ خود وقت نکالیں پلیز...... کسی بھی طرح......" تقدیم نے اویس انصاری سے کہا۔

"کسی بھی طرح......" اویس انصاری نے اپنے لبوں پر دھیمی سی مسکان کے ساتھ اس کے الفاظ دہرائے پھر مزید کہا۔ "چاہے میرے پاس مرنے کے لیے بھی وقت نہیں ہو۔"

"خدا آپ کو عمرِ دراز عطا فرمائے۔" تقدیم نے بے ساختہ کہا۔

اویس انصاری کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"زندگی بھر ممنون رہوں گی۔" تقدیم نے کہا اور اویس انصاری کو غیر معمولی گہری نگاہوں سے اپنی طرف دیکھتے پا کر محجوب سی ہو گئی۔

اویس انصاری کی نگاہیں ساٹھ درجے کے زاویے پر حجاب کی جانب گھومیں اور اس نے حجاب سے کہا۔ "گزشتہ پانچ سال سے میں اس این جی او کو قانونی مشاورت دے رہا ہوں جہاں آپ کی دوست جاب کرتی ہیں...... اتنی مضبوط سفارش لائی ہیں آپ اپنے ساتھ کہ میں آپ کا کیس لینے پر مجبور پا رہا ہوں خود کو۔"

"تھینک یو...... تھینک یو ویری مچ وکیل صاحب......" حجاب کا چہرہ یک لخت تمتما اٹھا۔ "اینڈ تھینکس ٹو یو۔" اس نے تقدیم کی طرف دیکھا۔

"تم نے میرا شکریہ ادا کیا تو الطاف کے بجائے میرے ہاتھوں قتل ہو جاؤ گی۔" تقدیم نے مسکرا کر کہا۔

"الطاف کون؟" تقدیم نے بتایا۔

"لاحول ولا قوۃ!" حجاب بے ساختہ بولی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

اویس انصاری نے چونک کر حجاب کی جانب دیکھا۔ حجاب نے سر جھکا لیا اور دھیمی آواز میں بولی۔ ''بعض انسان ایسے ہی ہوتے ہیں وکیل صاحب! اس شخص نے مجھے نفسیاتی طور پر ٹارچر کرنے کے لیے کیا، کیا حربے نہیں آزمائے...... میں آپ کو ضرور بتاؤں گی...... سنا ہے مریض کو اپنے معالج سے اور مؤکل کو اپنے وکیل سے حقائق چھپانے نہیں چاہئیں۔''

''بالکل درست سنا ہے آپ نے...... اس وقت تو میں ہائی کورٹ جانے کو اٹھ رہا ہوں...... ایسا کریں آج یا کل شام آپ میرے آفس آجائیں...... شام کو سات بجے کے بعد میں وہیں ہوتا ہوں۔'' اویس انصاری نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر حجاب کی طرف بڑھایا۔ ''آنے سے پہلے احتیاطاً فون کر لیجیے گا۔''

''اوکے!''

تقدیم کے ساتھ کورٹ کے پُرہنگام راستوں سے گزرتے ہوئے حجاب نے جو بڑی سی چادر اوڑھے آنکھوں کے سوا اپنا باقی چہرہ چادر سے چھپائے ہوئے تھی سرگوشی میں تقدیم سے پوچھا۔ ''وکیل صاحب کنوارے ہیں یا شادی شدہ؟''

''پتا نہیں۔'' تقدیم نے جواب دیا۔

''حیرت ہے۔''

''کیا مطلب؟'' تقدیم ٹھٹک گئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''بندے کو اپنی معلومات اپ ٹو ڈیٹ رکھنی چاہئیں۔'' حجاب کی آنکھوں میں مسکراہٹ کوندی۔

''یو سلی گرل۔'' تقدیم نے اپنے سر کو جھٹکا اور دوبارہ تیز تیز قدم بڑھانے لگی۔ حجاب اس کے پہلو بہ پہلو تھی۔ تقدیم کی دوستی آج اس کے کتنی کام آئی تھی۔

☆☆☆

ثریا نے تمہید کے رشتے کے لیے اپنے چچا اور ان کے گھر والوں کو لانے میں لیت و لعل سے کام نہیں لیا۔ اماں سے بات کرنے کے بعد تیسرے ہی دن وہ ان لوگوں کو لے آئی۔ نادر بھی ساتھ تھا۔ لڑکے کے والدین، بہنوں اور خود لڑکے کے چہرے پر بکھری شرافت ان کے خاندانی پن کی غماز تھی۔ سیدھے سادے، مہذب اور شریف لوگ جن کے انداز و اطوار سے حلیم الطبعی عیاں تھی۔ گفتگو بہت نپی تلی اور مذاق شستہ تھا۔ اماں کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ثریا کے قریبی رشتے دار اتنے وضعدار ہوں گے۔ ثریا بے باک اور منہ پھٹ تھی۔ انداز و اطوار میں وہ شستگی نہ تھی جو اس کے چچا اور ان کے اہل خانہ میں دیکھنے کو ملی۔ وجہ ثریا نے اس روز اماں یا کسی اور کے پوچھے بنا اپنے چچا اور ان کے اہل خانہ کے سامنے از خود بیان کر دی۔

''آنٹی!'' ثریا نے اماں کو بطور خاص مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''میری ددھیال علی گڑھ کی ہے۔ سب پڑھے لکھے اور سلجھے ہوئے لوگ...... چچا جان کی شادی اپنے خاندان میں ہی ہوئی...... چچی جان ہمارے ابا کے خالہ زاد بھائی کی بیٹی ہیں...... میری اماں دوسرے خاندان سے بیاہ کر آئی تھیں...... دہلی کا خاندان تھا... چٹخارے دار لوگ...... اماں ہماری خدا بخشے اتنے لذیذ کھانے پکاتی تھیں کہ لوگ انگلیاں چاٹتے رہ جاتے تھے۔''

''یہ کتنی بڑی خوبی تھی۔'' ثریا کی چچی بولیں۔ ''عورت کا اصل زیور تو اس کا سلیقہ اور گھرداری ہی ہوتی ہے۔''

تمہید چائے لے کر مہمانوں کے سامنے آئی تو ثریا کی چچی نے اسے بہت اپنائیت اور پیار سے اپنے نزدیک بٹھایا۔ چچی اور ان کی دونوں بیٹیوں نے تمہید سے اتنی محبت اور نرمی سے بات کی کہ چائے کی ٹرے لے کر بیٹھک

میں داخل ہوتے وقت جو سراسیمگی اور خلجان تھا رفع ہو گیا۔

''کچوریاں بہت عمدہ ہیں۔'' لڑکے کے والد نے کہا۔

''تمہید نے بنائی ہیں چچا جان۔'' ثریا نے بتایا۔

''ٹرائفل بھی زبردست ہے پاپا۔'' لڑکے کی شادی شدہ بہن نے کہا۔

''تمہید ہر چیز زبردست بناتی ہے۔'' ثریا بولی۔ ''یہ جو صوفہ سیٹ پر ایپلیک کی کڑھائی ہے یہ بھی تمہید نے کی ہے اور...... وہ جو کونے میں گلدان رکھا ہے اس میں جو پھول لگے ہیں وہ بھی تمہید ہی نے بنائے ہیں۔''

''بہت خوب صورت۔'' چچی بھی گلدان میں لگے پھولوں پر اپنی نگاہ مرکوز کیے ہوئے تھیں۔

''تمہید بیٹی! آپ جانا چاہیں تو جا سکتی ہیں...... ہم لوگ اب اپنی باتیں کریں گے۔'' چچا نے کہا۔

تمہید اٹھی تو چچی نے اسے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے اور پیار کرتے ہوئے رخصت کیا۔

تمہید کے جانے کے بعد ثریا کے چچا نے ابا سے کہا۔ ''سچ پوچھیں تو ہمیں اپنے بیٹے کے لیے آپ ہی جیسے لوگوں کی تلاش تھی۔'' انہوں نے اپنا روئے سخن ثریا کی طرف پھیرا اور بولے۔ ''ثریا بیٹی شکریہ...... تم نے ہمیں صحیح جگہ پہنچا کر ہمارا کام آسان کیا۔''

''ارے چچا یہ تو میرا فرض تھا...... آخر آپ بھی تو کتنی بہت سی باتوں میں میرے اور نادر کے لیے آسانیاں دیتے ہیں...... آپ کا یہ احسان میں ساری زندگی نہیں بھول سکتی کہ نادر کی نوکری آپ نے لگوائی۔''

''بیٹی ہو تم میری......'' چچا بولے پھر انہوں نے اماں اور ابا کو دیکھا اور کہا۔ ''ثریا بیٹی نے آپ لوگوں کی اتنی تعریف کی ہے کہ میری دلی خواہش ہے آپ لوگوں سے ہماری رشتے داری قائم ہو...... یہ میرا بیٹا آپ کے سامنے بیٹھا ہے، آپ جو چاہیں اس سے سوال کریں جیسے اور جس سے چاہیں ہمارے بارے میں چھان بین کریں...... میں آپ کو اپنا اور صاحبزادے کے دفتر کا اتا پتا، فون نمبر اور اپنے اور صاحبزادے کے چند قریبی ساتھیوں اور افسران کے فون نمبر دے دوں گا تاکہ آپ پوچھ گچھ کر کے اپنا اطمینان کر سکیں...... میرے محلے کا چکر لگائیں، آس پڑوس سے معلومات لیں، بیٹے کے چال چلن کے بارے میں اپنی تشفی کریں...... رشتے داروں کے اتے پتے اور فون نمبر بھی فراہم کر دوں گا...... آپ کو کھلی آزادی ہے کہ جس سے چاہیں ملیں جس سے چاہیں پوچھ گچھ کریں...... اگر آپ مطمئن ہو جاتے ہیں تو میری اور میری اہلیہ کی خواہش ہوگی کہ تمہید بیٹی ہماری بیٹی بن کر جلد از جلد ہمارے گھر آجائے۔''

''آپ اپنا اطمینان بھی تو چاہیں گے...... پہلے آپ ہمارے بارے میں اطمینان کر لیں۔'' ابا بولے۔

''آپ کا اطمینان زیادہ ضروری ہے۔'' چچا نے کہا۔

''ہمارے اطمینان کے لیے یہی کافی ہے کہ ثریا آپ کی بھتیجی ہیں۔''

''ہمیں بھی کسی چھان بین، کسی سے پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں...... شریف لوگ اپنے چہروں سے پہچانے جاتے ہیں...... سب سے بڑا اطمینان دل کی گواہی ہوتی ہے...... ہمارا دل مطمئن ہے۔'' ثریا کے چچا نے کہا۔

''اللہ کی رضا اور خیر و برکت حاصل کرنے کو ہم استخارہ بھی کر لیں گے...... بلکہ آپ لوگ بھی کر لیں۔'' چچی نے کہا۔

''انشاء اللہ!'' ابا نے کہا۔

تعارفی نشست انتہائی خوشگواریت کے ساتھ برخاست ہوئی۔

اگلے روز ہی ثریا کے چچا کا ابا کو فون آگیا اور انہوں نے مسرت سے معمور لہجے میں کہا۔ ''ہم دونوں میاں،

WWW.PAKSOCIETY.COM

بیوی نے استخارہ کیا اور بلال سے بھی کروایا...... الحمدللہ بہت مبارک اشارے ملے ہیں...... اب بس آپ کی طرف سے اشارہ ملنے کی دیر ہے۔"

"جب آپ کا جی چاہے۔" ابا نے جواب دیا۔

"بہت بہت شکریہ۔"

چچا کی وضعداری نے ثریا کو شاملِ حال رکھا۔ ثریا اپنے شوہر نادر کے ہمراہ چچا کا یہ پیغام لے کر پہنچی کہ چچا اور ان کے گھر والے جمعہ کی شام تمہید کے لیے اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آ رہے ہیں اور منگنی وگنی کے جھمیلوں میں پڑنے کے بجائے اسی روز بات پکی کر کے شادی کی تاریخ بھی طے کر دینے کے خواہاں ہیں۔ ثریا کی آمد نے گھر کی فضا ہی بدل دی۔ تسنیم بھی سب کے ساتھ آ بیٹھی۔ کچھ تاخیر سے سہی بالآخر تمہید کا مقدر کھلنے کا وقت آ گیا تھا۔

☆☆☆

سول جج کی عدالت کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ الطاف کے خلاف حجاب کے دعویٰ برائے خلع پر بحث جاری تھی۔ الطاف اپنے وکیل سیف علی خان اور حجاب اپنے وکیل اویس انصاری کے ساتھ کرسیِ انصاف پر بیٹھے جج کے روبرو تھے۔ اویس انصاری نے نہ صرف حجاب کی سابقہ وکیل کی فراہم کردہ فائل کو بہ نظرِ غور دیکھا تھا بلکہ حجاب سے زبانی کلامی بھی ضروری نکات پر تبادلۂ خیال کیا تھا۔ جس عدالت میں مقدمہ زیرِ سماعت تھا اس سے درخواست کر کے اس نے اب تک مقدمے کے سلسلے میں ہونے والی پیش رفت سے آگہی کے لیے اہم کاغذات کی نقول بھی حاصل کر لی تھیں۔ اس نے حجاب کو امید دلائی تھی کہ عدالت اسے خلع کا فیصلہ دینے میں اب زیادہ وقت نہیں لے گی۔

"میڈم! اس نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ تو ہم عدالت میں جاتے ہیں اور لے آتے ہیں...... ڈیفنڈینٹ محض اپنے وسائل اور اثر و رسوخ کی بنا پر کیس کو اتنا کھینچ لے گیا ہے ورنہ اس میں اس کی طرف سے تو کچھ بھی جان نہیں۔"

"ہم تو عدالت کے چکر لگا لگا کر تھک گئے ہیں وکیل صاحب...... کبھی جج صاحب چھٹی پر چلے جاتے ہیں...... کبھی ایک سے دوسری بات سنے بغیر ہی اگلی تاریخ دے دی جاتی ہے...... بحث کے لیے... اس مرتبہ اور کچھ نہیں تو الطاف کی ملک سے دو ماہ غیر حاضری کی بنا پر دو ماہ لمبی تاریخ دے دی گئی۔" امی جو حجاب کے ہمراہ اویس انصاری کے دفتر آئی تھیں دل گرفتہ لہجے میں بولیں۔

"اماں جی کوشش کریں گے کہ اب مزید تاخیری حربے نہ آزمائے جائیں۔" اویس انصاری نے امی کو اطمینان دلایا۔

عدالت میں بحث کے موقع پر اویس انصاری نے کرسیِ انصاف پر متمکن جج سے کہا۔ "جنابِ والا! میاں بیوی کا رشتہ باہمی اعتماد کا رشتہ ہوتا ہے اگر یہ اعتماد ہی نہ رہے تو زندگی کی پوری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے۔ میری مؤکلہ ایک تعلیم یافتہ اور باشعور خاتون ہیں۔ جس شخص سے اس کا رشتۂ مناکحت قائم ہوا اس نے اس رشتے کی بنیاد جھوٹ پر رکھی...... اس نے خود کو کنوارا ظاہر کیا جبکہ وہ پہلے سے شادی شدہ تھا اور میری مؤکلہ سے نکاح کے وقت اپنی پہلی منکوحہ کے بطن میں نمو پاتے بچے کا باپ بننے والا تھا۔ اس حقیقت کے آشکار ہونے پر میری مؤکلہ کو نہ صرف صدمہ پہنچا بلکہ معاشرے میں اس کی ساکھ پر بھی ضرب پڑی...... میری مؤکلہ ایک ذمے دار شہری، پاکیزہ کردار کی حامل ایک نفیس الطبع مشرقی خاتون اور شعبۂ تعلیم سے وابستہ ہونے کی بنا پر نوجوان نسل کی کردار سازی اور تربیتِ اخلاق میں اپنا کردار ادا کر رہی ہے...... اس کا وسیع حلقۂ احباب ہے، اس کی نگرانی میں چلنے والے تعلیمی ادارے کی طالبات کے کردار کو اسی کے قول و فعل سے براہِ راست اثر پذیری ملتی ہے...... میری مؤکلہ معاشرے

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے متوسط طبقے کی نمائندہ ہے جبکہ اس مقدمے کا فریق دوم ایک امیر وکبیر آدمی ہے جس کے بے بہا اثاثے ہیں...... پہلے سے شادی شدہ اس امیر وکبیر شخص سے میری موکلہ کا رشتۂ مناکحت اس کی نگرانی میں چلنے والے تعلیمی ادارے کی نوجوان غیر شادی شدہ اساتذہ ... اور نوعمر طالبات کو اس پیغام کی بنیاد بھی تو بن سکتا ہے کہ شادی کے لیے امیر آدمی پھانسو اور خواہ وہ پہلے سے شادی شدہ اور بچوں والا ہی کیوں نہ ہو اس سے شادی رچاؤ۔"

"میرے فاضل دوست! آپ نے میری اور میرے موکل کی مشکل آسان کر دی۔" الطاف کے وکیل نے مداخلت کی۔

جج نے الطاف کے وکیل کو تنبیہی انداز میں انگلی دکھائی۔

"جنابِ والا...... میں اس موقع پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"میری بات ابھی پوری نہیں ہوئی ہے جناب۔" اویس انصاری نے کہا۔

"میں جانتا ہوں...... آپ کی شعلہ نوائی کی تو عدالتوں میں دھوم ہے، میرے دوست آپ کو تو میں زمانۂ طالب علمی سے جانتا ہوں۔" سیف علی خان استہزائیہ انداز میں مسکرایا اور اس نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے فاضل دوست اور میں ایک ہی کالج سے فارغ التحصیل ہیں جنابِ والا۔"

"وکیل صاحب ذاتیات پر اتر آئے ہیں جنابِ والا...... میری عدالت سے استدعا ہے کہ انہیں حدود میں رہنے کا پابند کرے۔" اویس انصاری نے کہا۔

"ذاتیات اور غیر ضروری باتوں سے گریز کیا جائے۔" جج نے سیف علی خان کو دیکھتے ہوئے تنبیہ جاری کی۔

"ضروری بات کی تو اجازت ہے جنابِ والا۔" سیف علی خان نے کہا۔

"کہیے...... کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

"سر! جھوٹ میرے موکل نے نہیں بولا...... یہ سراسر تہمت ہے میرے موکل پر کہ اس نے مدعیہ سے اپنے رشتۂ مناکحت کی بنیاد پر جھوٹ پر رکھی...... مدعیہ کو نکاح سے قبل یہ بات بہت اچھی طرح معلوم تھی کہ جس شخص سے وہ نکاح کرنے جا رہی ہے وہ شادی شدہ ہے اور اس کی بیوی اپنے پہلے بچے کی ماں بننے والی ہے...... مدعیہ کوئی گھر بیٹھی سیدھی سادی، معصوم اور الھڑ دوشیزہ نہیں جو زندگی کے پیچ وخم سے آگاہ نہ ہو بلکہ...... گھر سے باہر نکلنے والی ایک تیز طرار عورت ہے جس کا دن بھر باہر کے لوگوں سے رابطہ رہتا ہے...... ایک تعلیمی ادارے کی نگرانی اور اس کا انتظام وانصرام کوئی معمولی بات نہیں ہوتی...... مختلف المزاج اساتذہ کو ایک پلیٹ فارم پر رکھ کر ان سے کام لینا، شترِ بے مہار نوعمر طالبات کو قابو رکھنا، ان کے والدین اور سرپرستوں کو مطمئن کرنا...... چنداں آسان کام نہیں...... گرگِ باراں دیدہ بننا پڑتا ہے...... اُڑتی چڑیا کے پر گن لینے والی نظر رکھنی پڑتی ہے...... مدعیہ یہ سب کچھ کر رہی تھی...... میرے موکل سے اس کی پہلی ملاقات جوتوں کے ایک بڑے اسٹور میں ہوئی جہاں میرا موکل اپنی بیاہتا بیوی کے لیے قیمتی جوتوں کا ایک جوڑا خرید رہا تھا...... مدعیہ نے جو وہاں محض ونڈو شاپنگ کے لیے گئی تھی میرے موکل سے نہ صرف خریدے گئے جوتوں کی قیمت دریافت کی بلکہ یہ بھی پوچھا کہ اس نے جوتے کا وہ جوڑا کس کے لیے خریدا تھا...... میرے موکل نے مدعیہ کی اس بے تکلفی پر حیران بلکہ دل ہی دل میں معترض ہوتے ہوئے اسے سرد مہری سے بتایا کہ جوتوں کا وہ جوڑا اس نے اپنی بیوی کے لیے خریدا تھا۔ میرے موکل کی اس بات پر مدعیہ نے بات کو طول دینے کو پوچھا کہ بیوی ساتھ کیوں نہیں آئی؟ اس کے اس سوال پر میرے موکل نے اسے بادلِ ناخواستہ جواب دیا کہ وہ پریگننٹ تھی اور ڈاکٹر کی ہدایت پر بیڈ ریسٹ پر ہونے کے باعث زیادہ چلنے

پھرنے سے قاصر تھی۔ مدعیہ نے میرے موکل سے لفٹ مانگی اور......"

"آپ غیر ضروری طوالت میں جا رہے ہیں......" جج نے ٹوکا۔

"اور قطعاً جھوٹ بول رہے ہیں۔" حجاب نے صدائے احتجاج بلند کی جو الطاف کے وکیل کی خود ساختہ جھوٹی کہانی پر دل ہی دل میں نہ صرف پیچ وتاب کھا رہی تھی بلکہ شرمندہ بھی تھی کہ امی یہ سب کچھ سن کر اس کے بارے میں کیا سوچتی ہوں گی اور...... اویس انصاری کو کیا پیغام مل رہا ہوگا...... کہ وہ ایسی تھی۔

"سچ تو ابھی کھلے گا میڈم صاحبہ۔" سیف علی خان اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا اور بولا۔

وہ کانپ کر رہ گئی...... اور کیا سچ کھولے گا وہ۔

سیف علی خان نے روئے سخن دوبارہ جج کی طرف کیا۔ "جنابِ والا! لفٹ کے بہانے مدعیہ نے میرے موکل سے راہ ورسم بڑھائی...... اس کی قیمتی گاڑیوں میں اس کے ساتھ گھومتی پھرتی رہی...... ہوٹلنگ کی...... شاپنگ کی...... اور میرے موکل کی اہلیہ کے بیڈ ریسٹ پر ہونے کا خاطر خواہ فائدہ اٹھایا...... گھر کی بیوی حالت حمل میں ہو اور وضعِ حمل کے دن قریب تو باہر کی عورتوں کو مرد کو بہکانے کا کھلا موقع مل جاتا ہے...... مدعیہ نے میرے موکل کو پوری طرح اپنے دام میں پھنسا لیا اور اسے بلیک میل کرنے کو نکاح کی شرط رکھ دی...... میرا موکل ایک شریف آدمی ہے...... اپنی عزت بچانے کو اس نے مدعیہ کے ہاتھوں بلیک میل ہونے کی نسبت اس سے نکاح کر لینے کو ترجیح دی...... مدعیہ نے نکاح کے وقت پچاس تولہ طلائی زیورات، دس لاکھ روپے مہر، قیمتی عروسی لباس اور ایک مربع زمین اپنے نام لکھوانے کی فرمائش کی جو میرے موکل نے اپنی سادگی اور شرافت کے باعث قبول کی۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" حجاب کی آواز میں بھراہٹ تھی۔ اس کی نگاہیں مدافعت کی التجا لیے اویس انصاری کی طرف اٹھیں۔ وہ جج کو دیکھ رہا تھا۔

"بی بی! یہ جھوٹ کیسے ہو سکتا ہے؟" جج نے کہا۔ "اپنے شوہر کی جانب سے ان تمام چیزوں کے دیے جانے کا اقرار تو تم اس عدالت کے سامنے پہلے کر چکی ہو۔"

"مجھے اب بھی انکار نہیں جج صاحب...... مگر یہ کہنا کہ یہ چیزیں میرے مطالبے پر دی گئیں بالکل غلط ہے...... میں نے ایک تنکا بھی ڈیمانڈ نہیں کیا تھا، نہ ہی میرے گھر والوں نے...... یہ سب کچھ ہمارے مانگے بنا...... میرے گھر والوں کو اپنی امارت کے رعب میں لینے کے لیے دیا گیا...... میں نے عدالت کے سامنے اعتراف کیا کہ یہ ساری چیزیں ہماری تحویل میں ہیں اور ہم سب کچھ واپس کرنے کو تیار ہیں۔"

"اس لیے جنابِ والا مدعیہ نے اب میرے موکل سے بھی زیادہ موٹا شکار پھانس لیا ہے۔" سیف علی خان نے برجستہ کہا۔

حجاب نے ہڑبڑا کر امی کو دیکھا پھر اس کی نظریں اویس انصاری کی طرف گھومیں مگر اسے دیکھنے کی ہمت کیے بنا پلٹ آئیں۔

"یہاں میں ایک اور بات آپ کے علم میں لانا چاہوں گا حضور والا کہ...... جو چیزیں ریکارڈ پر ہیں ان کے علاوہ بھی مدعیہ مختلف اوقات میں بہانے بہانے میرے موکل سے آف دی ریکارڈ لاکھوں روپے کی رقم دونوں ہاتھوں سے بٹور چکی ہے جس کا اگر ریکارڈ رکھا جاتا تو وہ رقم کروڑوں تک پہنچتی۔"

"اوہ تو!" حجاب کا بس نہ تھا سیف علی خان کا منہ نوچ لیتی۔ اس نے بے بسی سے پہلے امی پھر اویس انصاری کو دیکھا۔ اویس انصاری نے کچھ اس طرح کا تاثر دیا جیسے کہتا ہو یہ سب کچھ میرے علم میں نہیں تھا! وہ شرم

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے پانی پانی ہوگئی۔

''ایسی عورتوں کا وتیرہ یہی ہوتا ہے جناب والا۔'' سیف علی خان جج کی طرف اپنا روئے سخن کیے شعلہ نوائی کررہا تھا۔ ''یہ کسی ایک شریف آدمی کی عزت سے کھیلنے پر قناعت نہیں کرتیں...... ایک کے بعد دوسرا...... دوسرے کے بعد تیسرا...... پھر چوتھا...... پھر کوئی اور...... یہ نئی اسامیوں کی تلاش میں رہتی ہیں جناب والا اور جیسے ہی انہیں نیا شکار ملتا ہے یہ پچھلے کو دھکا دے کر آگے نکل لیتی ہیں...... مدعیہ نے میرے مؤکل کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا اور اب اپنے کسی نئے شکار کی خاطر اس پر غلط الزامات لگا کر بذریعہ عدالت خلع حاصل کرنا چاہتی ہے...... جنابِ والا میرا مؤکل ایک ایسے خاندان کا فرد ہے جس کے مرد ایک مرتبہ کسی عورت سے بیوی کا رشتہ استوار ہوجانے کے بعد اسے اپنی عزت سمجھتے ہیں اور اپنی عزت کو گھر سے نہیں جانے دیتے...... مدعیہ کا عدالت میں آنا اور خلع کے لیے مقدمہ دائر کرنا میرے مؤکل کے لیے بے عزتی اور رسوائی کا باعث بنا ہے...... عدالت سے استدعا ہے کہ مدعیہ کو بے آبروئی سے بچنے اور میرے مؤکل جیسے عزت دار مرد کے ساتھ شرافت کی زندگی بسر کرنے کا پابند کیا جائے...... جنابِ والا یہ میرے مؤکل کی شرافت اور عظمت کی دلیل ہے کہ وہ مدعیہ کی تمام تر خطاؤں کے باوجود اب بھی اسے قبول کرنے اور اپنے گھر میں بسانے کو آمادہ ہے...... مؤقر عدالت سے میری گزارش ہے کہ بیان کردہ حقائق کی روشنی میں اس پٹیشن کو باطل قرار دے کر مقدمہ خارج کیا جائے۔''

حجاب کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ الطاف کا وکیل بھری عدالت میں یوں اس کی کردار کشی کرے گا۔ الطاف کا یہ وار اس کے گزشتہ تمام ہتھکنڈوں سے زیادہ کاری تھا۔ احساسِ ذلت سے اس کا دل بیٹھا جارہا تھا۔ اپنے وکیل اویس انصاری، سگی ماں اور عدالت میں موجود دوسرے لوگوں سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں تھی۔ بس نہ تھا کہ زمین پھٹتی اور وہ اس میں سما جاتی۔ کتنے رکیک الزامات لگائے تھے الطاف کے وکیل نے اس پر۔

دفعتاً اس نے امی کو چلاتے ہوئے سنا۔ ''تم لوگوں کو خدا پوچھے گا۔'' وہ کہہ رہی تھیں۔ ان کی آواز رنج ودرد میں ڈوبی ہوئی تھی۔

حجاب ایک ہاتھ سے دیوار کا سہارا لیتی اس چوبی بینچ پر بیٹھ گئی جس پر لوگوں کو بیٹھے دیکھ کر انہیں باہر ہنکانے کے لیے پیش کار، عدالتی ہرکارہ اور کبھی کبھی جج صاحب بھی بنفسِ نفیس توہین کی حدیں پار کرجاتے تھے۔

''اماں جی آپ کیا لگتی ہو اس بی بی کی؟'' جج نے پہلے امی پھر حجاب پر نظر ڈالتے ہوئے امی سے پوچھا۔

''میں اس کی ماں ہوں...... بیٹی ہے یہ میری...... ان ہاتھوں نے پرورش کی ہے اس کی...... مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے اسے۔'' امی کی آواز بھرا رہی تھی۔

حجاب کا دل بھر آیا۔ امی کی ساری زندگی تو مشقت میں گزری ہی تھی، اب اس عمر میں انہیں اس کی وجہ سے یہ ذلت بھی سہنی پڑ رہی تھی...... اس ذلت سے تو وہی ذلت اچھی تھی جس کا نام الطاف تھا۔

اچانک اس کے ڈھکے چہرے اور کھلی آنکھوں پر تیز روشنی پڑی...... وہ کیمرے کی فلیش گن کی لپک تھی۔ اس نے گھبرا کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ ڈھانپ لیا پھر آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹا کر اپنے رخ پر آنے والی روشنی کی سمت میں نظر دوڑائی۔ نہ جانے کون تھا وہ جو کیمرا ہاتھ میں لیے تیزی سے عدالت کے کمرے سے نکلتا دکھائی دیا۔ حجاب کی سراسیمہ نگاہیں پلٹیں اور الطاف پر جا رکیں۔ اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ گہری نگاہوں سے اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

باقی آئندہ

پیتل کا پیالہ

صباح یوسف

''بس میں نے کہہ دیا کہ میں صرف چار کپ، چار پلیٹیں اور تین چمچ کل ملا کے گیارہ برتن ہی دھوؤں گی، سن لو یہ تم...... اور ویسے بھی ابھی میرا پسندیدہ ٹی وی پروگرام چل رہا ہے......'' رابعہ نے قطعی لہجے میں کہتے ہوئے ریموٹ اٹھالیا۔

''کیا رابی، تم بھی بڑی عجیب باتیں کرتی ہو بھلا ایسے بھی کوئی برتن گن گن کے دھوتا ہے...... بھئی معمول کے برتنوں سے بس ایک برتن ہی تو زیادہ ہے جو دادا ابا کا پیتل کا پیالہ ہے اور کیا......'' نہایت نرم لہجے میں عائشہ نے کہہ کر ریموٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''کیا......؟'' وہ صدمے سے چیخ ہی تو پڑی۔ ''کیا......! وہ بارھواں برتن وہ جراثیموں سے پُر دادا ابا کا پیالہ ہے......؟ تمہیں یاد نہیں کہ انہیں کالی کھانسی کی بیماری ہے پھر بھی تم نے وہ برتن مجھے دھونے کو دے دیا۔ اوہ نو...... مجھے تو اسے دھونے کے خیال سے ابھی سے وحشت ہونے لگی ہے۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کیسے کیا کرتے ہوئے وحشت ہو رہی ہے بھئی......" امی اچانک دوسرے کمرے سے وہاں آ گئیں۔

"کک...... کک کچھ نہیں امی بس ویسے ہی......!" رابعہ کو امی کی طبیعت کا بہت اچھی طرح اندازہ تھا سو عائشہ کو گھور کر چپ چاپ باہر نکلنے پر اکتفا کیا کیونکہ وہ یہیں کھڑے رہ کر امی کا بزرگوں کی خدمت، ان کی عزت یا پھر مکافاتِ عمل کے ثقیل موضوعات پر مبنی لیکچر سننا گوارا نہیں کر سکتی تھی...... اگر انہیں اس کے نادر خیالات کا علم ہو جاتا...

معلوم نہیں وہ کیسی تھی ہر چیز سے گھن کھانے والی کسی پالتو جانور یا پرندے کو برداشت ہی نہیں کر سکتی تھی اور اسے بوڑھے دادا جان سے ایک عجیب سی وحشت ہوتی ان کا رعشہ زدہ جسم ہلتا ہوا دیکھ کر وہ اُوب جاتی اگر کوئی شیشے کا گلاس یا کپ دادا کو پکڑاتا اور وہ گر جاتا تو سب سے زیادہ رابی ہی چیختی تھی۔

کچن میں آ کر اس نے جلدی جلدی سنک میں پڑے برتن دھو ڈالے اور آخر میں کچن کے کونے میں رکھے ڈسٹ بن کے پاس پڑا پیتل کا وہ پیالہ بھی دھونے لگی جو دادا ابا کے کبھی کبھار گاؤں سے شہر میں آ جانے پر ان کے زیرِ استعمال ہوتا اور استعمال کے بعد اچھی طرح دھو کر ڈسٹ بن کے پاس دوبارہ رکھ دیا جاتا۔

"گھر والوں نے مجھے کیا چوڑی سمجھ رکھا ہے جو ہر بار یہ پیالہ دھونے کو مجھے دے دیا جاتا ہے۔" اس نے وہ پیالہ دھو کر زور سے ڈسٹ بن کے پاس پٹخ دیا جو لڑھکتے ہوئے نہ جانے کب سے کچن کے دروازے میں کھڑے دادا ابا کے پاؤں کے قریب رک گیا۔ انہوں نے ایک نظر پیالے پر اور دوسری نظر ان کی آمد سے قطعاً انجان ڈیٹول سے ہاتھ دھوتی رابعہ پر ڈالی، ہاتھ دھو کر جونہی وہ پلٹی دادا ابا کو دیکھ کر وہیں ٹھٹک گئی۔

"دادا ابا آپ......!" اس نے تھوک نگلا۔

"سنبھال کر رکھو، تمہارے بھی کام آئے گا......" وہ پیالہ اس کے ہاتھ میں تھما کر اس پر کڑی نگاہ ڈال کر پلٹ گئے مگر وہ کافی دیر بعد تک وہیں کھڑے ان کے لہجے کی تلخی محسوس کرتی رہی...... نہ جانے کیوں اسے انجانا سا خوف محسوس ہونے لگا اور وہ پیالے کو ہاتھ میں تھامے الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی۔

☆☆☆

بے شمار کیلنڈروں پر لاتعداد اعداد ایک دوسرے کا تعاقب کرتے وقت کی دھند میں کھوتے رہے۔ نہ جانے کتنے دن اور رات بھی ایک دوسرے میں مدغم ہوتے اسے رابعہ احمد سے رابعہ انیس اور اب بیگم رابعہ انیس سے انیس علی مرحوم کی بیوہ بنا گئے۔ اب وہ اپنے اکلوتے بیٹے اور بہو کے پاس کراچی کے پوش ایریا میں رہ رہی تھی چونکہ وہ ایک آفیسر بیٹے اور ورکنگ ویمن بہو کے ہاں رہ رہی تھی اور گھر میں کام کے لیے ملازمین موجود تھے سو دن بھر اکیلے گھر میں فارغ رہتی یا پوتے، پوتی کے اسکول سے واپس آ جانے پر ان کے ساتھ مگن رہتی۔ بچے سارا وقت اسے اپنے پیچھے بھگائے رکھتے کیونکہ وہ صفائی پسند نہیں تھے اور وہ اپنی صفائی پسند طبیعت کے ہاتھوں مجبور اپنے لاغر وجود کو گھسیٹتی آہستہ آہستہ وہ پھیلاوے سمیٹتی رہتی۔

"ارے موئے کرمو......! یہ اس نا ہنجار کتے کو روک کیسی ندیدی آنکھوں سے مجھے گھورتا ہوا اس سفید صوفے پر چھلانگیں لگا رہا ہے۔ اپنے گندے سندے پنجوں کے ساتھ...... لگتا ہے اس کا تعلق کتوں کے کسی ادنیٰ خاندان سے ہے تبھی تو ہر دم گند ہی مچائے رکھتا ہے۔"

وہ ڈرائنگ روم میں بھاگتے کیچڑ میں لتھڑے TAZZ کے پیچھے بھاگ بھاگ کر ہانپے جا رہی تھی۔

"ہنی......! TAZZ مل گیا...... وہ دیکھو وائٹ صوفے کے اوپر" ہنی اور بنی دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے آ گئے...... سارے گھر میں TAZZ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ اب تھک گئے تھے سو صوفے پر ڈھے سے گئے اور اب TAZZ کو گود میں بٹھا کر اس سے باتیں کرنے لگے۔

"حسنین اور بینش، جلدی سے اتارو اس نامعقول جانور کو اپنی گود سے...... کیسے دبکا بیٹھا ہے۔"

"یہ نام ہمارے صرف اسکول میں ہیں...... باقی ہر جگہ ہم ہنی اور بنی ہیں۔"

ہنی نے TAZZ بنی کی گود میں منتقل کرتے ہوئے خاصے روٹھے لہجے میں کہا تو وہ بڑبڑاتے ہوئے کچن میں چلی آئی۔

"پتا نہیں کیسے کیسے نام رکھ دیے ہیں آج کل کی ماؤں نے اپنے بچوں کے اصلیت تو پتا نہیں کہاں کھو کے رہ گئی ہے۔"

ہر دوسرے دن اسی طرح کی باتیں ہوتیں اور وہ کوفت کھا کر رہ جاتی۔

☆☆☆

کمر پر ہاتھ رکھے وہ جھکی فریج میں سے اپنے لیے مشروب نکال رہی تھی جب ہنی بنی کا شور کچن کی کھڑکی کے باہر سنا۔

"کون سمجھائے ان انگریز کی اولادوں کو کہ شور مت کرو میرے کان درد سے پھٹے جا رہے ہیں۔" ہنی، بنی کو ڈانٹنے کی خاطر اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا تو نظر ان کے لاڈلے TAZZ پر پڑ گئی۔

اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا، سہارے کے لیے فریج کو ہی تھام لیا اسے اپنی سانس سینے میں اٹکتی محسوس ہو رہی تھی۔

"کرمو......!" درد کی شدت سے وہ چلائی...... کراہ ایسی تھی کہ کرمو گھر کے آخری کونے سے بھاگتا آ گیا۔

"کرمو...... یہ آج پھر...... یہ کیا ہے......؟" اس نے شہادت کی انگلی سے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ گرینی...... آپ ایسے ہی پریشان ہوتی ہیں یہ کوئی نئی بات تھوڑی ہے۔" کرمو کھڑکی سے باہر جھانک لینے کے بعد مطمئن سا اسے سہارا دے کر اٹھانے لگا۔

"جانتی ہوں بہت پہلے سے یہ سب مگر......" مارے افسوس کے آنسوؤں کا پھندا گلے میں ہی اٹکا رہ گیا اور آگے وہ کچھ نہ بول پائی...... اس کی طبیعت بگڑنے لگی اور اس کی یہ حالت دیکھ کر کرمو کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا وہ تو قسمت اچھی تھی کہ اس کا بیٹا اور بہو واپس آ گئے فی الوقت اسے یوں زور زور سے سینے کو ملتا دیکھ کر وہ دونوں بھی بوکھلا گئے۔

"کرمو...... پانی لاؤ جلدی سے۔" اس کا بیٹا چلایا۔

بہو اس کی کمر سہلانے لگی کرمو پانی لے آیا تو اسے پانی دیکھ کر ابکائی سی آ گئی۔

"ماں جی...... اٹھ کر پانی پی لیں۔" بہو نے اسے سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے پانی پلانا چاہا مگر اس نے زور سے نفی میں سر ہلا کر پانی کا برتن ایک جھٹکے سے پیچھے کر دیا۔ پانی برتن سے چھلک کر بہو کے کپڑوں کو گیلا کر گیا۔

"ماں جی......!" بہو چلا اٹھی۔

"آخر سارے دن کی مشقت کے بعد انسان کو اپنے ہی گھر میں چین نہ ملے تو وہ کہاں جائے یہاں گھر میں تو آپ عیش کر رہی ہیں ناں ہم سارا دن کام میں جتے رہتے ہیں اور اوپر سے آپ کے نخرے...... مجھے پتا ہے کہ آپ یہ پانی کیوں نہیں پی رہیں ذرا خود ہی گِن کر بتائیں کہ شیشے کے کتنے گلاس آپ کے رعشہ زدہ ہاتھوں سے گر کر ٹوٹے اب میں کم از کم آپ کے لیے تو اپنے نفیس ترین واٹر سیٹ تڑوانے سے رہی فائنلی آپ کو اسی پیتل کے پیالے میں پانی پینا ہوگا......" قطعیت سے کہتی وہ بیگ اٹھا کر دھپ دھپ کرتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تو اس نے شکایتی نظروں سے وہاں کھڑے بیٹے کی طرف دیکھا جو کندھے اچکا کر اپنی بیگم کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔

اسے دو سال قبل کالی کھانسی ہوئی تو ضرورت کی ہر شے پر ضرورت سے زیادہ احتیاط برتی جانے لگی اس کے استعمال کی تمام اشیا علیحدہ کر دی گئیں گو کہ بیماری اب جاتی رہی تھی مگر احتیاط اب بھی باقی تھی۔ اُسے روزمرہ کے سب کے استعمال میں آنے والے برتن استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی کوئی اس سے ہاتھ نہ ملاتا اسے کھانسی آتی تو نوکر کے ساتھ جلد سے جلد اندر لاؤنج سے یا کمرے سے باہر بھیجا جاتا۔ آج تو پھر بھی بہو کمر سہلانے کو قریب آ گئی تھی۔

بے آواز آنسو اس کی آنکھوں سے گرتے اس کے جھرّی زدہ چہرے میں غائب ہو گئے۔ نہ جانے کس نے پیتل کا وہ دادا ابا کا استعمال شدہ پیالہ پالش وغیرہ کروا کے اس کے جہیز میں رکھ چھوڑا تھا۔ دیکھنے میں ویسے وہ منقش پیالہ بہت خوبصورت تھا اور پالش کے بعد اور چمک گیا تھا مگر وہ تھا تو بیمار دادا سے منسوب اور نہ جانے اب کیسے وہ پیالہ اس کی بہو کے ہاتھ لگا اور اب پچھلے دو سالوں سے وہ اور TAZZ ایک ہی پیالے کو استعمال کرنے پر مجبور تھے اور ہر بار وہ TAZZ کو اس پیالے میں پانی پیتے دیکھ کر اپنی طبیعت یونہی خراب کر لیا کرتی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

مکمل ناول

پہلی بارش

صائمہ اکرم

ایک تو موسم سرما کی پہلی تیز بارش، اوپر سے سرد ہوا...... جو رگوں کو چیرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے سگریٹ کا آخری ٹوٹا باہر پھینکنے کے لیے ایک لمحے کو اپنی سیاہ ٹویوٹا کرولا کا شیشہ نیچے کیا تھا...... سرد اور ٹھٹھرتی ہوا کے تیز جھونکوں نے گاڑی کا سرد ماحول ایک لمحے میں تبدیل کر دیا تھا۔ حارث نے کھا جانے والی نظروں سے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان حماد کو دیکھا جو اَب بے پروائی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس قدر خراب موسم میں باہر نکلنے کا ''واہیات'' مشورہ بھی چونکہ اسی کا تھا اس لیے وہ اس وقت دنیا جہان کی معصومیت اپنے چہرے پر سجائے دانستہ طور پر ڈرائیونگ کرنے میں محو تھا۔ اس کے چہرے پر بجی جعلی معصومیت دیکھ کر ایک دفعہ تو حارث کا دل چاہا کہ وہ اس برستی بارش میں اسے اٹھا کر باہر پھینک دے جو اسے دفتر کے گرم ماحول سے اٹھا کر زبردستی باہر لے آیا تھا۔

گاڑی آئی ایٹ سیکٹر کے خوب صورت بنگلوں کے آگے سے گزر رہی تھی۔ وہ اسلام آباد کے اس سیکٹر کے گھروں کی بھاری مالیت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ جس وقت وہ لوگ مطلوبہ اسٹریٹ میں داخل ہوئے، اس وقت ٹھیک ٹھاک بارش شروع ہو چکی تھی۔ حماد کی گاڑی ہلکے سبز رنگ کے ٹائلوں سے بنے خوب صورت بنگلے کے آگے رک چکی تھی۔ اپنے منفرد طرزِ تعمیر کی وجہ سے یہ بنگلا آنے والوں پر بڑا خوشگوار تاثر

چھوڑتا تھا۔ اس بنگلے پر شوخ رنگ کے پھولوں والی بوگن ویلیا کی بیل نے اس کی دلکشی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ پچھلی سیٹ سے چھاتا.. اٹھالوں...... کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ بارش دوبارہ نہ شروع ہوجائے۔'' حماد نے اس کے خفا خفا سے چہرے کو دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا جبکہ اس کے اس مشورے پر حارث نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم چھاتا اٹھا ہی لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ یہ چھاتا کہیں میں تمہارے سر پر نہ ماردوں تا کہ تمہیں عقل آئے کہ ایسے موسم میں کسی کے گھر جانا کتنا واہیات کام ہے۔'' حارث کے لہجے میں طنز درآیا جبکہ چہرے پر خفگی نمایاں تھی۔

''ہاں ضرور، بہت شوق سے لیکن ابھی نہیں، ابھی ہمیں اپنی کولیگ کے گھر جانا ہے۔'' حماد کے چہرے پر بڑی محظوظ سی مسکراہٹ تھی۔

''میری نہیں، صرف تمہاری کولیگ۔'' حارث نے فوراً ناراض انداز میں یاد دلایا۔

''یار اب یہ خواتین کی طرح ناراض ہونا چھوڑ دو، ماہ نور نہ صرف ''میری'' بلکہ ''تمہاری'' بھی کولیگ بن چکی ہے کیونکہ آفٹر آل تم ہمارے آفس کو جوائن کر چکے ہو۔'' حماد کندھے اچکا کر بولا۔

''ہاں، ایسی کولیگ جس کے صرف چرچے ہی سنے ہیں اور وہ بھی شادی کے...... جبکہ تم بجائے اس کے کہ اپنے کسی اور کولیگ کو اس کی شادی کا تحفہ دینے کے لیے ساتھ لاؤ، مجھے زبردستی گھسیٹ لائے ہو، کتنا بے ہودہ کام ہے کہ کسی انجان لڑکی کو منہ اٹھا کر اس کے مایوں کے دن تحفہ دینے تشریف لے آؤ، حد ہے نامعقولیت کی۔'' حارث ایک دفعہ پھر شروع ہو چکا تھا۔ اسے واقعی حماد پر بہت زیادہ غصہ آرہا تھا۔ جو اس کی شرافت کا اکثر ناجائز فائدہ اٹھاتا تھا۔

گاڑی کے ہینڈ بریک کو اوپر کی جانب کھینچتے ہوئے حماد نے ترچھی نظروں سے اپنے اس لاڈلے اور نازک مزاج دوست کو دیکھا، جو حد درجہ کم گو اور محدود قسم کے حلقۂ احباب کا حامل تھا۔ اس کی زندگی چند گنے چنے لوگوں کے گرد گھومتی تھی اور اس کے حلقۂ احباب میں کم از کم کسی لڑکی کی گنجائش ہرگز نہیں نکلتی تھی اور اس کی بیزاری کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی تھی۔

حماد نے مصنوعی سنجیدگی سے اپنے عزیز از جان دوست کو گھورا۔ ''پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی کو شادی کا تحفہ دینا ہرگز نامعقول کام نہیں ہے اور ماہ نور تو ایسی لڑکی ہے جس کی تعریف سارا آفس کرتا ہے۔''

''خدا کے واسطے اب تم دوبارہ یہ چینل مت چلا دینا کہ وہ بہت اچھے مزاج کی بہت پُرخلوص لڑکی ہے، بہت ذہین ہے ہر کسی کے کام آتی ہے، بہت شوخ اور چنچل لیکن سادہ سی لڑکی ہے وغیرہ وغیرہ...... کیونکہ پچھلے ایک ہفتے سے میں یہ ماہ نور نامہ سن سن کر تنگ آگیا ہوں، مجھے لگتا ہے کہ آفس والوں نے اس سے تعریفیں کرنے کے پیسے لے رکھے ہیں یا پھر تم سب لوگ ہی ڈفر ہو اور پورے میگزین کو بس ایک وہی اپنی ذہانت کے بل بوتے پر چلا رہی ہے۔'' حارث بہت تپ کے بولا تھا۔

''استغفراللہ حارث جلیل، تم نے کس قدر بُغض پال رکھا ہے اس بے چاری لڑکی کے لیے۔'' اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے حماد نے مصنوعی خفگی اور حیرانی سے کہا جبکہ حارث نے کھا جانے والی نظروں سے اس کی اور ایکٹنگ کو دیکھا اور بہ مشکل باہر نکلا۔ سرد ہوا کے جھونکے جسم کو ایک کپکپی میں مبتلا کر گئے تھے۔

''وہاں ڈیرے ڈال کر مت بیٹھ جانا، بس تحفہ پکڑا کر نکلنے کی کرنا، ورنہ میں قطعاً لحاظ نہیں کروں گا۔'' سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے حارث نے باہر نکلتے ہی اسے دھمکی دی۔

''ایسا کرتا ہوں کہ اندر جاتا ہی نہیں، یہ گفٹ یہیں سے اس کے ٹیرس پر پھینک دیتا ہوں۔'' حماد جل کر بولا۔

''آئیڈیا تو بہت اچھا ہے لیکن تم اچھی چیزوں پر عمل درآمد کم ہی کرتے ہو، خاصی کم عقل پائی ہے جناب نے۔'' حارث نے جواباً اسے چڑایا تھا جو دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑ کر سردی کی شدت کو کم کر کے اب بیل بجا رہا تھا۔ بارش رک چکی تھی لیکن کن من ابھی جاری تھی۔ حارث نے سر اٹھا کر املتاس کے جھکے درخت کی خمیدہ شاخ پر بیٹھی روبن چڑیا کو دیکھا جو سردی سے کانپ رہی تھی۔ اس کا دل تاسف کے گہرے احساس سے بھر گیا، اس کا دل چاہا کہ وہ اسے اٹھا کر گاڑی کے اندر گرم ماحول میں بٹھا دے لیکن حماد کی موجودگی میں ایسی نیکی ممکن نہیں تھی۔

گیٹ کھل چکا تھا، چوکیدار کے ساتھ حماد کے مذاکرات خاصے کامیاب رہے تھے۔ ''کیا خیال ہے گاڑی اندر نہ کر لیں؟'' اس نے مڑ کر چھاتا تانے بیزاری سے کھڑے حارث سے پوچھا۔

''کیوں، تم نے اندر کیا دھمال ڈالنا ہے یا کوئی طویل گول میز کانفرنس کرنی ہے؟'' اُدھر سے الٹا ہی جواب آیا تھا۔

''تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔'' حماد نے اسے مزید چڑایا اور گاڑی اندر لے جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اسے معلوم تھا کہ حارث کا مزاج مزید برہم ہوجائے گا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ سے بڑا سا پیکٹ اٹھا کر اس نے گاڑی لاک کی اور اندر کی جانب قدم بڑھائے۔ جبکہ حارث نے بھی بیزاری سے اس کی پیروی کی.. حالانکہ اس کا ایک فیصد بھی اندر جانے کو دل نہیں کر رہا تھا۔ وہ نئے لوگوں سے ملنے سے بہت کتراتا تھا۔ اس وجہ سے اس کے دوستوں کی تعداد بھی گنی چنی تھی اور بہترین دوست بھی صرف حماد ہی تھا۔ اس دوستی کو پائیدار کرنے میں اسی فیصد کردار اس بے چارے کا ہی تھا۔

وہ دونوں طویل روش سے گزر رہے تھے لان

میں کچنار، سنبل اور انار کے درخت تھے، اس وقت ان کے خزاں رسیدہ پتے بارش کے پانی کے ساتھ کیاریوں میں بہہ رہے تھے۔ لان میں رنگ برنگے پودوں کی تعداد اور کانٹ چھانٹ دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ اس پر خاصی محنت کی جاتی ہے۔ داخلی دروازے کی سیڑھیوں پر ماربل کے گملے ایک ترتیب سے رکھے ہوئے تھے جو خاصا خوشگوار تاثر چھوڑ رہے تھے۔ داخلی دروازہ بہت عجلت میں کھلا اور وہ بہت تیزی سے باہر نکلی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ، حماد تم آئے ہو؟ تم جیسے بے مروّت، بے پروا اور کنجوس شخص سے تو میں کبھی توقع بھی نہیں کر سکتی تھی، یہی وجہ تھی کہ مجھے چوکیدار نے انٹرکام پر بتایا تو مجھے بالکل یقین نہیں آیا اور میں نانو

SOLE DISTRIBUTOR
of U.A.E
WELCOME BOOK SHOP
JASOOSI SUSPENSE PAKEEZA SARGUZASHT
P.O.Box 27869 Karama, Dubai Tel: 04-3961016
Fax: 04-3961015 Mobile: 050-6245817
E-mail: welbooks@emirates.net.ae
Best Export From, Pakistan
WELCOME BOOK PORT
Publisher, Exporter, Distributor
All kinds of Magazines, General Books and Educational Books
Main Urdu Bazar, Karachi Pakistan
Tel: (92-21) 32633151, 32639581 Fax: (92-21) 32638086
Email: welbooks@hotmail.com
Website: www.welbooks.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے سخت پہرے کے باوجود باہر بھا گی۔'' وہ حد درجہ بے تکلف، خوشگوار اور حیرت سے لبریز لہجے میں بول رہی تھی۔

زرد رنگ کی لمبی قمیص اور چوڑی دار پاجامے میں اس کا دراز قد خاصا نمایاں ہو رہا تھا۔ اس کے خوب صورت پیروں میں نفیس سی کولہا پوری چپل تھی، اس کی سنہری رنگت والی بڑی آنکھوں میں بہت گہرے رنگ کا کاجل تھا جبکہ دودھیا رنگت پر ستواں سی ناک نے اس کی دلکشی میں اضافہ کر رکھا تھا۔ چہرے پر دلفریب سی مسکراہٹ سجی تھی اور دانت موتیوں کی طرح جگمگا رہے تھے۔ اس قدر سردی میں وہ کسی بھی قسم کے سویٹر سے بے نیاز آدھی آستینوں والی قمیص پہنے ہوئے تھی۔ اس کی کہنیوں تک مہندی کے خوب صورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور اسی مہندی کی وجہ سے وہ آدھی آستینوں میں تھی۔

حارث کی نظریں اس پر اٹھیں اور پھر پلٹنا بھول گئیں، دل کی دھڑکنوں میں ایک اودھم سا برپا ہوا، اس کا سارا وجود زلزلوں کی زد میں آ گیا تھا۔ کوئی مایوں کی دلہن اس قدر دلکش لگ سکتی ہے اس کا اندازہ اسے زندگی میں پہلی دفعہ ہوا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے آسمان سے کوئی اپسرا اتر کر زمین پر آ گئی ہو۔ اپنے دل کی دھڑکنوں میں برپا ارتعاش اسے خوفزدہ کر رہا تھا۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا، وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ بالوں کی سنہری لٹوں کو بے پروائی سے پیچھے کرتی وہ سادہ سی لڑکی ایک لمحے میں اس کی زندگی میں ایک انقلاب برپا کر گئی تھی۔

وہ بہت بے تکلفی سے حماد کے ساتھ محوِ گفتگو تھی۔ وہ دونوں اس کی موجودگی سے بے نیاز ایک دوسرے کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھے۔ اس کی سماعتوں میں ان کی باتوں کے کچھ الفاظ پڑ تو رہے تھے لیکن اس کا دماغ انہیں سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ خالی خالی نظروں اور حواس باختہ انداز کے ساتھ بس انہیں دیکھ رہا تھا۔

حماد نے شاید اس کے متعلق بات کی تھی۔ تبھی اس نے اپنی راج ہنس جیسی گردن کو گھما کر اسے دیکھا۔

''جی جناب، آپ کیوں ہماری طرف آنے سے کترا رہے تھے؟'' فضا میں جلترنگ سا بجا، وہ اسے دیکھ کر دلکشی سے مسکرا رہی تھی۔ حارث کو اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' حارث نے دانستہ نظریں چرائیں اور پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بہ مشکل کہا تھا۔

''نہیں، نہیں، اب بتاؤ، جو سارا راستہ تم مجھے ذلیل کرتے آئے ہو، اور مجھے طعنے دے رہے تھے کہ بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ۔'' حماد نے بھی حد کر دی تھی۔ اس کی آنکھوں سے چھلکتی شرارت اور لہجے کی شوخی حارث کو زہر لگ رہی تھی۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے اس میر جعفر کو دیکھا تھا۔ جس نے ماہ نور کے گھر میں داخل ہوتے ہی آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں۔

''کیا واقعی......؟'' وہ بے ساختہ ہنسی تھی، ہنستے ہوئے اس کی آنکھوں میں ستارے سے چمکے تھے جبکہ حارث کے اندر اتنی ہی تیزی سے اندھیرے پھیلے تھے، وہ شرمندگی چھپانے کے لیے کھوکھلی سی ہنسی ہنسا۔ زندگی نے اس کے ساتھ بہت عجیب سا مذاق کیا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

اسے خبر ہی نہیں ہوئی اور وہ حماد اور ماہ نور کے پیچھے اندر ڈرائنگ روم میں آ چکا تھا۔ جہاں اس کی نانو بہت محبت سے ان کو خوش آمدید کہہ کر آفس کے لوگوں کا فرداً فرداً پوچھ رہی تھیں۔ ان کی گفتگو سے حارث کو اندازہ ہوا کہ وہ سب لوگوں سے بخوبی واقف ہیں اور اس کے کولیگز کا ان کے گھر آنا جانا بھی ہے۔ ان کے گھر میں شادی والی مخصوص افراتفری نہ ہونے کے برابر تھی، شاید اس کی وجہ تمام تقاریب کا

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوٹل میں انعقاد تھا۔ مایوں کا فنکشن رات نو بجے تھا جبکہ اس وقت دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ مہندی کل اور شادی کی تقریب اس کے اگلے دن تھی۔

''بس بیٹا، آج کل ماہ نور کے والدین کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی ہے، باپ کا انتقال تو اس کے بچپن میں ہو گیا تھا جبکہ ماں بھی پانچ سال پہلے ہیپا ٹائٹس سے چل بسی۔ بس ہم دونوں ہی نانی، نواسی ایک دوسرے کے دکھ سکھ کی ساتھی ہیں۔ اس کے اکلوتے ماموں بھی کل امریکا سے آ رہے ہیں۔ اس کی شادی کے بعد میں بھی اپنے بیٹے کے پاس باہر چلی جاؤں گی۔'' وہ سادہ سے انداز میں ان کو بتا رہی تھیں جبکہ ماہ نور ان کی خاطر تواضع کے لیے کچن میں جا چکی تھی۔

''بیٹا آپ کو تو پہلی دفعہ دیکھا ہے کبھی ماہ نور نے آپ کا ذکر نہیں کیا لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں آپ کی شکل جانی پہچانی سی لگ رہی ہے......'' نانو بہت محبت سے حارث سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ جو اپنی دھڑکنوں کو سنبھالنے کا ناممکن کام بہت زیادہ جدوجہد کے ساتھ کرنے میں مگن تھا۔ وہ بری طرح چونک اٹھا لیکن اس کے بولنے سے پہلے ہی حماد بول اٹھا۔

''جی نانو، یہ میرا دوست حارث ہے، اس نے ایک ہفتہ پہلے ہی ہمارا میگزین جوائن کیا ہے، اس سے پہلے یہ الیکٹرانک میڈیا میں جاب کرتا تھا لیکن میں اسے زبردستی اپنے میگزین میں لے آیا اور جس وقت اس نے جوائننگ دی تھی انہی دنوں ماہ نور اپنی شادی کی چھٹیوں پر جا چکی تھی۔''

''یہ تو بہت اچھا کیا تم نے جو اپنے دوست کو بھی اپنے ساتھ لے آئے، خاصا بھلا مانس بچہ ہے، بیٹا آپ بھی نور کی شادی میں ضرور آنا۔''

''نانو یہ بھلا مانس سا بچہ، شادی کارڈ کے دعوت نامے کے بغیر کہیں نہیں جاتا، اس کو بن بلائے جانے پر بہت شرمندگی ہوتی ہے۔'' حارث نے اس کی شوخی پر جھنجلا کر اسے دیکھا، جو اس وقت آنکھیں ماتھے پر رکھے، اسے مسلسل زچ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اسی وقت ماہ نور چائے اور دوسرے لوازمات سے پُر ٹرالی لیے اندر داخل ہوئی۔

''ماہ نور بچے، یہ چائے یہاں رکھ کر میرے کمرے سے اپنی شادی کا کارڈ تو اٹھا کر لاؤ، میں ذرا حارث کو بھی دے دوں۔'' نانو کے سادہ سے انداز پر وہ بری طرح شرمندہ ہوا اور اس نے خفت بھرے انداز میں فوراً نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں، نہیں آنٹی اس کی ضرورت نہیں، آپ نے کہہ دیا، یہ ہی کافی ہے۔'' وہ فوراً بوکھلا کر بولا تھا۔

''حماد بیٹا، آپ نے اپنے دوست کو بتایا نہیں کہ ماہ نور کے سب کولیگ مجھے نانو کہتے ہیں، مجھے یہ آنٹی شانٹی بالکل پسند نہیں۔'' نانو نے پیار بھرے انداز میں سرزنش کی تو وہ بری طرح شرمندہ ہو گیا جبکہ فرنچ فرائز بے تکلفی سے کھاتے ہوئے حماد نے بہ مشکل اپنی ہنسی کو ضبط کیا۔

''نانو ان کو بھلا کیا پتا، آپ خواہ مخواہ ان کے پیچھے پڑ گئی ہیں، وہ پہلی دفعہ تو آپ سے مل رہے ہیں۔'' ماہ نور کی جھنجلاہٹ پر حارث نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ دل ایک دفعہ پھر باغی ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ ہلکی سی جھنجلاہٹ سے اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی تھی۔ جو اسے اچھا خاصا جاذبِ نظر بنا رہی تھی۔ وہ اب چپلی کباب حارث کی پلیٹ میں رکھ رہی تھی۔

''لو بیٹا حارث، پہلی دفعہ آیا ہے، آخری دفعہ تھوڑی ہے، اللہ خیر سکھ رکھے اب آنا جانا لگا رہے گا۔'' نانو کو نواسی کا جرح کرنا قطعاً نہیں بھایا تھا تبھی اکتاہٹ کے ساتھ گویا ہوئی تھیں۔ وہ کچھ دیر بعد پھر رسان سے بولیں۔

''ویسے بیٹا حارث آپ کا تعلق کس علاقے سے ہے، اللہ جانے آپ کا چہرہ مانوس سا کیوں لگ رہا ہے۔'' نانو کی تفتیش پر ماہ نور نے خائف نظروں

سے انہیں دیکھا۔ اس کے تاثرات دیکھ کر حماد کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑی۔ وہ نانو کی باتونی طبیعت سے اچھی طرح آگاہ تھا اور ان کی اس عادت سے... ماہ نور کا چڑنا بھی اس کے لیے نیا نہیں تھا۔

''نانو' میرے دوست کا تعلق مظفر آباد سے ہے، اس کے آباؤ اجداد کشمیر کے رہنے والے تھے اور یہ اکلوتا ہے۔'' حماد نے پزا کا ایک بڑا سا ٹکڑا اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے فوراً جواب دیا جبکہ حارث دانستہ خاموش رہا۔ ان کے اس سوال پر اس کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ اور پورے وجود میں ایک اضطراب کی لہر برقی رو کی طرح دوڑی تھی۔

''اور والدین......؟'' نانو کے سوال پر وہ چائے کا گھونٹ لینا بھول گیا۔ حماد نے بھی گڑبڑا کر فوراً اسے دیکھا تھا جو سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''ان کا 8 'اکتوبر والے زلزلے میں انتقال ہوگیا تھا۔'' اس کے لہجے میں کچھ تھا کہ پورے کمرے میں خاموشی نے تیزی سے اپنی جگہ بنائی تھی۔ ماہ نور نے سخت شکایتی نظروں سے نانو کو دیکھا جو خود بھی یہ سوال کر کے اب پشیمان تھیں اور اب وہ سنبھل کر بیٹھ گئیں۔

''بہت افسوس ہوا بیٹا یہ سن کر اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔'' نانو کی بات پر سب چپ ہوگئے تھے۔

''ہاں بھئی، میری شادی کا کھانا کھانے کون کون آرہا ہے؟'' ماہ نور نے ہلکے پھلکے انداز میں بات کر کے ماحول میں چھائی افسردگی کو کم کرنے کی کوشش کی تھی جو اسے خاصی مہنگی پڑی تھی۔ نانو نے غضب ناک نظروں سے اسے دیکھا۔

''اے بیٹا، شرم و حیا بھی کسی چڑیا کا نام ہے، بھلا کنواری لڑکیوں کو ایسے بات کرنا زیب دیتا ہے۔'' نانو کو اس کے اندازِ گفتگو پر سخت غصہ آیا تھا اس لیے فوراً ہی ٹوک دیا۔ ماہ نور کی شکل دیکھ کر حارث اور حماد دنوں کو اپنی ہنسی چھپانا دشوار لگ رہا تھا۔ وہ جل بھن ہی تو گئی تھی۔

''کیوں نانو، اس میں شرم و حیا کی بھلا کیا بات ہے، شادی ہی تو ہے اور سارے زمانے کی ہوتی ہے۔'' اس کے انداز میں عجیب سی بے نیازی تھی۔

''ماشاء اللہ خوب بوڑھی نانی کا نام روشن کراؤ گی بیٹا۔'' ان کی آواز میں دبا دبا سا غصہ تھا۔ انہوں نے ناک پر انگلی رکھ کر سخت خفگی سے دونوں ٹانگیں صوفے کے اوپر رکھے آلتی پالتی مار کر بے تکلفی سے بیٹھی ماہ نور کو دیکھا۔ جو بے تکلفی سے پزا، کیچپ میں ڈبو ڈبو کر کھا رہی تھی۔

''اوہو...... نانو کچھ نہیں ہوتا، ساری دنیا کی لڑکیاں اپنی شادی کے معاملات میں اب ذوق شوق سے حصہ لیتی ہیں، میں کون سا انوکھا کام کررہی ہوں۔'' اس کے لاابالی پن کے انداز پر نانو نے گھور کر اسے دیکھا جو اب حماد کے ساتھ گفتگو میں مگن تھی۔ وہ بہت تفصیل کے ساتھ آفس کے معاملات کا پوچھ رہی تھی۔ حارث خاموشی سے ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کی تمام تر توجہ ماہ نور کی طرف تھی۔ جو چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر کھلکھلا کر ہنس پڑتی تھی۔ ان لوگوں نے وہاں پورے دو گھنٹے گزارے اور حیرت انگیز طور پر حارث نے ایک دفعہ بھی حماد کو واپسی کے لیے اشارہ نہیں کیا۔

واپسی کے سفر میں وہ بالکل خاموش تھا۔ نانو اور وہ ان کو گیٹ تک چھوڑنے آئی تھیں۔ ان دونوں نے حارث کو بھی شادی پر آنے کی بہت زیادہ تلقین کی تھی۔ اس نے بھی بادلِ ناخواستہ سر ہلا کر انہیں اپنے آنے کی یقین دہانی کروائی تھی۔ حالانکہ اس کا جانے کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں تھا۔

''یہ تم نے کیوں چپ شاہ کا روزہ رکھ لیا ہے؟ کیسی لگی ماہ نور تمہیں......؟'' گاڑی سڑک پر نکلتے ہی حماد نے اس کا سنجیدہ چہرہ دیکھتے ہوئے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''ہاں ٹھیک تھی......'' اپنے دل کی دھڑکنوں پر بمشکل قابو پا کر وہ دانستہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

''کیا...... بس ٹھیک تھی......؟'' حماد کو جھٹکا لگا، اس نے سخت حیرت سے آگے کو جھک کر حارث کو دیکھا جو ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔

''کمال کرتے ہو یار، اچھی خاصی لڑکی تھی۔ بہت شریف، سلجھی ہوئی اور شکل صورت کی بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔ تمہیں یاد ہے چھ مہینے پہلے جب میں تم پر زور ڈال رہا تھا کہ شادی کر لو......'' حارث نے اسے کچھ ماہ پہلے کی بات یاد دلائی۔

''ہاں یاد ہے اچھی طرح، کیوں......؟'' حارث نے سوالیہ انداز میں حماد کو دیکھا جو سنجیدگی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اسے یاد آیا کہ کچھ ماہ پہلے حماد پر اس کی شادی کروانے کا بھوت سوار ہوا تھا لیکن اس نے بالکل لفٹ نہیں کروائی تھی ان دنوں حماد کی بھی خالہ زاد کے ساتھ تازہ تازہ منگنی ہوئی تھی۔

''یاد ہے ناں...؟'' اس نے گاڑی شکر پڑیاں کے پاس والے سگنل پر روکتے ہوئے پھر دوبارہ پوچھا۔

''ہاں یاد ہے......'' حارث جھنجلایا۔ ''تم نے کسی لڑکی کی تصاویر بھی مجھے میل کی تھیں۔'' حارث نے مزید اس کی تسلی کروائی۔

''تم نے اس لڑکی کی تصاویر دیکھی تھیں......؟'' حماد نے بہت عجیب سا سوال کیا تھا۔

''نہیں......'' حارث نے باہر کے مناظر کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتے ہوئے بے توجہی سے کہا۔

''تم نے نہیں دیکھی تھیں، مجھے آج اس بات کا یقین ہوگیا......'' حماد بہت عجیب سے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے لہجے میں جھلکتا گلہ حارث کو چونکا گیا تھا۔

''کیوں، کیا ہوا...... ایسے کیوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے ہو، کیا ہوا اس لڑکی کو......؟'' وہ دانستہ بے پروائی کے سے انداز میں گویا ہوا۔ گاڑی میں ایک چبھنے والی خاموشی کا وقفہ آیا تھا۔ کچھ توقف کے بعد حماد سپاٹ لہجے میں بولا۔

''ماہ نور وہی لڑکی ہے۔'' حماد نے اس کی سماعتوں میں بلاسٹ ہی تو کیا تھا۔ اس کا سارا وجود بھک کر کے اڑا تھا۔ اس نے جھٹکے سے رخ موڑ کر سخت تعجب، حیرت اور بے یقینی سے حماد کو دیکھا تھا۔ ایک لمحے کو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ایک ٹرین اس کے وجود کے پرخچے اڑاتی ہوئی اس کے اوپر سے گزر گئی ہو۔

''کیا مطلب؟ تم نے اپنی اس کولیگ کی تصاویر میل کی تھیں؟ وہ تو میں نے دیکھی ہی نہیں تھیں۔'' حارث کے انداز میں انتہا درجے کی مایوسی تھی۔ اسے یاد آیا کہ اس نے تصاویر دیکھے بغیر ہی حماد کو ٹال دیا تھا کیونکہ وہ ان دنوں بالکل بھی شادی وغیرہ کے جھنجٹ میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کا دماغ شائیں شائیں کررہا تھا جبکہ اس کی دِلی حالت سے بے خبر حماد بڑی سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔

''جی ہاں، ماہ نور وہی لڑکی ہے جسے تم نے قطعاً گھاس نہیں ڈالی، مجھے اسی وجہ سے تو حیرت ہو رہی تھی کہ تم اسے دیکھ کر بالکل بھی نہیں چونکے، تمہارے انداز سے لگ ہی نہیں رہا تھا کہ تم نے اسے دیکھ رکھا ہے تب ہی مجھے پتا چلا کہ تم نے مجھے چونا لگا دیا تھا۔ بہت بے ہودہ انسان ہو تم......'' حماد کو اس پر نہ جانے کیوں غصہ آرہا تھا جبکہ وہ سخت ہونق انداز سے اس کی داستانِ امیر حمزہ سن رہا تھا۔

''ان دنوں اس کی نانو اس کے رشتے کے لیے بہت پریشان تھیں، مجھ سے ذکر کیا تو میں نے تمہارا بتایا لیکن تم نے مجھے گھاس ہی نہیں ڈالی اور پھر ہمارے ہی آفس کے کاظمی صاحب کے توسط سے اس کے لیے یہ رشتہ آیا تو نانو نے فوراً قبول کرلیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیونکہ وہ اس کی شادی کے بعد امریکا اپنے بیٹے کے پاس جانا چاہتی تھیں۔" حماد نے تفصیلاً بتایا تو حارث کو پہلی دفعہ اندازہ ہوا کہ بعض دفعہ تقدیر آپ کے ساتھ ایسے ہی مذاق کرتی ہے، ٹھیک کہتے ہیں سیانے کہ قسمت انسان کے دروازے پر بار بار دستک نہیں دیتی۔ وہ عجیب سے احساسات کا شکار ہو رہا تھا۔ حماد اس کی خاموشی سے بے نیاز آج سارے انکشافات کرنے پر تُلا ہوا تھا۔

"ماہ نور جب میری آپی کی شادی پر ہمارے گھر پہلی دفعہ آئی تو امی تو فوراً میرے حوالے سے اس کو بہو بنانے پر بضد ہو گئیں لیکن تمہیں پتا ہے کہ میری سائرہ کے ساتھ کافی سالوں سے کمٹمنٹ تھی۔ میں نے تو صاف انکار کر دیا اور امی سے کہا کہ میرے لیے وہ بالکل بہنوں کی طرح ہے......" اس نے بڑی مہارت سے موڑ کاٹا تھا۔ گاڑی میں ایک بوجھل سا سناٹا تھا۔

"سچ بتاؤں، اس لڑکی کو دیکھ کر میرے ذہن میں سب سے پہلا نام اپنے یار کا آیا تھا۔ مجھے لگا کہ یہ ایک پرفیکٹ کپل ہوگا۔ سب سے بڑی بات کہ نانو جس طرح اس کی شادی کے لیے بے قرار تھیں کوئی بھی مسئلہ نہیں ہونا تھا لیکن تو اتنا گھامڑ ہے مجال ہے کہ میری یہ بات مانی ہو۔" حماد کی محبت کسی بھی قسم کے شک وشبے سے بالاتر ہے اس کا اندازہ اسے بخوبی تھا لیکن آج پتا نہیں کیوں اس کی آنکھیں بار بار دھندلا رہی تھیں۔

اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ حماد کو بولنے سے منع کر دے، اس کی قوتِ گویائی کہیں کھو گئی تھی۔ وہ بالکل خاموشی سے اس کی جھاڑ سن رہا تھا۔ وہ بری طرح منہ کے بل گرا تھا۔ قسمت اس کے اوپر ہنس رہی تھی۔ اس کی ذات کے پرخچے ہی تو اُڑے تھے۔ حارث جلیل کی زندگی میں پہلی دفعہ ہی صنفِ نازک کا دخل ہوا تھا۔ محبت نے کسی خودکش بم بار کی طرح اس پر حملہ کیا تھا لیکن یہ محبت اس کی دسترس میں کبھی نہیں آسکتی تھی۔ اپنے فلیٹ میں آکر پہلی دفعہ وہ دھاڑیں مار مار کر رویا تھا۔

☆☆☆

دو دن کے بعد ماہ نور کی شادی تھی اور وہ باوجود کوشش کے خود کو اس کی شادی پر جانے کے لیے آمادہ نہیں کر پایا تھا۔ یہ دو دن اس کے اعصاب پر سخت بھاری تھے۔ لمحہ لمحہ عذاب بن کر گزر رہا تھا۔ وہ بری طرح سے اس کے حواسوں پر سوار تھی۔ دل و دماغ پر یہ بوجھ ناقابلِ برداشت تھا، پورے دو دن وہ سخت بخار میں پھنکتا رہا تھا، اس کے بعد بھی اگلے دو دن اس کے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ آفس جا سکے۔ اس نے اپنا سیل فون تک بند کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ کسی سے بھی بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کو نہ جانے کیوں خود پر بے تحاشا غصہ آرہا تھا۔ وہ اپنے آپ سے خفا تھا اور اس کا دل ایک ضدی بچے کی طرح کوئی بھی دلیل ماننے کو تیار نہیں تھا۔ عجیب سی کشمکش میں دن گزر رہے تھے۔ وہ خود کو بار بار کوس رہا تھا کہ کاش وہ تصاویر دیکھ لیتا۔ اس نے کئی ماہ پہلے کی میل اب کھول کر دیکھی تھی۔ جب پانی پُل کے نیچے سے گزر گیا تھا۔

وہ شاید حماد کی بہن کی مہندی کا فنکشن تھا۔ اس دن بھی وہ زرد رنگ کے لباس میں ہنستی مسکراتی ڈھولک بجا رہی تھی۔ اسی فنکشن میں اس کی بے ساختہ ہنستے ہوئے اچانک ایک تصویر بنائی گئی تھی۔ بے تحاشا ہنسنے کی وجہ سے آنکھوں میں آنے والی نمی اور دائیں گال پر پڑنے والے ڈمپل نے اس تصویر کی دلکشی میں اضافہ کر دیا تھا۔ ایک اور سفید رنگ کے مکیش کے کام والے سوٹ میں اس کی تصویر جس کے پس منظر میں مدھم مدھم سی روشنی تھی وہ اس میں بلا کی سحر انگیز لگ رہی تھی۔ سفید شفاف، بے داغ اور کاجل سے سجی سیاہ آنکھیں دیکھنے والے کو اپنے سحر

میں جکڑ رہی تھیں۔ وہ بالکل ویسی ہی تھی جیسا کہ کبھی اس نے شریکِ حیات کے بارے میں خاکہ اپنے ذہن میں مرتب کر رکھا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ ہو بہو اسی سانچے میں بنی ہوئی ہو۔ اسے ایک سو ایک فیصد یقین تھا کہ وہ اگر یہ تصاویر دیکھ لیتا تو حماد کو بھی اس طرح ٹکا سا جواب نہ دیتا۔ پورے چار دن کے بعد وہ آفس گیا تو وہاں نور کی شادی کے چرچے تھے۔

"یار ماہ نور واقعی غضب ڈھا رہی تھی اس ڈیپ ریڈ کلر کے لہنگے میں۔" مارکیٹنگ ڈیپارٹمنٹ کی حرا جو اس وقت ایڈیٹوریل سیکشن کی ملیحہ انصاری کے کیبن میں آئی ہوئی اس کی شادی کی تصاویر اس کے کمپیوٹر پر دیکھنے میں مگن تھی۔ اس کا بلند آواز میں کیا گیا تبصرہ حارث کو اضطراب میں مبتلا کر گیا تھا۔ اس نے بے اختیار پہلو بدلا تھا۔

ملیحہ کا کیبن اس کے ساتھ والا تھا اس لیے بعض اوقات دھیمی آواز میں کی جانے والی سرگوشیاں بھی صاف سنائی دیتی تھیں۔ پورے آفس میں لکڑی کے چھوٹے چھوٹے کیبن بنا کر پرائیوسی دینے کی کوشش کی گئی تھی لیکن یہ اس صورت میں ناکام ہو جاتی جب کوئی بھی شخص اپنے کیبن میں کھڑا ہوتا تھا۔ دائیں بائیں کی میزوں اور کمپیوٹرز پر کھولی جانے والی ویب سائٹس تک صاف دکھائی دیتی تھیں۔ ان چھوٹے چھوٹے کیبن کو حماد نے جیل کی بیرکوں کا نام دے رکھا تھا۔ حارث کے دائیں جانب ملیحہ اور بائیں جانب حماد کا کیبن تھا۔

"لیکن آپس کی بات ہے یار، مجھے اس کا میاں ایک آنکھ نہیں بھایا، وہ خود جتنی اسٹائلش سی لگتی ہے اس کے مقابلے میں وہ تو کچھ بھی نہیں۔" حرا خاصی صاف گو بلکہ کسی حد تک منہ پھٹ بھی تھی۔ اس وقت جوشِ جذبات میں اس کی آواز کچھ بلند ہو گئی تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

"یار میاں کو بیوی سے ایک نمبر کم ہی ہونا چاہیے، یہ ہینڈسم مرد بھی بہت بڑا مسئلہ ہوتے ہیں۔" ملیحہ کے دل جلے الفاظ میں کوئی تلخ تجربہ پوشیدہ تھا۔ حارث سے اپنے آرٹیکل کا ایک لفظ بھی نہیں لکھا جا رہا تھا۔ اس نے جھنجلا کر کمپیوٹر اسکرین کو دیکھا۔

"یار ایک نمبر کم تو چلتا ہے لیکن یہاں تو اس کے میاں کو پاسنگ مارکس دینے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ کالا سا اور گنجا ہونا بھی چلو ٹھیک ہے لیکن اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں چھپی عیاری اور مکاری تو اس تصویر میں بھی دکھائی دے رہی ہے۔" حرا کا تاسف کسی صورت کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ وہ کھل کر تصویروں پر تبصرہ کر رہی تھی۔ لنچ ٹائم ہونے کی وجہ سے زیادہ تر لوگ کیفے ٹیریا میں لنچ کے لیے گئے ہوئے تھے۔ اس لیے وہ دونوں خاصی بے فکر تھیں۔

"یار اس کی نانو کو اس کی ٹینشن بھی تو بہت تھی، اوپر سے اس کی ممانی کا تو تمہیں پتا ہے، انہوں نے اپنی ساس کو زچ کر رکھا تھا کہ اس بوجھ کو کسی کے سر پر بس ڈال دو......" ملیحہ اکتاہٹ بھرے انداز سے اسے بتا رہی تھی۔

"کیوں؟ ان کو کیا تکلیف تھی وہ خود تو امریکا میں رہتی ہیں......ہا!" حرا نے قدرے تلخ انداز میں حیرت سے کہا۔

"انہیں ڈر تھا کہ کہیں ان کی ساس اپنے بیٹے کو جو اُن کے میاں صاحب ہیں یہ نہ کہہ دیں کہ پوتے کے ساتھ ماہ نور کی شادی کر دیں حالانکہ خود ممانی کا بیٹا کسی کام کا نہیں......لیکن اپنی اولاد کی خامیاں کہاں نظر آتی ہیں۔ اس کی ممانی کو تو ویسے ہی شروع سے اس بے چاری سے بیر تھا۔ اس لیے شادی کروا کر دم لیا۔" ملیحہ خاصی افسردگی سے بتا رہی تھی۔ حارث کو ڈھیروں رنج نے ایک دفعہ پھر گھیر لیا تھا۔

"ہاں یار! ماں، باپ سے محروم بچوں کا یہی حال ہوتا ہے، ہر کوئی ان کو بوجھ ہی سمجھتا ہے لیکن کوئی ایسے بھی نہیں کرتا جیسے آناً فاناً اس کا رشتہ کیا ہے، اچھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

خاصی خوب صورت اور اسٹائلش لڑکی تھی۔ ایک سے ایک اچھا رشتہ مل سکتا تھا اسے۔" حرا کے لہجے میں اداسی اور تاسف کے رنگ نمایاں تھے۔

"چلو دفع کرو اب تو ہو گئی شادی، بس دعا کرو کہ اللہ اس کے نصیب اچھے کرے......" ملیحہ نے خلوصِ دل سے کہا تھا۔ اس کی بات پر حارث کے دل سے بے اختیار آمین نکلا تھا۔ وہ دونوں اب تصاویر پر تبصرہ بند کر چکی تھیں۔

"ویسے یار ایک بات کہوں......!" حرا نے تجسس بھرے انداز میں سرگوشی کی، اس کی آواز اور اندازِ میں کچھ تھا کہ حارث نہ چاہتے ہوئے بھی اس جانب متوجہ ہو گیا۔

"ہاں کہو......" ملیحہ نے بے تابی سے کہا۔

"مجھے گالیاں مت دینا۔" وہ تھوڑا سا ہنسی اور آہستگی سے بولی۔

"اب پھوٹ بھی پڑو، میرا تجسس سے بُرا حال ہو رہا ہے......" ملیحہ نے بے صبرے پن سے اسے کہا جو شرارت سے آنکھیں پٹپٹا رہی تھی۔

"یار وہ جو تمہارے ایڈیٹوریل سیکشن میں نیا بندہ آیا ہے۔" حرا کی سرگوشی اتنی بھی کم نہیں تھی کہ ساتھ والے کیبن میں موجود حارث تک نہ پہنچتی اور ویسے بھی جب ذکرِ خیر بھی اسی کا ہو رہا تھا۔ حارث اپنے دُکھتے سر کو سنبھالنے میں مگن تھا کہ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔

"کون یار......؟" ملیحہ کی سمجھ میں اب بھی نہیں آیا۔

"میں اس بندے کی بات کر رہی ہوں جو انگلش سیکشن میں آیا ہے، بالکل فواد خان کی طرح ہینڈسم......" حرا نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"حرا، تمہیں وہ ادا کار فواد خان ہینڈسم لگتا ہے؟" ملیحہ کو اس پر سخت صدمہ ہوا تھا۔ تبھی وہ انتہائی بے یقینی کے عالم میں حرا کا چہرہ دیکھ رہی تھی جس پر دبا دبا سا جوش تھا۔

"ہاں تو ہینڈسم بندہ ہر کسی کو ہینڈسم ہی لگے گا ناں، اب تمہیں خوب صورتی کے اعلیٰ معیار کے لیے بس اپنے میاں کی ہی مثال ہی نظر آتی ہے تو میں کیا کروں۔" حرا کے طنزیہ انداز پر حارث کے لبوں پر بھی نہ چاہتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"اچھا، اچھا، زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں، سیدھی طرح سے بکو کہ تم حارث جلیل کی بات کر رہی ہو۔" ملیحہ نے قدرے منہ بنا کر اس کا نام لیا تھا۔

"ہاں یار، کاش ماہ نور کی شادی اس کے ساتھ ہو جاتی، ذرا سوچو کتنا پیارا کپل بنتا اور اتنے خوب صورت جوڑے کے بچے کتنے پیارے ہوتے ناں!" حرا کے معصومانہ اندز پر حارث کے دل پر ایک دفعہ پھر چھریاں سی چلی تھیں۔ جبکہ اس کی بات پر ملیحہ نے ایک جھانپڑ اس کے رسید کیا تھا۔

"آہستہ بکواس کرو اس کا ساتھ والا کیبن ہے، کہیں سن نہ لے اور تم اپنے یہ سنہری فرمودات اپنے پاس ہی رکھو، کسی اور کے گوش گزار نہ کر دینا۔ دنیا میں ہینڈسم لوگوں کی کمی تھوڑی ہے جو تمہیں صرف وہی نظر آ رہا ہے......" ملیحہ نے ٹھیک ٹھاک اس کی طبیعت صاف کی تھی جبکہ حرا بُرا مان کر خفگی بھرے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"کبھی کسی کی تعریف نہ کرنا، جیسے کسی کی شان میں دو چار الفاظ کہنے سے تمہاری زبان جل جائے گی۔ بتاؤ پورے آفس میں اس کشمیری سیب جیسا بندہ کوئی اور ہے......؟"

"اس کشمیری سیب نے اگر سن لیا ناں تو تمہیں اٹھا کر اس بلڈنگ سے باہر پھینک دے گا۔ اس کے بعد تمہاری شکل سڑے ہوئے بینگن جیسی ہو جائے گی۔" ملیحہ ہنستے ہوئے اسے ڈرا رہی تھی۔ وہ دونوں اب ایک دوسرے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مگن تھیں۔ حارث کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔ وہ دس منٹ کے

بعد اچانک اپنے کیبن میں کھڑا ہوا تا کہ میڈیکل اسٹور سے کوئی پین کلر لے کر آئے، وہ جیسے ہی کھڑا ہوا، ان دونوں نے چونک کر اسے دیکھا، ان دونوں کے چہرے فق ہوئے تھے۔ وہ حواس باختہ انداز میں ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ ان کے پھیکے اور خفت زدہ چہروں پر ...... نظر ڈالے بغیر حارث بے پروائی سے آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں...... وہ باہر نکل رہا تھا جب اس نے حرا کی سخت تعجب میں ڈوبی آواز سنی۔

"اوہ مائی گاڈ، میں تو سمجھی تھی کہ یہ بھی لنچ کرنے گیا ہوا ہے، لیکن یہ کہاں سے نکل آیا۔"

"یہ اچانک آسمان سے ٹپکا ہے یا زمین سے نمودار ہوا ہے، تمہیں ہزار دفعہ کہا ہے کہ اپنے پھٹے ڈھول جیسا والیوم کم رکھا کرو، چاہے وہ ہماری ساری بے ہودہ گفتگو اس نے سن لی ہو......" ملیحہ کا شرمندگی اور خفت سے بُرا حال تھا۔ ویسے بھی وہ ذاتی طور پر انتہائی سنجیدہ اور اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی تھی۔ حرا کے بارے میں سب کو پتا تھا کہ وہ شوخ و چنچل لڑکی ہے۔

"ٹینشن نہ لو...... میرا نہیں خیال کہ اس نے کچھ سنا ہو گا، میرا تو ذاتی خیال ہے کہ وہ میز پر سر رکھے سو رہا تھا۔ دیکھا نہیں اس کی آنکھیں کیسے سرخ ہو رہی تھیں۔" حرا اپنے بیگ سے چاکلیٹ نکالتے ہوئے بے پروائی سے بولی تھی لیکن ملیحہ کا تاسف کسی طور بھی کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

"یار اگر اس نے کچھ سن لیا تو کتنی غلط بات ہو گی۔ کیا سوچتا ہو گا وہ ہمارے بارے میں......؟" ملیحہ خاصی حساس سی لڑکی تھی۔ اس لیے اس کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"جو مرضی سوچے!" حرا نے بے پروائی سے ریپر ڈسٹ بن میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "ہمیں کون سا فرق پڑتا ہے، تم شادی شدہ ہو اور میں منگنی شدہ!" وہ اب مزے سے چاکلیٹ کھا رہی تھی۔ "ویسے اگر سن بھی لیا ہو تو اس کے لیے تو اعزاز کی بات ہے کہ ہم اپنے آفس کی سب سے خوب صورت لڑکی کے ساتھ اس کا رشتہ طے کر رہے تھے حالانکہ وہ جتنا اپنے آپ میں مگن رہتا ہے اور کسی کو لفٹ نہیں کرواتا، اس کے ساتھ ایسی نیکی کرنا تو نہیں چاہیے تھی۔" حرا خاصی لاابالی سی لڑکی تھی اور ہر بات کو چٹکیوں میں اُڑانے والی۔

"ہاں اسے تو بہت خوش ہونا چاہیے ناں، تم ایک شادی شدہ لڑکی کے ساتھ اس کا رشتہ طے کروا رہی تھیں۔" ملیحہ نے طنزیہ انداز میں اسے دیکھا جو اس کی دراز سے اب نمکو نکال کر بے تکلفی سے منہ کا ذائقہ تبدیل کر رہی تھی۔

"ہاں یار، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" وہ مونگ پھلی کا دانہ منہ میں ڈالنا بھول گئی تھی اور قدرے فکرمندی سے بولی۔ "یار ویسے ہے تو یہ غلط بات، کیا سوچتا ہو گا وہ بھلا مانس؟" اسے بات کافی دیر بعد سمجھ آئی تھی۔ اس لیے اب اس کا ہونق انداز دیکھ کر ملیحہ کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ اسے پہلی دفعہ ماہ نور کی بات سمجھ آئی تھی جو اکثر کہتی تھی کہ حرا کو بات اس وقت سمجھ آتی ہے جب ساری دنیا چیخ چیخ کر تھک جاتی ہے۔

☆☆☆

زندگی میں عجیب سا پھیکا پن آ گیا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ زندگی کے کینوس کے سارے رنگ ہی بے رنگ ہو گئے ہیں۔ کوئی بھی چیز اسے خوشی نہیں دے رہی تھی۔ دلچسپی یا کشش نام کی چیز تو بہت سال پہلے بھی اس کی زندگی میں نہیں تھی لیکن اب اس میں ایک چبھنے والا سپاٹ پن آ گیا تھا۔ اس کی بڑھتی ہوئی بیزاری اور خاموشی حماد کو تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گیا تھا لیکن حارث کے لبوں پر ایک سکوت طاری تھا۔

وہ بس کسی مشین کے مانند اپنے آفس کے کام

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیے جاتا۔ آفس سے گھر اور گھر سے آفس تک اس کی زندگی پہلے ہی محدود تھی اب تو اور بھی زیادہ اس نے خود کو ایک دائرے میں مقید کر لیا تھا۔ اس کی حد درجہ سنجیدگی، لاتعلقی اور کسی حد تک بے حس انداز کی بنا پر آفس کے بہت کم لوگ ہی اسے مخاطب کرنے کی جرأت کرتے تھے۔ حماد نے بھی تنگ آ کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ اور ویسے بھی کوئی دیواروں سے کہاں تک ٹکریں مار سکتا ہے۔ اس کا پورا خاندان 8 اکتوبر کے زلزلے کی نذر ہو گیا تھا۔ ان دنوں وہ لاہور میں پنجاب یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔ اس کے بعد اس کے لیے زندگی کے سارے ہی مفہوم بدل گئے تھے۔

☆☆☆

اس دن اچانک ہی پورے آفس میں ہلچل پیدا ہوئی۔ جب ہنستی مسکراتی کھلکھلاتی ہوئی ماہ نور چھٹیوں کے بعد آفس آ گئی..... وہ حد درجہ خوش باش اور بات بات پر قہقہہ لگا رہی تھی۔ میرون رنگ کے سوٹ میں اس کی شہابی رنگت کندن کی طرح دمک رہی تھی۔ آنکھوں میں چمکنے والے ستاروں سے اس نے بہ مشکل نظریں چرائی تھیں۔ حارث کو پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ زندگی اب اس کے لیے اور زیادہ مشکل ہو جائے گی۔

''تم پھر آ گئی ہو، ہم تو سمجھے تھے کہ جان چھوٹ گئی لیکن ہماری ایسی قسمت کہاں؟'' حماد نے اسے دیکھتے ہی بلند آواز میں شرارت سے کہا اور اس نے ہاتھ میں پکڑا کیک آفس بوائے ساجد کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے اپنا مخصوص کھنکتا ہوا قہقہہ فضا میں بلند کیا تھا۔

''منہ دھو رکھو، مجھ سے تم لوگوں کی اتنی آسانی سے جان نہیں چھوٹ سکتی اور پھر میرے جیسا ٹیلنٹ اس پورے دفتر میں نہیں۔ بے شک جا کر راشد صاحب سے پوچھ لو۔'' اس نے جواباً اسے چڑاتے ہوئے میگزین کے ایڈیٹر کا حوالہ دیا جو ہر میٹنگ میں اس کے کام کی تعریف کرتے تھے۔

''شکر ہے ماہ نور تم آ گئیں، قسم سے میں نے تمہیں بہت مس کیا۔'' ایڈورٹائزنگ سیکشن کی مائرہ کے چہرے پر اسے دیکھ کر بہار آ گئی تھی، وہ اس کے کام میں خاصی مدد کر دیتی تھی اور اس کے دیے گئے آئیڈیاز پر اس نے کام کر کے خاصی تعریف وصول کی تھی۔

''لو کام چور لوگوں کو تو خوشی ہوگی ناں.....'' سرکولیشن کے فہد نے مائرہ پر طنز کیا کیونکہ سارے اسٹاف کو علم تھا کہ مائرہ کے منفرد کام کے پیچھے ماہ نور کا دماغ ہوتا ہے۔

''ہاں، تم نے جو آسمان پر فتح کے جھنڈے گاڑ رکھے ہیں۔ میں نے بھی وہ دیکھ لیے ہیں۔ سارے آفس کو پتا ہے کہ جب سے تم نے اپنا منحوس قدم سرکولیشن ڈیپارٹمنٹ میں رکھا ہے۔ میگزین کی سرکولیشن آدھی رہ گئی ہے۔'' مائرہ نے بھی حساب برابر کیا۔ اس کی ننھی منی سی ناک غصے کی زیادتی سے سرخ ہو گئی تھی۔

حارث کو پہلی دفعہ اندازہ ہوا تھا کہ وہ لوگ آپس میں کافی بے تکلف تھے اور بالکل ایک خاندان کا سا ماحول تھا۔ سارا دن چھیڑ چھاڑ جاری رہتی۔ بعض دفعہ ماحول کی گرمی کو کم کرنے کے لیے اسسٹنٹ ایڈیٹر کو اپنے آفس سے باہر آنا پڑتا تھا لیکن وہ لوگ بھی خاصے تیز تھے ان کے جاتے ہی اپنے اپنے کیبن میں پھر کھڑے ہو جاتے تھے۔ پہلی دفعہ تو حارث کو لگا تھا کہ وہ اندرونِ شہر کے کسی پرانے محلے میں آ گیا ہو جہاں خواتین اپنے اپنے دروازوں پر کھڑی ایک دوسرے کے ساتھ بحث و مباحثے میں مصروف دکھائی دیتی ہیں۔ یہ ماحول بعض دفعہ لکھنے کے کام میں خاصا حائل ہوتا تھا لیکن مارکیٹنگ ڈیپارٹمنٹ کو سمجھانا بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف تھا۔

''کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو؟'' ایڈیٹوریل سیکشن کی ملیحہ نے دونوں کو تنبیہی نظروں سے گھورا جو خود بھی ایک دوسرے کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے، دونوں کے تعلقات ازلی دشمنوں کی طرح سخت کشیدہ رہتے تھے۔

''چلیں بھئی، سب کانفرنس روم میں چلتے ہیں اور ماہ نور کی واپسی سیلیبریٹ کرتے ہیں، ساجد ہمیں اچھی سی چائے پلائے گا۔'' ملیحہ کے زوردار اعلان پر پورے آفس میں ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔

''واہ جی واہ، یہ آج ایڈیٹوریل والے بڑے فیاضی کے موڈ میں ہیں ظاہر ہے کہ ان کا کورم جو پورا ہو گیا ہے.....'' حرا ہنستے ہوئے ماہ نور سے گلے مل رہی تھی۔ اس میگزین کے انگلش سیکشن میں چار لوگ تھے۔ ملیحہ، ماہ نور اور حماد کے بعد حارث کی صورت میں نیا اضافہ ہوا تھا۔ وہ لوگ اب خوش دلی کے ساتھ کانفرنس روم کی طرف چل پڑے۔

''آؤ ناں حارث، تم کہاں بزی ہو؟ چلو کانفرنس روم میں چلتے ہیں، زبردست سی چائے پیتے ہیں اور ماہ نور سے گپ شپ کرتے ہیں۔'' حماد اچانک ہی اس کے سر پر آ کر بولا۔ وہ ایک دم چونک گیا۔ کمپیوٹر کے ماؤس پر اس کی گرفت خاصی مضبوط ہوئی تھی۔

''نہیں یار... تم لوگ جاؤ، میرے سر میں درد ہے اور ویسے بھی مجھے آج یہ کور اسٹوری مکمل کرنی ہے اور اسی سلسلے میں کچھ دیر کے بعد ایک انٹرویو کے لیے بھی جانا ہے۔'' اس کے بیزار انداز پر حماد تعجب سے آنکھیں پھاڑے اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بہت ہی غیر معمولی بات سن لی ہو۔

''کم آن حارث کیا ہو گیا ہے، ابھی ڈیڈ لائن میں بہت دن پڑے ہیں اور پھر ماہ نور ہمارے سیکشن کی ہے برا لگتا ہے۔'' حماد نے سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ بھی آج رکھائی اور بے مروتی کے سارے ریکارڈ توڑنے پر آمادہ تھا۔

''یار میری کون سی اس کے ساتھ بے تکلفی یا دوستی ہے جو وہ میرے نہ آنے کا برا منائے گی۔ تم لوگ انجوائے کرو، میں نے کب منع کیا ہے لیکن مجھے اپنا کام کرنا ہے۔'' اس کے لہجے میں چھپی بیزاری اور تلخی کی حدوں کو چھوتی صاف گوئی پر حماد ایک لمحے کو تو ہکا بکا رہ گیا۔ ناگواری کی ایک لہر نے اس پر بھرپور طریقے سے حملہ کیا تھا۔ تبھی وہ خفگی بھرے انداز میں گویا ہوا۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ سب لوگ وہاں جمع ہیں اور تم اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانا چاہتے ہو، ویسے بھی آفس کے اکثر لوگ کہتے ہیں کہ حارث بہت مغرور سا لگتا ہے کسی سے گھلتا ملتا ہی نہیں ہے۔'' حماد نے ٹھیک ٹھاک اس کی کلاس لینے کی کوشش کی تھی۔

''مجھے ان کی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ جو کچھ مرضی کہیں، جب میری عادت نہیں ہے ہر کسی سے بے تکلف ہونے کی تو میں کیا کروں......'' وہ کندھے اچکا کر انتہائی بیزاری سے بولتا ہوا حماد کو سخت زہر لگا۔ اس نے کچھ لمحے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ جبکہ وہ اسے نظر انداز کیے ڈھٹائی سے اپنے کام میں مگن تھا۔ اس کے بے تاثر اور سپاٹ چہرے پر کوئی لچک نہ پا کر وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔

''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری کور اسٹوری، تمہارے دماغ کے سارے ہی پرزے ڈھیلے ہو چکے ہیں۔ تم انسانوں میں رہنے کے قابل نہیں ہو۔'' وہ پاؤں پٹختا ہوا کانفرنس روم کی طرف چلا گیا تھا۔ جہاں ماہ نور کی واپسی کو سیلیبریٹ کیا جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ بھی لوگ وہاں جمع تھے۔ وہ اپنا سر جھٹک کر ایک دفعہ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ حماد کو منانے کا ارادہ فی الحال اس نے ملتوی کر دیا تھا۔ بہت تیزی سے کی بورڈ پر انگلیاں چلانے میں محو تھا جبکہ آنکھیں ڈیسک ٹاپ پر تھیں، اس نے بہ مشکل خود

WWW.PAKSOCIETY.COM

کو اپنے کام کی طرف متوجہ کیا تھا۔

''بہت افسوس اور دکھ کی بات ہے اور میرے لیے ڈوب مرجانے کا مقام ہے کہ میرے ایک کولیگ کو میری آمد کی قطعاً خوشی نہیں ہوئی۔'' وہ ایک دم ہی اس کے سامنے آکر بولی تھی۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر دیکھا، وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی دونوں ہاتھ سینے پر باندھے بغور اس کا جائزہ لینے میں مگن تھی۔ وہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں......'' وہ اس کی شکوہ کرتی آنکھوں کے آگے گڑبڑا گیا تھا۔ اسے ہرگز توقع نہیں تھی کہ وہ اس طرح اچانک اس کے سر پر آجائے گی۔

''اگر ایسی کوئی بات نہیں تو پھر ''ویسی'' بات یہ ہی ہوسکتی ہے کہ آپ کو ہم لوگ اس قابل نہیں لگتے کہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر ایک کپ چائے پی سکیں۔'' وہ بلا کی پُراعتماد تھی۔ خوب صورتی اور خود اعتمادی دونوں چیزیں مل کر کیسے مدِمقابل کے چھکے چھڑاتی ہیں اس کا اندازہ حارث کو پہلی دفعہ ہوا تھا۔

''ایسی یا ویسی کوئی بات نہیں۔ بس میں نے سوچا کہ آپ لوگ پرانے دوست ہیں۔ اس لیے مل کر انجوائے کریں اور میں کور اسٹوری مکمل کرلیتا ہوں۔'' اس نے انتہائی خفت بھرے انداز میں بوکھلا کر صفائی دی۔

''پہلی بات تو یہ ہے کہ دوست کوئی پرانا یا نیا نہیں ہوتا بس دوست ہوتا ہے۔ جہاں تک بات اسٹوری کے مکمل کرنے کی ہے تو وہ ہم ڈیڈ لائن سے ایک دن پہلے ہی دیتے ہیں۔ ہماری سابقہ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں۔ آپ دس دن پہلے دے کر ایڈیٹر صاحب کی عادتیں خراب نہ کریں۔ بہت سے بے چارے کام چور لوگوں کی زندگی خراب کردیں گے وہ آپ کی مثالیں دے دے کر......'' وہ انتہائی دلفریب انداز سے مسکراتے ہوئے اپنی گردن کو خم دے کر بولی تھی۔ حارث کی شرمندگی میں دُگنا اضافہ ہوا تھا۔ وہ وہیں جم کر کھڑی تھی۔ حارث کا دل عجیب سی بغاوت پر اتر رہا تھا۔

''چلیں اٹھیں فوراً یہ کام بعد میں کرلیجیے گا۔ وہاں سب لوگ انتظار کررہے ہیں۔ پہلے ہی انگلش سیکشن کے صرف چار لوگ ہیں ان میں سے بھی ایک غیر حاضر ہو تو بات کچھ بنتی نہیں ہے۔ وہاں اُردو سیکشن والوں کا پلڑا بھاری ہے۔ شاباش اٹھیں، اُٹھیں......'' ماہ نور کا لہجہ اتنا حتمی تھا کہ وہ چاہنے کے باوجود منع نہیں کرپایا تھا۔ اسے لگا تھا کہ اس کی قوتِ گویائی سلب ہوگئی ہو۔ وہ اب بے تکلفی سے اس کا کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کررہی تھی۔ وہ اس کے اس حق جتاتے انداز پر کچھ بھی نہیں بول پایا تھا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ کب اس کے پیچھے کانفرنس روم میں داخل ہو گیا تھا۔ اسے اندر آتے دیکھ کر سب لوگوں نے تالیاں بجا کر اسے مزید شرمندہ کردیا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''تھینکس ماہ نور، یہ کمال بس آپ ہی کرسکتی تھیں، ورنہ یہ نواب صاحب میری تھوڑی سنتے ہیں۔'' حماد کی چالاکی اسے فوراً سمجھ آگئی تھی۔ اس کا خفت بھرا جھینپا جھینپا سا انداز سب کے چہروں پر مسکراہٹیں لانے کا موجب بن گیا تھا۔

''جناب ہم جائیں اور کام نہ ہو، ایسے تو حالات نہیں......'' وہ بڑے شاہانہ انداز سے اپنی شرٹ کا نادیدہ کالر کھڑا کرتے ہوئے بولی تھی۔

''ہاں یہ تو ہے، یقین کرو، ماہ نور کے آنے کے بعد اب مجھے یقین ہے کہ کاپی ٹائم پر چلی جائے گی... ورنہ حماد کی سستی اور کاہلی سے ایک زمانہ آگاہ ہے۔'' اردو سیکشن کی شازمہ نے شرارت سے کہا تھا۔ حماد کا ریکارڈ تھا کہ وہ اپنا کام ڈیڈ لائن والے دن ہی جمع کرواتا تھا۔

''چلو میں سست سہی لیکن تم لوگوں کا حال بھی تو پاکستان ریلوے کی ٹرینوں جیسا ہے۔ بس اعلان ہی ہوتے رہتے ہیں کہ آرہی ہے جبکہ تم لوگ بھی بس اسی طرح اعلان کرتے رہتے ہو اور ہر مہینے راشد صاحب سے جھاڑ کھاتے ہو۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے سینڈوچ کھا رہا تھا۔

''اسے چھوڑو تم بتاؤ ماہ نور، ہنی مون پر کہاں، کہاں گئیں؟ اس دن فون کیا تو نانو بتارہی تھیں کہ سوات گئی ہوئی ہو۔'' ملیحہ نے کیک کو نفاست سے کاٹتے ہوئے ماہ نور کو مخاطب کیا جو مسکراتے ہوئے سب کی نوک جھوک سن رہی تھی۔

''ہاں بس ایک دو جگہوں پر ہی گئے، میرے تو سر پر کاپی کی ڈیڈ لائن سوار تھی اور تمہیں پتا ہے ناں کہ راشد صاحب کام کے معاملے میں کتنے بدلحاظ ہیں، ایک منٹ میں بندے کی طبیعت صاف کردیتے ہیں۔ اس لیے سچ بات ہے کہ میں نے کوئی انجوائے ہی نہیں کیا۔'' اس کی صاف گوئی عروج پر تھی۔ وہ بہت نفاست سے کباب کانٹے کے ساتھ کھا رہی تھی۔

حارث نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا اس میں ایک خاص قسم کی کشش اور تمکنت تھی جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی تھی۔ سب لوگوں کی توجہ اس کی طرف تھی۔

''آپ خاموش رہنے کے علاوہ کیا کرتے ہیں......؟'' اس نے اچانک ہی حارث کو متوجہ کیا تھا چونکہ وہ اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا اس لیے گڑبڑا کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر پھیلنے والی بدحواسی پر حماد کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔

''بس کوئی خاص نہیں، فارغ وقت میں، میں مطالعے کا شغف رکھتا ہوں......'' حارث نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور سنجیدگی سے بولا۔

''اوہ مائی گاڈ، خاصی گاڑھی اردو بولتے ہیں آپ......'' ماہ نور کھلکھلا کر ہنس دی۔ حارث نے اس کے دائیں گال پر ابھرے ڈمپل سے بہ مشکل آنکھیں چرائی تھیں۔

''اس کی آواز بہت خوب صورت ہے ماہ نور، موسیقی کی خاصی شُدبُد ہے اسے، بہت کمال غزلیں گاتا ہے یہ......'' حماد نے بیچ چوراہے پر اس کا بھانڈا پھوڑا تھا۔ حارث کے لیے یہ بات انتہائی غیر متوقع تھی۔ اس لیے اس کے چہرے پر پھیلنے والی ناپسندیدگی کسی سے بھی نہیں چھپی رہ سکی۔

''جی ایسا کچھ نہیں ہے ... حماد کو ویسے ہی اول فول بولنے کی عادت ہے......'' اس نے حد درجہ سنجیدہ انداز میں کہا تھا۔

''جی اس بات کا تو ہمیں پہلے ہی سے پتا ہے، آپ ٹینشن نہ لیں۔ آپ سب لوگ بھی میرے اعزاز میں سجائی یہ محفل ختم کریں۔ باس نے کانفرنس روم میں جھانک لیا تو آپ سب لوگ ہمیشہ کی طرح میرے ہی کندھوں پر بندوق رکھ کر چلادیں گے اور میری پہلے ہی دن اچھی طبیعت صاف ہوجائے گی۔'' وہ چائے کا خالی کپ ٹرے میں رکھ کر فوراً کھڑی ہوگئی...... باقی سب لوگوں نے بھی اس کی پیروی کی تو حارث نے سکون کی سانس لی۔ اسے اس طرح کی محفلوں سے بڑی الجھن ہوتی تھی اور خصوصاً اس وقت جب اسے مرکزِ نگاہ بنالیا جائے۔ وہ کچھ عرصے سے خاصا آدم بیزار سا ہو گیا تھا۔

میگزین کی ایک کور اسٹوری کے لیے ایڈیٹر صاحب کچھ لوگوں کو ملک کے ٹینشن زدہ علاقوں میں بھیجنا چاہتے تھے۔ باجوڑ ایجنسی کے لیے اس نے اپنا نام پیش کیا تو باقی سب لوگ حیران رہ گئے۔ حماد نے تو اسے اچھا خاصا جھاڑ دیا تھا لیکن وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھا۔ وہ ..... آفس کے ماحول سے کچھ عرصے کے لیے جانا چاہتا تھا جہاں اس کا لمحہ لمحہ سولی پر گزرتا تھا۔

پندرہ دن کے بعد وہ واپس آیا تو اس کے پاس لکھنے کے لیے اچھا خاصا مواد تھا۔ کاپی کی ڈیٹ سر پر سوار تھی اس لیے ہر بندہ ہی مصروف دکھائی دے رہا

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھا۔ کسی کو بھی ایک دوسرے سے بات کرنے کی فرصت نہیں تھی۔

"حارث پلیز اگر آپ مائنڈ نہ کریں اور آپ کے پاس فرصت ہو تو کیا آپ میرا یہ آرٹیکل چیک کر دیں گے، مجھے لگتا ہے کہ اس میں کافی غلطیاں ہیں......" اس دن وہ اچانک ہی اس کے کیبن میں آکر انتہائی سنجیدہ انداز میں بولی تھی۔ حارث نے چونک کر اس کے تھکے تھکے سے چہرے کو دیکھا۔ وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

"سوری، میں آپ کو تنگ کر رہی ہوں لیکن مجھے کوئی اور بندہ فری نہیں ملا۔ اوپر سے راشد صاحب کا مزاج بھی صبح سے خاصا برہم ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کل تک ڈمی ان کی میز پر ہو اور میری ساس کی طبیعت خاصی خراب ہے مجھے گھر جانا ہے۔ اگر یہ آرٹیکل راشد صاحب کو نہ ملا تو وہ میری اچھی خاصی کلاس لے لیں گے۔"

"اٹس اوکے...... میں... کر دوں گا، آپ جائیں۔" اس کے مختصر جواب پر اس نے بڑی ممنون نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"سوری میں ملیحہ کو کہہ دیتی لیکن وہ ایک انٹرویو کے لیے باہر گئی ہوئی ہے۔" وہ شرمندہ سے انداز میں مزید وضاحت دے رہی تھی اس کا یہ انداز حارث کے لیے تکلیف کا باعث بن رہا تھا۔

"اٹس اوکے ماہ نور، مجھے کوئی پرابلم نہیں، میں اپنا کام کر کے دے چکا ہوں۔" اس کے دوٹوک انداز پر وہ کچھ مطمئن ہوئی۔

"اصل میں میری چار سالہ جاب میں پہلی دفعہ ایسا ہوا ہے۔ اس سے پہلے میں ہی سب کو ریلیف دیتی تھی لیکن......" وہ خاصی الجھی ہوئی تھی۔ حارث کو اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کس اندرونی خلفشار کا شکار ہے۔

"ماہ نور...... آپ کیوں اتنی ٹینس ہو رہی ہیں۔ جاب میں ایسا ہو جاتا ہے۔ مجھے حماد نے بتایا تھا کہ آپ اکثر اس کی مدد کرتی رہتی تھیں جب اسے کوئی ایمرجنسی ہوتی تھی۔ اس لیے آپ بے فکر ہو کر چلی جائیں، میں کرلوں گا۔" اس نے خلافِ عادت اتنی تفصیل سے جواب دیا تھا۔ وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی اور کچھ بھی کہے بغیر آگے بڑھ گئی۔ اس کے آرٹیکل کا سرسری انداز میں جائزہ لینے سے اسے فوراً اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا اندازِ تحریر خاصا متاثر کُن تھا۔ اس نے کافی چونکا دینے والے انداز سے حقائق لکھے تھے لیکن لکھتے ہوئے وہ شاید ذہنی طور پر حاضر نہیں تھی اس لیے اس نے موضوع کے متعلق اعداد و شمار پچھلے سال کے دے دیے تھے۔ جس نے اس کی تحریر کا حُسن کم کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ پیراگراف میں بھی ربط نہیں تھا۔ اسے آرٹیکل کو ایک بھرپور شکل دینے میں پورے تین گھنٹے لگے تھے لیکن وہ اب خاصا مطمئن تھا۔

اگلے دن میگزین کی ڈمی دیکھ کر اسے دھچکا لگا۔ اس آرٹیکل پر ماہ نور کے ساتھ حارث کا نام بھی تھا، حالانکہ پروف ریڈنگ کے دوران اس نے خود دیکھا تھا کہ اس تحریر پر صرف ماہ نور کا نام تھا۔ وہ ڈمی اٹھا کر ماہ نور کے کیبن میں آگیا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ حارث نے اس کی آنکھوں کے نیچے پھیلے حلقوں کو حیرت سے دیکھا۔ ایک ماہ میں ہی وہ خاصی مرجھا سی گئی تھی۔ شاید گھر اور آفس کی مصروفیات نے اسے خود سے بے پروا کر دیا تھا۔

"یہ اس آرٹیکل پر میرا نام کس نے لکھا......؟" حارث نے بغیر تمہید کے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ اسے اپنا نام وہاں دیکھ کر قطعاً خوشی نہیں ہوئی تھی۔

"یہ نام میں نے لکھا تھا، اصل میں راشد صاحب آرٹیکل کی بہت تعریف کر رہے تھے، میرے ضمیر نے گوارا نہیں کیا کہ میں آپ کی محنت پر اپنا نام لکھوا دوں کیونکہ اس میں آدھی محنت تو آپ کی شامل تھی۔" وہ بہت صاف گو تھی اس کا اندازہ حارث کو ابھی ابھی ہوا تھا۔

"لیکن میں نے اس غرض سے تو اس آرٹیکل کو ٹھیک نہیں کیا تھا اور ویسے بھی میں نے صرف کچھ چیزوں کو ارینج اور کچھ اعداد و شمار کی درستگی کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔" وہ کچھ ناراض سے انداز میں وضاحت دے رہا تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش بڑے بگڑے سے لگ رہے تھے۔

"آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں؟" وہ بھی اپنی سیٹ سے کھڑی ہو گئی تھی۔ "آپ کو اپنا نام اس آرٹیکل پر اچھا نہیں لگ رہا یا میرے نام کے ساتھ اچھا نہیں لگ رہا......؟" وہ دونوں بازو سینے پر باندھ کر بڑے آرام سے پوچھ رہی تھی۔ حارث کو اس کی بولتی آنکھوں سے الجھن ہوئی۔ وہ اس کی بات پر گڑبڑا سا گیا۔

"مجھے آپ کی محنت پر اپنا نام اچھا نہیں لگا۔" وہ سنبھل کر گویا ہوا۔

"حالانکہ میرا ذاتی خیال ہے کہ آپ نے جس طرح تمام چیزوں کو ایک ردھم کے ساتھ ترتیب دیا ہے اور اعداد و شمار کی درستگی کی ہے۔ اس نے ساری تحریر کی شکل ہی تبدیل کر دی ہے ورنہ کل میں جتنی ڈسٹرب تھی کبھی اتنے عمدہ طریقے سے اس کو نہیں لکھ سکتی تھی۔" وہ کیبن کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بڑی صاف گوئی سے بتا رہی تھی۔

"آپ نے جس کام کے لیے مجھے کہا تھا میں نے وہ ہی کیا ہے۔ آپ پلیز اس پر سے میرا نام ہٹا دیں۔ مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔" اس نے اپنے دل کے اندر برپا ہوتے ارتعاش سے گھبرا کر قدرے روکھے انداز میں کہا تو وہ ہنس پڑی۔

"بہت عجیب ہیں آپ، ورنہ لوگ تو اس بات پر مرنے مارنے پر اتر آتے ہیں کہ ان کی ہلکی سی محنت بھی کیوں کسی اور کے کھاتے میں جائے۔"

"آئی ایم سوری...... میرا شمار ایسے لوگوں میں نہیں ہوتا۔" وہ اپنی بات کہہ کر رکا نہیں۔ اس نے ڈیزائننگ ڈیپارٹمنٹ کے وارثی صاحب کو اپنا نام اس پر سے ہٹانے کو کہہ دیا تھا۔ اس کے دوٹوک اور حتمی انداز پر ماہ نور نے بھی مزید کچھ نہیں کہا تھا لیکن اس کے بعد سے وہ اسے کوئی بھی کام کہنے سے محتاط ہو گئی تھی اس کا اندازہ اس دن اسے ملیحہ کو اپنا آرٹیکل دیتے ہوئے دیکھ کر ہو گیا تھا۔

"یار تم اپنی ساس سے پوچھو کہ ان کو مسئلہ کیا ہے، نہ تمہیں جاب چھوڑنے دیتی ہیں نہ ڈھنگ سے جاب کرنے دے رہی ہیں۔ ہر تیسرے دن ان کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے تو آخر تمہیں ہی کیوں آفس میں تنگ کیا جاتا ہے۔ باقی دو بہویں کیا وہ نمائش میں رکھنے کے لیے لائی ہیں۔" ملیحہ جھنجلا کر قدرے بلند آواز میں بول گئی تھی۔

"یار مجھے خود سمجھ نہیں آتی کہ ان کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ ذرا سا سر میں درد بھی ہوتا ہے تو وہ اپنے بیٹے کو کراچی فون کھڑکا دیتی ہیں اور وہ صاحب مجھ پر گرجنا شروع ہو جاتے ہیں کہ میں ان کی غیر موجودگی میں ان کی والدہ کا خیال نہیں رکھتی، گھر میں بھی کمپیوٹر کے پاس بھی جاتی ہوں تو ان کو خفقان ہونے لگتا ہے، مجھے تو خود سمجھ نہیں آرہی کہ اپنا آفس کا کام کب کروں؟" اس کی آواز کی سنجیدگی میں اب رنجیدگی کا عنصر غالب آگیا تھا۔ حارث نے جھنجلا کر ان چھوٹے چھوٹے دڑبے نما کیبنوں کو دیکھا۔ جہاں کسی کی بھی پرائیویسی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔

"اتنا ہی اماں کا غم ہے تو موصوف خود کیوں نہیں جاب چھوڑ کر کراچی سے اسلام آباد آجاتے۔ تمہیں کیوں بار بار تنگ کر رہے ہیں، کل بھی راشد صاحب خفا ہو کر کہہ رہے تھے کہ ماہ نور کی شادی کے بعد کارکردگی پچاس فیصد کم ہو گئی ہے۔ اوپر سے تمہاری آئے دن کی فل اور ہاف ڈے کی چھٹیوں نے ان کا موڈ آف کر رکھا ہے۔ تمہیں تو پتا ہے یار کہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

پرائیوٹ جاب میں اس طرح کی چیزوں کا لوگ زیادہ دیر تک لحاظ نہیں کرتے.......'' ملیحہ نے صاف گوئی سے کہا تو وہ ایک لمحے کو چپ ہوگئی۔

''بس یار عجیب سی سچویشن میں پھنس گئی ہوں، نانو امریکا چلی گئی ہیں۔ وہاں بھی نہیں جاسکتی، نہ جاب سے مزید چھٹی لے سکتی ہوں، میاں صاحب نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ میری تنخواہ کے بغیر گھر نہیں چل سکتا اس لیے جاب چھوڑنے کا خیال دوبارہ کبھی ذہن میں لانا بھی نہیں، ورنہ میرا تو شادی کے بعد گھر داری کے ساتھ ساتھ ملازمت کر کے کولہو کے بیل بننے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔'' ماہ نور کے انداز میں تھکن ہی تھکن تھی۔

''لو یہ اچھی کہی موصوف نے، شادی سے پہلے کیسے گھر چلا رہے تھے جناب......؟'' ملیحہ کو یک دم ہی غصہ آگیا تھا۔

''پتا نہیں یار کیسے چلا رہے تھے لیکن اب تو لگتا ہے جیسے میری جاب کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوگا۔ پچھلے ماہ بھی بجلی، گیس کے بل میرے ذمے ڈال دیے گئے تھے۔ اس دفعہ پتا نہیں کیا کریں گے......'' وہ بھی آج شاید خاصی افسردہ تھی اس لیے تلخی بھرے انداز میں ہنسی تھی۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے، صاف انکار کردو، یہ شوہروں کی اس قسم سے تعلق رکھتے ہیں جو آہستہ آہستہ ساری ذمے داریاں بیوی کے کندھوں پر منتقل کرکے خود چین کی بانسری بجاتے ہیں......'' ملیحہ کے انداز میں سختی عود آئی تھی جبکہ اس کی بات پر وہ استہزائیہ انداز میں ہنس رہی تھی۔

''یار کون سی احمقوں کی جنت میں رہتی ہو...... تم خود بتاؤ ایمانداری سے بھلا بندہ ایسے کیسے ٹکا سا جواب دے سکتا ہے۔ میرے جیسا بندہ تو ہرگز نہیں......''

''ٹھیک ہے پھر اپنی اسی مروت کے ہاتھوں تنگ ہوتی رہنا کیونکہ مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ ماں، بیٹا تمہیں ریلیکس ہونے دیں گے......'' ملیحہ نے جھنجلا کر کہا تھا۔ ان کی باتوں سے حارث کا دل دکھ اور رنجیدگی کے احساس سے بوجھل ہوگیا تھا۔ اسے پہلی دفعہ اندازہ ہوا تھا کہ اس کے تھکے تھکے چہرے کے پیچھے کون سے عوامل کارفرما ہیں۔

''۔۔ اللہ ہی اپنے بندوں کو آسانیاں دے سکتا ہے یہ انسانوں کے ظرف کی بات نہیں۔ ان کا بس چلے تو سانس بھی گن کر لینے دیں۔ باقی اپنے حصے کی دکھ کی فصل تو خود کاٹنا پڑتی ہے مجھے تو بچپن سے اس کا تجربہ ہے۔ خیر یار سوری میں نے تمہیں بھی پریشان کردیا تھا۔ دفع کرو، اچھی سی چائے منگواؤ مل کر پیتے ہیں......'' وہ زبردستی کے بشاش انداز میں بولی تھی۔

''تم کبھی نہیں سدھر سکتیں...... یاد رکھنا کہ اپنے حق کے لیے خود جنگ لڑنا پڑتی ہے ورنہ کوئی ہمسائے سے آکر آپ کے لیے نہیں لڑتا......'' ملیحہ نے اٹھتے اٹھتے اسے ایک دفعہ پھر سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''یار چھوڑو، ان جنگوں کو، مجھے تو ویسے بھی لڑائی کا سوچ کر ہی وحشت ہوتی ہے۔ میں نے تو ان جنگوں سے بچنے کے لیے کبھی [illegible] مضمون کو بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ بہت برا لگتا تھا یہ مضمون......'' وہ بے پروائی سے ہاتھ جھاڑ رہی تھی۔ جبکہ ملیحہ بھی اس سے مایوس ہوکر اب کھڑی ہوئی تھی وہ دونوں اب کانفرنس روم کی طرف جارہی تھی۔

☆☆☆

وہ دو دن سے پھر غیر حاضر تھی اور راشد صاحب کا پارہ آسمان کو چھو رہا تھا۔ اس نے کسی انٹرویو کے لیے جانا تھا لیکن کسی گھریلو مسئلے کی وجہ سے آفس نہیں آسکی تھی۔ وہ اور حماد انٹرویو تو کرآئے تھے لیکن راشد صاحب اس دفعہ اسے کوئی بھی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں نظر آرہے تھے۔ ان کے مزاج کی برہمی اس دن ایڈیٹوریل والوں کی میٹنگ میں عروج پر تھی جو انہوں نے خصوصاً انگلش سیکشن کی

کلاس لینے کے لیے منعقد کی تھی۔ رسمی سی گفتگو کے بعد وہ انتہائی سخت انداز میں کہہ رہے تھے۔

''کسی بھی کامیابی کو حاصل کرلینا میرے نزدیک کوئی مشکل کام نہیں، مشکل کام یہ ہے کہ آپ ریپوٹیشن کو برقرار کیسے رکھتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ کسی بھی آرگنائزیشن میں آپ کا قد آپ کی محنت اور قابلیت سے ہوتا ہے۔ ادارے آپ کی محنت کے بل پر ہی چلتے ہیں اور آپ کی کارکردگی کی بنیاد پر ہی آپ کے مقام کا تعین ہوتا ہے۔'' راشد صاحب نے بطور خاص ماہ نور کی طرف جتاتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

ماہ نور نے بیٹھے بیٹھے خفت بھرے انداز سے پہلو بدلا تھا سب کی نظریں بے اختیار اس کی طرف اٹھی تھیں۔ راشد صاحب نے ادھر ادھر گھما پھرا کر کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد ایک دفعہ پھر ڈائریکٹ ماہ نور سے کہا تھا۔

''ہاں جی ماہ نور...... اب آپ کے کیا ارادے ہیں؟ میرا خیال ہے کہ آپ اپنی جاب کے بارے میں سیریسلی سوچیں۔ اگر آپ گھر اور ملازمت میں توازن نہیں رکھ پا رہیں تو آپ کو سنجیدہ ہوکر کوئی فیصلہ کرلینا چاہیے کیونکہ آئے دن کی چھٹیوں کی اب مزید کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ آپ کو فیور دینے کا مطلب یہ ہے کہ مجھے باقی لوگوں کو بھی دینا ہوگا۔'' راشد صاحب کی بدلحاظی پر ماہ نور کا منہ سرخ ہوگیا تھا۔ بھرے مجمع میں بے عزتی کا احساس ہی اتنا شدید تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے جن کو چھپانے کے لیے اس نے سر نیچے کرلیا تھا۔ وہاں موجود اس کے باقی کولیگز کو بھی اپنے باس کی یہ بات بالکل اچھی نہیں لگی تھی۔

''کوئی بھی ادارہ اپنے اصول وضوابط پر عمل کر کے ہی اپنا وجود قائم رکھ سکتا ہے اگر اپنے ہی قوانین کی ہم خود دھجیاں اڑانے لگیں تو پھر زوال کے موسم کو آنے میں دیر نہیں لگتی۔'' وہ مزید اب اسی موضوع پر بے تکان بول رہے تھے۔ باقی سب لوگ سر جھکائے ان کی تلخ مگر سچی باتوں کو ہضم کرنے کا دشوار کن مرحلہ دشوار کن طریقے سے ہی عبور کررہے تھے۔ میٹنگ پورے دو گھنٹے جاری رہی تھی۔

''راشد صاحب کا لگتا ہے کہ دماغ خراب ہوگیا ہے ٹھیک کہا ہے کسی نے...... ''اختیار کسی بھی انسان کو بے اختیار کردیتا ہے اور یہ بات راشد صاحب پر بالکل فٹ بیٹھتی ہے۔'' راشد صاحب کے میٹنگ روم سے نکلتے ہی ملیحہ بری طرح پھٹ پڑی تھی۔

''بہت غلط بات کی ہے سر نے انہیں وہ وقت بھول گیا جب میرا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور ملیحہ میٹرنٹی لیو پر تھی تب انگلش سیکشن کا سارا کام ہی ماہ نور نے کیا تھا۔'' حماد کو بھی سخت برا لگا تھا کہ انہوں نے پوری میٹنگ میں بس ماہ نور کو ہی آڑے ہاتھوں لے کر خوب رگیدا تھا۔ وہ بے چاری بالکل چپ رہی تھی، اسے وہ وقت یاد آرہا تھا جب ایسی ہی میٹنگ میں وہ اسے اور اس کے کام کو گھنٹوں سراہتے تھے۔

''اس کے علاوہ بھی تو بے شمار مواقع پر ماہ نور گدھوں کی طرح چار چار بندوں کا کام کرتی تھی۔ اب دیکھو کیسے بدلحاظ ہوگئے ہیں ذرا بھی نام کو مروت نہیں ان میں......'' ملیحہ نے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے ایک دفعہ پھر بھڑاس نکالی تھی۔ اس وقت وہ چاروں ہی میٹنگ روم میں تھے۔ حارث بالکل خاموش تھا اسے بالکل بھی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ اس موقع پر کیا کہے۔

''اٹس اوکے یار...... راشد صاحب غلط نہیں کہہ رہے، پچھلے دو، تین ماہ سے وہ میرا کافی لحاظ کرچکے ہیں۔ انہوں نے اپنا میگزین بھی تو چلانا ہے ناں......'' وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر کر بہ مشکل مسکرائی تھی۔

''کیوں......؟ کیا ہوا ہے ان کے میگزین

WWW.PAKSOCIETY.COM

کو...... ہمیشہ وقت پر ہی تو نکلتا رہا ہے۔ ہر وقت ڈیڈ لائن کا سر پر ہوا سوار کر رکھا ہوتا ہے۔ اب کیا ہم ایک مہینے میں دو دفعہ میگزین نکالنا شروع کر دیں......'' ملیحہ کا غصہ کسی طور پر بھی کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

''بس ایسے ہی دماغ کی خرابی ہے اور کچھ نہیں، ورنہ پچھلے دو ماہ سے بھی میگزین اپنے وقت پر ہی پرنٹ ہونے کے لیے گیا ہے۔ خیر چھوڑو، اس بات کو، ماہ نور زیادہ دل پر لینے کی ضرورت نہیں۔'' حماد نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو وہ جبراً مسکرا دی۔

''مس ماہ نور، ڈونٹ ٹیک ٹینشن...... میرے لائق جب بھی کوئی کام ہو آپ مجھے کہہ سکتی ہیں۔'' حارث نے بڑے نپے تلے انداز میں کہا تھا وہ اس کے محتاط انداز پر کھل کر مسکرائی تھی۔ اس کے بولنے سے پہلے ہی حماد بول پڑا تھا۔

''اوئے یہ بی بی۔ ''مس'' نہیں ''مسز'' بن چکی ہیں تمہیں کیوں بھول جاتا ہے۔ یہ سارا فساد ان کے مسز بننے کے بعد ہی شروع ہوا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے تو محترمہ ہم سب کے کام بھی نمٹا دیا کرتی تھیں۔ ان کی شادی کے بعد ہم تو خود بھی بہت دکھی ہیں سارا کام خود کرنا پڑتا ہے۔''

''بہت فضول ہو حماد تم......'' وہ بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔ ان تینوں نے سکون کی سانس لی، وہ اب کچھ پُرسکون نظر آ رہی تھی۔

''تھینک یو حارث، آپ سب لوگوں کی محبت کی وجہ سے تو میں یہاں ہوں۔ ورنہ میری اتنے سال کی سروس میں یہ پہلی دفعہ راشد صاحب مجھ پر برہم ہوئے ہیں اور یہ سب میری اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوا ہے، اس لیے مجھے ان کے کوئی گلہ نہیں۔'' وہ خاصے مثبت مزاج کی حامل لڑکی تھی۔ اس بات کا حارث کو ابھی ابھی اندازہ ہوا تھا۔ حارث سمیت سب نے بڑی رشک بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ اب بالکل نارمل انداز میں سب کے ساتھ محوِ گفتگو تھی۔

اگلا پورا ہفتہ وہ بالکل باقاعدگی کے ساتھ آفس آتی رہی۔ راشد صاحب کا مزاج جو سوا نیزے پر تھا اب بالکل نارمل ہو گیا تھا۔ جس کے بعد وہ خاصی ریلیکس تھی۔ اس دن ماہنٹینٹ پلاننگ کی میٹنگ تھی جب حماد نے بتایا کہ ماہ نور چھٹی پر ہے کیونکہ اس کے میاں صاحب کراچی سے چھٹی پر آئے ہوئے ہیں۔ اس کی اطلاع پر حارث کے اعصاب نہ جانے کیوں تن سے گئے تھے۔ اشتعال، غصہ، بے بسی، پتا نہیں کون کون سے جذبات امڈ امڈ کر آ رہے تھے۔ اگلے دو دن وہ غیر حاضر رہی تھی۔ تیسرے دن جب وہ آفس آئی تو اس کی آنکھیں سُوجی ہوئی تھیں۔ وہ حد درجہ پژمردہ دکھائی دے رہی تھی۔

''یہ تم نے کیا حلیہ بنایا ہوا ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......؟'' وہ ابھی ابھی ملیحہ کے کیبن میں آئی تھی جو اس کی حالت دیکھ کر چونک گئی تھی۔

''بس یار طبیعت ٹھیک نہیں تھی، فلو ہو رہا تھا۔ تم یہ بتاؤ راشد صاحب گرجے برسے تو نہیں......؟'' اس کی رنجیدگی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ حارث نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا جس کی پشت اس کی جانب تھی۔ وہ خاصے ڈھیلے ڈھالے انداز میں کھڑی تھی۔ سیاہ سوٹ میں وہ کوئی اداس شام کا حصہ لگ رہی تھی۔

''تمہاری قسمت اچھی تھی۔ راشد صاحب بھی آج ہی اپنے گاؤں سے واپس آئے ہیں، ان کی والدہ بیمار تھیں۔ آتے ہی انہوں نے تمہارا شاندار سا آرٹیکل پڑھا تو اش اش کر اٹھے۔ ابھی سارے آفس کے سامنے تمہاری تعریفوں کے پُل باندھ کر گئے ہیں۔'' ملیحہ نے خوشگوار انداز میں اطلاع دی۔

''میرا آرٹیکل، کون سا......؟'' وہ زبردست چونکی تھی۔ اس کے انداز میں اس قدر حیرت تھی کہ حارث کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

''وہی آرٹیکل جو تم نے انہیں کل گھر سے میل کیا تھا۔ ویسے یار یہ بھی تمہاری ہمت ہے جو گھر میں بیٹھ

کر بھی کام کر لیا، ورنہ ہمارے گھر میں تو میری نندوں اور ساس کی چیخ چیخ سے بندہ ایک لفظ بھی سکون سے نہیں پڑھ سکتا، لکھنا تو بہت دور کی بات ہے۔'' ملیحہ ہنستے ہوئے اسے سراہ رہی تھی۔

''میرا آرٹیکل......!'' وہ کچھ توقف کے بعد چونکی اور بے ساختہ مڑ کر حارث کو دیکھا جس کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی التجا تھی۔ اسے ساری بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ دانستہ خاموش رہی۔

''حارث مجھے اپنے فیچر کو آپ کے ساتھ ڈسکس کرنا ہے، کیا آپ میٹنگ روم میں آئیں گے......'' وہ اس کے سنجیدہ انداز پر گڑبڑا کر فوراً ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

''آپ نے میرے نام سے آرٹیکل کیوں لکھا......؟'' میٹنگ روم میں داخل ہوتے ہی، بڑی فرصت کے ساتھ کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے براہِ راست اس سے پوچھ لیا تھا۔ حارث کو اس کے سنجیدہ لہجے سے معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔ اس کی خوب صورت آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقوں سے نظریں چراتے ہوئے حارث نے اپنا خشک گلا بہ مشکل تر کیا۔

''میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ کو انفارم نہیں کر سکا۔ اصل میں میرے پاس آپ کا نمبر نہیں تھا اور کسی اور سے پوچھنا مجھے مناسب نہیں لگا تھا۔'' اس کی آنکھوں میں چھپی گہری سنجیدگی سے گھبرا کر اس نے فوراً وضاحت دی۔

''اور اگر راشد صاحب مجھے آتے ہی اپنے آفس میں بلا کر اس آرٹیکل پر گفت و شنید شروع کر دیتے اور میں لاعلمی کا اظہار کر دیتی تو آپ کو پتا ہے کہ میرے لیے کس قدر عجیب صورتِ حال بن جاتی۔'' وہ پُراعتماد نظروں سے اس پر نظریں جمائے بولی تھی حارث کو اپنا اعتماد فضا میں تحلیل ہوتا محسوس ہوا۔

''آئی ایم سوری...... لیکن یقین کریں میری نیت بالکل صاف تھی۔ میں اپنا کام کر چکا تھا اور فارغ مجھ سے رہا نہیں جاتا۔ آپ کے آرٹیکل کا موضوع مجھے دلچسپ لگا تو میں لکھے بغیر نہیں رہ سکا۔'' وہ اس سے آنکھیں چرا کر صفائی دے رہا تھا۔

''حارث آپ کیسے جرنلسٹ ہیں، آپ کو تو ڈھنگ سے جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا......'' وہ ٹکٹکی باندھے اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھتے ہوئے سادہ سے لہجے میں بولی۔ ''حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ آپ کو ڈر تھا کہ سر آتے ہی مجھ پر برسنا شروع کر دیں گے اس لیے آپ نے صرف اور صرف مجھے ان کے عتاب سے بچانے کے لیے میرا آرٹیکل اس تاریخ کو دے دیا، جس تاریخ کو مجھے پلاننگ کیلنڈر کے مطابق دینا تھا۔'' وہ سو فیصد درست کہہ رہی تھی۔ حارث چاہتے ہوئے بھی اس کی تردید نہیں کر سکا کیونکہ حقیقت یہی تھی۔ وہ بالکل کچھ بھی نہیں بول سکا تھا۔

''کیا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا......؟'' اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے بڑی گہری نظروں سے اس کے تھکے تھکے انداز کو دیکھا تھا۔

''پتا نہیں......'' اس نے کندھے اچکائے۔ ''لیکن میں شاید آپ کے احسان کا بدلہ نہ چکا سکوں......'' وہ گہری سانس لے کر بولی تھی۔ اضطراب اور افسردگی اس کے سارے وجود سے عیاں تھی اور وہ اسے چھپانے کی دانستہ کوشش کر بھی نہیں رہی تھی۔

''تو میں نے کب آپ سے ایسا کوئی مطالبہ کیا ہے......؟'' وہ اب انتہائی اعتماد کے ساتھ براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''ضروری بھی تو نہیں ہوتا کہ ہر مطالبے کو لفظوں کو پیراہن دیا جائے۔ بہت سی چیزیں آپ کی آنکھیں، انداز اور جسمانی اعضا کی جنبش سے بھی جھلک جاتی ہیں۔'' اس نے انتہائی عجیب انداز سے اسے دیکھا تھا جیسے وہ اسے بہت کچھ جتانا چاہ رہی ہو۔ حارث گڑبڑا سا گیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"پتا نہیں آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں، یقین کریں مجھے سمجھ نہیں آرہی......" اس نے بوکھلا کر وضاحت دی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے ہمیشہ اپنا اعتماد اس نازک کی لڑکی کے سامنے متزلزل ہوتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

"حارث صاحب چیزیں اس وقت سمجھ میں آتی ہیں جب اسے سمجھنا چاہتے ہیں ورنہ تو کسی کو بے وقوف بنانا بالکل بھی مشکل کام نہیں اور ایسی صورت میں جب اگلا بندہ بھی بے وقوف بننے کو تیار ہو۔" وہ پھر عجیب انداز سے مسکرائی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں آپ کو بے وقوف بنانے کی کوشش کررہا ہوں......" حارث نے اپنے دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے دوٹوک انداز اپنایا۔

"میں نے ایسا کب کہا؟ میں تو یہ کہنے کی کوشش کررہی ہوں کہ جب کسی کے اوپر احسان کرتے ہیں تو صاف صاف طریقے سے بتادیتے ہیں۔ بعض دفعہ آپ کی کسی اچھے مقصد کے لیے بھی گھما پھرا کر کی جانے والی کوشش اگلے بندے کو ہرٹ بھی کرسکتی ہے۔ ہر بندہ عقلمند تھوڑی ہوتا ہے۔"

"لیکن مجھے اتنا اندازہ ہے کہ آپ بے وقوف ہرگز نہیں، اچھی خاصی سمجھدار خاتون ہیں اور چیزوں کو اسی انداز میں لیتی ہیں جس انداز میں لینا چاہیے۔" حارث نے اس کے رنجیدہ چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے دانستہ خوشگوار انداز اختیار کیا تو وہ اس دفعہ بے ساختہ مسکرائی۔

"آپ کے اندازے خاصے غلط ہوتے ہیں۔ اس بات کا اندازہ آج مجھے ابھی ابھی ہوا ہے......" وہ اب کھل کر مسکرا رہی تھی۔

"آپ کی سسرال والے کیسے ہیں؟" حارث کے منہ سے اچانک پھسلا تھا۔ وہ اپنی بات پر بُری طرح گڑبڑایا...... "آئی ایم سوری میں کچھ پرسنل ہوگیا......"

"اٹس او کے...... حارث، اتنا فارمل ہونے کی ضرورت نہیں، میں چاہے کسی کو بتاؤں یا نہ بتاؤں لیکن سب کو پتا ہے کہ میری کارکردگی کا گراف جو بری طرح نیچے آیا ہے اس کے پیچھے میرے گھریلو مسائل ہی ہیں۔ ہم سب لوگ بہت سالوں سے اکٹھے کام کررہے ہیں اس لیے سب ہی ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ اب جہاں تک سسرال والوں کا تعلق ہے تو سب ہی اچھے ہیں۔ بس ایک نالائق بہو سے اُن کا واسطہ پڑگیا ہے جو گھر اور جاب میں توازن نہیں رکھ پارہی۔" اس نے بہت سلجھے اور نپے تلے انداز میں بہت کچھ کہہ دیا تھا۔

"چلیں، اللہ سب کو آسانیاں دے، میرے لائق جب بھی کوئی خدمت ہو آپ مجھے بلا جھجک کہہ سکتی ہیں۔" حارث کی بات پر وہ بے ساختہ ہنسی۔

"بس اتنی گزارش ہے کہ جو چیز اندر ہٹلر صاحب کے روم میں بھیجا کریں، مجھے کم از کم بتا ضرور دیا کریں، کسی دن بے خبری میں میرے ساتھ آپ بھی نہ مارے جائیں۔ میرے ستارے تو ویسے بھی آج کل گردش میں ہیں۔" اس نے بھی ہلکا سا سر خم کرکے اسے اطمینان دلایا تو وہ دونوں باہر نکل آئے۔

☆☆☆

کاپی پریس میں جانے کے بعد کچھ دن خاصے سکون سے گزرے تھے۔ حارث بھی چار پانچ دن کی چھٹی لے کر مظفر آباد آگیا تھا۔ یہاں آکر سارے ہی زخموں کے ٹانکے اُدھڑ جاتے تھے۔ اب تو وہاں بھی زندگی رواں دواں تھی لیکن 8 اکتوبر کے زلزلے میں شہید ہوجانے والے افراد کے باقی گھر والوں کے لیے گویا زندگی ایک مقام پر آکر رک گئی تھی۔ یہی حال حارث کا تھا۔

تین دن تو اس کا کچھ بھی کرنے کو جی نہیں چاہا تھا۔ ہر طرف یادوں کی ایسی قبریں تھیں جنہیں دیکھ کر اور صرف سوچ کر ہی زخم دہائی دینے لگتے تھے۔

چوتھے دن وہ اپنے ایک دوست کی مدد سے ایک پراپرٹی ڈیلر سے ملا۔ اس کو اپنے کھنڈر گھر کی فروخت کے لیے ابتدائی مراحل طے کرنے کو کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم اب مظفر آباد سے ہمیشہ کے لیے رابطہ ختم کرلینا چاہتے ہو۔" اس کا کشمیری دوست عبداللہ اداس ہوکر بولا تھا۔ وہ وہیں اس شہر میں اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ مقیم تھا۔ اس کا باقی خاندان بھی اسی زلزلے کی نذر ہوگیا تھا۔

"نہیں یار...... تمہیں کس نے کہا؟ بھلا اپنی بنیادوں سے کون رابطہ ختم کرسکتا ہے۔" حارث بے بسی سے مسکرایا تھا۔

"پھر تم اس گھر کو فروخت کرنے کے بجائے اسے دوبارہ کیوں نہیں بنواتے۔ کسی اچھی سی لڑکی کے ساتھ شادی کرکے دوبارہ یہاں آکر رہنا۔" عبداللہ نے اسے خلوصِ دل سے مشورہ دیا تھا۔ اچھی لڑکی کے نام سے اس کے ذہن میں فوراً ماہ نور کا تصور آیا تھا جسے اس نے بڑی بے دردی سے جھٹکا تھا۔

"یار مجھ سے کون شادی کرے گا، کوئی آگا پیچھا نہیں رہا۔" وہ استہزائیہ انداز سے ہنسا تو عبداللہ نے سخت برا منایا تھا۔

"تم کون سی دنیا میں رہتے ہو یار...... آج کل تو لوگ اکیلے بندے کو خوش ہوکر لڑکی دیتے ہیں کہ سسرال کا جھنجٹ نہیں ہوگا۔ پھر تمہارا آگا پیچھا کیوں نہیں ہے مانا کہ سارا گھر اس زلزلے میں شہید ہوگیا لیکن تمہارے ایک تایا کینیڈا میں مقیم ہیں پھر ہم لوگ نہیں ہیں کیا، مجھے بتاؤ میں اور بے بے خود تمہارا رشتہ مانگنے جائیں گے۔" عبداللہ کی ناراضی اس کے لیے بڑی فطری سی خوشی کا باعث بنی تھی۔ اس لیے اس نے ممنون نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"سوری یار، میرا ہرگز مقصد تمہاری دل آزاری نہیں تھا۔ تم میرے بھائیوں جیسے دوست ہو، سارا بچپن ساتھ گزرا ہے، میں ضرور تمہیں بتاؤں گا، فی الحال تو اس گھر کو بیچ کر ایک نیا گھر خریدنے کا ارادہ ہے۔ اب پرانے گھر میں بالکل نہیں رہ سکتا۔ سب لوگ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے یاد آئیں گے۔" حارث کی وضاحت سے عبداللہ کچھ مطمئن نظر آنے لگا تھا۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے، میں بھی حیران تھا کہ ایک خالص وطن پرست بندہ کیسے اپنی بنیادوں سے کٹ کر دور رہ سکتا ہے۔" وہ عبداللہ کی حیرانی پر مسکرایا تھا۔ اسے واقعی اپنے علاقے سے محبت نہیں عشق تھا۔ یہاں آکر اس کی ساری تھکن اتر جاتی تھی۔ اس کی مستقبل کی پلاننگ میں ہمیشہ سے تھا کہ وہ یہیں آکر سیٹ ہوگا۔

☆☆☆

وہ پورے پانچ دن کے بعد گھر آیا تو ڈائیوو ٹرمینل سے اسے حماد پک کرنے آیا تھا۔ آج موسم کے تیور خاصے خطرناک تھے۔ بادلوں کے گرجنے کے ساتھ ساتھ بجلی بھی خوب چمک رہی تھی۔ اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے۔ ٹرمینل سے باہر نکلتے ہی اس پر باقاعدہ کپکپی طاری ہوگئی تھی۔ باہر بارش اپنے زوروں پر تھی۔ آج تو حماد بھی خلافِ توقع خاصا سنجیدہ تھا۔ اس نے راستے میں کوئی پھلجڑی نہیں چھوڑی تھی۔

"تمہارے چہرے پر کیوں بارہ بجے ہوئے ہیں، خیر ہے ناں؟ کہیں راشد صاحب نے آفس سے چھٹی تو نہیں کردی۔" حارث نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے چھیڑا۔

"نہیں یار، ایسی کوئی بات نہیں، ایک تو تھکن سے چہرہ لٹکا ہوا لگ رہا ہے پھر صبح سے عجیب سی ٹینشن ہے۔ سارا دن کورٹ میں گزرا اس لیے سارا...... دن کی خجل خواری کی وجہ سے چہرے پر نحوست برس رہی ہے۔" حماد نے باقاعدہ منہ کھول کر جمائی لیتے ہوئے وضاحت کی۔

"میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ مجھے پک

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرنے مت آؤ، جی الیون سیکٹر سے یہاں پنڈی.... آنے میں اچھا خاصا ٹائم لگتا ہے اوپر سے اس روڈ پر ٹریفک بھی تو اتنا ہے۔'' حارث کی بات پر اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور طنزیہ انداز میں کہا۔

''خدا کے واسطے یار، یہ اپنا مروت نامہ بند کر دو، ایک سر میں درد نہیں ہے وہ تمہاری اس قسم کی بکواس سے شروع ہو جائے گا۔ ہزار دفعہ کہا ہے کہ میرے ساتھ اس طرح کی گفتگو نہ کیا کرو مجھے بڑی سخت قسم کی بدہضمی ہونے لگتی ہے۔''

''اچھا، نہیں کرتا، تم یہ بتاؤ کہ کورٹ کس چکر میں گھومتے رہے ہو۔'' حارث نے بات بدلتے ہوئے پوچھا تو اس کی بات پر ایک دفعہ پھر حماد کے چہرے کے زاویے بدلنے لگے۔ وہ اب خاصا تپ کر بولا تھا۔

''یار ہمارے معاشرے میں جتنا ظلم ایک عورت عورت پر کرتی ہے اور کوئی نہیں کرتا ہوگا۔ شادی بیاہ کو ان عورتوں نے مسئلہ کشمیر بنا رکھا ہے۔ پہلے شادی نہ ہونے پر لڑکی کو ٹارچر کرتے ہیں اور اس کے بعد کسی لولے لنگڑے کے ساتھ بیاہ دیتے ہیں، پھر کہا جاتا ہے کہ چاہے صبح شام جوتے کھاؤ لیکن بسنا تم نے میاں کے گھر ہی ہے۔''

''کیا مطلب...... یہ تم نے کیا عورتوں کے حقوق کی تنظیم بنالی ہے میری غیر موجودگی میں......؟'' حارث نے سخت حیرت سے اس کا حد درجہ تپا ہوا چہرہ دیکھا تھا۔

''یار جب ایک ہی صنف کے لوگ ظالم بھی ہوں اور مظلوم بھی۔ وہاں حقوق کی جنگ لڑنا بہت مشکل کام ہے۔ ویسے بھی شریف عورتوں کو ہی زیادہ مسئلے ہوتے ہیں ورنہ اگر کوئی ہٹلر ٹائپ ٹھاں پاں کرنے والی خاتون ہو، اس سے تو ویسے ہی سارا خاندان ڈرتا ہے اور کوئی اسے چھیڑنے کی غلطی نہیں کرتا۔ لڑکیوں کی قوم کو بزدل ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔'' حماد نے گاڑی کا وائپر آن کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''یہ کس کی بزدلی نے آپ کو اتنا سیخ پا کر رکھا ہے کچھ روشنی ڈالنا پسند کریں گے آپ......؟'' حارث نے طنزیہ انداز سے اس کی طرف دیکھا جو بڑی توجہ سے تیز بارش میں بڑی مہارت کے ساتھ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

''یار کس پر سیخ پا ہونا ہے، میری زندگی میں خاندان کی خواتین کے علاوہ صرف چن کر چھ سات خواتین ہیں، جن میں ماہ نور اور اس کی نانو سرِفہرست ہیں۔ جنہیں ساری دنیا میں اعتبار کرنے کے لیے صرف میں ہی ملتا ہوں۔ بس پچھلے دو تین دن سے ماہ نور ...اور نانو نے دماغ خراب کر رکھا ہے۔ مجھے نانو سے اس قدر بے مروتی کی توقع ہرگز نہیں تھی۔'' اس نے ایک سرد آہ بھر کر تفصیل سے بتایا۔ اس کی بات پر حارث بری طرح سے چونکا تھا۔ اسے علم ہی نہیں تھا کہ ماہ نور کی نانو پاکستان آچکی تھیں۔

''ماہ نور کی نانو۔ کب آئیں پاکستان......؟'' اس نے تعجب سے پوچھا۔

''وہ تو شاید اب بھی نہ آتیں اگر ماہ نور کے سسرال والے اسے گھر سے نہ نکال دیتے۔ تین دن وہ ملیحہ کے گھر رہی ہے بے چاری۔ کل ہی نانو صاحبہ پاکستان پہنچی ہیں۔ تب سے ایک ہی بات کی گردان کیے جا رہی ہیں کہ جیسے بھی حالات ہیں بس اپنے گھر میں گزارہ کرو۔'' حماد نے اپنی طرف سے اس کے سر پر بم ہی تو پھوڑا تھا۔ ایک لمحے کو وہ ششدر رہ گیا۔ اسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس خبر پر کس طرح ری ایکٹ کرے۔ تھوڑا سا سنبھل کر اس نے پوچھا۔

''لیکن اس کے سسرال والوں نے کیوں اسے گھر سے نکالا......؟'' حارث کو سن کر ہی اتنی تکلیف ہوئی تھی تو جس پر بیتی ہوگی اس کا کیا حال ہوگا۔ وہ یہ سوچنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ دل کی رگوں میں درد الجھ رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''یار دماغ خراب ہو گیا ہے ان کا پچھلے ایک ماہ سے اسے تنگ کر رہے تھے کہ تمہاری نانو کا جو آئی ایٹ والا بنگلا ہے۔ وہ خالی ہے ان سے کہو کہ وہ تمہارے نام کر دیں تو پھر ہم سب وہاں شفٹ ہو جاتے ہیں۔'' حماد کی بات پر حارث کو جھٹکا لگا تھا جبکہ وہ مزید کہہ رہا تھا۔ ''ماہ نور اس مطالبے کو نظر انداز کیے جا رہی تھی۔ اس کا نام نہاد غیرت مند میاں کراچی سے آیا ہوا تھا۔ تین دن پہلے جب ماہ نور نے بنگلے کے سلسلے میں اپنی نانو سے بات کرنے کے سلسلے میں معذرت کر لی تو اس نے طیش میں آکر ہاتھ پکڑ کر اسے گھر سے نکال دیا۔ اندازہ کرو اس گھٹیا شخص کی ذہنیت کا۔ اس کا رات گیارہ بجے ملیحہ کو فون آیا جو وہ کسی پی سی او سے کر رہی تھی۔ تب جا کر وہ اپنے میاں کے ساتھ اسے لے کر آئی۔ بہت بری حالت تھی اس بے چاری کی۔'' حماد کے غصے پر اب رنجیدگی غالب آگئی تھی۔

''یہ تو بہت ہی چیپ حرکت کی ہے اس کے میاں نے۔'' حارث نے اپنے اندر اٹھتی ہوئی اشتعال کی لہر کو بہ مشکل دباتے ہوئے کہا تھا۔ ''اب نانو کیا کہتی ہیں؟''

''انہوں نے کیا کہنا ہے، مجھے کل بھی بلوایا تھا کہ اس گھر کو ماہ نور کے نام کروانے کے سلسلے کے کاغذات تیار کرواؤ جبکہ ماہ نور ایسا ہرگز نہیں چاہتی۔'' حماد نے کھل کر بتایا۔ اس کی گاڑی فیض آباد سے اب آئی ایٹ سیکٹر کی طرف رواں دواں تھی۔ بارش کی تندی اور تیزی میں کمی آگئی تھی اور اندھیرا بڑی تیزی کے ساتھ پھیلتا جا رہا تھا۔

''یہ کیا ہم ماہ نور کے گھر جا رہے ہیں؟'' اس نے جانے پہچانے راستوں پر گاڑی کو رواں دواں دیکھ کر کہا تھا۔ حارث کو آج سے سات آٹھ ماہ پہلے کی سرد شام یاد آگئی تھی۔ وہ شام جس کے اندھیرے اس کی ساری زندگی پر محیط ہو گئے تھے۔

''ہاں یار، کچھ ڈاکومنٹس پر ماہ نور کے سائن لینے ہیں......'' اس کی سوالیہ نظروں پر حماد نے فوراً وضاحت دی تو وہ خاموش ہو گیا۔ وہ نہ جانے کیوں اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ اب ناگزیر ہو چکا تھا۔

جب گاڑی ان کے آتشی گلابی بوگن ویلیا پھولوں سے ڈھکے بنگلے میں داخل ہوئی تو ماحول میں عجیب سی سوگواریت اور اداسی چھائی ہوئی تھی۔ بارش رک گئی تھی۔ وہ دونوں گاڑی سے اترے تو حارث کو بے اختیار وہ لمحہ یاد آگیا جب اس نے پہلی دفعہ اس برآمدے میں ہنستی مسکراتی اور زندگی سے بھرپور ماہ نور کو دیکھا تھا لیکن دس منٹ بعد نانو کے ساتھ اندر آتی ماہ نور کو دیکھ کر حارث کو دھچکا لگا تھا۔ سیاہ شال کو اچھی طرح لپیٹے انتہائی رنجیدہ اور شدتِ گریہ سے سوجی ہوئی آنکھوں سے حارث اور حماد دونوں نے ہی نظریں چرائی تھیں۔ ساتھ ہی بادامی رنگ کے سوٹ میں پشمینہ شال اچھی طرح لپیٹے نانو بھی خاصی خاموش خاموش سی تھیں۔

''نانو یہ کچھ ڈاکومنٹس پر ماہ نور کے سائن کروانے تھے۔ میں نے سوچا کہ کل پھر آفس سے چھٹی کر کے یہ کام نمٹا ہی دوں......'' حماد نے دانستہ ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ اس کی بات پر ماہ نور نے شکایتی سی ایک نگاہ نانو پر ڈالی ضرور لیکن وہ خاموش رہی۔ وہ اب سر جھکائے سامنے والے صوفے پر بیٹھی تھی۔

''جزاک اللہ، اور تم کیسے ہو بچے؟ بہت عرصے کے بعد چکر لگایا۔'' نانو اب مکمل طور پر حارث کی طرف متوجہ تھیں۔ جو اس وقت انتہائی مضطرب انداز میں وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دھواں بن کے فضا میں تحلیل ہو جائے۔ ماہ نور کی سوگواریت اور اس کا حلیہ اسے اذیت دے رہا تھا۔

''بس نانو، ماہ نور کی شادی کے بعد آپ فوراً امریکا چلی گئیں۔ اس کے بعد اب آئی ہیں تو ملاقات

ہو رہی ہے۔'' اس نے بردباری سے جواب دیا تو وہ سر ہلا کر ملازمہ کو چائے کی ہدایت کرنے لگیں۔

''نانو، آپ حماد بے چارے کو بتا کیوں نہیں دیتیں کہ یہ سارے ڈاکومنٹس دوبارہ تیار کروانے ہوں گے......'' کمرے کی خاموشی کو ماہ نور کی خفگی بھری آواز نے توڑا تھا۔ اس کی آنکھوں اور لہجے میں تلخی ہی تلخی تھی۔ اس کی بات پر نانو کے چہرے کا رنگ تیزی سے اڑا تھا جبکہ حارث اور حماد نے انتہائی تعجب اور بے یقینی سے ماہ نور کے طنزیہ انداز کو دیکھا، وہ کبھی اس اسٹائل میں بات کرنے کی عادی نہیں تھی۔

''کیا ہوا نانو......؟'' حماد نے سخت حیرت سے ان کے چہرے پر پھیلا ہوا پھیکا پن دیکھا تھا۔ وہ دانستہ خاموش رہی تھیں۔ حماد اور حارث دونوں کو ہی بے چینی ہوئی تھی۔ نانو کا ہمیشہ انہوں نے دبنگ سا انداز ہی دیکھا تھا لیکن وہ اس وقت کسی ہارے ہوئے لشکر کا حصہ لگ رہی تھیں۔

''نانو کو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ کیسے بتائیں کہ ان کے چہیتے داماد کو جب پتا چلا کہ یہ لوگ تو آسانی سے بنگلا اپنی بیٹی کے نام کرنے کو تیار ہو گئے ہیں تو اسے اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا۔ اب موصوف نے مطالبہ کیا ہے کہ بنگلا ماہ نور کے نہیں ان کے اپنے نام پر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ موصوف نے ان کی بیٹی کے ساتھ شادی کر کے ان کی سات پشتوں پر احسان جو کیا ہے۔'' ماہ نور بولی نہیں پھنکاری تھی۔ کمرے میں ایک دم ہی ایک بوجھل سا سناٹا پھیل گیا۔ حماد نے سخت بے یقینی سے پہلے ماہ نور اور اس کے بعد پھر نانو کا خاموش، خفت زدہ چہرہ دیکھا تھا۔ ان دونوں کی خاموشی معاملے کی سنگینی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

''نانو، اس بندے کا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا؟ بنگلا اس کے نام کس خوشی میں کیا جائے، وہ اپنے حواسوں میں ہے کہ نہیں؟'' حماد اس مطالبے پر بری طرح مشتعل ہوا تھا۔

''حماد دماغ اس کا نہیں، میرا خراب ہے۔ بقول نانو میرے اندر ہی گھر بسانے کی اہلیت نہیں۔'' اس نے سخت شکایتی نظروں سے نانو کی طرف دیکھا تھا۔

''حماد تم نے ماہ نور کا اندازِ گفتگو دیکھا ہے، میں نے بھلا اس طرح سے اس کی تربیت کی تھی۔ ایک تو اس کی پریشانی میں امریکا سے بھاگی چلی آئی ہوں...... آگے سے صاحبزادی کے مزاج ہی نہیں مل رہے وہ تو چلو خیر پرائی اولاد ہے اس سے کیا گلہ لیکن یہ صاحبزادی ہی ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دے رہیں۔'' نانو کی بات پر انہیں اندازہ ہوا کہ دونوں کے تعلقات خاصے کشیدہ تھے۔ ماہ نور ان سے حد درجہ بدگمان تھی تو نانو کو بھی اس سے بہت سے گلے تھے۔

''وہ اگر مجھے گھر سے نہ نکالتا اور ملیحہ کے میاں آپ سے صاف صاف یہ نہ کہتے کہ ہم لوگ جوان لڑکی کی ذمے داری نہیں اٹھا سکتے تو آپ نے بالکل بھی پاکستان نہیں آنا تھا۔ آپ تو مجھے ان لالچی اور خود غرض لوگوں کے ہاتھ تھما کر ایسے بھاگیں جیسے میں آپ کی سگی اولاد کی اولاد نہیں بلکہ لے پالک تھی۔ میری ماما زندہ ہوتیں تو میں دیکھتی کہ وہ کیسے مجھے چھوڑ کر جاتیں۔'' ماہ نور ان سے سخت ناراض تھی۔ اس ناراضی میں بدگمانی کا عنصر غالب تھا۔

''لو دیکھو بھلا، ساری زندگی کلیجے سے لگا کر رکھا۔ پڑھایا لکھایا، بہو اور بیٹے کی خفگی سہی اور ایک کال پر اتنا لمبا سفر کر کے بھاگی آئی ہوں تب بھی اسے بوڑھی نانی کی محبت اور خلوص پر شک ہے۔'' نانو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اس جذباتی ماحول کو دیکھ کر وہ دونوں ہی بوکھلا گئے تھے۔ ایسی صورت حال کا تو انہیں بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔

''کیا ہو گیا ہے ماہ نور تمہیں......؟ کیوں ایسی بچکانہ باتیں کر رہی ہو......'' حماد کا زور بس اسی پر چل سکتا تھا اس لیے اس نے پہلے اسی کی کلاس لی۔

''حماد تم مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ مجھے کیا ہوا ہے؟ تم خود بتاؤ کہ اس شادی نے مجھے تماشا نہیں بنا دیا۔ ایک لمحے کو سکون حاصل نہیں۔ ان لالچی لوگوں کی نیت بھرنے کا نام نہیں لے رہی۔ میری ساری جیولری سیل کر کے موصوف گاڑی لے چکے ہیں۔ سارا بینک بیلنس زیرو کر دیا ہے۔ پورے گھر کی ذمے داری مجھ پر ڈال دی ہے۔ چلو یہ سب بھی ٹھیک سہی لیکن مجھے دن رات ذہنی ٹینشن تو نہ دیں۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بے تحاشا اذیت بھرے انداز سے کہہ رہی تھی۔

''میرے لیے تو ڈوب مرجانے کا مقام ہے۔ میری گھریلو شادی شدہ زندگی کو لوگ آفس میں ہنس ہنس کر ڈسکس کرتے ہیں۔ راشد صاحب نے بھری میٹنگ میں سب کے سامنے کہہ دیا اور اس پر ہی اکتفا نہیں کیا پھر مجھے آفس میں بلا کر پوچھا کہ آپ کے میاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر آفس میں کیوں فون کرتے ہیں۔ جس دن اس بندے نے دھکے مار مار کر مجھے گھر سے نکالا۔ آس پاس کوٹھیوں کے چوکیداروں نے مفت میں یہ تماشا دیکھا۔ اس کے بعد ملیحہ اور اس کے میاں مجھے لینے آئے تو ملیحہ کے میاں اور سسرال والوں نے کرید کرید کر مجھ سے پوچھا کہ کیا واقعی بنگلے کی ملکیت کی وجہ سے انہوں نے مجھے گھر سے نکالا ہے یا اندرون خانہ کوئی اور بات ہے۔'' اس کے لہجے میں چھپی شرمندگی، کوفت اور رنجیدگی اب ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ اس کمرے کے سب ہی مکینوں نے ایک دوسرے سے نظریں چرائی تھیں۔

''میرے اعصاب پر سوار ہو کر ان لوگوں نے میری ساری صلاحیتوں کو زنگ لگا دیا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میں اب ذہنی کام کر ہی نہیں سکتی۔ ہر روز ایک نیا ڈراما تیار ہوتا ہے۔ مجھے خود سمجھ نہیں آتی کہ میں کیا کروں؟'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا تھا۔

''نانو، آپ ان لوگوں سے صاف، صاف بات کریں کہ گھر صرف ماہ نور کے نام ہی ہوگا۔ آپ ان کے بیٹے کے نام ہرگز نہیں کریں گی۔ پھر دیکھیں کہ وہ لوگ کیا کہتے ہیں اس کے بعد کوئی نیا لائحہ عمل تیار کرتے ہیں۔'' حماد نے انتہائی سنجیدگی سے دو ٹوک انداز میں کہا۔

''میرا تو خیال تھا بیٹا یہ گھر ان دونوں کی چیز ہے جس کے نام سے ہو کوئی فرق نہیں پڑتا، خواہ مخواہ اس بندے کو ضد دلانے کا کیا فائدہ......؟'' نانو کے اندازِ گفتگو میں مصالحت کا عنصر نمایاں تھا۔ ان کی بات پر ماہ نور نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر سخت شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''آپ کی اسی مصالحت پسندی کو وہ لوگ بزدلی سے تشبیہ دے کر مذاق اڑاتے ہیں آپ کا۔'' وہ جھٹکے سے کھڑی ہوئی اور انگلی اٹھا کر بولی۔ ''لیکن یاد رکھیں نانو کہ کروڑوں کا بنگلا اپنے نام لگوا کر جب پھر کسی اور چیز کے لیے انہوں نے مجھے گھر سے نکالا تو خدا کی قسم میں کسی دارالامان میں چلی جاؤں گی لیکن مر کر بھی اپنی بے عزتی کروانے ان لالچی لوگوں کے گھر نہیں جاؤں گی۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ کسی تیر کی طرح کمرے سے نکلی تھی۔ اس کے کمرے سے جاتے ہی نانو بے بس انداز سے مسکرائیں۔

''بیٹا یہ تو بے وقوف اور نادان ہے، سمجھتی ہے کہ مجھے اس کی پریشانی کا اندازہ نہیں...... حالانکہ مجھے اس کے حالات کا بخوبی پتا ہے، یقین کرو، سوچ کر ہی دل پھٹتا ہے۔ میں نے تو اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا تھا لیکن قسمت سے کون لڑ سکتا ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ اس کی بوڑھی نانی میں اب سکت نہیں۔ اس امید پر کہ کبھی نہ کبھی تو حالات بدلیں گے اسے سمجھوتا کرنے پر مجبور کرتی ہوں، اس کے علاوہ چارہ بھی تو کوئی نہیں۔ اس کو گلہ ہے کہ میں پاکستان میں کیوں نہیں رہتی تو بیٹا میں شوگر اور دل کی مریضہ ہوں اکیلے اتنے بڑے گھر میں کیسے رہوں؟'' نانو کی اپنی مجبوریوں کی فہرست خاصی طویل تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''لیکن نانو وہ، اس طرح اوور ری ایکٹ کرنے والی لڑکی ہرگز نہیں تھی۔ کوئی نہ کوئی ایسی بات تو ہے ناں جس نے اتنی صابر، سمجھدار اور اچھی لڑکی کو اس طرح سے بولنے پر مجبور کر دیا۔'' حماد کو اس کی باتوں سے سخت دکھ پہنچا تھا اس لیے خود کو اس کے دفاع میں بولنے سے روک نہیں سکا تھا۔

''پھر بیٹا، آپ بتا دو کہ میں کیا کروں......؟'' نانو کی بے بسی بھی عروج پر تھی۔

''آپ بس انتہائی سمجھداری اور تحمل کے ساتھ اس معاملے کو نبٹائیں، اس بات کو ذہن سے نکال دیں کہ ماہ نور کا گھر خراب نہ ہو جائے کیونکہ جو چیز انسان کی قسمت میں لکھی ہو وہ ہو کر رہتی ہے۔ ابھی فوراً گھر اس شخص کے نام کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف تیل دیکھیں اور اس کی دھار دیکھیں۔ اپنے رویے میں ان کو کوئی لچک نہ دکھائیں وہ آپ لوگوں کو خواتین سمجھ کر ہراساں کر رہا ہے۔ آپ کے دوٹوک انداز پر اگر عقلمند ہوئے تو سمجھ جائیں گے۔'' حماد نے خلوصِ دل سے انہیں مشورہ دیا تھا۔ حارث بس خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ اسے پہلی دفعہ ان خواتین کی بے بسی کا اندازہ ہوا تھا۔

''اور اگر وہ لوگ طیش میں آ گئے تو......؟'' نانو کو سو طرح کے اندیشے لاحق تھے۔

''لیوات نانو، کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ یہ تعلق ختم کر دیں گے ناں، تو کر دیں۔'' حماد کے صاف گو انداز پر نانو دہل سی ہو گئیں۔

''استغفراللہ بیٹا، کیسی باتیں کرتے ہو، کیا بنے گا پھر اس بچی کا......؟''

''پہلے تو آپ اس بات کو ذہن سے نکال دیں کہ وہ کوئی بچی ہے۔ وہ ماشاء اللہ پڑھی لکھی، سمجھدار اور ذہین لڑکی ہے۔ اپنے پیروں پر کھڑی ہے۔ اسے ایسے لولے لنگڑے تعلق کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ ویسے بھی اس گھر میں خوش نہیں۔ آپ بھی اس حقیقت کو تسلیم کر لیں اور یہ تلخ حقیقت بھی مان لیں کہ ابھی تو بنگلا آپ کے نام پر تھا جو آپ ماہ نور کے نام کروا رہی ہیں کل کو کوئی اور ڈیمانڈ کریں گے تو کیا آپ پوری کر دیں گی، پھر کیا کریں گی؟ اس لیے بہتر یہی ہے کہ جو کل ہونا ہے وہ آج ہی ہو جائے۔'' حماد اس قدر تلخ انداز کے ساتھ بھی بات کر سکتا ہے اس بات کا اندازہ حارث کو ابھی ابھی ہوا تھا۔

''پھر کیا بنے گا ماہ نور کا......؟'' نانو کے چہرے پر کچھ ایسا تھا جو حارث اور حماد دونوں کو ہی ان پر رحم آیا تھا۔

''اگر خدانخواستہ کچھ ہوتا ہے تو میں آج آپ کو لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ ماہ نور آپ کی نہیں میری ذمے داری ہوگی......'' وہ سو فیصد بھرپور اعتماد کے ساتھ مزید کہہ رہا تھا۔ ''مجھے ماہ نور اپنی بہنوں کی طرح عزیز ہے، میرا چھوٹا بھائی میڈیکل کے آخری سال میں ہے وہ شاید ماہ نور سے ایک آدھ سال عمر میں چھوٹا ہو...... لیکن ہمیں کوئی اعتراض نہیں اگر وہ لوگ صرف اس ناجائز مطالبے کی بنا پر ماہ نور کو چھوڑتے ہیں تو جس دن ماہ نور کی عدت ختم ہوگی اس سے اگلے دن ہم لوگ اسے لے جائیں گے۔ اب بتائیں آپ کو منظور ہے؟'' حماد کے دل کی سچائی اس کے چہرے اور لہجے سے صاف جھلک رہی تھی۔ اس کی بات پر حارث کچھ بے چین ہوا۔ اس نے بلا ارادہ پہلو بدل کر نانو کا ہکا بکا چہرہ دیکھا تھا۔ جس پر اطمینان کے رنگ آہستہ آہستہ واپس آ رہے تھے۔

واپسی کے سفر میں وہ دونوں بالکل خاموش تھے۔ حماد کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا جبکہ حارث کے دل میں کوئی دکھ انگڑائیاں لے کر بیدار ہو رہا تھا۔ اس نے خلوصِ دل سے اس لڑکی کے لیے دعا کی تھی کہ اللہ اس کے لیے وہ کرے جو اس کے حق میں بہتر ہو۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ پورا ایک ہفتہ آفس نہیں آئی تھی اور اس دفعہ خلاف توقع راشد صاحب نے خود اسے چھٹی دی تھی۔ اس نے اپنا سارا کام گھر بیٹھ کر ہی نبٹایا تھا۔ حماد ہی سے پتا چلا تھا کہ نانو کے انکار پر اس کا میاں خاصا چراغ پا ہوا تھا۔ اس نے ماہ نور کو گھر لے کر جانے سے صاف انکار کر دیا تھا اور خود واپس کراچی چلا گیا تھا۔ ماہ نور اب پچھلے دو ماہ سے اپنی نانو کے پاس ہی تھی۔ اس نے ملیحہ کے کیبن میں بھی آنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کی وجہ بھی ایک دن حارث کو اچانک ہی پتا چلی تھی جب حرا کے استفسار پر ملیحہ نے خفت زدہ لہجے میں بتایا تھا۔

"یار میں کیا کروں، مجھے ماہ نور سے سخت شرمندگی ہے۔ اس بے چاری کو میری نندوں اور ساس نے بھگو بھگو کر باتیں سنائی تھیں۔ ایک تو وہ پہلے ہی سخت پریشانی کا شکار تھی، اوپر سے میری ساس اٹھتے [illegible] کہہ رہی تھیں کہ گھر بسانے کے لیے عورت کو اپنا دل مارنا پڑتا ہے تب جا کر گھر بستے ہیں لیکن آج کل کی نوجوان نسل میں قوت برداشت ہی نہیں۔ اس نے دو [illegible] ن میرے گھر عذاب کے کاٹے تھے۔"

"اوہ سو سیڈ یار، اس میں تمہارا تو کوئی قصور نہیں...... تم نے تو ان سے نہیں کہا تھا ناں۔" حرا نے اسے تسلی دی۔

"ہاں یار، میں نے تو نہیں کہا تھا لیکن انہوں نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ ہمارے گھر کے ایک چھوٹے سے مسئلے پر فوراً ماہ نور کو فون کھڑکا کے خوب سنائی کہ تم اپنا گھر خراب کر رہی ہو اب الٹا ان کی بہو کو بھی پٹیاں پڑھا کر گمراہ کر رہی ہو حالانکہ اس بے چاری کے فرشتوں کو بھی ہمارے گھر کے مسئلے کا علم نہیں۔ اس نے تو مجھ سے ذکر تک نہیں کیا لیکن میری نند نے ہی ایک دن اپنی اماں کا یہ کارنامہ فخریہ انداز سے سنایا تو میرے تو پیروں سے جان نکل گئی پھر مجھے پتا چلا کہ اس نے مجھ سے بات چیت کم کیوں کر دی ہے۔" ملیحہ نے انتہائی افسردگی سے بتایا تو حرا کو بھی دھچکا سا لگا۔

"یار تمہاری ساس پاگل تو نہیں؟"

"پتا نہیں یار لیکن ہم سب کو پاگل بہت اچھی طرح سے بنا جاتی ہیں۔" ملیحہ تلخی سے ہنسی تو حارث نے تاسف بھری نظروں سے سامنے کیبن میں اپنے کمپیوٹر پر مصروف ماہ نور کو دیکھا۔

"کیا بنا ماہ نور کے مسئلے کا۔ اس کی نانو کو بھی لگتا ہے اپنا بنگلا اپنی نواسی سے زیادہ عزیز ہے۔" حرا کی بات پر حارث کو سخت افسوس ہوا۔ واقعی اس کی گھریلو زندگی کو لوگ خوب ڈسکس کر رہے تھے۔

"نہیں یار، وہ ایسی خاتون نہیں ہیں۔ بہت نفیس طبیعت کی حامل سمجھدار خاتون ہیں۔ ماہ نور کے میاں کی ضد کے آگے انہوں نے ہتھیار پھینک دیے ہیں اور کہا ہے کہ بنگلا اس کے نام کر دیں گی۔ اب کراچی سے آرہا ہے وہ کمینہ انسان۔" ملیحہ کی بات پر وہ چونکا۔ اس کا سارا دھیان بٹ گیا تھا۔ اس سے اپنے آرٹیکل کا ایک لفظ بھی نہیں لکھا جا رہا تھا۔ اگلے ہفتے کا تب تقدیر نے کچھ اور ہی اس کی زندگی میں رقم کر رکھا تھا۔ اس کا اندازہ اسے اس دن آفس آنے کے بعد ہوا۔

پورے آفس میں ایک شور برپا تھا۔ سب لوگ کام چھوڑے ایک جگہ اکٹھے تھے۔ ایک دن پہلے کراچی سے اسلام آباد آنے والا بھوجا ائر لائن کا طیارہ خراب موسم کی وجہ سے لینڈنگ سے کچھ منٹ پہلے ایک رہائشی علاقے میں گر کر تباہ ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے سب لوگ اس حادثے کے متعلق اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے۔

"یار بے چاری ماہ نور، اس کی نانو کا تو بہت ہی برا حال ہے۔ وہ لوگ ان کے گھر گئیں تو گھر والوں نے اندر ہی آنے نہیں دیا۔ اس کی ساس جاہلوں کی طرح بین کر رہی تھیں کہ ماہ نور کی نحوست کی وجہ سے یہ

حادثہ ہوا ہے۔" حرا بلند آواز میں سب کو بتا رہی تھی۔

"اچھا ہوا ماہ نور کی اس لالچی خاندان سے جان چھوٹ گئی۔" مائرہ تپ کر بولی تھی وہ بری طرح ٹھٹکا تھا۔ اس معاملے کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔

"کیا ہوا اعظم صاحب؟" حارث نے دھڑکتے دل سے سرکولیشن کے اعظم سے پوچھا جو بالکل خاموش کھڑا تھا۔

"کچھ نہیں، کل کے جہاز والے حادثے میں مس ماہ نور کے شوہر بھی وفات پا گئے وہ بھی کراچی سے آرہے تھے۔ ان کی ڈیڈ باڈی مل گئی ہے۔ ہم سب لوگ افسوس کے لیے ان کے گھر جانا چاہ رہے تھے لیکن راشد صاحب نے منع کر دیا۔ وہ اور حماد ادھر ہی گئے ہوئے ہیں۔" اعظم کی بات پر حارث کو ایک لمحے کو آفس کی چھت اپنے اوپر گرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ تقدیر کے اس وار پر ہکا بکا رہ گیا تھا اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

"راشد صاحب نے ان کے گھر جانے سے منع کیوں کر دیا؟" وہ بہ مشکل بولا تھا۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ ان کی نانو کی طبیعت خراب ہے اور وہ اسپتال میں ہیں اور مس ماہ نور عدت میں ہیں۔ اس لیے خواتین میں سے کسی نے جانا ہے تو وہ جائیں۔" اعظم نے بہت سلجھے ہوئے انداز میں اسے بتایا۔ "کیا ہوا سر آپ کو علم نہیں تھا کیا؟" اعظم شاید اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر چونکا تھا۔

"نہیں، اصل میں کل میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ سیل فون کل شام پانچ بجے سے بند ہے صبح آن کیا تو چارجنگ ختم تھی۔ اس لیے یہی سوچا تھا کہ آفس جا کر چارج کرتا ہوں۔" اس نے فوراً وضاحت کی۔ اسے یقین تھا کہ کل حماد نے اس سے رابطہ کرنے کی لازمی کوشش کی ہوگی۔

"آج صبح سے راشد صاحب اور حماد صاحب اسپتال گئے ہوئے ہیں۔ مس ماہ نور کی نانو کو ہلکا سا انجائنا اٹیک ہوا ہے۔ اب ہم لوگ بھی سوچ رہے تھے کہ اسپتال چلے جائیں اور خواتین ان کے گھر۔" اعظم نے یونہی اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔ وہ ہلکا سا سر ہلا کر اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا تھا۔ اس کا دماغ بالکل خالی تھا۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ سیل فون چارجنگ پر لگا کر اس نے بلا ارادہ ماہ نور کا نمبر ڈائل کیا تو وہ بند جا رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تو بیٹھا سوچتا رہا۔ آفس کے کچھ لوگ اسپتال اور خواتین ان کے گھر کو روانہ ہو چکی تھیں۔ اس نے پھر حماد کا نمبر ملایا جو پہلی ہی بیل پر ریسیو کر لیا گیا تھا۔

"کہاں چلے گئے تھے یار تم، کل سے [illegible] ایک سو ایک دفعہ تمہارا نمبر ملا چکا ہوں۔" آگے سے تھکا تھکا سا حماد بول رہا تھا۔

"سوری یار، نمبر بند تھا۔ تم بتاؤ کہ نانو کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے بے تابی سے دریافت کیا۔

"اب تو کچھ بہتر ہے، کل شام سات بجے [illegible] کی بوکھلائی ہوئی کال آئی تو میں فوراً پہنچا۔ میں ہی ان دونوں کو اس [illegible] سسرال [illegible] لے کر پہنچا تھا۔ وہاں تو کہرام برپا تھا۔ اس کی ساس ماہ نور کو دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئیں اور ان لوگوں کو گھر کے صحن سے ہی واپس بھیج دیا۔ گھر پہنچتے ہی نانو کی طبیعت خراب ہو گئی تب سے اسپتال میں ہیں۔" حماد نے تفصیل سے بتایا۔

"اور ماہ نور کے پاس کون ہے؟" اس نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ماہ نور کے پاس میری امی اور بہنیں ہیں۔ وہ بے چاری بالکل خاموش ہے، کل سے ایک لفظ نہیں بولی۔ سخت صدمے سے گزر رہی ہے۔" حماد نے تاسف بھرے انداز میں بتایا۔ حارث کو اس کے احساسات کا بہ خوبی اندازہ تھا۔

شام کو وہ اسپتال گیا تو نانو کی حالت کچھ بہتر تھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

لیکن وہ حد درجہ مضطرب اور بے چین تھیں۔ رنجیدگی اور دکھ ان کے انگ انگ سے عیاں ہو رہا تھا۔ وہ بار بار حماد سے ماہ نور کی طبیعت کا پوچھ رہی تھیں۔ اسپتال میں بھی انہیں اسی کی ٹینشن تھی۔ حماد انہیں نرم الفاظ میں تسلی دے رہا تھا۔

''ماہ نور کے ماموں کو اس حادثے کی اطلاع دے دی کہ نہیں؟'' نانو کو غنودگی میں جاتا دیکھ کر حارث نے آہستگی سے پوچھا تھا۔

''ہاں بتا دیا تھا لیکن ان کو فوری طور پر فلائٹ نہیں مل رہی پھر اس کی ممانی کا رویّہ بھی عجیب سا تھا وہ اپنی ساس کی طبیعت پوچھنے کے بجائے مجھ سے طنزیہ انداز میں دریافت کر رہی تھیں کہ میں کون ہوں اور امریکا کال کرنا ضروری تھی کیا! مجھے تو ان خاتون کی ذہنی حالت پر شبہ ہو رہا تھا۔'' حماد کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے ماہ نور کی ممانی کی بے حسی نے کتنا دکھ پہنچایا ہے۔ وہ دونوں باتیں کرتے کرتے باہر کاریڈور میں رکھی بینچ پر آ کر بیٹھ گئے تھے۔

''حماد تم بہت اچھے دوست ہی نہیں بے غرض اور اچھے انسان بھی ہو۔ میں نے تم جیسے لوگ بہت کم دیکھے ہیں۔'' حارث کی اچانک کی جانے والی بات نے حماد کو حقیقتاً ہکا بکا کر دیا تھا۔

''یا اللہ خیر...... کل رات سے ایک بھی لمحے کو میں نہیں سویا ایسی بہکی بہکی باتیں میں کروں تو سمجھ میں آتی ہیں لیکن یہ تمہیں بیٹھے بٹھائے کیا ہوا ہے؟'' حماد نے تعجب بھرے انداز میں جھک کر ہلکے پھلکے لہجے میں اس سے پوچھا تھا۔

''یار تم جس خلوصِ نیت سے نانو اور ماہ نور کا خیال رکھ رہے ہو۔ ایسی بے غرض خدمت اور احساس کا جذبہ میں نے پہلی دفعہ کسی میں دیکھا ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ حماد اس کی بات پر کھل کر ہنسا تھا۔

''یار میں بندہ بشر ہوں مجھے پلیز فرشتوں کی نظر سے مت دیکھو۔ جہاں تک بات ماہ نور کی ہے تو اصل میں ہم دونوں کا پانچ سالہ ساتھ ہے۔ ہم دونوں کی جوائننگ بھی آفس میں ایک ہی دن کی ہے پھر وہ سادہ مزاج کی حامل بہت شریف اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ پہلے ہی دن سے ہم دونوں کی آپس میں اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔ دن رات ان کے گھر آنا جانا تھا اوپر سے نانو بھی مجھ پر بہت اعتماد کرتی تھیں اس لیے مجھے ان کے گھر میں ایک فرد کی سی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔'' وہ سادہ سے لہجے میں بتا رہا تھا۔ ''اس کے حوالے سے میں یہ سب کچھ جواُن کے ساتھ کر رہا ہوں، ان کا حق ہے پھر میری سسٹر کی شادی پر ماہ نور نے ہر طرح میرا ساتھ دیا تھا۔ کچھ معاشی مسائل تھے اس حوالے سے بھی اس نے مکمل سپورٹ کی تھی۔ میرے اوپر بھی ان کے بہت احسانات ہیں۔'' وہ بات کرتے کرتے لمحے بھر کو سانس لینے کو رکا۔

''دوسری بات یہ ہے مجھے حقیقت میں ان دونوں خواتین سے انسیت سی ہو گئی ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ ماہ نور کی شادی کے سلسلے میں مجھ سے غلطی ہوئی جس کی وجہ سے میں بہت زیادہ گلٹی محسوس کرتا ہوں۔ نانو نے اس کے میاں صاحب کی پوچھ پڑتال کی ذمّے داری مجھ پر ڈالی تھی۔ وہ چونکہ کراچی میں تھا اس لیے میں نے ایک دوست کے ذمّے یہ کام لگا دیا۔ اس نے لگتا ہے کہ سرسری طور پر ہی پوچھ کر مجھے اوکے کی رپورٹ دے دی اور یوں نانو بالکل مطمئن ہو گئیں۔ مجھے تو فوراً آفس کے کسی کام سے بعد میں کراچی جانا ہوا تو موصوف کے ایک کولیگ سے اتفاقاً ملاقات ہو گئی۔ اس نے تو میری آنکھیں کھول دیں۔'' حماد کی بات پر وہ بری طرح چونکا تھا۔

''کیوں، اس نے کیا کہا؟......''

WWW.PAKSOCIETY.COM

''اس نے تو بہت مایوس کن باتیں بتائیں کہ وہ حد درجہ لالچی، خود غرض اور کمال درجے کا جھوٹا انسان ہے۔ اس نے آدھے آفس کے لوگوں سے قرضہ لے رکھا ہے۔ انتہائی جھگڑالو طبیعت کا حامل ہے۔ میں نے اس وقت نانو کو بتایا تھا لیکن انہوں نے مجھے ماہ نور کو بتانے سے منع کر دیا تھا کیونکہ شادی ہو چکی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس کی دل آزاری ہو گی۔'' حماد نے اس پر انکشاف ہی تو کیا تھا۔

''حیرت ہے کہ تم نے مجھے بھی نہیں بتایا؟'' حارث بھی جی بھر کر حیران ہوا تھا۔

''یار کیا بتاتا اور پھر اس بے چاری کا بھرم توڑ کر مجھے کیا ملتا، اسے تو خود شادی کے ایک ہفتے بعد ہی پتا چل گیا تھا پھر بھی اس نے چھ ماہ ان کے گھر میں گزار دیے، یہ بھی اس کا ہی حوصلہ ہے......'' حماد نے ایک اور انکشاف کیا تھا۔

''پھر تو یہ حادثہ تو اس کے حق میں اچھا ہی ہوا۔'' حارث کے منہ سے ایک دم ہی نکلا تھا۔

''یار ہمیں یہ کہنا زیب تو نہیں دیتا۔ اس حادثے میں اتنی انسانی جانیں ضائع ہوئی ہیں اللہ اس شخص کی بھی مغفرت کرے لیکن ماہ نور کے حوالے سے جس نے بھی یہ سنا یہی کہا کہ یہ اس کے حق میں اچھا ہوا۔ بس اللہ معاف کرے انسان کے اعمال ایسے نہیں ہونے چاہیے کہ لوگ اس کی موت پر ایسے جملے ادا کریں۔'' حماد نے قدرے نرم اور دھیمے انداز میں کہہ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ زبردستی مسکرا دیا۔

اس رات اس نے حماد کو زبردستی گھر بھیج دیا تھا اور وہ ان کے پاس اسپتال میں ٹھہر گیا تھا۔ اگلا پورا ایک ہفتہ دونوں نے پوری ذمّے داری سے یہ ڈیوٹی نبھائی تھی۔ جس دن نانو گھر شفٹ ہوئیں اسی دن ماہ نور کے ماموں امریکا سے آ گئے تھے۔ وہ آئے تو پورے پندرہ دن کے لیے تھے لیکن اپنی بیوی کی پے در پے آنے والی فون کالز کی وجہ سے مجبوراً دس دن میں ہی واپس چلے گئے لیکن جانے سے پہلے انہوں نے حارث اور حماد کا خصوصی شکریہ ادا کیا تھا۔ وہ اچھے خاصے شریف انسان تھے۔ اپنے قیام کے دوران انہوں نے یہ بنگلا بھی اپنی نگرانی میں ماہ نور کے نام کر دیا تھا۔ جس کی اطلاع امریکا پہنچتے ہی ان کی بیگم کی برداشت کا پیمانہ چھلک گیا تھا جس کی وجہ سے ماموں جان کو عجلت میں واپس جانا پڑا۔

ماہ نور نے اپنا استعفیٰ آفس بھجوا دیا تھا جو راشد صاحب نے فوراً ہی پھاڑ کر ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا تھا۔ اگلے ہی دن وہ نانو کے پاس پہنچ گئے۔ ماہ نور کی طبیعت اچھی طرح صاف کرنے کے بعد اسے دورانِ عدت آفس آنے سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ آسان سی آسائنمنٹس اس کے سپرد کر دی تھیں جو وہ گھر

دنیا بھر میں
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کی مطبوعات
سسپنس ڈائجسٹ | جاسوسی ڈائجسٹ | پاکیزہ ڈائجسٹ | سرگزشت
منگوانے کیلئے ہمارے مقرر کردہ ایکسپورٹرز
ویلکم ٹریڈرز
سے رابطہ کریں
WELCOME TRADERS
189-E, Block-2, P.E.C.H.S, Karachi, Pakistan
Tel: (92-21) 34545513, 34520214.
Fax(92-21) 3454885.
Cell # 0333-4315950
Email: zaidi@welcome.com.pk
Website: www.welcome.com.pk

بیٹھ کر آرام سے کرسکتی تھی۔ ان کی اس بات سے سارے آفس کے لوگوں کی نظروں میں ان کی قدر رد قیمت میں اضافہ ہوگیا تھا۔ سب ہی نے ان کے اس اقدام کو سراہا تھا۔ حارث کئی دفعہ نانو سے ملنے گیا تھا لیکن ماہ نور سے اس کی ملاقات نہیں ہو پائی تھی۔ اب تو نانو کے ساتھ اس کی کافی بے تکلفی ہوگئی تھی، وہ حماد کے بغیر بھی اُن سے ملنے چلا جاتا۔ وہ اس کی آمد پر کھل سی جاتی تھیں۔ انہیں ایک اچھا سامع میسر آگیا تھا۔ جسے وہ تفصیل کے ساتھ اپنے ماضی کے قصے مزے لے لے کر سناتی تھیں۔

چار مہینے دیکھتے ہی دیکھتے گزر گئے تھے۔

☆☆☆

اس دن اچانک ہی ماہ نور کی اس کے نمبر پر کال آگئی تھی۔ وہ سخت تعجب کا شکار ہوا جبکہ دوسری جانب وہ اس کی شدید حیرت سے بے

”حارث آپ پچھلے چار دن سے گھر نہیں آئے، نانو بہت اپ سیٹ ہورہی ہیں۔ آج بھی اصرار کرکے مجھے کہا ہے کہ میں آپ کو کال کروں اور مجھے بھی آپ سے کچھ کام ہے۔“

”جی ضرور کہیے۔“ وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

اصل میں ایک دو آرٹیکل آپ کو میل کر رہی ہوں، کوئی کمی بیشی ہو تو اسے چیک کرلیجیے گا اور کل اپنی نگرانی میں ان کے پرنٹس نکلوا کر راشد صاحب کی میز پر رکھوا دیجیے گا۔“ وہ جتنی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی اس سے زیادہ توجہ سے وہ اس کی بات سن رہا تھا۔

”جی ضرور، میں آرٹیکل دیکھ لوں گا، ڈونٹ وری...... باقی نانو سے کہہ دیجیے گا کہ مجھے پچھلے دو تین دن سے فلو ہو رہا تھا اور گلا بھی خراب تھا اس لیے نہیں آسکا۔“ اس نے بھی فوراً وضاحت دی۔ اس کی بات کے جواب میں وہ فوراً بولی۔

”یہ اطلاع اگر میں نے ان کو دے دی تو وہ فوراً ادرک والی چائے کا پورا تھرماس بنوا کر ڈرائیور کے ساتھ آپ کے گھر پہنچ جائیں گی۔“ اس کا لہجہ تھوڑا نہیں بلکہ اچھا خاصا خوشگوار تھا جو حارث کی سماعتوں کو بھلا لگا ورنہ آفس کی کولیگز سے یہ بھی سننے کو مل رہا تھا کہ وہ بہت زیادہ قنوطیت کا شکار ہورہی ہے۔

”میرے لیے تو یہ بہت اعزاز کی بات ہوگی میڈم......“ وہ ہلکا سا ہنسا تھا۔ اسے علم تھا کہ واقعی نانو نے یہ کرنا تھا۔ وہ اس سے کافی مانوس ہوگئی تھیں۔

”حماد کب دبئی سے واپس آرہا ہے......؟“ اس نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ کیے بغیر اچانک ہی بات کا رخ بدلا تھا۔ حماد پچھلے پندرہ دن سے آفس کے ہی ایک اسائمنٹ کے سلسلے میں دبئی گیا ہوا تھا۔

”وہ شاید منگل تک واپس آجائے کیوں۔ کوئی کام تھا کیا......؟“ حارث نے جواب دے کر پوچھا۔ اتنے عرصے کے بعد اس کی آواز سننا اچھا لگ رہا تھا اس لیے وہ بات کو خود ہی طویل کرنا چاہ رہا تھا۔

”ہاں کام تو تھا، نانو نے میرے امریکا کے ویزے کے لیے اپلائی کیا تھا۔ اس سلسلے میں کوئی پیش رفت ہوئی کہ نہیں وہی پوچھنا تھا۔“ اس کا سادہ سا انداز اسے بری طرح چونکا گیا تھا۔

”آپ امریکا جارہی ہیں؟“ وہ عجلت بھرے انداز میں بولا۔ ایک عجیب سی بے چینی نے اس کا حصار کیا تھا۔

”جی......! ارادہ تو یہی ہے۔ ماموں بھی بار بار بلا رہے ہیں اور پھر میں آفس بھی دوبارہ جوائن نہیں کرنا چاہتی، وہاں سب لوگ میرے ساتھ ہونے والے سانحے سے باخبر ہیں جبکہ میں اپنے ماضی کو بھلا کر نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ خاصے مثبت انداز میں اپنی زندگی کے بارے میں سوچ رہی تھی یہ بات حارث کو اچھی تو لگی بھی لیکن اس کی امریکا روانگی کی خبر نے اس کے اندر حشر سا برپا کردیا تھا۔

”نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنے کے

لیے ضروری ہے کہ آپ امریکا ہی جائیں......؟“ اس نے صاف صاف الفاظ میں بات کرنے کی ٹھان لی تھی۔

”پھر کہاں جاؤں......؟“ اس کی بات نے حارث کے دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش برپا کردیا تھا۔

”آپ اس شہر میں بھی تو جاسکتی ہیں جہاں حقیقتاً سب لوگوں نے اپنی اپنی زندگی کو نئے سرے سے گزارنے کے لیے جدوجہد شروع کررکھی ہے۔“

”کہاں......؟“ وہ بری طرح چونکی تھی۔

”مظفر آباد......!“ حارث نے مکمل اعتماد کے ساتھ کہا تھا۔

”کیا...... مظفر آباد...... وہ کیسے؟“ دوسری جانب وہ سخت حیران ہوئی تھی۔ اس کی تعجب انگیز آواز نے حارث کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلا دی تھی۔

”جی مظفر آباد میں، جہاں لوگوں نے زلزلے میں اپنے بہت سے پیاروں کو کھویا اور اپنے گھر بار اپنی آنکھوں سے تباہ ہوتے دیکھے، وہاں کوئی بھی کسی کے ماضی کو نہیں کریدتا، یقین کریں آپ وہاں میرے ساتھ بہت خوش رہیں گی۔ میں بھی اپنا گھر وہیں دوبارہ آباد کرنا چاہتا ہوں۔“ اس کے لہجے کی سچائی وہ اتنی دور ہوتے ہوئے بھی محسوس کرسکتی تھی۔ وہ بالکل خاموش ہوگئی تھی۔

”آپ کیا اس بات کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں جو آپ نے ایک دفعہ پہلے میرا پرپوزل ریجکٹ کر کے کی تھی......“ اس کی بات نے حارث کا دماغ بھک سے اُڑا دیا تھا۔

”آپ کو کس نے کہا کہ میں نے آپ کا پرپوزل ریجکٹ کیا تھا؟“ وہ بہ مشکل بولا تھا۔

”حماد نے جب آپ کے رشتے کی نانو سے بات کی تھی تو ساتھ میں تصاویر بھی دکھائی تھیں۔ اس لیے جب آپ پہلی دفعہ ہمارے گھر آئے تو نانو کو آپ کا چہرہ جانا پہچانا سا لگا لیکن اس وقت حماد نے دانستہ نہیں بتایا کہ آپ ہی وہ ہیں، آپ سے بات کرنے کے بعد اس نے نانو کو ٹال دیا تھا کہ آپ شاید فی الحال شادی کرنے میں انٹرسٹڈ نہیں اس لیے نانو اس بات کو بھول بھال گئیں لیکن مجھے آپ کا چہرہ اچھی طرح یاد تھا اور کچھ حماد ہر وقت آپ کی باتیں کرتا رہتا تھا۔“ وہ بہت تفصیل کے ساتھ بتا رہی تھی۔ حارث کو سخت شرمندگی اور خفت کے مرحلے سے گزرنا پڑ رہا تھا۔

”آئی ایم سوری، حماد نے آپ کا ذکر ضرور کیا تھا اور شاید کچھ تصاویر بھی بھیجی تھیں......“

”وہ تصاویر جو آپ نے دیکھی ہی نہیں تھیں......“ اس نے فوراً بات کاٹ کے کہا تو وہ زبردست طریقے سے چونکا۔

”آپ سے کس نے کہا کہ میں نے نہیں دیکھیں......؟“

”اس لیے کہ جب آپ پہلی دفعہ ہمارے گھر آئے تو نہ ہی مجھے دیکھ کر چونکے اور نہ ہی آپ کے کسی انداز سے ایسا لگ رہا تھا کہ آپ مجھے یا نانو کو پہلے سے جانتے ہیں۔“ ماہ نور کے سو فیصد درست اندازے پر اسے شاک سا لگا تھا۔

”آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں کیونکہ میں نے واقعی وہ تصاویر نہیں دیکھی تھیں۔ کیونکہ مجھے اس وقت زندگی یا اپنے مستقبل کے حوالے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔“ وہ تھوڑا سا سنبھل کر بولا۔ ”لیکن مجھے بعد میں بے تحاشا افسوس ہوا تھا کیونکہ اگر میں واقعی حماد کی بات کو سنجیدگی سے لے کر ای میل چیک کرلیتا تو آپ کو کبھی مس نہ کرتا۔ آپ بالکل ویسی ہی تھیں جیسا کہ اکتوبر والے حادثے سے پہلے میں اپنی لائف پارٹنر کے متعلق کبھی کچھ سوچتا تھا......“ اس نے بھی گھما پھرا کر بتانے کے بجائے دوٹوک انداز میں کہا۔ وہ ایک لمحے کو چپ ہوئی حارث کو لگا کہ جیسے کال کٹ گئی ہو۔ اس سے پہلے وہ کچھ بولتا، اس کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''ہاں...... پھر تصاویر نہ دیکھنے کا سوگ آپ نے کئی ماہ تک منایا اور احتجاجاً شادی میں بھی شریک نہیں ہوئے......'' وہ شاید دوسری جانب ہنسی تھی۔ اس کی بات پر حارث کا بے ساختہ قہقہہ فضا میں گونجا تھا۔

''پھر مجھے نانو سے آج ہی بات کر لینی چاہیے یا میں مزید کچھ دن انتظار کر لوں، ویسے بھی آپ کی عدت ختم ہو چکی ہے۔'' وہ تھوڑا سا شوخ ہوا۔

''جانے دیں حارث صاحب، آپ کسی اچھی سی لڑکی کو دیکھ کر اس کے ساتھ اپنا گھر بسائیں۔ مجھ پر تو ویسے ہی نحوست اور شادی شدہ ہونے کا ٹھپا لگ چکا ہے۔'' وہ تھوڑا سا تلخ ہوئی۔

''جہاں تک نحوست کا تعلق ہے تو میں الحمدللہ مسلمان ہوں ایسی فضولیات پر یقین نہیں رکھتا۔ جہاں تک شادی شدہ ہونے کا تعلق ہے تو مجھے اس سے بھی فرق نہیں پڑتا۔ ویسے بھی اسلام میں بیوہ کے ساتھ نکاح کرنا ثواب کا کام ہے۔'' اپنی بات کے اختتام پر وہ تھوڑا سا ہنسا۔ ''ہاں جہاں تک اچھی لڑکی کا تعلق ہے تو آپ کے علاوہ میں کسی اور لڑکی کو جانتا نہیں، مجھے آپ ہی اچھی لگتی ہیں پھر حماد کہتا ہے کہ آپ دنیا کی سب سے اچھی لڑکی ہیں۔''

''حماد کا کیا ہے وہ تو بے وقوف سا ہے اسے کیا پتا، تبھی تو اچھے خاصے بھائی کا رشتہ ایک بیوہ کے لیے لانے کے چکروں میں ہے۔'' ماہ نور کے لہجے کی کھنک لوٹ آئی تھی۔

''میں اس دفعہ حماد کو ایسا کوئی فضول پروپوزل لانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ کسی بھی کام کا نہیں ہے اس کا بھائی، میرے خیال میں مجھے ادرک والی چائے آج ہی پی کر نانو سے بات کر لینی چاہیے۔'' وہ شرارتی انداز میں گویا ہوا۔

''آپ کا دماغ تو ادرک والی چائے کے بغیر بھی خوب چلتا ہے......'' وہ ہلکا سا ہنسی۔ اس نے فون بند کر دیا تھا۔ اس کی ہنسی میں شامل رضامندی نے حارث کے دل میں ڈھیروں پھول کھلا دیے تھے۔ اس نے فریش ہو کر پہلی کال حماد کو ملائی تھی۔ جو خاصا حیران ہو رہا تھا۔

''تمہاری نزدیک کی نظر خاصی کمزور ہے میرے بھائی، دبئی سے ایک اچھا سا چشمہ ضرور بنوا کر لیتے آنا......'' اس کے شوخ انداز پر وہ جی بھر کر حیران ہوا۔ ایک تو اس کی اچانک کال ہی غیر متوقع تھی اور اوپر سے اس کا خوشگوار انداز......

''کیوں، کیا ہوا؟ مجھے کون سی نزدیک کی چیز نظر نہیں آ رہی جو مجھے تم دبئی جیسی مہنگی جگہ سے چشمہ خریدنے کو کہہ رہے ہو۔'' دوسری جانب وہ بھی چہکا تھا۔

''تمہیں مجھ جیسا چھ فٹ کا انسان نظر نہیں آ رہا۔ میں تو تمہیں بے غرض سا انسان سمجھتا تھا لیکن تم کتنے خود غرض نکلے، اس کا اندازہ مجھے اب ہو رہا ہے......'' حارث نے مصنوعی ناراض لہجے میں کہا۔

''اس لیے تو کہتا تھا کہ یار مجھے فرشتوں کی نظر سے دیکھنا چھوڑ دو لیکن خیر بتاؤ ہوا کیا ہے......؟'' دوسری جانب وہ بھی غیر سنجیدہ تھا۔

''ہوا یہ ہے کہ ماہ نور کی عدت ختم ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اگر تم اپنے کسی ڈاکٹر بھائی کا رشتہ لے کر آئے تو تمہارے بھائی کی ٹانگوں کی ضمانت میں نہیں دے سکتا جبکہ تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا، آخر کو اپنے یارِ غار ہو۔'' اس کی بات پر وہ چھت پھاڑ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''کون سا ڈاکٹر بھائی؟ تمہیں پتا تو ہے کہ میں اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہوں۔ وہ تو نانو کو تسلی دینے کے لیے اپنے چچا کے بیٹے کے بارے میں کہا تھا۔'' اس کی بات پر حارث کا دماغ بھک سے اُڑا۔

''کتنے خبیث ہو تم، اگر نانو سنجیدہ ہو جاتیں تو......'' وہ خفا ہوا تھا۔

''سنجیدہ ہو جاتیں تب بھی کوئی بات نہیں، میرے ڈاکٹر کزن کو دکھی انسانیت کی خدمت کا خاصا شوق ہے۔ اس کو میں راضی کر ہی لیتا، وہ ویسے بھی سب سے یہی کہتا ہے کہ حماد بھائی میرے لیے لڑکی پسند کریں گے۔'' اس کی شرارت عروج پر تھی۔

''اور اگر وہ نہ مانتا......؟'' حارث کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''کیسے نہ مانتا......؟ ہر کوئی تمہارے جیسا ڈفر تھوڑی ہوتا ہے اور تم کس خوشی میں اتنے سنجیدہ ہو رہے ہو، اس دفعہ تو میں نے تمہیں ہی حلال کرنا تھا۔ مکمل ارادہ تھا میرا کیونکہ مجھ سے تمہاری خاموش محبت ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ میرا یار آخر کتنے آرٹیکل لکھ کر دے گا۔ حد ہوتی ہے ہر بات کی اس لیے دن رات اپنے ڈاکٹر بھائی کا ذکر کرتا تھا۔'' اس کے غیر سنجیدہ انداز پر حارث کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔

''بہت خبیث چیز ہو تم، میرے احساسات سے کھیلتے رہے ہو مجال ہے کبھی تسلی کے دو بول بھی کہے ہوں۔'' حارث نے اسے جھاڑا۔

''اب تمہیں خود ہی وحید مراد کی طرح اکیلے دیواروں سے لپٹ لپٹ کر رونے کا شوق تھا تو میں کیا کرتا اور تسلی بھی کس بل بوتے پر دیتا۔ کون سا پتا تھا کہ یہ حادثہ ہو جائے گا۔ اوپر سے تم دن رات ماہ نور کے حصے کا کام کر کر کے دے رہے تھے میں نے سوچا کہ اچھا ہے کام پر لگا ہوا ہے بچہ...... اگر تمہیں بتا دیتا کہ پتر میں سب جانتا ہوں تو تم نے میری شرما شرمی میں میری بہن بے چاری کا کام بھی نہیں کر کے دینا تھا...... اور میں تو ہوں ہی ہڈ حرام، مجھ سے اپنا کام پورا نہیں ہوتا تو کسی اور کا کیا کرتا۔'' حماد اب کھل کر ہنس رہا تھا۔

''ماہ نور کو پتا ہے کہ تم اپنے بھائی نہیں بلکہ اپنے کزن ڈاکٹر کی نانو سے بات کرتے رہے ہو۔'' اس نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''ہاں، اسے اچھی طرح علم ہے کہ میں کس کی بات کر رہا ہوں...... لیکن وہ اس میں قطعاً انٹرسٹڈ نہیں تھی......'' حماد نے وضاحت کی تو وہ کچھ ہلکا پھلکا ہوا۔

''اب بیٹا تم میرا انتظار کرو، اب تو میں اگلے پندرہ دن تک پاکستان نہیں آؤں گا جب تک تم میری منتیں نہیں کرو گے پھر آ کر سوچ بچار کرنے کے بعد نانو سے تمہارے رشتے کی بات کروں گا۔'' وہ ہنستے ہوئے باقاعدہ اسے چڑا رہا تھا جبکہ حارث اس کی شرارت پر ہنسا تھا۔

اس دن فلو سے اس کا برا حال تھا۔ کھانسی اور چھینکوں نے الگ مت مار رکھی تھی۔ موسم خاصا سرد تھا۔ ہلکی ہلکی بارش نے خنکی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ نانو نے اسے بالکل ہیٹر کے سامنے بٹھا رکھا تھا۔ ادرک والی چائے اسے تین دفعہ پلا کر اب وہ چکن کارن سوپ زبردستی پلا رہی تھیں۔

سوپ کا چمچ اپنے پیالے میں رکھنے کے بعد اس نے ایک زوردار چھینک ماری تھی اور اپنے کوٹ کی جیب سے کچھ کاغذات نکال کر نانو کی جانب بڑھائے تھے۔ جو سخت حیرانی سے اسے ٹشو سے اپنی سرخ ناک رگڑتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔

''نانو، آپ مجھے اس عرصے میں کچھ نہ کچھ جان ہی گئی ہوں گی۔ میرے ایک ہی تایا ہیں جو کینیڈا میں ہیں اور کم از کم میری خاطر پاکستان نہیں آ سکتے۔ یہ ہمارے مظفر آباد والے گھر اور ایک پلاٹ کے کاغذات ہیں جو میں ماہ نور کے نام کر دوں گا......''

اتنی سی بات کہہ کر اس نے ایک اور چھینک ماری تھی جبکہ اس کی بات پر نانو کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ سخت حواس باختہ انداز میں اس کشمیری سیب جیسے لڑکے کو دیکھ رہی تھیں جس کی شرافت کی وہ دل ہی دل میں سخت معترف تھیں لیکن اس کی بات سمجھنے سے قاصر تھیں۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی فرزندی میں لے لیں۔ میں آپ کے ہاتھ کی ادرک کی چائے

WWW.PAKSOCIETY.COM

ساری زندگی پینا چاہتا ہوں......“ اس نے ایک دفعہ پھر چھینک ماری۔ اس کی بات پر نانو پر گویا شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ انہیں ساری بات سمجھ میں آگئی تھی۔

”لیکن بیٹا یہ ادرک والی چائے میں نے نہیں ماہ نور نے بنائی ہے......“ وہ اپنے پوپلے منہ کے ساتھ کھلکھلا کر ہنسی تھیں۔ ٹشو کے ساتھ اپنی ناک کو رگڑتا ہوا اس کا ہاتھ وہیں ساکت ہوگیا۔ وہ ایک دم بوکھلا سا گیا جبکہ نانو اس کی شکل دیکھ کر ہنسے جارہی تھیں۔

”یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مجھے مستقبل میں دوبارہ کوئی ایسا مسئلہ ہوا تو گھر سے باہر جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“ وہ بوکھلا کر اور بھی اوٹ پٹانگ بول گیا لیکن اس کی باتیں نانو کی دلی طمانیت کا باعث بن رہی تھیں۔

”بس میری خواہش ہے کہ جب حماد پاکستان آئے تو میں اور ماہ نور دونوں اسے ائرپورٹ لینے جائیں۔ اس وقت اس کے چہرے پر پھیلنے والی بے ساختہ خوشی اور حیرت کو میں اپنے کیمرے میں قید کرنا چاہتا ہوں۔“

”اس کا مطلب ہے کہ تم وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے......“ نانو نے اس کی چوری پکڑی تھی، وہ اب مسکرا رہی تھیں۔

”نہیں نانو، میں نیک کام میں دیر نہیں کرنا چاہتا......“ وہ تھوڑا سا پُراعتماد ہوا لیکن برا ہو اس چھینک کا جس نے اس کا سارا اعتماد بھک کر کے اڑا دیا تھا۔ نانو کی رضامندی نے اس کا دماغ بالکل ہی ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔

وہ گھر سے باہر نکلا تو وہ ایک دم ہی گیسٹ روم سے باہر نکلی تھی۔ باہر موسم بہت زیادہ سرد تھا۔ ہلکی ہلکی سی بارش کی کن من ہو رہی تھی۔ رائل بلو شال میں وہ اسے پہلے کی نسبت کچھ کمزور لگی تھی لیکن چار ماہ بیس دن کے بعد اس دشمنِ جاں کو دیکھنا ایک خوشگوار مرحلہ تھا...... دیکھنے کا یہ مرحلہ وہ پوری دل جمعی کے ساتھ انجام دے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے جھلکتے جذبے ماہ نور کو گھبراہٹ میں مبتلا تو کر رہے تھے لیکن وہ انتہائی اعتماد کے ساتھ اس کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔ اس نے ایک چھتری اور چائے کا تھرماس اس کی جانب بڑھایا تھا۔ ماہ نور کی آنکھوں کی جوت اور چہرے پر پھیلی مسکراہٹ حارث کو تقویت دے رہی تھی۔

”تھینک یو...... آپ چائے بہت اچھی بناتی ہیں۔“ اس نے بہ مشکل بات کو مکمل کیا۔ اس دفعہ کی چھینک پوری رفتار کے ساتھ آئی تھی۔ اس نے کوٹ کی جیب سے فوراً ٹشو نکالا۔

”اور آپ آرٹیکل بہت اچھے لکھتے ہیں۔“ وہ اس کی شرارت پر ہنسا تو ساتھ ہی کھانسی کا بھرپور حملہ ہوگیا۔ اس نے انتہائی خفت بھرے انداز میں ماہ نور کو دیکھا جو بے ساختہ اس کی حالت پر ہنسے جارہی تھی۔

”یقین کریں میری ساری زندگی میں پہلی دفعہ کسی لڑکی سے اظہارِ محبت کا موقع آیا تو وہ بھی اس کمبخت کھانسی، فلو اور چھینکوں کی نذر ہوگیا۔ حالانکہ میں آپ کو بتانا چاہتا تھا کہ آپ ہنستے ہوئے بہت اچھی لگتی ہیں اور......“ اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا لگاتار دو تین چھینکوں نے اس کی حالت پھر خراب کر دی۔

”یقین کریں کہ ایسی شدید بری حالت میں بھی بار بار اظہارِ محبت کی کوشش کرنے والا بندہ میں نے بھی زندگی میں پہلی دفعہ ہی دیکھا ہے۔“ ہنستے ہنستے ماہ نور کی آنکھوں میں پانی آگیا تھا۔ اسے ہنستا دیکھ کر وہ بھی قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔ ان دونوں کی ہنسی کی آواز نے اندر کمرے میں کھڑکی کے پاس بیٹھی نانو کا دل اطمینان سے بھر دیا تھا۔ انہیں یقین ہوگیا تھا کہ صبح سے برسنے والی سرما کی یہ بارش ان کی نواسی کے لیے بہت سی خوشیوں کی پیامبر ثابت ہوگی۔

*

میرا پیارا موتی

شیریں حیدر

”یہ کیا ہے؟“ میں نے حیرت کی زیادتی سے چیخ کر ڈاکر سے پوچھا۔

”کیا ہے......“ ڈاکر ہنسے۔ ”نظر نہیں آرہا رانی کہ کیا ہے!“

”نظر آرہا ہے کہ طوطا ہے مگر کہاں سے پکڑا آپ نے اور کیوں؟“ میں نے اس گہرے سرمئی طوطے کو دیکھ کر اپنا وجود یوں سمیٹا جیسے وہ مجھے کھا ہی جائے گا...... حالانکہ وہ پنجرے میں بند تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"پکڑا نہیں یار...... خرید کر لایا ہوں!"

"کتنے میں اور کیوں؟" میں نے بیزاری کا اظہار کیا، ایک ملازمہ تھی جو سارے گھر کے کام کرنے کے لیے تھی مگر اس کی بھی پوری مدد کرنا پڑتی تھی، دوسرے ملازم کی سکت نہ تھی۔ اب یہ نئی ذمے داری اٹھانا آسان کام نہیں لگ رہا تھا، میں نے اپنی طرف سے ہینڈز اپ کر دیئے۔

"پندرہ ہزار میں......"

"دماغ کو کیا ہو گیا ہے آپ کے ذاکر جو پندرہ سو میں یہ چُوزہ نما طوطا اٹھا لائے آپ؟" میں غصے کو نہ دبا سکی تھی۔

"پندرہ ہزار کہا ہے میں نے رانی!" ذاکر نے تصحیح کی اور میں جو سمجھ رہی تھی کہ ذاکر کے منہ سے غلطی سے پندرہ ہزار نکلا ہے، حیرت سے اُچھل ہی تو پڑی۔

"یہ ننھا سا طوطا...... پ پ......" الفاظ میرے منہ میں پھنس گئے۔

"پورے ایک ماہ کا ہے...... اور بہت اچھی نسل ہے یہ......" ذاکر نے وضاحت کی۔ "اتنا ننھا بھی نہیں...... ایک ہفتے کی عمر کا تو دس ہزار میں بھی مل رہا تھا!"

"مگر کس لیے لائے ہیں آپ اسے؟" میں نے اپنا سوال دہرایا جسے ذاکر نے نظر انداز کر دیا تھا۔

"علی کے لیے...... وہ کتنا خوش ہوگا!" ان کا چہرہ چمک رہا تھا۔

"علی ابھی ایک سال اور آٹھ ماہ کا ہے ذاکر...... اور اسے خوش کرنے کے لیے دو سو روپلی کا گیند بھی کافی ہوتا ہے...... اس کی ماں کے لیے سونے کا تحفہ لا سکتے تھے آپ اتنی رقم سے!" میں بالکل رونے والی ہو گئی تھی۔

"میں نے اس طرح کا باتیں کرتا طوطا دیکھا سارہ، تو مجھے بہت اچھا لگا اور میں نے سوچا کہ ہم بھی اسے باتیں کرنا سکھا دیں گے جب تک علی بڑا ہو جائے گا!" ذاکر نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔

"مگر آپ کے پاس اتنے پیسے آئے کہاں سے؟" میں نے چتون چڑھا کر پوچھا۔ "ابھی چار دن پہلے تو لان کے ایک جوڑے کے لیے آپ سے پیسے مانگے تو آپ نے صاف انکار کر دیا تھا!"

"ابا نے دیئے تھے......" ذاکر کے الفاظ تھے یا حیرت کا بم جو عین میرے سر پر پھٹا تھا۔

"جھوٹ بول رہے ہیں آپ...... ابا تو کسی کو اپنا بخار بھی نہیں دیتے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے یہ پیسے......"

"سچ کہہ رہا ہوں!"

"مگر کس خوشی میں؟"

"وہ اس روز میرا اور تمہارا جھگڑا ہوا تھا ناں...... تو میں پریشان ہو کر ان کے کمرے میں چلا گیا تھا، انہوں نے اس روز مجھے یہ رقم دی تھی......"

"تو یوں کہیں ناں کہ یہ رقم آپ کو میری بے عزتی کرنے پر انعام میں ملی تھی......" میری نظروں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا تھا جب میرے اور ذاکر کے درمیان زور شور سے جھگڑا ہو رہا تھا تو مجھے اپنے کمرے کی کھڑکی کے باہر ایک ہیولہ نظر آیا تھا اور وہ ہیولہ ابا کے سوا کسی کا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ میں کھڑکی کی طرف بڑھی تھی تو وہ ہیولہ تیزی سے غائب ہو گیا تھا اور جب ذاکر کو علم ہوا تو انہوں نے کہا تھا کہ اگر ابا نے ساری بات سن لی ہو گی تو مجھے ہاتھ باندھ کر ان سے معافی مانگنا ہو گی۔ اسی لیے ذاکر جھگڑا ادھورا چھوڑ کر ابا کے کمرے میں چلے گئے تھے اور جب ابا نے اپنی زندگی بھر میں پہلی بار انہیں یہ رقم ہدیہ کی ہو گی تو وہ سمجھے کہ ابا نے کچھ نہیں سنا، جبکہ میں...... صرف میں جانتی تھی کہ ابا نے وہ رقم ذاکر کو رشوت کے طور پر دی تھی تاکہ ذاکر کو ان پر اعتماد رہے مگر چلیں میں آپ کو یہ تو بتاؤں کہ ہمارے درمیان جھگڑا کس بات پر ہوا تھا، صرف اس بات پر کہ مجھے اس بات پر اعتراض تھا کہ ابا بغیر دستک دیے میرے کمرے میں آ جاتے تھے اور کچن وغیرہ میں ہوتی تو میرے سر پر آن کھڑے ہوتے اور خطرناک حد تک میرے قریب......

☆☆☆

میں بیاہ کر اس گھر میں آئی تو اس گھر میں تین مرد تھے میرے سسر، شوہر اور ایک اور چھڑا...... یعنی کہ ملازم لڑکا...... میں اس گھر میں اکلوتی صنفِ نازک تھی۔ سر منڈاتے ہی اولے پڑے کہ مصداق شادی کے چند ہفتے کے بعد ہی نوید مل گئی کہ قدرت نے مجھے ماں کے عہدے پر فائز کرنے کا فیصلہ کر لیا ــــ میں نے آتے ہی دن رات لگا کر گھر کا نقشہ بدل دیا تھا اور میرے سلیقے سے گھر کی شکل نکل آئی تھی مگر اب دن رات کی الٹیوں اور متلی نے مجھے ناکوں چنے چبوا دیئے اور میں نے ذاکر سے کہہ کر ایک صاف ستھری سی ادھیڑ عمر ملازمہ کا بندوبست کر لیا۔ ملازم لڑکے کو ذاکر نے کہیں اور ملازمت دلوا دی تھی۔

مجھے اس کے سامنے الٹی متلی کی کیفیت میں رہنا شرمندگی میں مبتلا کر دیتا تھا اور یوں بھی اس گھر کو عورت کی ضرورت تھی، اس کا احساس ذاکر کو بھی ہو گیا تھا۔ ابا کے ساتھ مجھے کبھی کبھار گھر میں تنہا رہنا پڑتا تو مجھے عجیب سا لگتا تھا۔ عفت کے آنے سے دوسراہٹ ہو گئی تھی، وہ ایک صاف ستھری عورت تھی مگر ابا کے دل میں اس کے خلاف نفرت کا زہر پہلے دن ہی بھر گیا تھا جب میں نے ابا کو بتایا کہ ابا یہ عفت ہے اور عفت نے انتہائی ادب سے کہا تھا۔

"ابا السلام علیکم!"

"میں کہاں سے تمہارا ابا لگتا ہوں مائی......" انہوں نے غصے سے اسے گھورا تھا۔

"وہ...... وہ......" عفت بیچاری آئیں بائیں شائیں کرنے لگی۔

"تو میں اور کیا کہوں آپ کو ابا؟" اس کے منہ سے پھر غلطی سے نکل گیا۔

"تمہاری عمر کی تو میری زوجہ مرحومہ تھیں!" ابا نے ارشاد فرمایا، وہ نہایت غصے میں تھے۔

"ابا یہ آپ کو سرتاج کہنے سے تو رہیں......" ان کے مبالغے کی انتہا پر مجھے بھی طیش آ گیا تھا۔ "تو کیا یہ آپ کو انکل کہہ لیں یا پھر آپ بھائی کہلوانا پسند کریں گے؟"

"کافی ہیں چھ بہنیں میری اور انکل تو میں تم سے بھی نہیں کہلواتا......" انہوں نے بھی اسی طیش بھرے انداز میں کہا تھا۔ "اور سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ اسے ضرورت ہی کیا ہے مجھے مخاطب کرنے کی؟ اپنے کام سے کام رکھے بس اور میرے کمرے کی صفائی کے علاوہ کسی بھی کام کے لیے میرے پاس پھٹکے بھی نہیں!" انہوں نے حکم صادر کیا اور اس کے بعد عفت کے لیے حد مقرر ہو گئی۔ وہ یوں بھی اپنے کام سے کام رکھنے والی مظلوم سی عورت تھی، ڈری اور سہمی سی رہتی...... سب سے بڑی سہولت اس کے ساتھ یہ تھی کہ وہ کبھی چھٹی پر نہیں جاتی تھی۔

اسے جانا بھی کس کے پاس تھا؟ شادی کے بعد اولاد نہ ہوئی تو شوہر نے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا۔ ماں باپ تھے نہیں اور ان کے گھر پر اب اس کی بھابیوں کا راج تھا جو اپنی اس نند کو کسی طرح بھی گھر میں برداشت نہ کر سکتی تھیں، اس لیے عفت کو تب تک اس گھر میں رہنا تھا جب تک کہ ہم خود اسے گھر سے نہ نکالتے۔ خاموشی سے وہ کام کرتی رہتی، جو کھانے کو مل جاتا اسی پر خوش ہو جاتی اور جو پہننے کو دے دیا جاتا اس پر بھی شکر گزار ہوتی چاہے وہ میری اترن ہی کیوں نہ ہوتی۔

"باجی آپ مجھے اپنے کپڑے نہ دیا کریں......" ایک بار اس نے مجھ سے کہا تو میں اس کا منہ دیکھنے لگی۔

"وہ آپ کے سسر ہیں ناں...... وہ دن کو اسٹور روم میں آئے تو...... مجھے آپ سمجھے!" اس کے آپ کا سسر کہنے پر مجھے ہنسی بھی آئی کہ میری ساس

WWW.PAKSOCIETY.COM

مرحومہ زندہ ہوتیں تو شاید وہ بھی یہی کہتیں۔
''کیا تمہیں میرے حصے کی ڈانٹ پڑ گئی؟'' میں نے ہنس کر اس سے پوچھا۔
''نہیں باجی...... وہ!'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔
''یہ......وہ کیا؟'' میں نے اس سے پوچھا۔
اصل میں میری پشت دروازے کی طرف تھی، میں کپڑے استری کر رہی تھی اور جب ذرا سی آہٹ پر پلٹی تو وہ میرے اس قدر قریب تھے کہ میں بچتے بچتے بھی ٹکرا گئی...... اور وہ کہنے لگے۔ ''سوری! میں سمجھا سارہ ہے!'' عفت کی بات مکمل ہوئی تو میری کیفیت عجیب سی تھی۔ وہ شاید میرے چہرے سے کچھ اخذ کر گئی، پوچھنے لگی۔ ''آپ ٹھیک تو ہیں؟''
''ہاں ہاں!'' میں نے سر جھٹک کر کہا، اسے میں کیا بتاتی، یہ بات تو جب میں نے اپنی سگی ماں کو بتائی تو انہوں نے میرے خوب لتے لیے کہ میں نے اتنے شریف آدمی کو شک کی نظر سے دیکھا...... صرف یہی نہیں بلکہ اماں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ڈرامے دیکھ دیکھ کر آج کل کی لڑکیوں کے دماغ خراب ہو گئے ہیں۔
''میں آپ کے لیے ٹھنڈا پانی لاتی ہوں!'' کہہ کر وہ چلی گئی اور میں کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ جب تک وہ پانی لے کر آئی، میں فیصلہ کر چکی تھی کہ کسی نہ کسی کو مجھے اپنے دل کا حال بتانا ہوگا، اگرچہ عفت میری ملازمہ سہی مگر جب میری ماں نے ہی میری بات پر یقین نہیں کیا تھا تو میں یہ بوجھ ایک ملازمہ کے ساتھ ہی بانٹنے کو تیار ہو گئی تھی۔
''عفت کیا تمہیں لگتا ہے کہ اگر اسٹور میں تمہاری جگہ میں ہوتی تو ابا کا اس طرح چپکے سے وہاں داخل ہونا درست تھا؟'' اس نے ایک عجیب سی نظر سے مجھے دیکھا۔
''تو کیا میرا اندازہ درست تھا؟'' وہ بڑبڑائی تھی۔
''کیسا اندازہ؟'' میں نے سوال کیا۔
''مجھے لگا کہ آپ گھر میں ڈری ڈری سی رہتی ہیں......'' وہ رکی تھی۔ ''پہلے میں سمجھی کہ آپ کے شوہر کا مزاج سخت ہے مگر......''
''وہ تو بہت اچھے ہیں عفت......'' میں نے پوری سچائی سے کہا تھا، چند ایک باتوں کے سوا ان میں کوئی خرابی نظر نہ آئی تھی اور وہ چند ایک باتیں بھی اتنی اہم نہ تھیں۔
''تو یہاں بھی وہی کہانی ہے......'' اس نے گہری سانس لے کر کہا۔
''کون سی کہانی؟'' میں نے فوراً سوال کیا، دل میں خیال آیا کہ جہاں کہیں پہلے کام کرتی تھی وہاں بھی کچھ ایسا ہی ہوگا۔
''میری اپنی کہانی......'' کہتے وقت اس کا انداز عجیب سا تھا، میں اس کا منہ تک رہی تھی۔
''آپ اپنے والدین سے بات کریں!''
''ہونہہ...... کی تھی اپنی امی سے بات، وہ تو الٹا مجھے ہی ڈانٹنے لگیں......'' میں نے اسے بتایا۔ ''سوچ رہی ہوں کہ ذاکر سے بات کروں!''
''ان سے تو کبھی بات نہ کیجیے گا......'' اس نے فوراً کہا۔ ''یہی غلطی میں نے کی تھی اور طلاق کا داغ سجا کر آ گئی......'' اس کا کہنا تھا کہ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ''ان بیٹوں نے اپنے باپوں کے بت اپنے من میں بڑے اونچے سنگھاسن پر بٹھا کر رکھے ہوتے ہیں......''
''ارے تم تو یوں بول رہی ہو جیسے کوئی پڑھا لکھا بول رہا ہو۔'' میں نے حیرت سے کہا۔
''زیادہ نہیں سارہ بی بی، مگر بی اے کیا ہے میں نے......'' اس نے جیسے میرے سر پر بم پھوڑا تھا۔
''تو اتنی پڑھائی بھی تمہارے کام نہ آئی؟'' میں اس کی اپنے برابر کی قابلیت سے بہت متاثر ہو گئی تھی۔
''جب قسمت کا پھیر انسان کے سامنے آن

کھڑا ہوتا ہے تو کچھ کام نہیں آتا!''
''تو پھر کیا کروں میں؟'' میں نے بے بسی سے سوال کیا۔
''انتظار......''
''کیا ذاکر کی طرف سے کسی برے وقت کا؟'' میں نے جیسے چڑ کر پوچھا تھا۔
''نہیں...... اللہ کی طرف سے اس وقت کا جب وہ خود اس کو ظاہر کرے گا!'' اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تھا۔ ''میرے سسر کی بدکرداری اور میرے الزامات کی صداقت میرے شوہر پر ظاہر ہوئی تھی مگر اس وقت بہت نقصان ہو چکا تھا، اس نے آؤ تاؤ دیکھے بغیر مجھے طلاق دے دی تھی...... اب پیغامات بھجواتا ہے!''
''اگر وہ اچھا آدمی تھا تو تم سوچ لو......'' میں نے اسے مشورہ دیا۔ ''حلالہ کر کے!''
''نہیں سارہ بی بی......'' اس نے فوراً مجھے ٹوکا۔ ''جو مرد ایک بار کسی عورت کو ٹھکرا دیتا ہے، وہ اس کے دل سے ایسا گرتا ہے کہ کبھی دوبارہ عورت اسے وہ مقام نہیں دے پاتی...... اور اچھا آدمی وہ ہوتا ہے جو کسی کی اچھائی کو تسلیم کرے، اس نے مجھے برا سمجھا تو وہ خود کیونکر اچھا ہو سکتا ہے؟'' اس نے بہت گہری بات کی اور اس کے بعد اس موضوع پر بات ختم ہو گئی مگر یہ ہوا کہ ہم کوشش کرتے کہ ابا کے کمرے میں ہم دونوں میں سے کوئی بھی اکیلا نہ جائے اور نہ ہی انہیں کسی قسم کا موقع دیا جائے۔ ابا کی عبادتیں طویل ہو گئیں، وہ اپنے کمرے میں ہی بند ہو کر رہ گئے اور جب بھی ذاکر آ کر ان سے ان کی دن بھر کی مصروفیات کی تفصیل پوچھتے تو وہ کہتے کہ ان کا دن عبادت میں ہی گزرا۔ میں سوچتی تھی کہ عفت نے سچ ہی کہا تھا، اگر میں ابا کے بارے میں ذاکر سے کچھ کہتی تو ذاکر مجھ پر ناراض ہوتے کہ میں ان کے اتنے عبادت گزار باپ پر الزام لگا رہی ہوں۔

☆☆☆

ذاکر گھر لوٹتے تو ان کے ہاتھ میں علی کے لیے کچھ نہ کچھ ہوتا، ابا کی دوائیں اور اب اس میں اضافہ ہو گیا تھا، وہ موتی...... (اس طوطے کا نام علی نے موتی رکھ دیا تھا)۔ موتی کے لیے بھی خوراک آ رہی ہوتی تھی، کبھی بادام اور کبھی مونگ پھلیاں، یہ سب موتی کی مرغوب غذائیں تھیں۔ ذاکر کافی وقت موتی کے پاس گزارتے، علی کو اٹھا کر اس کے پنجرے کے پاس کھڑے ہو کر اس سے باتیں کیے جاتے، علی بھی اپنی توتلی زبان میں اس سے باتیں کرتا۔
''خواہ مخواہ آپ باپ بیٹا اس کے ساتھ سر کھپاتے رہتے ہیں......'' میں چڑ کر کہتی۔ ''یہ تو صرف بابا...... مما اور ددا کہتا ہے۔ امی کے پاس ایک طوطا تھا وہ تو بڑی باتیں کرتا تھا، جو کچھ اس کو سکھایا جاتا تھا، وہی بولتا تھا......'' میں نے اترا کر کہا تھا۔
''یہ اس طرح کا طوطا نہیں ہے پاگل......'' ذاکر نے چڑ کر کہا تھا۔ ''یہ خاص طوطے ہیں......''
''اچھا ان میں کیا خاص ہے؟'' میں نے طنز سے کہا تھا۔ ''یہ کیا سونے کے انڈے دے گا؟''
''تمہیں جوشِ جذبات میں یہ بھی بھول گیا رانی کہ انڈے طوطیاں دیتی ہیں، طوطے نہیں!'' ذاکر نے ہنس کر کہا تھا۔
''آپ نے کہا کہ خاص طوطا ہے تو میں سمجھی کہ شاید......'' میں نے اپنی خفت مٹانے کے لیے ان سے بھی بلند قہقہہ لگایا۔
''میں نے انٹرنیٹ پر پڑھا ہے کہ طوطوں کی اس قسم کے پاس دماغ بھی ہوتا ہے اور یہ اس سے سوچتے ہیں، ان کے دماغ میں کم از کم دس ہزار الفاظ ذخیرہ کرنے کی گنجائش ہوتی ہے...... یہ دوسروں کی باتوں کو سنتے، انہیں اپنے حافظے میں محفوظ کرتے اور پھر اپنی مرضی سے بولتے ہیں...... تنہائی انہیں مار دیتی ہے......'' میں حیرت سے ذاکر کی باتیں سن رہی تھی۔
''یہ جو کچھ بولتا ہے، وہی ہے جو علی کی زبان سے سنتا ہے، تم نے غور نہیں کیا کہ جب یہ بولتا ہے تو یوں لگتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے کہ علی بول رہا ہے......“

”سارے بچے اور سارے طوطے اسی طرح بولتے ہیں......“ میں نے چڑ کر کہا تھا۔

علی اب ڈھائی برس کا ہونے والا تھا اور دوسرے کی آمد آمد تھی، گرمی میں مزاج یونہی گرم رہتا کہ میں ذرا ذرا سی بات پر چڑ جاتی تھی۔ ذاکر میری کیفیت کو سمجھتے تھے مگر ایک بات اور جو مجھے پریشان کرتی تھی وہ ابا کا طریقۂ واردات تھا، انہیں جب بھی موقع ملتا۔ ”وار“ کر جاتے تھے۔ اب اگلے ہی دن کیا ہوا تھا کہ میں نہانے کے لیے غسل خانے میں چلی گئی اور نہاتے ہوئے یاد آیا کہ عفت تو علی کا کمرا صاف کر رہی تھی اور میں نے چولہے پر گوشت چڑھا دیا تھا، وہیں سے دروازہ آدھا کھول کر اسے آواز دے کر کہا کہ میں غسل خانے میں ہوں وہ چولہے پر چڑھی ہانڈی دیکھ لے۔

نہا کر نکلی تو عفت میرے کمرے میں قالین پر بیٹھی سسک رہی تھی، میرا دل دھک سے رہ گیا......

”کیا ہوا عفت؟ علی کہاں ہے؟“

”وہ تو سو رہا ہے بی بی......“ اس نے سسک کر کہا۔

”تو تمہیں کیا ہوا ہے؟“

”وہ...... وہ...... آپ کے سسر......“ اس نے رک رک کر کہا۔ ”کچن میں آ گئے تھے جی اور......“ میرے تلوے اور ہتھیلیاں جلنے لگیں، مجھے اٹھ کر دہ تھام نہ لیتی تو میں پورے قد سے جا گرتی۔ اسی نے پکڑ کر مجھے صوفے پر بٹھایا۔ ”میں نے انہیں اللہ کا واسطہ دیا مگر پھر بھی، تب میں نے انہیں غچّہ دیا اور بھاگ کر یہاں آ کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔“ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا جو ٹھنڈا ٹھار ہو رہا تھا۔ اب میں نے سوچ لیا تھا کہ ذاکر سے بات کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

”آپ صاحب سے بات نہ کریں بی بی!“ اس نے میرے آگے ہاتھ جوڑے۔ ”ہم کافی احتیاط کر رہے تھے مگر جب آپ نے آواز دے کر بتایا کہ آپ نہا رہی ہیں تو انہوں نے سن لیا ہو گا!“

”چلو ذاکر کو تو نہیں بتاؤں گی مگر ان سے جا کر بات تو کر کے دیکھوں۔“ میں نے چپل اُڑسی اور ان کے کمرے کے دروازے پر جا کر دستک دینے لگی، اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو میں نے دروازے کو دھکیلا...... دروازہ کھلا ہی تھا اور وہ اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھے قرآن پڑھ رہے تھے۔

”آؤ آؤ بیٹا...... کیسی ہو؟“ میں ان کے سامنے ہی بیڈ پر ایک کونے پر ٹک گئی، انہوں نے مجھ پر پھونک ماری۔ ”سناؤ طبیعت کیسی ہے؟“ میں ان سے اتنے فاصلے پر بیٹھی تھی کہ ان کا ہاتھ مجھ تک نہ پہنچ سکے۔

”ٹھیک ہوں......“ میں نے بے رخی سے کہا۔ ”آپ سے ایک بات کہنا تھی ابا......“

”ایک کپ چائے مل سکتی ہے بیٹا، صبح سے اسی نشست پر بیٹھا قرآن پڑھ رہا ہوں، جسم میں تھکاوٹ سی ہو گئی ہے......“

”ابھی تھوڑی دیر پہلے تو آپ اٹھ کر کچن میں گئے تھے......“ میں نے کہہ کر لب بھینچے۔

”تم نے خواب دیکھا ہو گا......“ وہ ہنسے۔

”میں تو صبح سے یہاں سے اٹھا تک نہیں!“ انہوں نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

”میں نے تو نہیں...... عفت نے ضرور آپ کو کچن میں دیکھا ہے اور جاگتے میں دیکھا ہے اور جاگتے میں کوئی خواب نہیں دیکھتا ابا......“ میں نے غصے سے کہا۔

”تمہیں اس نیچ ملازمہ کی بات پر میری بات کی نسبت زیادہ یقین ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں؟“ انہوں نے کندھے اُچکا کر کہا۔

”میں آپ پر تو نہیں...... مگر اس قرآن پر ضرور یقین رکھتی ہوں اور اگر آپ اسے ہاتھ میں لے کر کہہ رہے ہیں تو سچ ہی کہہ رہے ہوں گے......“

میں نے اٹھتے ہوئے کہا، اپنی بات کے ردِعمل کے طور پر مجھے ان کے چہرے پر ایک سایہ سا لہراتا ہوا نظر آیا تھا۔

☆☆☆

ان دنوں گھر میں ایسے عجیب و غریب واقعات ہونے لگے کہ مجھے لگا شاید واقعی مجھے اور عفت کو وہم ہو گیا تھا کہ ابا...... اس روز میں اپنے کمرے میں تھی کہ علی کو سلاتی ہوئی عفت بھاگ کر آئی اور کہنے لگی۔

”آپ نے مجھے آواز دی ہے بی بی؟“

”نہیں تو......“ میں شاید لیٹے لیٹے اونگھ گئی تھی۔

”اچھا مجھے لگا جیسے آپ نے مجھے پکارا ہو...... عفت کہاں ہو، جلدی آؤ...... میں تو جی پریشان ہو کر بھاگی کہ کہیں......“ وہ رکی۔

”کہیں طبیعت نہ خراب ہو گئی ہو؟“ میں نے ہنس کر کہا۔

”نہیں...... میرا دھیان آپ کے سسر کی طرف چلا گیا تھا......“ اس وقت میں اس کی بات سے زیادہ اس کے آپ کا سسر کہنے سے محظوظ ہوئی تھی۔

”ان کی طرف تمہارے دھیان کا جانا کچھ ٹھیک نہیں......“ میں نے ہنس کر کہا تو وہ ملول سی ہو گئی۔

”سچ میں سمجھی کہ کہیں وہ آپ کے کمرے میں......“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی مگر اب میں نے سوچ رکھا تھا کہ ایسا کچھ بھی ہوا تو مجھے ذاکر سے اپنے انجام کی پروا کیے بغیر بات کرنا ہو گی۔

”اچھا تم جاؤ کہیں علی نہ جاگ جائے......“ میں نے بات بدلی۔

”آپ اندر سے اپنا دروازہ بند کر لیں...... کہیں بیٹھے بیٹھے سو ہی نہ جائیں!“ وہ کہہ کر چلی گئی اور میں نے اٹھ کر اپنا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ سوتے میں ہی میری آواز اپنے فون کی تیز گھنٹی کی آواز سے کھلی، فون میرے سرہانے پڑا تھا مگر اب گھنٹی نہیں بج رہی تھی۔ میں نے اٹھا کر دیکھا، کوئی کال بھی نہیں آئی تھی تو گویا میرے کان بجے تھے یا خواب میں گھنٹی بجی تھی۔ میں نے کروٹ بدلی سارہ... بی بی! ...... آواز آئی، میں اچھل کر اپنے بیڈ سے اتری اور باہر کو لپکی۔ علی کے کمرے کا دروازہ بند تھا اور سارہ بی بی ...... سارہ بی بی کی آوازیں آ رہی تھیں۔

میں نے دروازہ دھڑ دھڑایا...... اندر سے عفت کی ہلکی سی آواز آئی تو میرا دل لرزنے لگا......

”ابا...... ابا......“ میں نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا۔

”کیا ہوا ہے بیٹا؟“ مجھے اپنے عقب سے ابا کی آواز آئی۔ ”کیوں چلا چلا کر مجھے بلا رہی ہو، میں سمجھا کہیں آگ واگ لگ گئی ہے!“

”وہ میں سمجھی کہ آپ اندر ہیں!“ بدحواسی میں میرے منہ سے نکل گیا۔

”میرا خیال ہے کہ یہ کمرا تو علی کا ہے اور اس کے ساتھ تمہاری وہ گھٹیا سی ملازمہ سوتی ہے......“ ان کی اس بات پر میں عجیب سی صورتِ حال میں پھنس گئی تھی، اتنی دیر میں عفت نے بھی اٹھ کر دروازہ کھول دیا تھا، صاف لگ رہا تھا کہ وہ سو رہی تھی۔ ”لو دیکھ لو......“ ابا نے کہا۔

”کیا ہوا بی بی؟“ عفت نے پوچھا۔

”تم مجھے آوازیں دے رہی تھیں......“ میں بڑبڑائی۔

”میرا خیال ہے کہ تمہیں ڈاکٹر کو دکھا کر اپنے کانوں کا علاج کروانے کی ضرورت ہے......“ ابا غصے سے کہہ کر جانے لگے، ان کا غصہ عفت کو دیکھ کر ہمیشہ بڑھ جاتا تھا۔

”جی اچھا......“ میں نے آہستگی سے کہا تو وہ اپنے کمرے کی طرف چل دیے۔ ”یقین کرو عفت...... بالکل اسی طرح جیسے دن کو تم نے سمجھا کہ میں تمہیں بلا رہی ہوں اور تمہارے ذہن میں جو خیال آیا تھا، وہی خیال میرے ذہن میں آیا تھا جب تم نے مجھے

WWW.PAKSOCIETY.COM

بار بار پکارا تھا......“ میں نے عفت کو صفائی پیش کی۔

”مگر میں نے تو آپ کو نہیں پکارا......“ عفت نے کہا تھا۔

”اس حالت میں لگتا ہے کہ آپ کو یہ مسئلہ ہو رہا ہے......“

”مگر تمہاری تو یہ حالت نہیں ہے پھر تمہیں کیوں لگا کہ میں نے تمہیں پکارا ہے؟“ میں نے ہوا میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”کچھ نہ کچھ تو ہو رہا ہے......“ میں نے بڑبڑا کر اپنے بدترین خدشے کا اظہار کیا۔ ”شاید کوئی جادو ٹونا وغیرہ!“

☆☆☆

”یار ایک میٹھی سی پپی تو دے دے بابا کو......“ میں اور علی لاؤنج میں بیٹھے تھے، عفت نے ہمیں چائے دی تھی اور اب وہ ڈسٹنگ کر رہی تھی، ابا اپنے کمرے میں تھے اور علی بھی اپنے کمرے میں سو رہا تھا، میں نے مڑ کر دیکھا کہ شاید علی جاگ کر آ گیا تھا مگر کوئی نہ تھا۔

”علی تو اپنے کمرے میں سو رہا ہے......“ میں نے ذاکر سے کہا۔

”تو؟“ ذاکر نے اخبار سے نظر ہٹا کر پوچھا۔

”ابھی آپ نے کہا کہ...... کہ......“ میں نے وضاحت کی۔

”میں نے نہیں رانی...... وہ میرے موتی بیٹے نے کہا ہے......“ وہ ہنس کر بولے۔

”اچھا لطیفہ ہے......“ میں نے غصے سے کہا۔ ”میں کیا آپ کی آواز نہیں پہچانتی؟“

”تم میری آواز تو ضرور پہچانتی ہو مگر موتی کے کمالات کو نہیں جانتی ہو......“ سچ تو یہ تھا کہ علی اور ذاکر کا کافی وقت اس کے ساتھ گزرتا تھا، عفت اس کا پنجرہ صاف کر دیتی تھی مگر اس سے زیادہ ہم نے کبھی اسے لفٹ نہیں کرائی تھی جبکہ وہ باپ بیٹا تو اس کے ساتھ یوں باتیں کرتے جیسے گھر آئے مہمان کے ساتھ کر رہے ہوں اور وہ جواب میں خاموش رہتا۔

”میں نے تو کبھی اس کے کمالات نہیں دیکھے، نہ ہی کبھی میں نے اسے بات کرتے ہوئے سنا ہے...... اگر یہ اس کی آواز ہے تو اسے کہیں کہ دوبارہ یہ فقرہ کہے......“ میں نے ذاکر کو چیلنج کیا۔

”ارے وہ اپنے مزاج کا ہے، یوں کہنے سے بات نہیں کرتا جب اس کی مرضی ہوتی ہے تو وہ خود ہی بولتا ہے، عام روٹین میں وہ ہمیں سن کر ہماری آوازوں کو اپنے حافظے میں محفوظ کر لیتا ہے اور جب اس کا جی چاہتا ہے وہ بولنے لگتا ہے......“

”اپنے مزاج کا...... ہونہہ...... مولا جٹ ہو گیا، موتی نہ ہوا!“ میں کچھ اور بھی کہتی مگر میرے فون کی گھنٹی بجنے لگی اور میں اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی...... فون اٹھایا تو گھنٹی خاموش ہو چکی تھی، کوئی کال نہیں آئی تھی، میں فون ہاتھ میں پکڑ کر اسے دیر تک دیکھتی رہی پھر اسے ہاتھ میں لیے لاؤنج میں آ گئی، سوچ رہی تھی کہ ذاکر کو بتاؤں مگر میرے وہاں جانے تک ابا بھی وہاں آ چکے تھے اور ان کے سامنے بات کرتی تو وہ مجھ سے کہتے کہ میں ڈاکٹر کو دکھا کر اپنا علاج کرواؤں۔

”عفت تمہیں میرے فون کی گھنٹی کی آواز آئی تھی؟“ میں کچن میں جا کر عفت سے پوچھ رہی تھی۔

”ہاں......“ اس نے مختصراً کہا۔

”مگر میں وہاں گئی تو کوئی کال نہیں تھی اور ایسا پہلی بار نہیں ہوا...... کئی بار ایسا ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر تمہیں بھی آواز آئی تھی تو اس کا مطلب ہے کہ میرے کان نہیں بج رہے تھے......“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔

”ممکن ہے کہ آپ کے کان میں کوئی مسئلہ ہو؟“ عفت نے کہا۔

”میرا تو خیال ہے کہ ہم دونوں کے کانوں میں کوئی مسئلہ ہے...... ابھی تم تسلیم کر چکی ہو کہ تم نے بھی فون کی گھنٹی کی آواز سنی تھی اور اس کے علاوہ

بری طرح تمہیں بھی لگتا ہے کہ میں تمہیں پکار رہی ہوں......“ میں نے مسکرا کر کہا تو وہ میری طرف دیکھنے لگی۔

”آپ آیت الکرسی پڑھا کریں......“ اس نے کہا تو میں اس کا منہ دیکھنے لگی، گویا وہ بھی وہی سوچ رہی تھی جو میں سوچ چکی تھی...... کوئی جادو یا ٹونا!

☆☆☆

”ارے بھئی...... باہر گھنٹی بج رہی ہے، کیا سو رہے ہو تم سب لوگ؟“ ابا کی دہاڑ پر عفت کچن میں سے بھاگی، میں دھلے ہوئے کپڑے [illegible] کر رہی تھی۔ طبیعت پر بوجھ بڑھ رہا تھا، جوں جوں وقت قریب آ رہا تھا مجھے لگ رہا تھا کسی نے مجھے کچھ کر دیا ہے......

”باہر تو کوئی نہیں ہے جی!“ عفت نے واپس آ کر کہا تھا۔

”کوئی نہیں ہے تو گھنٹی کیا جنات بجا رہے تھے؟“ ابا نے کہا تو ہم دونوں ایک دوسرے کو چونک کر دیکھنے لگیں۔ ”محلے کے آوارہ لڑکے ہوں گے اور مستی کر رہے ہوں گے!“ حتمی اندازہ لگا کر وہ اپنے کمرے کی طرف چل دیے۔

”ابا کو کون سمجھائے کہ ہم کسی اس طرح کے محلے میں نہیں رہتے، ڈیفنس میں رہتے ہیں جہاں لوگوں کے پاس وقت نہیں ہوتا کہ کسی کے گھر کی گھنٹی کسی کام سے بھی بجا دیں کجا کہ شرارت کرنے کے لیے اور وہ بھی اس وقت جب سب بچوں کے سکول کالج کا وقت ہے......“

”ممکن ہے کوئی مانگنے والا ہو......“ عفت نے اندازہ لگایا۔

”ہاں...... ہو سکتا ہے کیونکہ مانگنے والوں کے لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ ڈیفنس میں ہیں یا بھاٹی لوہاری......“ ہم دونوں ہنس دیں، گھنٹی ایک بار پھر بجی تھی...... عفت باہر کو لپکی اور پھر لوٹی تو اسی خبر کے ساتھ کہ باہر کوئی نہیں تھا تین چار دفعہ اسی طرح ہوا تو میں نے اس سے کہہ دیا کہ اب وہ باہر نہ جائے مگر چوتھی دفعہ بھی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی کہ ابا پھر باہر نکل آئے...... میں نے انہیں بتایا کہ شاید گھنٹی میں کوئی مسئلہ تھا کیونکہ باہر کوئی نہ تھا، ابا خود باہر جا کر اس کی تصدیق کر کے آئے۔

”ذاکر آئے تو اسے کہنا کہ اسے چیک ضرور کروائے......“ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ میں کچھ کہتی، اس سے پہلے ہی میرے فون کی گھنٹی بجنے لگی...... فون میرے پاس ہی پڑا تھا، کوئی کال نہیں آ رہی تھی۔ میں نے خوف سے اپنے فون کو دیکھا......

”کس کی کال ہے بی بی، فون اٹھائیں ناں......“ عفت نے میرے چہرے کو دیکھ کر کہا۔

”کوئی کال نہیں ہے......“ میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

”شاید اس میں بھی شارٹ سرکٹ ہو گیا ہو؟“ عفت کی بات پر میری ہنسی نکل گئی، وہ بی اے پاس تو تھی مگر جدید ٹیکنالوجی سے نابلد......

یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جسے ذاکر سے چھپایا جا سکتا اس لیے میں نے ابا کی موجودگی میں، ابا اور عفت کی گواہیوں کے ساتھ...... ساری باتیں بڑھا چڑھا کر ذاکر کو بتائیں...... ”پہلے تو ابا کہتے تھے کہ میرے کان بج رہے ہیں مگر یہ ساری آوازیں عفت اور ابا نے بھی سنی ہیں......“ میں اپنی طرف سے بھرپور تجسس بھری کہانی ذاکر کو سنا رہی تھی۔

”آپ سب لوگوں کا خیال بالکل غلط ہے...... نہ کسی کے کان خراب ہیں نہ کوئی گھنٹی......“

”تو پھر کیا خراب ہے؟“ میں نے فوراً پوچھا۔

”یہ سب آوازیں موتی نکالتا ہے......“ ذاکر کا کہنا تھا کہ ہم سب کو ذاکر کی ذہنی حالت پر شبہ ہونے لگا، ذاکر نے ٹیلی وژن کی آواز بند کر دی، ہم سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔

”مما...... آئس کریم کھانی ہے......“ علی بول رہا تھا مگر علی تو وہاں تھا نہیں۔

”سارہ......“ ابا کی آواز تھی...... ”سارہ......

WWW.PAKSOCIETY.COM

سارو......" ذاکر مجھے پکار رہے تھے......"سارہ بی بی .... جلدی آئیں......" عفت مجھے پکار رہی تھی۔ مگر نہیں، یہ سب ناٹک موتی کر رہا تھا۔ ہم سب حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے تک رہے تھے۔

"آپ لوگ اسے میرے جاتے ہی برآمدے میں نکال دیتے ہیں، اسی لیے تو میں اسے لاؤنج میں رکھتا ہوں کہ ہماری باتیں سنے اور انہیں سیکھے، جو تھوڑا بہت اس نے سیکھا ہے وہ بھی جب میں اپنی چھٹی والے دن اسے لاؤنج میں رکھتا ہوں یا جو وقت میں اور علی اسے دیتے ہیں تو اس نے اتنا کچھ سیکھا ہے۔ ذاکر وضاحت کر رہے تھے اور موتی نے اب کسی انگریزی فلم کے ڈائیلاگ دو لوگوں کی آواز میں بولنا شروع کر دیے تھے۔ ہم سب کھلکھلا کر ہنس رہے تھے...... مجھے ٹوٹ کر موتی پر پیار آیا۔

اس کے بعد میری موتی سے بہت دوستی ہو گئی اور میں بھی اسے ذاکر کی طرح موتی بیٹا کہنے لگی اور اسے مستقل لاؤنج میں جگہ مل گئی، اب میں اور عفت بھی اس سے اسی طرح باتیں کرتے جیسے علی اور ذاکر کرتے تھے اور وہ سر جھکا کر خاموشی سے سنتا رہتا اور کبھی کبھار جب وہ موڈ میں ہوتا تو خود ہی ہماری باتوں کو دُہراتا رہتا۔ اب تو کبھی فون کی یا گھر کی گھنٹی بجتی تو ہم اسے یہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے کہ موتی ہوگا اور بعد ازاں علم ہوتا کہ واقعی کسی کی کال تھی یا دروازے پر کوئی گھنٹی بجا رہا تھا۔

☆☆☆

میری طبیعت خراب رہنے لگی تو امی آکر علی کو اپنے پاس لے گئیں، عفت بھی علی کے ساتھ جانا چاہ رہی تھی مگر میں نے اسے روک لیا کہ مجھے اس کی اسپتال میں ضرورت ہوگی...... مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ رات کے ایسے پہر میں اور اس قدر تیزی سے میری حالت بگڑی کہ میں بے ہوش ہو گئی اور ذاکر نے مجھے خود ہی اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور عفت کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ ابا کو جگا کر بتا دیا کہ اس طرح اسپتال جا رہے ہیں، عفت جاگے تو اسے بتا دیں اور وہ بعد میں آکر عفت کو بھی لے جائیں گے۔

میجر آپریشن کے بعد ہوش میں آئی تو بہت دیر کے بعد خیال آیا کہ عفت اسپتال میں نہ تھی، ذاکر نے مجھے بتایا کہ میں بے ہوش ہو گئی تھی اور وہ مجھے خود ہی اٹھا کر لائے تھے اور عفت گھر پر ہی تھی۔

"آپ گھر جائیں ذاکر......" میں نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں، کیا ہو گیا ہے؟" ذاکر نے حیرت سے پوچھا۔

"عفت گھر پر اکیلی ہے ناں...... پریشان ہو گی......" میں نے بات بنائی۔"یوں بھی امی یہاں ہیں تو اسے گھر سے لے کر علی کے پاس چھوڑ دیں!"

"عفت اکیلی نہیں ہے سارہ...... ابا بھی تو ہیں ناں گھر پر......"

"یہی تو مسئلہ ہے کہ وہ ابا کے ساتھ گھر پر اکیلی ہے......" میری بڑبڑاہٹ سے ذاکر کوئی مفہوم نہ اخذ کر سکے۔ البتہ یہ ہوا کہ وہ اٹھ کر چلے گئے۔

"یہ کیا بکواس کی تھی تم نے......" امی نے ذاکر کے جاتے ہی میرے لتے لیے۔"جو ذاکر سن لیتا تو؟"

"آپ تو جانے کیسے ہر بات سن لیتی ہیں......"

"مگر تم نے یہ بات کی کیسے؟" امی کون سا میری جان چھوڑنے والی تھیں۔

"آپ کو بتایا تو تھا امی......" میں نے چڑ کر کہا۔

"جانے تمہیں ہو کیا گیا ہے...... پہلے اپنے اس شریف سے سسر پر شک تھا اب اپنی اس مسکین کی ملازمہ کو شک کی نظر سے دیکھ رہی ہو......"

"مجھے عفت پر شک نہیں ہے امی......" میں نے آنکھیں میچ کر کہا۔"مجھے اب بھی ابا پر ہی شک ہے!"

"شرم کرو سارہ...... ذاکر سنے تو کیا سوچے گا، اتنے عبادت گزار شخص پر ایسا گھناؤنا الزام بلکہ بہتان، اور وہ بھی ملازمہ کے ساتھ......" امی نے مجھے گھر کا۔"مجھے تو شرم آرہی ہے تمہاری اس سوچ پر!"

"آپ کو کس طرح سمجھاؤں امی...... کس طرح یقین دلاؤں؟" میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

ذاکر لوٹے تو ان کے پاس کوئی اچھی خبر نہ تھی، عفت گھر پر نہ تھی......"جانے کیا کچھ لے کر رفو چکر ہو گئی ہے، تم خود ہی گھر جا کر چیک کر لینا، ابا کو تو کچھ علم ہے نہ ہی ان کو بتا کر گئی ہے......" میں نے نظر اٹھا کر امی کو دیکھا، جن کی نظر صاف کہہ رہی تھی کہ دیکھ لیا تم نے......

☆☆☆

مجھے کافی کمزوری تھی اور امی چاہتی تھیں کہ مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاتیں مگر ابا کی مجبوری ایسی تھی کہ امی کو میرے ساتھ ہمارے گھر آنا پڑا کیونکہ ابا کہیں جاتے بھی نہ تھے۔ عفت کے نہ ہونے سے کافی مسئلہ ہو گیا تھا مگر امی اپنی ملازمہ ساتھ لے آئی تھیں اس لیے گزارہ ہو رہا تھا۔

"اپنی ملازمہ کا خیال رکھیے گا امی اور اسے ہر وقت اپنی نظر کے سامنے رکھیں......" میں نے امی سے کہا تو وہ غصے سے مجھے گھورنے لگیں۔

"تمہارے ذہن سے لگتا ہے کہ ابھی تک وہ کیڑا نکلا نہیں......" انہوں نے ڈانٹا۔"وہ تمہیں دھوکا دے کر چلی گئی پھر بھی......"

"وہ مجھے دھوکا دے کر نہیں گئی امی، جانے اس بے چاری کے ساتھ کیا ہوا ہوگا، میں صحت یاب ہو کر اسے ڈھونڈوں گی اور اسی سے پوچھوں گی...... مگر جو میں کہہ رہی ہوں اس کا خیال کیجیے گا!" امی مجھے گھورتی رہ گئیں۔

امی کی ملازمہ ننھی کافی کم عمر لڑکی تھی، فارغ وقت میں مجھے دباتی اور میرے سر میں تیل کی مالش بھی کر دیتی، اس کے علاوہ وہ صرف علی کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ اس روز بھی مجھے غنودگی سی ہو رہی تھی،

سچی کہانیوں، آپ بیتیوں، جگ بیتیوں کا بے مثال مجموعہ

ماہنامہ سرگزشت

دسمبر 2012ء کی جھلکیاں

اختر اردو

اردو کے ایک بڑے ادیب کی سوانحِ حیات

خوش نوا: پوری دنیا میں آواز کی بدولت تہلکہ مچا دینے والے گلوکار کا تذکرہ

زور آور برادران

ان دو پہلوان بھائیوں کا زندگی نامہ جو دشمنی کا شکار ہو گئے

موگن

ایک معدوم ہوتی نسل جو پانی پر زندگی گزارتی ہے خشکی پر رہنا اسے پسند نہیں

خواب ہو گئے

عزم و استقلال اور قسمت کے گرد گھومتی ایک نوجوان کی دلچسپ آپ بیتی

اس کے علاوہ

اور بھی بہت سے سچے واقعات، معلوماتی تحریریں

ہر شمارہ خاص شمارہ جسے آپ محفوظ رکھنا ضروری سمجھیں گے

آج ہی نزدیکی بک اسٹال پر اپنا شمارہ مختص کرا لیں

خاص شمارہ...... ہر شمارہ، خاص شمارہ...... ہر شمارہ، خاص شمارہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کے ہاتھوں میں ایسا ہی مزہ تھا، امی کوئی بُنائی کر رہی تھیں کہ انہوں نے اسے پانی لینے کو بھیجا اور جب وہ پانی لے کر لوٹی تو حواس باختہ سی تھی اور اس کی سانس پھُولی ہوئی تھی...... ’’کیا ہوا ہے، اتنا بھاگ کر آنے کی کیا ضرورت تھی؟‘‘

’’کچھ نہیں جی......‘‘ اس نے خود پر قابو پایا۔ ’’میں نے سوچا آپ کو پیاس لگی ہوگی......‘‘

’’اچھا اچھا، چل بیٹھ، دبا باجی کی ٹانگیں...... زیادہ مسکے نہ لگا!‘‘ وہ امی کی ڈانٹ سن کر بیٹھ کر میری پنڈلیوں پر تیل کی مالش کرنے لگی...... تبھی مجھے اس کے گریبان سے جھانکتا لال نوٹ نظر آیا، جو صاف لگ رہا تھا کہ ابھی ابھی اُڑسا گیا تھا، وہ کافی دیر سے مجھے مالش کر رہی تھی اور اس سے پہلے مجھے یہ نوٹ نظر نہ آیا تھا...... مگر میں اس سے کیا پوچھوں۔

’’پانی کچن سے لائی ہو؟‘‘ میں نے پوچھا۔

’’جی باجی......‘‘ وہ اب کافی سنبھل چکی تھی۔

’’ابا اس وقت اپنے لیے بادام کی سردائی بناتے ہیں، جانے انہوں نے آج بنائی ہوگی کہ نہیں......‘‘

’’ہاں جی......‘‘ وہ فوراً بولی۔ ’’وہ کچھ بنا تو رہے تھے جی بلینڈر والے جگ میں......‘‘

’’اچھا ابا کچن میں ہی تھے......‘‘ میں نے امی کو دیکھ کر کہا۔ ’’تم ان سے پوچھ ہی لیتیں کہ کوئی مدد کی ضرورت ہو تو......‘‘ امی نے مجھے دیکھ کر گہری سانس لی۔

’’وہ جی کی تھی میں نے ان کی مدد......‘‘ اس نے تھوک نگل کر کہا۔

’’کیا مدد کی تھی؟‘‘ میں نے فوراً سوال داغا۔

’’جی، جو انہوں نے کہا تھا......‘‘

’’کیا کہا تھا انہوں نے؟‘‘ میں نے غصے سے پوچھا۔

’’وہ جی...... کچھ خاص نہیں جی......‘‘ وہ سٹپٹا گئی۔ ’’بس کہنے لگے وہاں سے گلاس پکڑا دو بیٹا......‘‘

’’بیٹا تو وہ مجھے کبھی نہیں کہتے، تمہیں کیسے کہہ دیا......‘‘ وہ کافی شاطر لگ رہی تھی۔ ’’اور گلاس پکڑنے پر انہوں نے تمہیں سو روپے کا یہ نوٹ دے دیا......‘‘ میں نے اس کے گریبان سے نوٹ نکالا۔ امی جیسے سکتے میں چلی گئیں...... اور کچھ نہ سوجھا تو کھینچ کے ایک تھپڑ ننھی کے دیا۔

’’حرام خور......‘‘ امی میرے سسر کا غصہ اس پر نکال رہی تھیں...... ’’تیرا تو میں بندوبست کرتی ہوں...... ایسے شریف آدمی ہیں وہ تو!‘‘

’’وہ جی میں نے کیا کیا ہے...... انہوں نے اگر خود ہی خوش ہو کر مجھے انعام دیا ہے تو......‘‘

’’تیری کس بات سے خوش ہو کر انعام دیا ہے انہوں نے ننھی؟‘‘ میں نے غصے سے پوچھا۔

’’یہ تو مجھے نہیں پتا جی......‘‘ امی جانے دل ہی دل میں کیا سوچ رہی تھیں...... ان کا بھرم ٹوٹا بھی تو اپنے گھر کی ملازمہ کے سامنے۔

☆☆☆

’’بکواس بند کر......‘‘ ہم سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ ابا میاں کی آواز تھی مگر ابا تو ہمارے ساتھ بیٹھے تھے، امی نے ننھی کو واپس بھجوا دیا تھا، میں، علی، امی اور ابا لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے جب اس آواز نے ہماری توجہ اپنی طرف کھینچ لی...... ای کے لیے موتی کو یوں سننا حیران کُن تجربہ تھا۔

’’اللہ کے واسطے ابا...... مجھے اپنی بیٹی سمجھیں......‘‘ عفت کی آواز کی ہو بہو نقل۔

’’نخرے بند کر اور سیدھی طرح میرے کمرے میں چل......‘‘ ابا میاں کا ڈائیلاگ موتی نے دہرایا اور اس کے بعد اس نے کئی منٹ تک عفت کی چیخوں کی آواز نکالی، ہم سب سُن بیٹھے تھے، سب سے پہلے منظر سے ابا اٹھ کر اپنے کمرے میں جا کر غائب ہو گئے...... تو یہ تھا وہ وقت، جب میری بات کی گواہی ہونا تھی، عفت کہتی تھی کہ وقت خود ہر کسی کے سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرتا ہے۔ اس کے بعد ذاکر اٹھے اور پنجرے کی طرف بڑھے۔

’’یہ کس طرح یوں ڈرامے کر لیتا ہے؟‘‘ امی نے حیرت سے سوال کیا۔

’’ڈراما نہیں امی، یہ ہم سب کی باتیں سنتا اور انہیں اپنے حافظے میں محفوظ کرتا ہے اور جب یہ اپنی ترنگ میں ہوتا ہے تو ہر کسی کی کہی ہوئی بات، اسی لب و لہجے میں دہرا دیتا ہے......‘‘ میں نے امی کو بتایا۔

’’حیران کُن......‘‘ جانے امی نے موتی کی صلاحیت کو حیران کُن کہا تھا یا پھر اس واقعے کو جو ابھی موتی نے بیان کیا تھا اور جو صاف گواہی تھا عفت کے بے گناہ اور ابا کے قصوروار ہونے کی۔

’’کیا کرنے لگے ہیں ذاکر آپ؟‘‘ میں نے چلا کر ذاکر سے کہا جو پنجرہ کھول رہے تھے۔ ’’پنجرہ نہ کھولیں، یہ اُڑ جائے گا......‘‘

’’سارہ باجی...... جلدی آئیں!‘‘ موتی نے عفت کی آواز میں مجھے پکارا۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ اس سے قبل بھی کبھی عفت نے مجھے پکارا ہو گا، حالانکہ ایسا عفت اس وقت کہتی تھی جب علی اس کی بات نہیں سنتا تھا۔

’’میں اسے مار ڈالوں گا!‘‘ ذاکر نے کہا۔

’’ارے...... پندرہ ہزار میں اسے لے کر آئے تھے اور ابھی اس روز آپ بتا رہے تھے کہ اس وقت اس کی قیمت دو لاکھ کے قریب ہے، کیوں اپنا نقصان کر رہے ہیں، اس سے بہتر ہے کہ اسے بیچ دیں!‘‘ میں نے چلا کر کہا۔

’’بیچ دوں...... تا کہ اسے جو بھی خریدے، وہاں جا کر یہ ہمارے گھر کی کہانی سب کو سنائے؟‘‘ ذاکر نے غصے سے کہا۔

’’کسی کو کیا علم کہ یہ کس کے گھر کی کہانی ہے بیٹا‘‘ امی نے رسان سے کہا۔ ’’کچھ دن کا وقفہ ڈال کر اسے بیچ دو...... یہ بھول بھال جائے گا اس کہانی کو!‘‘

’’نہیں پپا...... میں موتی کو نہیں بیچوں گا......‘‘ علی نے چیخنا شروع کر دیا۔ ’’نانو...... آپ سے کیا کہہ رہا ہے میرا پیارا سا دوست؟‘‘ علی چھکوں پھکوں رونے لگا۔

’’ارے نہیں بابا...... نانو پنجرہ بیچنے کی بات کر رہی تھیں......‘‘ امی نے فوراً بات بنائی اور علی کے آنسو پونچھے، علی ان کے گلے لگ گیا۔

’’چلو اچھا ہے......‘‘ ذاکر اس رات کہہ رہے تھے۔ ’’کسی اور کے نہ سہی، موتی کے ڈر سے ہی ابا اب خود کو بدل لیں گے...... سوری سارو...... میں نے تمہیں غلط سمجھا اور تم سے اس بات پر ناراضی کا اظہار کیا، اصل میں اپنے ابا پر اعتماد ہی اتنا ہے مجھے......‘‘

میرا مطلب ہے کہ تھا!‘‘ میں ہنس دی۔

’’آپ اب بھی ابا پر اعتماد ہی رکھیں...... انسان کتنا ہی عبادت گزار اور پرہیز گار کیوں نہ ہو، شیطان ہمہ وقت اسے بہکانے میں مصروف رہتا ہے اور وہ کبھی نہ کبھی کامیاب ہو ہی جاتا ہے......‘‘ میں ذاکر سے یہ بھی نہ کہہ سکتی تھی کہ جو انسان اپنی گود میں قرآن رکھ کر جھوٹ بول سکتا ہے وہ شیطان کا شکار نہیں بلکہ اس کا چیلا ہوتا ہے مگر میں ذاکر کا سر اس سے زیادہ جھکا ہوا نہیں دیکھ سکتی...... ہم دونوں نے عفت کو ڈھونڈ کر اس سے ابا کی طرف سے معافی مانگی اور ذاکر نے اسے اپنے کسی جاننے والے کے توسط سے اسے ایک بیوہ کے پاس ملازمت دلوا دی جو خود بھی ملازمت کرتی تھی اور اور اس کے پاس اس کی ماں اور ساس بھی تھیں، اس گھر میں صرف تین عورتیں تھیں، عفت چوتھی ہوگئی، اب اس کی عزت کو کم از کم خطرہ نہیں ہوگا۔

موتی کی خوراک کا میں اسی طرح خیال رکھتی ہوں جس طرح علی اور ثنا کی خوراک کا اور ابا...... وہ اب کھانے کے اوقات کے علاوہ اپنے کمرے سے کم کم ہی باہر نکلتے مگر جب وہ موتی کے پنجرے کے پاس سے گزرتے تو اسے یوں گھوری مارتے کہ جیسے اسے کچا ہی چبا جائیں گے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

مکمل ناول

مجھے رنگ دے

شوکت رانا الطاف

وہ دن عالیہ کی زندگی کا اہم ترین دن تھا۔ اس دن اس کی سالگرہ تھی...... وہ پورے اٹھارہ برس کی ہوگئی تھی اور اسی دن اس کا اے لیولز کا رزلٹ نکلا تھا۔ اس نے سات AS لیے تھے اور اپنی کلاس میں ٹاپ کیا تھا...... وہ بہت خوش تھی۔ ماما اور بابا بھی بے حد خوش تھے۔ وہ زندگی میں کبھی اتنی خوش نہیں ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا...... وہ کیا کرے!

اس شام تقریباً سارے رشتے داران کے گھر

WWW.PAKSOCIETY.COM

جمع تھے اسے مبارک باد دینے کے لیے...... اسد چچا، فرزانہ چچی، شاہد ماموں اور فرح ممانی، پھپھو اور ان کا سارا خاندان اور چھوٹے بڑے سارے کزنز......

کیک، پھول اور تحائف وصول کر کے وہ بہت خوش ہو رہی تھی۔ کولڈ ڈرنکس اور چائے کا دور چل رہا تھا۔ وہ سب کا شکریہ ادا کر رہی تھی...... تب ہی ماما نے اسے اپنے بیڈروم میں بلالیا۔ وہ گلابی لباس میں بے حد حسین معصوم اور تروتازہ لگ رہی تھی۔

"عالیہ اِدھر آؤ...... میرے پاس بیٹھو...... اور میری بات دھیان سے سنو۔"

"اچھا ماما......" اس نے دیکھا فرزانہ چچی اور راحت خالہ بھی ان کے کمرے میں موجود تھیں۔ اس کی ماں بے حد سنجیدہ تھیں اور ان کے چہرے پر جانے کیا تھا کہ وہ چونک گئی۔ فرزانہ چچی اور راحت خالہ اسے کس طرح دیکھ رہی تھیں، ان کی نگاہوں میں جانے کیا تھا وہ پریشان ہوگئی۔

"ماما کیا بات ہے؟"

وہ جانے کیا کہنے جا رہی تھیں......؟ وہ خوش نہیں تھیں، ان کے چہرے پر گہرے ملال کا رنگ تھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک تھی۔ جنہیں چھپانے کی کوشش میں وہ ناکام ہوئی جا رہی تھیں۔ ان کی خاموشی طویل ہوگئی تھی۔

"ماما! کیا بات ہے، چچی جان، راحت خالہ آپ بتائیں کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں ہوا بیٹے۔" وہ سخت کشمکش میں مبتلا تھیں جیسے انہیں الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

"عالیہ تمہارے بابا نے ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"کیا ماما؟" وہ پریشان ہوگئی۔

"عالیہ! کل رات تمہارا نکاح ہے۔"

"جی......؟" اس کی سمجھ میں نہیں آیا...... ماما کیا کہہ رہی تھیں۔ "ماما! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"عالیہ! تمہارے بابا نے فیصلہ کیا ہے...... کل تمہارا نکاح ہے...... ان کے دوست وقار صاحب کے بیٹے کے ساتھ سنا تم نے......؟" ان کی آواز غم سے بوجھل تھی اور لہجہ دکھ سے بھرا ہوا تھا۔

"نہیں ماما......" وہ یک دم خوفزدہ ہوگئی۔ "ماما! اتنی جلدی...... یہ نہیں ہوسکتا۔"

"بیٹے! یہ تمہارے بابا کا فیصلہ ہے، ان کا خیال ہے لڑکی کی شادی اٹھارہ سال کی عمر میں ہوجانی چاہیے۔ تمہارے بعد تمہاری تین بہنیں اور بھی ہیں۔"

"اور ایک بھائی بھی ہے ماما...... جو بیس سال کا ہو چکا ہے۔ پھر اس کا بھی نکاح ہوجانا چاہیے۔" وہ رودینے کو تھی۔ مارے صدمے کے وہ نڈھال ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ کس طرح ری ایکٹ کرے۔

"نہیں ماما! یہ نہیں ہوسکتا...... ابھی میں پڑھنا چاہتی ہوں، میں ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں۔ میں ابھی شادی نہیں کرسکتی...... اتنی جلدی میری شادی کیونکر ہوسکتی ہے؟" اس کی آنکھوں میں دھواں سا بھر رہا تھا...... اور پھر اس نے زاروقطار رونا شروع کردیا۔ ماما نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگالیا۔

"نہیں...... عالیہ! میری بیٹی روؤ نہیں...... تمہاری عمر میں میری بھی شادی ہوگئی تھی۔" ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے اور کس طرح تسلی دیں۔ وہ ان کی بڑی بیٹی تھی اور انہیں بے حد پیاری تھی۔ ان کے درمیان بے مثال انڈر اسٹینڈنگ تھی، وہ اپنے دل کی ہر بات اس سے کرلیا کرتی تھیں۔ ہر بات میں اس سے مشورہ لیا کرتی تھیں اور اس کی زندگی کا فیصلہ انہوں نے اس کے مشورے کے بغیر ہی کرلیا تھا۔ وہ بہت میچورڈ اور سمجھدار بچی تھی، اپنی عمر کے لحاظ سے وہ بہت پختہ ذہن کی مالک تھی۔ وہ ماں کی مرضی ان کے اشاروں سے سمجھ جایا کرتی تھی مگر اس شام وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔ وہ بکھر کر رو رہی تھی۔ راحت خالہ، فرزانہ چچی اور کبیرا پھپھو اسے پیار کر رہی تھیں۔ اسے سمجھا رہی تھیں مگر وہ کسی سے بھی نہیں سنبھل رہی تھی۔ یہ صدمہ اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا مگر بابا کی مرضی کے سامنے سب خاموش تھے۔ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اے لیول لڑکی کے لیے بہت مناسب تعلیم تھی۔

فرح ممانی کو بابا کے اس فیصلے پر بہت اعتراض تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ادھوری تعلیم بجائے فائدے کے لڑکیوں کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ کم از کم بی اے یا بی ایس سی تو ضرور کرنا چاہیے اور اتنی چھوٹی عمر میں شادی نہیں ہونی چاہیے مگر وہاں ان کی سننے والا کوئی نہیں تھا۔

نکاح کے بعد اسے گھر داری سیکھنا تھی تاکہ اگلے گھر جا کر اسے کوئی تکلیف نہ ہو اور ہمیشہ کی طرح اچھی بچیوں کے مانند اس نے بابا کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔

ہمایوں اور تینوں بہنیں بے حد غمزدہ تھیں...... مگر وہ کیا کرسکتے تھے۔ وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی آئی...... دروازہ بند کر کے وہ بہت روئی...... بے تحاشا رونے کے بعد بھی دل تھا کہ بھر بھر آرہا تھا۔ آنسو تھے کہ تھمنے میں نہیں آرہے تھے۔ مہرین، ایمن اور فاطمہ بھی اس کے ساتھ آنسو بہا رہی تھیں۔

صبح کا آغاز کتنا خوب صورت ہوا تھا۔ وہ اپنی کامیابی کی نوید سن کر پھولے نہیں سما رہی تھی مگر وہ شام اس کے لیے کتنا بڑا صدمہ لے کر آئی تھی، وہ جانتی تک نہیں تھی کہ بابا کے دوست وقار صاحب کون تھے...... اور ان کا بیٹا کیا کرتا ہے؟ اور اگر وہ جانتی بھی ہوتی...... تو شادی تو وہ ہرگز نہیں کرسکتی تھی...... اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ان سے جا کر پوچھے کہ یہ انہوں نے کیا کیا......؟ اتنا بڑا فیصلہ انہوں نے اس سے پوچھے بغیر کس طرح کرلیا۔

یہ تو وہ جانتی تھی کہ ان کے خاندان میں لڑکیوں سے ان کی پسند ناپسند پوچھنے کا رواج نہیں تھا۔ اس کی کزنز کی شادیاں اس کے سامنے ہوئی تھیں۔ کسی نے ان سے ان کی مرضی نہیں پوچھی تھی۔ ماں، باپ کی خواہش کے سامنے انہوں نے سر جھکا دیا تھا۔ عالیہ نافرمان نہیں تھی...... وہ خاندان کی اس روایت کو توڑنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ بابا کا سر جھکانا نہیں چاہتی تھی...... وہ انہیں خوش دیکھنا چاہتی تھی مگر وہ خود خوش نہیں ہوئی۔ شادی کے بارے میں اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا اور پھر اتنی جلدی......؟ وہ تو بہت سا پڑھنا چاہتی تھی...... وہ سارے بھائی بہن بہت لائق فائق تھے...... پڑھائی...... پڑھائی...... اور پڑھائی...... اس کے علاوہ ان کی اور کوئی مصروفیت نہیں تھی۔

ہمایوں انجینئرنگ انسٹی ٹیوٹ میں تھا، وہ چاروں بہنیں ایک ہی اسکول میں پڑھتی تھیں۔ عالیہ اور مہرین میں بہت کم فرق تھا۔ وہ اس سے ایک سال پیچھے تھی۔ وہ دونوں ایک کمرے میں رہتی تھیں۔ ایمن اور فاطمہ چھوٹی کلاسوں میں تھیں اور ان کا بیڈروم الگ تھا۔

آج سے پہلے وہ سب لوگ کتنے خوش تھے۔ اس نے کبھی بھول کر بھی نہیں سوچا تھا کہ اچانک زندگی میں یہ موڑ اتنی جلدی آجائے گا، وہ رو رو کر تھک گئی تھی۔ وہ رات اس پر بہت بھاری تھی۔

وہ جانتی تھی بابا کے اس فیصلے پر ماما خوش نہیں تھیں۔ بھائی اور بہنیں بھی خوش نہیں تھے...... مگر اب کیا، کیا جاسکتا تھا؟ اس تاریک رات کا سویرا بھی بہت غمناک تھا۔ وہ جی بھر کر اپنی کامیابی کا جشن بھی نہیں منا سکی تھی کہ اسے وہ روح فرسا خبر سنائی گئی تھی۔

ساری رات اس نے جاگ کر گزاری تھی۔ صبح فجر کی نماز پڑھ کر اس کی آنکھ لگی تھی۔ مہرین نے دیکھا وہ گہری نیند سو رہی تھی...... وہ غم سے نڈھال تھی...... اس کے رخسار آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے...اور سوتے ہوئے بھی وہ سسکیاں لے رہی تھی۔ مہرین کو اس پر بے اختیار پیار آگیا...... اس نے جھک کر اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے رخسار پر پیار کیا۔ عالیہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

وہ کیسا خواب تھا...... یاد کر کے وہ ڈر گئی...... وہ پسینے سے شرابور ہو رہی تھی۔ اس خواب کو یاد کرنا چاہا...... شاید وہ کوئی مسجد تھی...... مسجد سے ملحق وہ ایک بے حد صاف ستھرا اور منور کمرا تھا، روشن دان سے جیسے نور کی کرنیں اندر آ رہی تھیں...... وہ ننگے پاؤں تھی اور اس نے سرخ رنگ کا دوپٹا اوڑھ رکھا تھا۔ جونہی وہ کمرے میں داخل ہوئی ایک بہت بھاری مردانہ آواز ابھری۔

''السلام علیکم......'' اس نے دیکھا وہ سفید لباس میں ملبوس تھے۔ سرخ دبیز ایرانی قالین بچھے تھے اس کے پاؤں قالین میں دھنس رہے تھے۔ وہ قالین کی نرماہٹ محسوس کر رہی تھی۔

''وعلیکم السلام......'' اس نے جواب دیا۔

''بیٹھ جاؤ......''

وہ بیٹھ گئی...... کمرے میں روح میں اتر جانے والی ایک مہک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے ایک لمبی اور گہری سانس لی اور وہ مہک اس کے سینے میں اتر گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی...... سفید لباس میں وہ کون تھے۔ روشن دان سے اُترتی ہوئی روشنی ان کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ نہایت روشن پیشانی تھی۔ آنکھیں جھکی ہوئی تھیں، سرخ و سفید رنگت پر سنہری داڑھی جچ رہی تھی۔ انہوں نے اپنے سامنے رکھے ہوئے سبز دوپٹے کی طرف اشارہ کیا۔

''دوپٹا تبدیل کر لو۔''

''جی......'' وہ جیسے ان کی شخصیت کے سحر میں جکڑ گئی تھی۔ اور پھر اس کی آنکھ کھل گئی۔ یہ کیسا خواب تھا......

وہ ساری رات جاگ کر فجر کی نماز پڑھ کر سوئی تھی۔ صبح دم ابھی اس کی آنکھ لگی تھی کہ اس نے دیکھا مہرین اس کے قریب بیٹھی تلاوتِ قرآن پاک کر رہی تھی۔ باہر ابھی ملگجا سویرا تھا۔ گھر بھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ بابا شاید ابھی لوٹ کر مسجد سے نہیں آئے تھے۔ اس کا دل گھبرا رہا تھا۔

''کیا ہوا عالیہ......؟''

''پانی......''

مہرین نے اٹھ کر اسے پانی پلایا۔

''کیا کوئی خواب دیکھا ہے؟''

''ہاں مہرین...... بڑا عجیب خواب تھا...... کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' اس نے اپنا خواب جب راحت خالہ کو سنایا تو وہ گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

''اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یہاں رشتہ نہیں کرنا چاہیے۔''

''کیا......؟'' وہ چونک گئی۔

''کیا وہ کوئی بزرگ تھے؟''

''پتا نہیں خالہ......''

اور جب وہ خواب اس نے ماما کو سنایا تو وہ بھی جیسے مراقبے میں چلی گئیں...... پھر بہت سوچ سوچ کر وہ بولیں۔

''عالیہ! اپنے اس خواب کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔''

''بابا سے بھی نہیں؟''

''نہیں...... اب کچھ نہیں ہو سکتا...... سب کچھ طے ہو چکا ہے۔'' مگر اس کا دل کہہ رہا تھا اب بھی سب کچھ ہو سکتا ہے۔ بے شک سب کچھ طے ہو چکا ہے مگر اب بھی اگر بابا کچھ کرنا چاہیں تو وہ اس... نکاح کو روک سکتے ہیں... انتظار کیا جا سکتا ہے، انتخاب...... بدلا جا سکتا ہے۔ بہت کچھ کیا جا سکتا تھا مگر شاید اس کا مقدر یہی تھا۔

اور رات کو اس کا نکاح سعود سے ہو گیا۔ اس نے تو اسے نہیں دیکھا تھا مگر سب لوگ کہہ رہے تھے کہ وہ بہت خوش شکل اور ہینڈسم نوجوان تھا۔ اگرچہ وہ عمر میں اس سے سات سال بڑا تھا...... انگلینڈ سے قانون کی ڈگری لے کر وہ لوٹا تھا... اور حال ہی میں اس نے وکالت شروع کی تھی۔ انکل وقار صاحب ثروت اور صاحبِ حیثیت انسان تھے اور ان کا

قالینوں اور خشک میووں کا کاروبار بیرونِ ملک تک پھیلا ہوا تھا...... وہ کراچی کے ایک پوش علاقے میں رہتے تھے۔ سعود دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔

اس نے عالیہ کو انتہائی قیمتی ہیرے کی انگوٹھی پہنائی تھی۔ باقی ساری چیزیں بھی بہت خوب صورت اور قیمتی تھیں، کوئی ایک چیز بھی اسے خوش نہیں کر سکی تھی۔

اگلے دن صبح ہی صبح پرنسپل کا فون آ گیا، انہوں نے اسے کیمپس بلایا تھا...... وہ اس کا رزلٹ ساری کلاس کے ساتھ سیلیبریٹ کرنا چاہ رہے تھے۔ وہ ان سے بات کر کے بہت خوش ہوئی تھی...... مگر پھر جو اس نے رونا شروع کیا تو اس کے آنسو ہی نہیں تھم رہے تھے۔ ایسی خوشیاں تو اب اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اجنبی ہو چکی تھیں۔ ماما نے اسے بہت پیار کیا...... بابا نے نہ صرف اسے پیار کیا...... بلکہ ہزار روپے کا ایک نوٹ انعام میں بھی دیا۔

''چلو میں تمہیں اسکول ڈراپ کر دوں گا...... اور واپسی پر پک بھی کر لوں گا۔''

اس کے پاس کافی پیسے جمع ہو گئے تھے...... وہ اپنی پوری کلاس کو ٹریٹ دے سکتی تھی مگر جب دل ہی خوش نہ ہو...... وہ بادلِ ناخواستہ تیار ہو گئی تھی۔ صاف لگ رہا تھا وہ دل سے تیار نہیں ہوئی تھی۔ اس کے پورے وجود پر ایک اداسی چھائی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی...... اس نکاح سے کوئی بھی خوش نہیں تھا...... شاید بابا بھی نہیں...... وہ راستے بھر اسے سمجھاتے رہے۔

''دیکھو عالیہ! اچھے رشتے بار بار نہیں ملتے...... تم شادی کے بعد بھی تو پڑھ سکتی ہو...... بہت سی لڑکیاں شادی کے بعد پڑھتی ہیں۔''

''ہاں پڑھتی ہوں گی بابا...... ضرور پڑھتی ہوں گی۔'' وہ سوچ رہی تھی۔ ''بابا! جب آپ نے ہی مجھے پڑھنے نہیں دیا تو سسرال والے کس طرح پڑھنے دیں گے۔ فرح ممانی کہہ رہی تھیں سعود کی والدہ ایک اَن پڑھ اور نری جاہل عورت ہیں......'' عالیہ بابا کو یہ سب کچھ نہیں کہہ سکتی تھی...... وہ بھلا بابا سے یہ سب کس طرح کہہ سکتی تھی۔ وہ خاموشی سے آنسوؤں کو پیتی رہی...... حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ بابا سے پوچھے...... وہ اتنی جلدی اسے خود سے کیوں جدا کرنا چاہتے ہیں؟ کیا وہ اس سے تنگ آ چکے ہیں؟ کیا واقعی بیٹیاں والدین پر بوجھ ہوتی ہیں؟ مگر وہ ان سے ایک بھی سوال نہ کر سکی...... بابا اس کے ساتھ ہی پرنسپل کے دفتر تک آئے تھے، وہ ان سے مل کر بہت خوش ہو رہے تھے، اس کی ساری کامیابیوں کا کریڈٹ وصول کر رہے تھے، خوشی سے ان کا چہرہ دمک رہا تھا۔ عالیہ نے فخر سے ان کا سر بلند کر دیا تھا۔

اب اسے کالج نہیں جانا تھا، مزید پڑھائی نہیں کرنا تھی، اب اسے گھر پر ہی رہنا تھا، گھر داری سیکھنا تھی، ماما اور مہرین دن رات شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ وہ ان کے ہزار اصرار پر بھی بازار...... شاپنگ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں ہوتی تھی۔ اس نے باورچی خانے میں خود کو اس طرح مصروف کر لیا تھا کہ اب اس کے پاس سوچنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں تھا۔

اس عرصے میں اس کا رنگ نکھر کر اور بھی صاف ہو گیا تھا اس کی صحت پہلے کے مقابلے میں زیادہ اچھی ہو گئی تھی۔ سارا دن وہ مزے مزے کے کھانے بناتی، سارے گھر والوں کی داد وصول کرتی اور لمبی تان کر سو جاتی۔ شب و روز کی یہی مصروفیت تھی۔

☆☆☆

اور پھر وہ دن آ گیا...... جس کے آنے سے وہ بہت گھبراتی تھی۔ جس کے بارے میں وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی...... جس کا انتظار اس نے کبھی نہیں کیا تھا۔

اور وہ دن کتنی جلدی آ گیا۔ وہ سرخ رنگ کے عروسی لباس میں بے پناہ حسین لگ رہی تھی۔ قیمتی زیورات اور میک اپ میں...... اس نے آج زندگی

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں پہلی بار میک اپ کیا تھا۔ شرارے کے ساتھ اونچی ایڑھی کی جوتی پہنے وہ بہت دراز قد لگ رہی تھی۔ جس نے اسے دیکھا بے اختیار تعریفی کلمات اس کے منہ سے نکلے۔

بہت خوب صورت جوڑا تھا۔ شاید چاند اور سورج کی جوڑی والا محاورہ ان ہی کے لیے بنایا گیا تھا اور آج چاند اور سورج زمین پر اتر آئے تھے۔

رخصتی کے وقت وہ بہت روئی...... اور اس طرح روئی کہ بابا اور ماما کو اسے سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ ہر آنکھ اشک بار تھی۔ ماما کو تو یوں لگ رہا تھا جیسے ان کے دل کے ایک ٹکڑے کو ان سے الگ کر کے کوئی لے جا رہا تھا۔ بابا کے دل کی بھی یہی کیفیت تھی۔ ابھی کل کی تو بات تھی۔ ہمایوں کے بعد جب وہ پیدا ہوئی تھی تو وہ کتنے خوش ہوئے تھے۔ بسم اللہ پڑھ کر انہوں نے اسے گود میں لیا تھا۔ بیٹا اگر خدا کی نعمت تھا تو بیٹی اللہ کی رحمت تھی۔ اسے گود میں لے کر ان کا دامن خوشیوں سے بھر گیا تھا۔ انہوں نے پیار سے مغلوب ہو کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا اور فوراً شکرانے کے دو نفل پڑھے تھے۔ انہوں نے بہت شوق سے اس کا نام عالیہ رکھا تھا۔ عالیہ کے بعد اگرچہ ان کے گھر میں تین رحمتیں اور بھی آئی تھیں۔

مہرین، ایمن، اور فاطمہ بھی انہیں بے حد عزیز تھیں مگر عالیہ کی تو بات ہی اور تھی...... وہ بہت پیاری...... فرمانبردار اور لائق ترین بچی تھی۔ اس نے ہمیشہ فخر سے ان کا سر بلند کیا تھا اور رخصتی کے وقت بھی انہوں نے اسے یہی کہا تھا۔

''مجھے امید ہے عالیہ! جس طرح آج تک تم نے ہر جگہ میرا سر فخر سے بلند کیا ہے، اپنی سسرال جا کر بھی مجھے اسی طرح سر بلند رکھوگی۔'' وہ ان کے سینے میں چہرہ چھپائے روئے جا رہی تھی۔ چچی جان، پھپھو اور راحت خالہ اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھیں۔

''اتنی محنت سے کیے گئے میک اپ کو اس طرح رو رو کر خراب نہ کرو۔'' مگر اسے میک اپ کا ہوش کہاں تھا؟ بابل سے بچھڑنے کا غم...... بہن بھائیوں کو چھوڑنے کا دکھ...... اور بالکل اجنبی لوگوں کے درمیان جانے کا خوف...... ہر احساس پر حاوی ہوگیا تھا۔ پھولوں سے سجی ہوئی سفید بی ایم ڈبلیو میں مدھم سی موسیقی اور کسی بے حد اچھے ائر فریشنر کی خوشبو نے اندر کے ماحول کو بہت خوب صورت بنا رکھا تھا......

سعود آگے بیٹھے تھے اور پچھلی سیٹ پر وہ اپنی ساس کے ہمراہ بیٹھی تھی۔ اچانک ہی اس پر ایک گہری بے حسی طاری ہوگئی تھی۔ وہ کچھ بھی محسوس نہیں کر رہی تھی۔ نہ اے سی کی ٹھنڈک اور نہ وہ مہک......

اس کی خواب گاہِ عروسی کو بے حد خوب صورت انداز سے سجایا گیا تھا۔ گلابی دیواریں...... گلابی پردے...... گلابی قالین...... گلابی بیڈ کور...... اور گلابی رنگ کے گلابوں سے کمرا مہک رہا تھا۔

پنک شیڈ کے لیمپوں سے چھن چھن کر آتی روشنی کمرے میں ایک خوابناک سی فضا بنا رہی تھی۔ گلابی رنگ اس کا پسندیدہ رنگ تھا۔ اچانک ہی وہ سب کچھ اسے بہت اچھا لگنے لگا۔ تھوڑی دیر پہلے سعود کی ایک کزن نے اس کا میک اپ نئے سرے سے کیا تھا...... اور وہ توصیفی لہجے میں بولی۔

''بھابی آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔ آج تو سعود بھائی کی خیر نہیں۔''

''سعود ہے کہاں......؟'' کسی نے پوچھا تھا۔

''کہاں ہو سکتا ہے؟'' ایک طنز سے بھری تلخ آواز ابھری۔

''سعود کب آئے گا؟''

''فرصت ملے گی تو آئے گا ناں؟'' استہزائیہ کہا گیا۔

''کیا مطلب......؟''

''مطلب کیا تم نہیں جانتیں......؟ مطلب بھی میں ہی تمہیں سمجھاؤں؟''

یہ کس قسم کی گفتگو ہو رہی تھی۔ عالیہ کا دل

پریشان ہوگیا تھا۔

''چھوڑیں ان باتوں کو۔'' سعود کی وہی کزن جس نے اس کا میک اپ کیا تھا بولی۔ ''بھابی کو پریشان مت کریں، آپ چائے پئیں گی بھابی یا کافی؟ آپ جو لینا چاہیں...... تیار ہے۔''

''پلیز! مجھے کافی لا دیں۔''

کافی بہت ہی اچھی بنی ہوئی تھی۔ پی کر وہ ایک دم فریش ہوگئی۔ آہستہ آہستہ سب لوگ اٹھ کر چلے گئے تھے اور وہ کمرے میں اکیلی رہ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے...... سامنے کلاک میں اس نے وقت دیکھا...... تین بج رہے تھے تھکن اور نیند سے برا حال تھا۔ گاؤ تکیے کا سہارا لے کر اس نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی۔

نیند کے غلبے سے اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ تب ہی آہٹ ہوئی...... اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ سامنے اس کی ساس تھیں۔ وہ ان کے احترام میں کھڑی ہونے جا رہی تھی کہ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا۔

''لیٹی رہو...... کوئی ضرورت نہیں اٹھنے کی...... میرا خیال ہے تم کپڑے بدل لو...... سعود تو دیر سے آئے گا۔''

''جی......!'' وہ حیران رہ گئی۔ چار تو بجنے والے تھے۔ ''اب اور وہ کتنی دیر سے آئیں گے۔'' اس کا جی چاہا وہ ان سے پوچھے۔

''سعود کہاں گئے ہیں؟'' مگر وہ خاموش رہی۔

''یہ پھل اور مٹھائی رکھی ہے جی چاہے تو کھا لینا......''

''جی۔'' اور وہ پردے برابر کر کے چلی گئیں۔

ان کے جانے کے بعد وہ کتنی دیر تک حیران پریشان بیٹھی رہی۔

''کیا اس طرح ہوتا ہے؟ فلموں اور کہانیوں میں تو اس طرح نہیں ہوتا......'' ابھی تو سعود نے اسے دیکھا بھی نہیں تھا اور نہ عالیہ نے انہیں دیکھا تھا۔ آخر لڑکی دلہن اسی لیے بنتی ہے ناں...... سجتی اور سنورتی ہے کہ اس کے شوہر نے اسے پہلی مرتبہ دیکھنا ہوتا ہے۔ مگر یہاں تو شوہر صاحب پتا نہیں کہاں تھے؟ اور صبح ہونے والی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اٹھ کر کپڑے بدل لے۔ اس نے ایک ایک کر کے زیور اتارنا شروع کر دیے۔ دوپٹا تہ کر کے رکھا اور ڈریسنگ روم میں آ گئی اس نے شب خوابی کا لباس نکالا۔ سارے زیور سنبھال کر ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں رکھے...... اس نے دیکھا ڈریسنگ ٹیبل پر پانچ زیورات کے ڈبے رکھے تھے۔ اس نے کھول کر دیکھا وہ بے حد حسین اور قیمتی سیٹ تھے۔

ڈبے پر کارڈ چپکے ہوئے تھے۔ وہ اس کی ساس، سسر، نندوں اور سب کی طرف سے اس کے لیے تحائف تھے۔ وہ بہت حیران تھی کہ یہ کیا طریقہ تھا؟ یہ کون سا انداز تھا؟ کسی نے اسے ان کے بارے میں بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔ شاید صبح یہ لوگ اسے منہ دکھائی میں دیں گے۔ فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں، تب ہی سعود اندر آ گئے۔ وہ یک دم کھڑی ہوگئی۔ ''السلام علیکم......''

''ہیلو......'' وہ دوپٹے کے بغیر کھڑی تھی......

اسے عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آ گئے۔

''وہ میرا دوپٹا......'' وہ بے حد نروس ہو رہی تھی۔

''رہنے دو...... دوپٹے کے بغیر...... تمہارا یہ انداز آئی لائک اِٹ۔'' عالیہ پریشان ہوگئی۔ وہ شاید نشے کی حالت میں تھے...... وہ اس کے بے حد قریب کھڑے تھے ایک ناگوار سی بدبو سے اس کا دماغ الٹ رہا تھا۔ انہوں نے اسے کندھوں سے تھامنے کی کوشش کی تو ان کے قدم لڑکھڑا رہے تھے...... وہ تقریباً اس پر گر ہی پڑے تھے۔ عالیہ انہیں سہارا دے کر بیڈ تک لائی۔

''سوری! میں لیٹ ہوگیا۔ تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' وہ بے ربط بول رہے تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''وہ میں نے تمہارے...... لیے کچھ خریدا تھا۔ تمہیں منہ دکھائی میں دینے کے لیے...... تم دیکھ لو۔ یہیں کہیں رکھا ہوگا۔'' وہ بیڈ پر گر پڑے تھے۔ عالیہ تھوڑی دیر کھڑی رہی پھر اس نے اندازہ لگایا...... وہ سو چکے تھے اس نے جھک کر انہیں سیدھا کرنے کی کوشش کی، ان کے جوتے اور جرابیں اتاریں۔ اپنا لباس تبدیل کر کے اس نے وضو کیا...... اور وضو کرتے وقت اس کے آنسو جاری ہوگئے۔ کیا وہ نماز پڑھ رہی تھی؟ وہ تو روئے جا رہی تھی۔ اس کا پورا وجود لرز رہا تھا... یہ کیا تھا؟ اس نے سعود کو کس حال میں دیکھا تھا۔ صدمے سے اس کا دل پھٹ رہا تھا۔ ایسا تو وہ کبھی مر کر بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔ یہ اس کے لیے زندگی کا سب سے بڑا صدمہ تھا۔ بابا نے اپنی نیک اور پاکدامن بیٹی کے لیے یہ انتخاب کیا تھا...... کیوں......؟ یقیناً وہ نہیں جانتے ہوں گے؟ مگر کیوں...... وہ کیوں نہیں جان سکے، انہیں جاننا چاہیے تھا، انہیں اپنی بیٹی سونپنے سے پہلے پوری طرح سے اپنی تسلی کرنا چاہیے تھی، چھان بین کرنا چاہیے تھی، لوگوں سے پوچھنا چاہیے تھا، کوئی اس طرح کرتا ہے بابا...... اس طرح آنکھیں بند کر کے کوئی اپنی بیٹی کسی کے سپرد کرتا ہے، آپ نے ایسا کیوں کیا......؟ آپ کو اتنی جلدی کیا تھی، جب آپ خود ان لوگوں کو جانتے نہیں تھے تو رشتے داری کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو انسان مقدر کے کھاتے میں ڈال کر کیوں مطمئن ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ یہ تو نہیں کہتا...... کہ اپنے فرائض کی تکمیل کے لیے کسی پر اس طرح اندھا دھند اعتماد کر لیا جائے......! دکھ اور غصے سے اس کی بری حالت تھی...... نماز کے بعد وہ کوئی دعا مانگ ہی نہیں سکی...... اس کے سارے وجود پر ایک گہری تھکن طاری تھی اور سردی کے احساس سے اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ کمبل اوڑھ کر وہ صوفے پر لیٹ گئی۔ اس پر ایک غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ بہت جلد وہ گہری نیند سو گئی۔ ایسی نیند تو اسے آج بہت دنوں کے بعد آئی تھی اور جب اس کی آنکھ کھلی...... تو کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ سعود جانے کب اٹھ کر چلے گئے تھے۔ ایک عجیب سی بدمزگی کا احساس ہو رہا تھا۔ رات شاید اس نے کوئی بھیانک خواب دیکھا تھا۔ لگتا تھا اندر جیسے شیشے کی کوئی بہت نازک چیز چکنا چور ہوگئی تھی اور ساری کرچیاں پورے جسم میں پیوست ہوگئی تھیں۔ ایک شدید قسم کی تکلیف کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے وال کلاک میں وقت دیکھا...... دوپہر کے ساڑھے بارہ بجے تھے...... وہ کتنی دیر تک سوتی رہی تھی...... اسے صبح جلد اٹھنے کی عادت تھی۔ دیر تک سونا اسے پسند نہیں تھا مگر رات......

رات کس طرح اس کے دل کو پامال کر کے گزری تھی۔ اس کی روح تک دکھ کے احساس سے شکستہ تھی۔ وہ واش روم میں چلی گئی...... نہا کر اس نے ایک ہلکے کام والا جوڑا پہنا...... اپنے لمبے بالوں کو سادگی سے ایک ڈھیلی چوٹی کی صورت میں سمیٹا...... ہلکے رنگ کی لپ اسٹک لگائی...... اور ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی ہوئی پرفیومز کی بوتلوں میں سے ایک کا انتخاب کر کے اسپرے کیا...... تب ہی سعود کی بڑی بہن اندر آگئیں۔

''السلام علیکم......'' وہ ان کے احترام میں کھڑی ہوگئی۔ انہوں نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

''میرا تو خیال تھا کہ تم سو رہی ہوگی...... تیار ہوگئی ہو تو باہر آجاؤ...... سب لوگ ناشتا کر رہے ہیں۔''

''جی اچھا......'' وہ ان کے ہمراہ باہر آگئی۔ شادی والا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ وسیع و عریض میز کھانے کے انواع و اقسام سے بھری ہوئی تھی۔ تازہ پراٹھے اور آملیٹ کی خوشبو بہت اشتہا انگیز تھی۔ اسے ایک دم ہی بھوک کا احساس ہونے لگا۔

رات اس نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ اس نے خوب پیٹ بھر کر ناشتا کیا...... اور گرم گرم چائے پی کر جیسے وہ تازہ دم ہوگئی۔ وہاں بے شمار لوگ تھے مگر سعود وہاں نہیں تھے۔ عالیہ وہاں کسی کو نہیں جانتی تھی وہ چپ چاپ بیٹھی لوگوں کی باتیں سن رہی تھی کسی کی توجہ اس کی طرف نہیں تھی۔

وہاں کافی ہنگامہ تھا...... ایک افراتفری کا عالم تھا۔ سب لوگ رات ولیمے کی تیاریوں میں کافی پُرجوش تھے۔ لباس، رنگ اور زیورات زیر بحث تھے۔ وہاں شادی والے گھر کی ساری رونقیں تھیں مگر اس کا دل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اس کے اندر ایک گہری خاموشی تھی اور سناٹا...... پتا نہیں کیوں...... آنے والے وقت سے وہ خوفزدہ تھی۔ شاید یہ خاموشی کسی طوفان کے آنے سے پہلے والی خاموشی تھی۔

''عالیہ! سعود تمہیں بلا رہا ہے۔ اپنے کمرے میں جاؤ۔'' اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ کانپ گئی۔

''خدایا! کتنا مشکل لگ رہا ہے اپنے کمرے میں جانا......'' اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ وہ جب کمرے میں داخل ہوئی تو سعود... بیڈ پر دراز تھے۔

''آئیے جناب......'' وہ بہت خوش دلی سے بولے۔ ''کیا حال چال ہیں؟''

وہ سمٹ کر رہ گئی۔

''پلیز ذرا دروازہ لاک کر دو۔''

''جی......؟'' وہ ٹھٹک کر کھڑی رہ گئی۔

''میں نے کہا محترمہ...... دروازہ بند کر دیجیے۔'' اس نے دروازہ لاک کر دیا۔

''اب یہاں تشریف لے آئیں......'' سعود نے اپنے پہلو میں اس کے لیے جگہ بنائی۔ وہ آہستگی سے بیٹھ گئی۔

اس کی رضا کے بغیر انہوں نے اس کی عزت نفس کو کس طرح پامال کیا تھا۔ وہ روئے جا رہی تھی اور سعود اسے حیران ہو کر دیکھ رہے تھے۔

''کیا تم اس شادی سے خوش نہیں ہو؟'' عالیہ نے حیرت سے دیکھا۔

''کیا مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ......'' وہ ہنسے۔

''کیا کوئی یار...... یاد آرہا ہے...... یا کوئی پرانا عاشق...... رو کیوں رہی ہو؟'' وہ رونا بھول گئی۔ وہ صدمے سے ساکت ہوگئی۔ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ سعود نے ایک قہقہہ لگایا۔

قارئین متوجہ ہوں
پرچا نہیں ملتا
کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔
☆ بک اسٹال کا نام جہاں پرچا دستیاب نہ ہو۔
☆ شہر اور علاقے کا نام۔
☆ ممکن ہو تو بک اسٹال کا PTCL یا موبائل فون نمبر
رابطے اور مزید معلومات کے لیے
ثمر عباس
03012454188
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
سسپنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگزشت
C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی
مندرجہ ذیل فون نمبرز پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں
35802552-35386783-35804200
ای میل: jdpgroup@hotmail.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ویسے کیا چیز ہو ایمان سے......"

وہ کیا کہہ رہے تھے؟ اسے چکر سا آرہا تھا...... اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ لگتا تھا جیسے چھت اس پر آگری تھی۔ وہ کہیں بہت نیچے ملبے تلے دب گئی تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا، اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ زندگی میں کبھی کوئی اس قسم کے سوال بھی کرے گا؟ اس کے بارے میں ایسا کوئی سوچ بھی کس طرح سکتا ہے؟ کیا کوئی اس قسم کی باتیں بھی کرسکتا ہے؟ وہ کروٹ بدل کر اطمینان سے سوگئے تھے۔ وہ بھلا کس طرح جان سکتے تھے کہ عالیہ پر کیا گزری تھی۔ وہ جان بھی نہیں سکتے تھے۔ اس نے اپنے ٹوٹے ہوئے وجود کو بڑی مشکل سے سمیٹا...... اور واش روم میں چلی گئی۔ شاور کے نیچے کھڑی ہو کر وہ کتنی دیر تک روتی رہی۔ نہا کر اس نے لباس تبدیل کیا...... اور عصر کی نماز ادا کی۔ اللہ کے حضور کھڑے ہوتے ہی پھر اس کے آنسو جاری ہوگئے۔

"کیوں...... باری تعالیٰ کیوں......؟ میرے ساتھ اس طرح کیوں ہوا...... میرا قصور کیا تھا......؟" صدمے سے اس کا وجود چُور چُور تھا۔ اس کا جوڑ جوڑ دُکھ رہا تھا۔ اسے سخت سردی لگ رہی تھی۔

حالانکہ وہ مارچ کی خوشگوار گرم دوپہر تھی۔ مگر اس کا جی چاہ رہا تھا لحاف اوڑھ کر وہ سوجائے۔ کاش وہ ہمیشہ کی نیند سوجائے، کوئی اسے کبھی نہ جگائے، کوئی اسے نہ دیکھے، وہ اپنی شکل کسی کو نہ دکھائے، تب ہی دروازے پر دستک ہوئی، اس نے دروازہ کھولا تو سامنے چھوٹی آپا کھڑی تھیں۔

"چلو عالیہ! پارلر جانا ہے...... جلدی سے سامان لے کر آجاؤ، پہلے ہی دیر ہوچکی ہے۔" وہ سامان لے کر ان کے ہمراہ باہر آگئی۔ اس نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا ایک رات اور ایک دن میں ساری دنیا ہی بدل گئی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا اس پر کیا گزری تھی۔ اس رات وہ شہر کے مہنگے ترین پارلر سے تیار ہوئی تھی۔ لاکھوں کا جوڑا اس نے زیب تن کیا تھا۔ انتہائی قیمتی ہیروں اور پرلز کا سیٹ پہنا تھا۔ سفید رنگ اس پر ہمیشہ سے جچتا تھا۔ وہ سفید رنگ کا عروسی جوڑا اسے پسند آیا تھا...... مگر وہ جانتی تھی وہ ذرا بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ اپنا آپ اسے اجنبی لگ رہا تھا۔ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ کر اس نے سوچا تھا۔

"یہ تو وہ عالیہ نہیں ہے جسے کل ماما اور بابا نے رخصت کیا تھا۔ وہ عالیہ تو آج دوپہر کو مرگئی۔ اس وقت تو سب کے سامنے اس کا مُردہ وجود ہے...... جسے ان لوگوں نے قیمتی جوڑے زیورات سے سجادیا ہے۔"

اس رات وہ کوشش کے باوجود بھی اپنے لبوں پر مصنوعی مسکراہٹ نہ سجاسکی۔

ماما، بابا، ہمایوں، مہرین، فاطمہ اور ایمن کسی سے مل کر اسے خوشی نہیں ہوئی تھی۔ سارے رشتے دار اس کے لباس اور زیورات کو سراہ رہے تھے، اس کی سسرال کی شان وشوکت اور کروفر سے مرعوب ہورہے تھے مگر وہ بالکل خاموش تھی۔ دوسری رات عالیہ نے سعود کا انتظار نہیں کیا۔ وہ جانتی تھی وہ دیر سے آئیں گے، اسی میں عافیت تھی۔ اس نے لباس تبدیل کیا عشا کی نماز پڑھی اور ساری بتیاں بجھا کر وہ سوگئی۔ صبح دم سعود آگئے۔ آج بھی انہوں نے پی رکھی تھی۔ آج بھی ان کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی ساری بتیاں جلادیں، روشنی آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔

"عالیہ! کیا سوگئی ہو؟" وہ چپ رہی۔

"بیوی! آج آپ سفید رنگ میں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔" ان کا لہجہ نرم تھا اور بہت دھیما...... دوپہر کے مقابلے میں وہ بدلے بدلے لگ رہے تھے۔

"آپ کو میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا......؟ آپ سوجائیں۔" ان کی شخصیت کی ساری سختی اور

لہجے کی کرختگی کہیں کھوگئی تھی۔ سعود نے عالیہ کی خاموشی کو محسوس ہی نہیں کیا تھا۔ خود ہی جھک کر اپنے جوتے اتارنے کی کوشش کی تو وہیں نیچے قالین پر گر پڑے۔ ان کے مدھم خراٹوں کی آواز سے اس نے اندازہ لگایا...... وہ سوچکے تھے۔ فجر کی اذانیں ہورہی تھیں۔ عالیہ نے اٹھنے کی کوشش کی مگر وہ تیز بخار میں جل رہی تھی۔ اس سے اٹھا نہیں گیا۔

صبح اس کی آنکھ کھلی...... تو پتا چلا...... کہ بابا اور ہمایوں اسے لینے کے لیے آئے ہوئے ہیں اور ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔ وہ تیار ہوگئی ناشتا کرنے کو اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ ملازم نے اس کا سامان گاڑی میں رکھ دیا تھا۔ سعود ابھی تک سو رہے تھے۔ وہ بابا کے ہمراہ آگئی۔ سارا راستہ اس پر ایک گہری چُپ طاری تھی۔ ہمایوں نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی مگر وہ جانے کہاں گم تھی؟ وہ سوچ رہی تھی۔.. ان دو دنوں میں جیسے وہ دو صدیاں جی آئی تھی۔ ہزاروں سالوں کی تھکن نے جیسے اس کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

ماما اور ساری بہنیں اس کے انتظار میں کھڑی تھیں۔ ماما نے اسے اپنے سینے میں چھپالیا۔

"میری بیٹی! میری عالیہ...... کیا حال ہے بچے؟" وہ کیا حال سناتی......! جیسے آنسوؤں پر باندھے ہوئے سارے بند ٹوٹ گئے۔ وہ بے اختیار رو رہی تھی۔ ماما اسے پیار سے چپ کرا رہی تھیں، بابا اور بہنیں اسے پریشان ہوکر دیکھ رہے تھے اور ہمایوں کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے تھے۔ وہ نہیں جانتا تھا...... وہ کیوں رو رہی تھی۔ اس کی بہن جو پرائی ہوگئی تھی...... وہ دل ہی دل میں کُڑھ رہا تھا۔ شاید کچھ غلط ہوگیا تھا۔ صحیح نہیں ہوا تھا۔ ماما اسے اپنے کمرے میں لے آئی تھیں۔

"عالیہ! کیوں رو رہی ہو؟"

"ماما! وہ سعود...... وہ لوگ......" پتا نہیں وہ کیا کہنے جارہی تھی...... ماما نے اسے وہیں روک دیا تھا۔

"بس...... بس عالیہ! اب سعود تمہارا شوہر ہے اور وہ لوگ...... تمہاری سسرال...... میں تمہاری کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں...... اپنی قمیص اٹھاؤ تو انسان خود ہی ننگا ہوتا ہے۔ اب شوہر اور سسرال کی عزت تمہارے ہاتھ میں ہے اور سسرال کی عزت لڑکیاں خود بناتی ہیں۔" عالیہ رونا بھول گئی...... ان کے لہجے میں جانے کیا تھا، وہ ایک بھی لفظ نہ کہہ سکی۔ ان کے چہرے پر جانے کیا تھا؟ وہ اپنا حال بُھول گئی۔

وہ بخار میں تپ رہی تھی۔ اپنے کمرے میں آکر جو وہ بستر پر گری...... تو اسے کچھ ہوش نہیں رہا۔ اگلے دن تک وہ سوتی رہی...... اس کی حالت دیکھ کر ہر کوئی دم بخود تھا مگر کسی نے اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا اگر اس سے کوئی پوچھتا بھی تو وہ کیا بتاتی......؟ اور ماما نے تو اس کے لبوں پر خاموشی کی مُہر ثبت کردی تھی۔ اب وہ ساری عمر زبان نہیں کھول سکتی تھی۔ وہ نوشتۂ تقدیر پڑھ چکی تھی۔ وہ بابا سے کیا کہتی؟ اپنی اتنی پیاری بیٹی کو وہ اپنے دوست کی محبت پر قربان کرچکے تھے۔ اپنی چھوٹی کنواری بہنوں کو وہ اپنی شادی شدہ زندگی کا احوال کیا کہتی......؟ اپنے پیارے بھائی کو وہ کسی صدمے سے دوچار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی زندگی کے اس سفر میں وہ بالکل تنہا تھی...... اور سفر کتنا کٹھن تھا۔ اس کا اندازہ اسے پہلے ہی دن ہوگیا تھا۔ اس رات جب سعود اسے لینے کے لیے آئے تو وہ چپ چاپ ان کے ساتھ چلی آئی۔

☆☆☆

شادی کے ہنگامے سرد پڑ گئے تھے۔ تقریباً سارے مہمان جاچکے تھے۔ وہ اپنی خواب گاہ سے باہر آئی...... تو سب لوگ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ شاید کوئی بے تکلف مہمان آئے ہوئے تھے۔ ورنہ تو مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھادیا جاتا تھا۔ وہ دو

WWW.PAKSOCIETY.COM

انتہائی فیشن ایبل خواتین تھیں...... کٹے ہوئے بال...... سلیولیس شرٹس...... گہرا میک اپ...... ایک خاتون ٹانگ پر ٹانگ رکھے سگریٹ کے کش لگا رہی تھیں۔ وہ جھجک گئی۔

”آؤ...... آؤ عالیہ!

”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام مسز سعود...... کیا حال ہے؟“

”جی میں ٹھیک ہوں۔“

”آؤ بیٹھو......“ وہ بیٹھ گئی...... تب ہی سعود بھی آگئے...... وہ کالا کوٹ اور سفید پینٹ پہنے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں بریف کیس تھامے شاید وہ کورٹ سے گھر آئے تھے۔ ان خواتین کو دیکھ کر وہ کھل اٹھے۔

”آہا...... آج تو بڑے بڑے لوگ آئے ہوئے ہیں، اور سناؤ، نفیسہ...... نتاشا کیا حال ہیں؟“ وہ ان سے گلے مل رہے تھے۔ گال سے گال ملا کر پیار کر رہے تھے۔

”میری بیگم سے ملے آپ لوگ......؟“

”ہاں بھئی سودی...... تمہاری بیگم تو بہت پیاری ہیں۔ بڑے خوش قسمت ہو بھئی۔“

”امی جی! کوئی خاطر شاطر تو کریں ہمارے مہمانوں کی......“

”ہاں سودی! میں نے کہہ دیا ہے...... کہ کھانا کھا کے جانا...... میں ایسے نہیں جانے دوں گی۔ چائے خانساماں لے کر آرہا ہے۔“

”اور سودی کیا حال ہے...... بڑے خوش نظر آرہے ہو۔“

”کیوں، خوش نہیں ہونا چاہیے......؟“ وہ ہنسے۔

”کیوں نہیں......“

”نتاشا! تم میری شادی پر کیوں نہیں آئیں؟“

”یہ صدمہ میں برداشت نہیں کرسکتی تھی۔“ ایک زبردست قہقہہ پڑا...... ان کی ہنسی میں امی بھی شامل تھیں۔ یہ کس قسم کی گفتگو ہورہی تھی...... عالیہ کو الجھن ہورہی تھی۔

”عالیہ! ان سے ملو...... یہ میری دوست نفیسہ اور یہ نتاشا ہیں...... میری بہت پرانی دوست......“

”جی میں مل چکی ہوں۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”میں ذرا فریش ہوجاؤں......“ سعود کہتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھے۔ عالیہ بھی ان کے پیچھے ہی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

”کیسی لگیں میری فرینڈز......؟“ وہ بہت خوش ہو کر پوچھ رہے تھے۔

”کیا مردوں کی دوست عورتیں بھی ہوتی ہیں؟“ وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

”کس دنیا میں رہتی ہو بیوی......؟“ وہ ہنسے۔

عالیہ نے ان کا کوٹ لے کر ہینگر میں لٹکایا۔

آج پہلی مرتبہ اسے پتا چلا...... کہ وہ کتنے خوش شکل اور وجیہہ تھے۔ چھ فٹ کے قریب قد...... بہت صحت مند اور کسرتی جسم تھا...... صاف گندمی رنگت...... سیاہ بڑی بڑی آنکھیں...... کشادہ پیشانی اور گھنے سیاہ بال...... بھرے بھرے ہونٹ اور گھنی مونچھوں نے انہیں بہت خوبرو اور وجیہہ بنادیا تھا۔

”کاش اس اچھی شکل کے ساتھ ساتھ اگر وہ اچھے کردار کے مالک بھی ہوتے...... تو...... کاش ان کا مقدر ہی اتنا اچھا ہوتا......“ عالیہ نے سوچا۔ بے اختیار...... اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

اگلے دن جب وہ اپنا بستر وغیرہ بنا کر کمرے سے باہر آئی تو آج پھر لاؤنج میں ان کے خاص مہمان آئے ہوئے تھے۔

”عالیہ! آؤ...... یہ میرے بیٹے کی دوستیں ہیں، ان سے ملو آکے یہ فضیلہ ہے...... اور یہ آسیہ۔“

آج پھر ایک نیا صدمہ منہ کھولے کھڑا تھا......

”خدایا! کیا اب ہر روز ان صدموں سے گزرنا پڑے گا۔ میں آخر کہاں تک برداشت کروں گی... اور کیا دیکھوں گی......؟“

”یا اللہ!“ اس نے دعا مانگی...... ”مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈال جو میں برداشت نہ کرسکوں...... بے شک تو اپنے بندوں کو ان کے ظرف سے بڑھ کر نہیں آزماتا۔“

اسے بہت افسوس ہورہا تھا۔ کیا سعود کا ٹیسٹ اتنا خراب تھا...... وہ دونوں انتہائی تھرڈ کلاس قسم کی عورتیں تھیں۔ بالکل ان پڑھ...... جاہل...... گنوار عجیب طرح باتیں کرتی ہوئی...... شوخ میک اپ...... شوخ ملبوسات...... اور انتہائی فضول قسم کے زیورات پہنے ہوئے تھیں۔

ناک میں نتھنی...... کانوں کی پوری لو بالیوں سے بھری ہوئی تھیں...... ہاتھوں اور پیروں میں انتہائی فضول قسم کی انگوٹھیاں پہنی ہوئی تھیں۔ انتہائی گھٹیا اور واہیات باتیں...... اور بے ہودہ قسم کے مذاق...... جنہیں امی جی اور دونوں بہنیں بہت انجوائے کر رہی تھیں۔

چھوٹی آپا کے پاس بے ہودہ قسم کے لطیفوں کا کافی ذخیرہ تھا...... جس سے نہ صرف امی جی بلکہ وہ سب بہت لطف اندوز ہورہی تھیں۔ جبکہ عالیہ بدمزہ ہورہی تھی...... وہ ان کی باتوں پر مسکرا تک نہیں سکی...... وہ دونوں خواتین شاید بہت جلدی میں تھیں۔ چائے پی کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ امی جی انہیں کھانے کے لیے روک رہی تھیں۔

”کھانا کھا کے جانا...... سودی کو آجانے دو پھر۔“

”پھر کسی دن آئیں گے...... آج تو ہم سودی کی دلہن کو دیکھنے آئے تھے۔“

انہوں نے سعود کا انتظار نہیں کیا تھا...... آپا انہیں گیٹ تک چھوڑنے گئی تھیں۔

”امی جی! سعود کی ایسی فضول عورتیں بھی دوست ہیں؟“

”کیا مطلب ہے تمہارا......؟“ انہیں عالیہ کا سوال بہت برا لگا تھا۔

”میرا مطلب ہے...... کل بھی ایسی ہی چیپ سی عورتیں آئی تھیں۔

”تمہیں کیا تکلیف ہے...... اپنی حد میں رہو... نہیں تو مجھ سے مار کھاؤ گی......“

”جی!“ وہ حیران رہ گئی۔

”جی......“ انہوں نے اس کا منہ چڑایا...... ”منہ سنبھال کے بات کیا کرو...... نہیں تو ایسا تھپڑ پڑے گا کہ دن میں تارے نظر آجائیں گے۔“ وہ دہاڑ دہاڑ بول رہی تھیں۔ عالیہ ڈر گئی۔ وہ انتہائی غصے میں تھیں...... عالیہ بری طرح ڈر گئی...... ان سے کچھ بعید نہیں تھی کہ وہ اسے مار بھی سکتی تھیں۔ وہ سر جھکا کر خاموشی سے سنتی رہی۔ اس رات سعود جب کمرے میں آئے تو بے حد غصے میں تھے۔

”یہ آج تم نے کیا بکواس کی تھی؟“

”جی......؟“

”امی جی بتا رہی تھیں کہ تم نے میری دوستوں کو برا بھلا کہا ہے۔“

”برا بھلا تو نہیں......“ وہ اپنی صفائی پیش کرنا چاہتی تھی مگر سعود دہاڑ کر بولے۔

”اگر آئندہ ایسی بکواس کی تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔“

صدمے کے مارے وہ گنگ ہوگئی تھی۔ وہ ایک لفظ بھی نہیں بول سکی...... جتنے غصے میں وہ آئے تھے اس سے زیادہ غصے میں وہ کمرے سے باہر چلے گئے۔ اسے چکر سا آگیا...... وہ کس قسم کے لوگوں میں آگئی تھی؟ ایک دم ہی دل متلانے لگا...... وہ تیزی سے اٹھ کر واش روم میں گئی...... تو اسے قے ہوگئی...... اب یہ نئی افتاد کیا تھی......؟ کہیں اسے ہیضہ نہ ہوگیا ہو......

طبیعت تھی...... کہ سنبھل ہی نہیں رہی تھی...... وہاں کوئی نہیں تھا، وہ کس کو بتاتی...... امی جی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اس نے سوچا وہ ماما کو بتائے...... مگر وہ کون سا اس کا دکھ بانٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM

لیں گی...... اُلٹا اسی کو ڈانٹ دیں گی اور ڈانٹ کھانے کو اس کا جی نہیں چاہ رہ تھا۔ اس نے فریج کھول کر دیکھا...... وہ ڈرنکس اور فروٹ سے بھرا ہوا تھا...... چاکلیٹ اور آئسکریم بھی تھی...... اس نے دو آلو بخارے دھو کر کھائے...... اور نڈھال سی ہو کر لیٹ گئی۔ دوپہر شام میں ڈھل گئی تھی...... کسی نے اسے دوپہر کے کھانے تک کا نہیں پوچھا تھا...... وہ کچن میں چلی آئی...... خانساماں چائے بنا رہا تھا۔

''چھوٹی بیگم صاحب...... کچھ چاہیے جی؟''

''کھانے کے لیے کیا ہے؟''

''آپ نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا...... بیگم صاحب! آپ اپنے کمرے میں جائیں...... میں کھانا گرم کر کے لاتا ہوں۔''

''شکریہ۔''

کھانا بے حد لذیذ تھا...... خانساماں کے ہاتھ میں بہت لذت تھی۔ اس نے خوب سیر ہو کر کھایا...... رات کو سعود کا موڈ اچھا تھا مگر وہ بالکل چپ تھی...... اکثر وہ گھر پر ہی اپنا پینے پلانے کا شوق پورا کر لیا کرتے تھے۔ بیئر کے کین سے فریج لدا ہوا تھا۔ ان کو اس طرح پیتے ہوئے دیکھنا بہت تکلیف دہ تھا۔ وہ اٹھ کر باہر لان میں چلی جایا کرتی تھی۔ اس طرح واک بھی ہو جاتی تھی اور تسبیحات بھی مکمل ہو جاتی تھیں۔ آج بھی جب وہ اٹھ کر جانے لگی...... تو سعود نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''کہاں جا رہی ہو...... بیٹھ جاؤ۔'' وہ صوفے پر ان کے قریب بیٹھ گئی لیکن اس کا دل متلا رہا تھا۔ وہ ابکائیاں لیتے ہوئے اٹھی...... تو سعود نے اسے حیران ہو کر دیکھا۔

''کیا ہوا ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے......؟'' وہ دوڑ کر واش روم میں چلی گئی...... الٹیاں کر کر کے وہ نڈھال ہو رہی تھی۔ منہ دھو کر جب وہ باہر آئی...... تو سعود مسکرائے۔

''خیر ہے...... الٹیاں کیوں آ رہی ہیں؟ کہیں پریگننٹ تو نہیں ہو گئی ہو؟''

''کیا......؟'' اسے ایک شاک سا لگا۔

''ہاں...... ٹیسٹ کروانا پڑے گا۔ صبح ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ لیکن تم سیلف ٹیسٹ بھی کر سکتی ہو۔ یہ میرے پاس کچھ اسٹکس رکھی ہیں۔'' وہ سائڈ ٹیبل کی دراز میں کچھ ڈھونڈ رہے تھے پھر انہوں نے اسے طریقہ سمجھایا۔ وہ ان سے پوچھنا چاہتی تھی کہ یہ انہوں نے گھر پر اپنی سائڈ ٹیبل کی دراز میں کس کے لیے رکھی ہوئی تھیں مگر وہ خاموش رہی...... وہ خوش نہیں تھی...... وہ اتنی جلدی ماں نہیں بننا چاہتی تھی...... وہ اس ماحول میں بچہ پیدا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس رشتے کو مضبوط نہیں بنانا چاہتی تھی۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی نیا رشتہ قائم نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اس کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے کیا یہ اس کے اختیار میں تھا؟ سعود ٹیسٹ میں بہت دلچسپی لے رہے تھے۔ رزلٹ پوزیٹو تھا...... وہ بے حد خوش ہوئے۔

''صبح اسپتال چلیں گے...... گائناکولوجسٹ سے ملنا ہو گا۔ صبح تیار ہو جانا۔''

''جی اچھا......'' وہ نڈھال سی لیٹی رہی...... اور سعود اس کے سامنے بیٹھ کر پیتے رہے۔

پتا نہیں کیوں...... اسے رونا آئے جا رہا تھا۔ آنے والا بچہ اس گھر میں آ کر کیا ماحول دیکھے گا......؟ اس دن جب اسپتال سے وہ گھر آئی تو پہلی مرتبہ اس کے سسر اس کے کمرے میں آئے...... وہ بے حد خوش تھے۔ انہوں نے اسے مبارک باد دی...... اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دعائیں دیں۔ اس شام کو ماما اور بابا پہلی مرتبہ اس کے گھر آئے مٹھائی اور پھل لے کر۔ وہ بہت خوش تھے۔

''تم پریشان کیوں ہو عالیہ؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے...... اللہ تعالیٰ تمہیں اتنے بڑے اعزاز سے نواز رہا ہے۔''

''جی ماما...... میں خوش ہوں......''

''لگ تو نہیں رہی ہو......''

''وہ مجھے الٹیاں آ رہی ہیں ناں......''

''الٹیاں تو اس حال میں آتی ہیں...... یہ تو نارمل بات ہے، کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔''

''جی اچھا!''

''سب لوگ کتنے اچھے ہیں...... سعود تمہارا کتنا خیال رکھتا ہے...... تمہاری ساس اور نندیں کتنی اچھی ہیں، گھر بار، نوکر چاکر، گاڑیاں...... کسی چیز کی کمی نہیں ہے...... اللہ کا شکر ادا کیا کرو...... اللہ نے تمہیں زندگی کی ہر نعمت سے نوازا ہے...... خوش رہا کرو...... ویسے بھی اس حال میں خوش رہنا بہت ضروری ہے۔''

''جی اچھا......'' ماما کی باتیں سن کر وہ ایک گہرے دکھ میں ڈوب گئی۔ وہ ان سے پوچھنا چاہتی تھی کیا گھر بار، نوکر چاکر اور گاڑیاں زندگی کی خوشیوں کی ضمانت ہوتی ہیں مگر وہ ان سے بحث نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ اس کے لیے دستورِ زباں بندی نافذ کر دیا گیا تھا۔ اسے ماما سے بہت گلہ تھا...... ماں ہو کر وہ اس کا حال نہیں جانتی تھیں تو پھر کوئی دوسرا کس طرح جان سکتا تھا؟ اس ایک سال کے عرصے میں وہ صرف دو تین مرتبہ ہی میکے گئی تھی۔ دل کے اندر کہیں وہ ان سے ناراض تھی...... ان سے ملنے کو اس کا جی ہی نہیں چاہتا تھا...... کبھی کبھی اس کا جی چاہتا وہ ماما سے پوچھے...... بظاہر جو نظر آ رہا ہوتا ہے کیا حقیقت میں بھی اسی طرح ہوتا ہے......؟ وہ ماں ہو کر نہیں جان سکتی تھیں تو وہ بابا سے کیا امید رکھتی...... ان کی چار بیٹیاں تھیں...... اور بقول ان کے وہ اپنی ایک بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہو گئے تھے یعنی ایک بیٹی کے بوجھ سے آزاد ہو گئے تھے۔ جب بھی ماما سے بات ہوتی...... وہ اسے سمجھاتیں۔

''تمہیں خود کو ان کے ماحول کے مطابق ڈھال لینا چاہیے...... مرد تو دراصل اپنے ہی ماحول میں ہوتا ہے۔ بدلنا تو لڑکی کو پڑتا ہے...... لڑکی کو اپنے آپ کو مٹا کر سسرال کی پسند اور خواہش کے مطابق......'' اور اس نے تو اپنے آپ کو فنا کر دیا تھا...... مگر پھر بھی شوہر کے دل میں کوئی جگہ نہیں بنا پائی تھی...... اور نہ اپنی ساس کی نظروں میں کوئی مقام حاصل کر سکی تھی۔ شاید شادی شدہ زندگی ایسی ہی ہوتی ہو گی......! بظاہر نظر آنے والی زندگی حقیقت میں اتنی ہی مختلف ہوتی ہو گی۔ بظاہر خوش نظر آنے والی عورتیں اندر سے اتنی ہی ناخوش ہوتی ہوں گی مگر عالیہ نے ہوش سنبھال کر اپنے گھر میں تو ایسا نہیں دیکھا تھا...... ماما حقیقت میں خوش تھیں...... بابا ان کی عزت کرتے تھے...... ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ان کا گھر تو امن، چین اور خوشیوں کا گہوارہ تھا۔ ماما بھلا اس کا دکھ کیسے جان سکتی تھیں...... جبکہ وہ اس آگ کے سمندر سے گزری ہی نہیں تھیں......؟

☆☆☆

اس دن بھی اس کی طبیعت بہت خراب تھی...... صبح کے وقت بستر سے اٹھا ہی نہیں جاتا تھا...... اس عرصے میں وہ بہت کمزور ہو گئی تھی۔

''اٹھ جاؤ عالیہ بیگم...... کیا منحوس شکل لے کر لیٹی رہتی ہو......؟'' سعود طنز سے بھرے لہجے میں بولے۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''بی بی تم انوکھا بچہ نہیں پیدا کر رہی ہو، دنیا کی ساری عورتیں یہی کام کرتی ہیں۔ کبھی اٹھ کر خاوند کو اپنے ہاتھ سے ناشتا کروایا کرو، اس کے کپڑے استری کیا کرو، اس کے جوتے پالش کیا کرو، اپنے ہاتھ سے اسے ٹائی باندھا کرو، محبت سے مسکرا کر اسے گیٹ تک رخصت کیا کرو۔'' وہ خاموشی سے سنتی رہی...... شاید وہ سچ کہہ رہے تھے۔ اسے یہ سب کچھ کرنا چاہیے...... اس کی طبیعت ذرا سنبھل جائے تو وہ ضرور ان کی اس خواہش کو پورا کرے گی۔ دراصل ان کے گھر میں ہر کام نوکروں کے سپرد تھا۔ ملازموں

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی ایک فوج تھی، جو بڑے اچھے طریقے سے اپنے فرائض انجام دیتی تھی۔ سعود ٹھیک کہتے ہیں...... آخر بیوی کی بھی کچھ ذمے داریاں ہوتی ہیں، اسے خود پر شرمندگی ہورہی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو......؟''

''کچھ نہیں......'' وہ نادم سی بولی۔

''میں کیا بکواس کررہا ہوں......'' وہ شدید غصے میں بولے۔

''میں نے سنا نہیں......''

''تم نے سنا نہیں...... کیا تم بہری ہو......؟ اٹھو...... بستر کا پیچھا چھوڑو...... کیا بیماروں کی طرح سارا دن پڑی رہتی ہو، امی بھی کل یہی کہہ رہی تھیں۔''

''اچھا...... تو یہ امی جی کی پڑھائی ہوئی پٹی ہے۔'' بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا۔

''کیا کہہ رہی ہو...... امی جی کی شان میں گستاخی کررہی ہو......'' انہوں نے ایک جھٹکے سے اسے بستر سے اٹھایا...... اور اپنے سامنے کھڑا کردیا...... بالوں سے کھینچ کر اس کا چہرہ قریب کیا۔

''کس بات کا تمہیں غرور ہے؟ بتاؤ...... جواب دو...... بولتی کیوں نہیں ہو؟ جواب دیتے ہوئے تمہاری شان میں کمی آتی ہے۔ پریگننٹ ہوکر اِترا رہی ہو، ابھی ٹھڈوں اور مکوں سے تمہارا مزاج درست کردوں گا...... سمجھیں...... نہ یہ بچہ رہے گا...... اور نہ یہ تمہارا گھمنڈ......'' وہ چیخ چیخ کر بول رہے تھے...... اور وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کا رنگ خطرناک حد تک زرد ہوگیا تھا۔ انہوں نے ایک جھٹکا دے کر اسے نیچے گرادیا...... وہ اب ان کی ٹھوکروں کی زد میں تھی...... اس میں اتنی بھی سکت نہیں تھی کہ وہ چیخ ہی سکتی، تکلیف کی شدت سے وہ کراہ رہی تھی...... بند ہوتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس نے دیکھا...... امی جی اور بڑی آپا اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں...... اس نے سوچا وہ اسے سعود سے بچالیں گی...... مگر وہ ہنس رہی تھیں۔

''سودی اور مار!'' صدمے اور تکلیف کی انتہا ہوگئی تھی۔ اس کا ذہن مکمل اندھیرے میں ڈوب گیا۔ پتا نہیں وہ کتنی دیر بے ہوش پڑی رہی تھی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے اٹھنا چاہا...... تو کراہ کر گر پڑی...... جوڑ جوڑ دُکھ رہا تھا۔ معلوم نہیں وہ ٹھیک بھی تھی کہ نہیں، اس کا بچہ زندہ بھی تھا کہ نہیں...... پہلا خیال اسے یہی آیا تھا۔

''یا اللہ خیر...... کہیں بچے کو نہ کچھ ہوگیا ہو؟''

تب ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی...... وہ سننا نہیں چاہتی تھی اس میں اتنی ہمت نہیں تھی۔ مگر گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ اس نمبر پر سوائے ماما اور بابا کے اور کوئی فون نہیں کرتا تھا...... اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

''عالیہ! تم کہاں ہو...... فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نہ؟''

''جی ماما...... میں ٹھیک ہوں......''

''نہیں...... مجھے تمہاری آواز ٹھیک نہیں لگ رہی...... تمہارے بابا چاہتے ہیں کہ تم کچھ دنوں کے لیے ہمارے گھر آجاؤ...... آج انہوں نے تمہارے سسر سے بات کی ہے۔''

''جی اچھا......'' اس نے ریسیور رکھ دیا...... شکر ہے، وہ خود ہی بولتی رہی تھیں...... ورنہ وہ اپنا بھرم کس طرح رکھ سکتی تھی۔ سارا دن وہ اپنے کمرے میں اکیلی بستر پر پڑی رہی تھی۔ کسی نے اس کا حال تک نہیں پوچھا تھا۔ شام کو اس کے سسر دروازے پر دستک دے کر اندر آگئے۔

''عالیہ بچے! کیا حال ہے؟''

''جی، میں ٹھیک ہوں۔''

''تمہارے ابا کا فون آیا تھا...... تم پیکنگ کرلو...... میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔''

''جی اچھا...... مگر سعود سے تو پوچھا ہی نہیں۔''

''میں اسے بتادوں گا...... تم تیار ہوجاؤ۔''

اوہ خدایا! جیسے ہوا کا ایک خوشگوار جھونکا آیا تھا۔ اس کی ساس گھر پر نہیں تھیں۔

''ابا جی! امی جی کہیں ناراض نہ ہوجائیں...... میں نے ان سے تو اجازت لی ہی نہیں۔''

''کوئی بات نہیں...... تم فکر نہ کرو...... کوئی ناراض نہیں ہوگا...... بس تم تیار ہوجاؤ......''

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے......؟''

''جی، میں بالکل ٹھیک ہوں......''

''مجھے تو ٹھیک نہیں لگ رہیں...... بیٹا! یہاں تم خوش تو ہو......؟''

''جی ابا جی......''

''سعود تمہارا خیال رکھتا ہے؟''

''جی ابا جی...... بہت خیال رکھتے ہیں......''

اس نے بہ مشکل ضروری چیزیں بیگ میں رکھیں اور جلدی سے گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔

''یہ کیا ہوا ہے...... یہ چوٹ کیسے لگی؟'' وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''وہ ابا جی! میں صبح گر گئی تھی۔''

''اپنا خیال رکھا کرو......'' شکر ہے انہوں نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ کیوں اور کیسے گر گئی تھیں۔

وہ گاڑی ڈرائیو کررہے تھے...... اور عالیہ خاموش بیٹھی تھی۔ ''دراصل سعود کو اس کی ماں کے لاڈ اور پیار نے بہت بگاڑ دیا ہے...... مجھے تو اس کی شادی کی بہت فکر تھی کہ اسے کون رشتہ دے گا......؟ خاندان اور آس پاس کے لوگ تو اس کی عادتوں اور خصلتوں سے واقف تھے...... ان میں سے تو کوئی اسے رشتہ دیتا نہیں تھا...... اس لیے تمہارے ابا نے جونہی ہاں کی...... فوراً نکاح کرکے اس رشتے کو پکا کردیا...... کہ کہیں تمہارے ابا اس کی اصلیت جان کر انکار ہی نہ کردیں۔'' ان کی اس خود غرضی پر وہ دکھ سے ساکت ہوگئی۔ ہر روز...... ہر قدم پر ایک نیا انکشاف اس کے سامنے کھڑا ہوتا تھا۔

''دکھوں کا یہ سلسلہ کہاں جاکر ختم ہوگا؟ باری تعالیٰ! مجھے اور کتنی آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا؟ آخر کب تک......؟'' ابا جی سے یہ امید نہیں تھی...... جانے کیوں وہ سوچتی تھی اس گھر میں ابا جی ہی اس کے خیر خواہ تھے اور شاید اس کے ہمدرد بھی...... مگر یہ تو سب کیا دھرا ہی ان کا تھا۔ وہ آج ایک نئے صدمے سے دوچار تھی۔ وہ جس حالت میں گھر پہنچی تھی یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ ماما کو اس کی حالت کا اندازہ نہیں ہو......؟ آخر وہ ماں تھیں...... ماں سے زیادہ کون اپنے بچے کے حال کو جانتا ہے؟ مگر جب اس نے کہا کہ وہ باتھ روم میں گر گئی تھی، اس کا پاؤں پھسل گیا تھا...... جس کی وجہ سے اس کے بازو اور کندھے پر چوٹیں آئی تھیں...... تو کیا ان کو یقین آگیا تھا......؟ کیا واقعی ان کو یقین آگیا......؟ لیکن اس وقت وہ کچھ بھی سوچنے کی پوزیشن میں نہیں تھی...... اگلے دن ماما اسے اسپتال...... لے کر گئیں...... اس کی گائنا کولوجسٹ کے پاس......

شکر ہے...... اس کا بچہ ٹھیک تھا...... اس نے اللہ کا شکر ادا کیا...... مگر جس دن سے وہ حاملہ ہوئی تھی...... وہ سخت ڈپریشن میں تھی...... ماما نے اسے تسلی دی۔

''اس حالت میں ڈپریشن ہوجاتی ہے، پوسٹ ڈلیوری ڈپریشن بھی ہوجاتا ہے...... مگر آہستہ آہستہ...... ٹھیک ہوجاتا ہے۔''

مگر اس رات اس سے مزید برداشت نہیں ہوسکا...... اور اس نے اپنا دل کھول کر مہرین کے سامنے رکھ دیا۔ شادی کی رات سے لے کر آج صبح تک اس نے مہرین سے ہر بات شیئر کی...... اور بے چاری مہرین کے تو حواس گم ہوگئے تھے۔ اس کی پیاری بہن جو اس کی بہترین دوست بھی تھی۔ اسے وہ اس صدمے سے دوچار کرنا نہیں چاہتی تھی اسے غمزدہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیکھ کر وہ اور بھی دُکھی ہوگئی۔ مگر وہ کیا کرتی......؟ بہت مجبور ہو کر اس نے مہرین سے وہ سب کچھ کہا تھا...... لیکن اب کیا ہوسکتا تھا......؟ وہ اپنی پیاری بہن کے لیے کر ہی کیا سکتی تھی...... بہت دنوں کے بعد آج رات وہ اس طرح پُرسکون ہو کر سوئی تھی...... کتنے عرصے بعد ایسی گہری نیند آئی تھی۔ اس رات اس نے پھر وہی خواب دیکھا...... وہی حجرہ تھا...... وہی مدھم سا اندھیرا تھا...... عنابی دبیز قالین بچھا تھا...... وہ ننگے پاؤں تھی...... اور قالین کی نرماہٹ میں اس کے پاؤں دھنس رہے تھے۔ وہ سامنے بیٹھے تھے...... ان کے چہرے کے ایک حصے پر روشنی پڑ رہی تھی...... ان کی روشن پیشانی دمک رہی تھی...... آنکھیں جھکی ہوئی تھیں... بھوری سنہری داڑھی ان کے چہرے پر بہت اچھی لگ رہی تھی...... سر پر نماز والی سفید ٹوپی تھی...... وہ سفید لباس میں تھے...... اور وہ دو زانو بیٹھے تھے...... وہی دل میں اتر جانے والی مہک چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

انہوں نے اسے نام لے کر پکارا تھا۔

''عالیہ! اِنّا لِلّٰہ واِنّا الیہ راجعون کثرت سے پڑھا کرو۔'' اور اس کی آنکھ کھل گئی ....

وہ وہی..... پڑھ رہی تھی...... اور اس کے دل پر ایک سکون سا نازل ہو رہا تھا...... اسے اپنا جسم بالکل ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ اور ایک روحانی خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔ فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ اس نے نماز پڑھ کر اِنّا لِلّٰہ...... کی بے شمار تسبیحات پڑھیں اور جیسے غم کا بوجھ اس کے دل سے سرک گیا۔ اللہ کی مدد اس کے شاملِ حال تھی...... اپنے ایک نیک بندے کی ذریعے وہ اس کی رہنمائی کر رہا تھا...... اسی اطمینان اور سکون کی کیفیت میں ڈوب کر وہ بے فکر سو گئی۔ صبح وہ ایک بدلی ہوئی عالیہ تھی...... اسے جینے کا جیسے ایک نیا حوصلہ مل گیا تھا...... ہر غم اور فکر سے آزاد...... اس نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ پورا ہفتہ ماما کے گھر رہی...... اور اس نے یہ سات دن اپنے پیارے بھائی اور تین بہنوں کے ساتھ مل کر بہت خوشگوار گزارے۔ اگلے ہفتے جب اسے لینے کے لیے سعود آئے تو وہ تازہ دم ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار تھی۔ وہ جب گھر پہنچی...... تو امی جی لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

''آ گئی بی بی...... بڑی خوش لگ رہی ہو...... یہاں تمہیں کیا موت پڑی رہتی ہے۔'' وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ وقت کتنی مدھم رفتار سے گزر رہا تھا۔ پانچ وقت کی نماز تو وہ شروع سے پڑھتی تھی مگر اب اس کا زیادہ تر وقت قرآن پاک کی تلاوت اور تسبیحات میں گزرتا تھا...... نمازِ حاجت پڑھ کر وہ بہت تفصیل کے ساتھ دعا مانگتی تھی۔ ماما نے انہیں بچپن سے سکھایا تھا جو کچھ مانگنا ہے اللہ سے مانگو...... وہ زمین اور آسمانوں کے خزانوں کا مالک ہے...... وہ ہر چیز پر قادر ہے...... ہر چیز اس کے دستِ قدرت میں ہے۔'' ماما نے اسے کہا تھا۔ ''حاملہ لڑکیوں کو سورۂ یوسف اور سورۂ مریم ضرور پڑھنی چاہیے۔'' جس طرح ماما نے اسے دعا سکھائی تھی وہ اسی طرح مانگتی تھی۔

''اے باریِ تعالیٰ! مجھے صحت مند، تندرست، لمبی زندگی والا نارمل بچہ عطا فرما...... مجھے نیک اور صالح اولاد سے نواز......'' اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کر اس کا دل یقین و ایمان کے احساس سے بھر جاتا تھا...... اللہ! جو دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے... جو سننے والا...... اور بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔ جو اپنے بندوں کے حال سے خبردار اور باریک بین ہے۔'' اے باریِ تعالیٰ...... میں تیری عبادت کرتی ہوں اور تجھ سے ہی مدد مانگتی ہوں۔'' جوں جوں وقت قریب آ رہا تھا...... پتا نہیں کیوں...... اسے ڈر لگنے لگا تھا۔

امی جی نے کہا تھا...... ''لڑکا ہونا چاہیے......

میرے سعود کا وارث...... ہمیں لڑکی نہیں چاہیے۔'' اس کا جی چاہتا...... وہ ان سے کہے...... کیا اس کے اختیار میں تھا......؟ کیا یہ امی جی کے اختیار میں تھا؟ ان کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اور اب ڈاکٹروں نے اسے جڑواں بچوں کی نوید سنائی تھی۔ الٹرا ساؤنڈ میں ہر مرتبہ ڈاکٹر کو بچے کی پوزیشن سمجھ میں نہیں آتی تھی...... پتا نہیں کیا ہوگا؟ آخری دنوں میں اس کا وزن بہت بڑھ گیا تھا...... سانس لینی بھی دشوار ہو رہی تھی...... وزن کے باوجود اندرونی طور پر بہت کمزور ہو رہی تھی اور پھر زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو کر اس نے دو جڑواں بچوں کو جنم دیا۔ سارے خاندان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ اس نے ایک نہیں دو دو بیٹوں کی خوشخبری دی تھی۔ اس کا خیال تھا...... دو بیٹوں کی ماں بن کر شاید اس کی ذات کی اہمیت کچھ بڑھ جائے گی مگر یہاں تو اس کی اہمیت پہلے سے بھی کم ہو گئی تھی۔ اس کے وجود کو تو بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ البتہ دونوں بچوں کو بہت زیادہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا۔ ان کی خوشی کا تو کوئی عالم ہی نہیں تھا...... دعوتوں اور مٹھائیوں کا سلسلہ تھا کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ سعود نے آتش بازی سے لے کر رقص و سرور کی محفلیں تک سجانے کی انتہا کر دی تھی اور اُدھر...... ماما اور بابا نے صدقات اور خیرات کی انتہا کر دی تھی...... اپنی پیاری بیٹی کی صحت اور زندگی کے لیے انہوں نے سجدوں میں گر کر اور آنسو بہا بہا کر دعائیں مانگی تھیں اور جب ڈاکٹر نے انہیں بچوں کی نوید سنائی تھی...... تو وہ سجدۂ شکر بجا لائے تھے۔ اللہ نے ان کی بیٹی کو نئی زندگی عطا فرمائی تھی۔ دونوں بچے بہت پیارے تھے...... ابا جی نے پوتوں کے نام پہلے سے سوچ رکھے تھے۔ شیر سلیمان...... اور شیر زمان...... دونوں کی شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف تھیں اور مزاج بھی...... دونوں ماشاءاللہ صحت مند تھے۔ عالیہ حیران تھی۔

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں

گھر بیٹھے

رسالے حاصل کیجیے

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں، اپنے دروازے پر

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 700 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 7,000 روپے

بقیہ ممالک کے لیے 6,000 روپے

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔

یہ آپ کی طرف سے اپنے پیاروں کے لیے بہترین تحفہ بھی ہوسکتا ہے

بیرونِ ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر بھاری بینک فیس عاید ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔

رابطہ: ثمر عباس (فون نمبر: 0301-2454188)

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی
فون: 35895313 فیکس: 35802551

WWW.PAKSOCIETY.COM

انہیں صرف دیکھتے رہنے سے ہی دل خوشی سے بھر جاتا تھا۔ ان پر بے تحاشا اُمڈ اُمڈ کر پیار آتا۔ پتا نہیں...... یہ پیار کے سوتے کہاں سے پھوٹے تھے، اس کا تو بس سارا وجود ہی جل تھل ہوگیا تھا...... شاید یہی مامتا تھی...... کتنی صدیوں کے بعد وہ ہنسی تھی...... ایک سچی اور کھری ہنسی...... سب کچھ اچانک ہی کتنا اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ ہر وقت دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتی...... چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے...... لیٹے ہوئے سوتے ہوئے...... ابھی وہ پوری طرح اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کر پائی تھی کہ امی جان نے شاہی فرمان جاری کر دیا۔ ”دونوں بچے میرے پاس رہیں گے...... عالیہ کو کیا پتا کہ بچے کس طرح پالے جاتے ہیں۔“

”نہیں...... پلیز...... سعود اس طرح مت کیجیے...... مجھے بچوں سے دور مت کیجیے...... ہر ماں جانتی ہے کہ بچے کس طرح پالے جاتے ہیں۔“

”اچھا......“ وہ طنزیہ ہنسے...... ”آج سے پہلے تم نے کتنے بچوں کو پالا ہے؟“

”وہ تو ٹھیک ہے سعود مگر پلیز......“ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے...... ”مجھ پر یہ ظلم نہ کیجیے۔“

”اچھا تو یہ ظلم ہے...... بچے دادی کے پاس رہیں یہ ظلم ہے؟“ وہ زہر خند لہجے میں بولے...... ”واقعی اس سے بڑا ظلم تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا...... بڑی آپا اور چھوٹی آپا بھی یہی چاہتی ہیں کہ بچے ان کے پاس رہیں...... اور پھر یہ بچے میں نے تمہارے لیے پیدا نہیں کیے۔ اپنی ماں اور بہنوں کے لیے پیدا کیے ہیں۔“

”مگر وہ میرا دودھ پیتے ہیں۔“

”دودھ ڈبوں کا بھی پلایا جا سکتا ہے۔“

”بچے کی صحت کے لیے ماں کا دودھ بہت ضروری ہے۔“

”اوشٹ اپ...... میں تمہاری بکواس نہیں سن سکتا......“

”میں اپنے بچے کسی کو نہیں دوں گی......“ وہ چیخ کر بولی۔ پتا نہیں اس میں اتنی ہمت کہاں سے آ گئی تھی۔ ”میں اپنے بچے خود پالوں گی۔“

”کیا کہا......؟“ انہوں نے اسے بالوں سے پکڑ کر اس کا چہرہ اپنے قریب کر لیا...... ”ذرا پھر سے کہو...... تم نے کیا کہا ہے؟“

”مجھے میرے بچے چاہئیں۔“

”اچھا...... یہ بچے تم پیچھے سے لے کر آئی ہو...... سچ سچ بتاؤ...... یہ بچے میرے ہیں بھی کہ نہیں۔“ انہوں نے اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ دیوار سے جا لگی۔ اس کے سر میں شدید چوٹ لگی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچ رہے تھے...... درد کی شدت سے جیسے آگ سی لگی تھی...... اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ چیخ چیخ کر بولے۔

”ہاں، یہ بچے میرے ہیں...... یہ بچے تمہارے نہیں ہیں...... بچے صرف میرے ہیں...... میں نے انہیں نو مہینے تک اپنی کوکھ میں رکھا ہے۔ اپنے خون سے انہیں سینچا ہے۔ دردِزہ سہہ کر میں نے انہیں جنم دیا ہے۔ تمہاری ماں انہیں مجھ سے کس طرح چھین سکتی ہے۔ میں نے انہیں اپنی جان پر کھیل کر جنم دیا ہے۔ تمہاری ماں انہیں مجھ سے کس طرح دور کر سکتی ہیں؟“ مگر وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی...... لیکن پھر جانے ان لوگوں کو کیا خیال آیا تھا...... انہوں نے شیر سلیمان کو اسے دے دیا تھا۔ اور وہ اسے گلے لگا کر بہت روئی...... کتنی دیر تک روتی رہی...... سویا ہوا بچہ جاگ گیا تھا...... اور اب وہ رو رہا تھا وہ جانتی تھی وہ بھوکا رو رہا تھا...... اسے بھوک لگی تھی...... اور اللہ نے اس کا رزق پہلے اس کے سینے میں اتار دیا تھا۔ اس کے لیے دودھ کی نہریں جاری کر دی تھیں۔ وہ جب شیر سلیمان کو دودھ پلا رہی تھی تو اسے شیر زمان یاد آ رہا تھا...... پتا نہیں اس نے دودھ پیا ہوگا کہ نہیں...... وہ رو نہ رہا ہو...... پتا نہیں وہ سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا؟ وہ اپنی ماں کے لمس کو ڈھونڈ رہا ہوگا۔

اللہ نے اس کے حصے کا رزق بھی اس کی چھاتیوں میں اتارا تھا...... مگر اسے اس نعمت سے محروم کر دیا گیا تھا۔ وہ کتنی مجبور ماں تھی۔ سوائے رونے کے وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے سوا اس کے پاس چارہ بھی کیا تھا اور جب وہ اپنے کمرے میں بچے کا کاٹ رکھوا رہی تھی تو سعود نے بچے کو کمرے میں رکھنے کی اجازت نہیں دی۔

”اسے تم امی کے حوالے کر دو...... میں رات کو جاگ نہیں سکتا۔ مجھے بچوں کے رونے سے سخت نفرت ہے۔“

”پلیز...... سعود...... ایسا مت کیجیے...... یہ ہمارا بچہ ہے، ہم اس کے بغیر کس طرح رہ سکتے ہیں۔“

”تم اپنی بات کرو...... میں تو اس کے بغیر بہت خوش رہ سکتا ہوں۔“

”استغفار...... سعود اللہ سے ڈریں...... ناشکری مت کیجیے۔“ اس کا دل کانپ اٹھا تھا۔

”میں ساتھ والا کمرا اس کے لیے ٹھیک کر لیتی ہوں۔“

”نہیں...... وہ کمرا اکثر میرے استعمال میں رہتا ہے۔“

”سعود پلیز......“ وہ رو پڑی...... ”ایسا نہ کریں۔“

”اچھا...... چلو...... ٹھیک ہے۔“ وہ مان گئے...... بالکل غیر متوقع طور پر...... جس کا اسے گمان تھا اور نہ یقین...... اور جب وہ سائڈ روم میں شیر سلیمان کی چیزیں رکھوا رہی تھی تو وہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ کافی بڑا کمرا تھا۔ ایک طرف صوفے رکھے ہوئے تھے اور ایک طرف وسیع و عریض بیڈ...... وہاں انتہائی قیمتی اور خوب صورت فرنیچر تھا...... کمرے کی کلر اسکیم ڈسٹ اور آف وائٹ تھی...... اس کا ایک دروازہ ان کے بیڈ روم میں کھلتا تھا...... اور ایک باہر برآمدے میں...... شاید وہ گیسٹ روم تھا...... مگر گیسٹ روم تو برآمدے میں سامنے والا کمرا تھا۔ اس نے بچوں کے کپڑے رکھنے کے لیے جب وارڈ روب کھولی تو حیران رہ گئی...... وہاں عورتوں کے استعمال کی ساری چیزیں تھیں...... ملبوسات سے لے کر میک اپ تک...... شب خوابی کے لباس اور انتہائی قیمتی پرفیومز...... جنہیں ڈریسنگ ٹیبل پر رکھنے کے بجائے الماری کے خانے میں رکھا گیا تھا۔ اور یہ کمرا صرف سعود کے استعمال میں رہتا تھا اور کمال تھا کہ آج سے پہلے عالیہ نے کبھی اس کمرے میں جھانک کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ اچانک بہت بڑا شاک تھا اس کے لیے...... بے بسی...... کم مائیگی اور ذلت کا احساس اور بڑھ گیا تھا۔ اسی شام ماما اور بابا آ گئے...... ان کو بھی آج ہی آنا تھا......؟ کاش وہ آج نہ آتے...... چند دن تک ٹھہر کر آتے...... کاش وہ اسے اس حالت میں نہ دیکھتے...... وہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔ اس کے ماتھے پر بہت بڑا گومڑ پڑا تھا...... اور ایک نیل اس کی آنکھ کے نیچے بھی آیا تھا۔

”یہ کیا ہوا عالیہ......؟“ دونوں نے بیک وقت پوچھا تھا۔

”وہ رات کو شیرو کا نیپی چینج کرنے کے لیے اٹھی تھی کہ چکر آ گیا...... سر دیوار سے جا لگا۔“

”بیٹا اپنا خیال رکھا کرو...... ایک دم ہڑ بڑا کر رات کو نہ اٹھا کرو، اچھا ہے...... ایک بچے کو تمہاری ساس سنبھالتی ہیں، ورنہ تو تمہارے لیے بڑی مشکل ہو جاتی......“

”نہیں ماما...... آپ کیسی باتیں کرتی ہیں...... کوئی مشکل نہ ہوتی...... وہ اسے ڈبے کا دودھ پلا رہی ہیں۔“

”کوئی بات نہیں بیٹا...... تم پہلے ہی بہت کمزور ہو...... اپنی خوراک کا بہت زیادہ خیال رکھو...... میں یہ تمہارے لیے پنجیری بنا کر لائی ہوں...... ہر روز صبح تھوڑی سی کھا کر گرم دودھ پی لیا کرنا...... ناشتا بے

WWW.PAKSOCIETY.COM

شک بعد میں کرلیا کرو۔'' بچوں کی پیدائش کے بعد اس میں کافی تبدیلی آگئی تھی۔ اس نے حالات سے سمجھوتا کرلیا تھا۔ کیونکہ ماما نے کہا تھا۔ ''جو عورت قربانی نہ دے سکے اور حالات سے سمجھوتا نہ کرسکے وہ عورت ہی نہیں...... گھر کے حالات ٹھیک رکھنے کے لیے عورت کو بہت سی قربانیاں دینا پڑتی ہیں اور قدم قدم پر سمجھوتے کرنا پڑتے ہیں۔ ورنہ زندگی بہت مشکل ہوجاتی ہے۔'' اور وہ اپنی زندگی کو مزید مشکل نہیں بنانا چاہتی تھی۔ اپنے لیے اس نے خود آسانیاں پیدا کرلی تھیں۔ اب وہ ہر روز باہر لاؤنج میں بیٹھنے لگی تھی۔ شاید اس لیے کہ امی جی سارا دن لاؤنج میں گزارتی تھیں...... اس طرح شیر زمان اس کی نظروں کے سامنے رہتا تھا۔ وہ اکثر اس کے سارے کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی کوشش کرتی...... اس کا فیڈر دھو کر دودھ بنا کردیتی...... اسے دودھ پلا کر اسے سلادیتی...... اس کی نیپی تبدیل کردیتی...... اسے جی بھر کر پیار کرتی...... اسے اپنی گود میں سلالیتی۔

امی جی کے پاس قسم قسم کی عورتوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ جس قسم کی وہ باتیں کرتی تھیں۔ وہ اس کے ذوقِ سلیم پر بے حد گراں گزرتی تھیں...... سارا وقت غیبتیں کرنے اور غیبتیں سننے کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی کام نہیں تھا۔ وہ دوسروں کے معاملات میں بہت دلچسپی لیتی تھیں...... تجسس اور کرید ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا...... انتہائی گندے اور بے ہودہ لطیفوں کا تبادلہ ہوتا اور وہ لوگ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوجاتے...... جبکہ وہ مسکرا بھی نہیں پاتی۔ چھوٹی آپا کے پاس تو ایسے واہیات لطیفوں کا کبھی نہ ختم ہونے والا ذخیرہ تھا اور امی جی تو سب سے زیادہ لطف اندوز ہوتی تھیں۔ اسے حیرت ہوتی...... بجائے بیٹی کو منع کرنے کے وہ اس کی اور زیادہ حوصلہ افزائی کرتی تھیں۔ اسے ایک عجیب بدمزگی کا احساس ہوتا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ وہ وہاں سے اٹھ کر چلی جائے مگر شیر زمان نے اسے خود سے باندھ کر رکھا ہوا تھا...... وہ شیر سلیمان کے مقابلے میں کمزور تھا۔ امی جی اسے عجیب طریقے سے ڈریس اپ کرتی تھیں۔ وہ لڑکا تھا مگر اسے لڑکیوں والے فراک پہنائے جاتے۔ ہر روز سر میں تیل لگاتیں، وہ بڑے فخر سے سب کو بتاتیں کے وہ شیر زمان کی اصلی گھی سے مالش کرتی تھیں۔ آنکھوں میں بھر بھر کے سرمہ لگاتیں...... کاش وہ اسے ہر روز نہلا بھی دیا کرتیں...... اس سے ایک عجیب سی بساند آتی تھی

....

''واہ! میرا شیر بہادر۔'' عالیہ کا اسے دیکھ دیکھ کر دل کڑھتا...... مگر وہ کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی اور سعود سے تو کچھ کہنا ہی بیکار تھا۔ کتنے دنوں سے ماما کہہ رہی تھیں کہ وہ کچھ دنوں کے لیے دونوں بچوں کو لے کر ان کے گھر رہنے کو آئے۔ مگر وہ جانتی تھی ایسا ممکن نہیں...... وہ شیر زمان کو اس کے ساتھ ہرگز نہیں جانے دیں گی۔ اس لیے وہ بادلِ ناخواستہ ماما کے گھر جانے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔ شیر سلیمان کا سارا سامان گاڑی میں رکھا جاچکا تھا۔ وہ امی جی کو خدا حافظ کہنے کے لیے لاؤنج میں آئی تو وہ اسے دیکھ کر بہت حیران ہوئیں۔

''کہاں کی تیاریاں ہیں بی بی......؟''

''بابا کے گھر...... وہ ماما کہہ رہی تھیں کہ دونوں بچوں کو لے کر ملنے کے لیے آؤ۔''

''اچھا...... ! کوئی ضرورت نہیں ہے، بچوں کو ساتھ لے کر جانے کی......'' انہوں نے شیر سلیمان کو اس کی گود سے لے لیا۔ ''بڑی آئیں تمہاری ماما...... وہ کون ہوتی ہیں ہمارے بچوں کو بلوانے والی، جاؤ ان سے کہہ دینا منہ دھو کر رکھیں یہ ان کے بچے نہیں

ہیں۔ یہ ہماری اولاد ہے۔'' اور وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ کبھی وہ انہیں دیکھتی...... اور کبھی اپنی خالی گود کو...... اور کبھی شیر سلیمان کو...... جو اس کے پاس آنے کے لیے ضد کررہا تھا۔ بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''پلیز امی جی! اس طرح نہ کریں...... شیر سلیمان میرا دودھ پیتا ہے۔''

''پتا ہے...... دودھ پیتا ہے تمہارا...... وہ ڈبے کا دودھ پی سکتا ہے...... شیر زمان کی طرح...... تم جاؤ اپنی ماں کو جاکے مل آؤ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''نہیں امی جی! میں نہیں جاتی...... میں پھر کسی دن چلی جاؤں گی۔''

''تمہارا کیا خیال ہے پھر کسی دن تم بچوں کو لے کر اپنے میکے چلی جاؤ گی، یہ خیال دل سے نکال دو، جانا ہے تو جاؤ، ورنہ آرام سے بیٹھ جاؤ۔'' اور وہ روتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ماما اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''بچے کہاں ہیں...... کیا تم اکیلی آئی ہو؟''

''امی جی نے بچوں کو نہیں آنے دیا۔''

''کیوں......؟''

''وہ ان کے بغیر اداس ہوجاتی ہیں ناں۔''

''اور ہم...... کیا ہم اداس نہیں ہوتے......؟ کیا تمہارے بچوں پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔ عجیب لوگ ہیں۔'' پہلی مرتبہ ماما کے منہ سے اس نے ایسی باتیں سنی تھیں۔ ورنہ وہ تو ہمیشہ انہی کی طرف داری کرتی تھیں۔ وہ رہنے تو ایک ہفتے کے لیے آئی تھی سارا سامان بھی گاڑی میں رکھا تھا۔ مگر وہاں دو گھنٹے گزارنا بھی اس کے لیے مشکل ہوگیا۔ اسے ایک پل چین نہیں آرہا تھا۔ شیر سلیمان رو رہا ہوگا، اس کی فیڈ کا وقت ہو رہا تھا۔ دوسرے دودھ سے کہیں اس کا پیٹ ہی خراب نہ ہوجائے، کہیں...... کہیں...... پھر وہ ماما کو خدا حافظ کہہ کر چلی آئی...... حالانکہ آج کل ہمایوں گھر آیا ہوا تھا...... ابھی وہ اپنے کسی دوست سے ملنے گیا ہوا تھا۔ بہنیں ابھی کالج سے نہیں لوٹی تھیں، بابا کے آنے کا بھی اس نے انتظار نہیں کیا...... اور جب وہ گھر پہنچی تو اس نے اطمینان کی سانس لی۔ شیر سلیمان سو رہا تھا وہ اسے اٹھا کر اپنے کمرے میں آگئی۔ خدایا! کس طرح دل ٹوٹا تھا...... یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ یہ لوگ اس کے ساتھ اس طرح بھی کرسکتے ہیں؟ یہ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ شیر سلیمان کو گلے لگا کر روتی رہی...... اور پتا نہیں کب تک روتی رہی...... وہاں اس کے لیے پریشان ہونے والا کوئی نہیں تھا...... اسے چپ کرانے والا کوئی نہیں تھا اور پھر اس نے ماما کے گھر جانا ہی چھوڑ دیا...... کبھی کبھار وہی لوگ آکر اسے مل جاتے...... بچوں سے مل کر خوش ہوجاتے...... اور اس نے جیسے حالات سے سمجھوتا کرلیا تھا، اپنے بچوں کی خاطر اس ماحول میں خود کو ایڈجسٹ کرلیا تھا۔ وہ گھر...... جہاں کوئی اس کا نہیں تھا...... مگر اس کے بچے تو اس کے اپنے تھے...... وہ اکیلی نہیں تھی شیر سلیمان اور شیر زمان اس کے ساتھ تھے...... اور اس سے بڑھ کر اور کون سی اچھی بات ہوسکتی تھی۔ بہت عرصے کے بعد اس دن عالیہ نے شکرانے کے نفل پڑھے اللہ سے اپنی خطاؤں اور کوتاہیوں کی معافی مانگی۔ اللہ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد اس نے اپنے رب کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا...... جس نے اسے دو دو بیٹوں کی نعمت سے نوازا تھا۔ یہ اس کی کتنی بڑی مہربانی تھی۔ اس گھر میں اللہ نے اس کے لیے کتنی بڑی خوشی اور دلچسپی کا سامان پیدا کیا تھا۔ شیر سلیمان اور شیر زمان اگر نہ ہوتے...... تو وہ کیا کرتی......؟ کس طرح جیتی......؟ وہ کتنی دیر تک سجدے میں گر کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی رہی...... اور جیسے اس کا دل سکون سے بھر گیا۔ وہ ماما اور بابا سے ہر روز فون پر بات تو کرسکتی تھی۔ ہمایوں...... مہرین...... ایمن اور فاطمہ کا فون

WWW.PAKSOCIETY.COM

تو سن سکتی تھی۔ شکر ہے، فون کرنے پر اس پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ یہی بہت غنیمت تھا...... اور اس نے ہر حال میں خوش رہنا سیکھ لیا تھا۔ وہ اللہ کی کس کس مہربانی کا شکر ادا کرتی۔

☆☆☆

بچوں کی وہ پہلی سالگرہ تھی گھر میں جشن کا سا سماں تھا۔ باہر لان میں سارا انتظام کیا گیا تھا۔ بے حد خوب صورت لائٹنگ کی گئی تھی۔ پورا گھر جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ وسیع و عریض لان میں بہت خوب صورت اسٹیج بنایا گیا تھا۔ پتا چلا کہ ڈنر کے بعد ملک کے نامور گلوکاروں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس کے بھی گھر والے آ رہے تھے اور اس شام بہت عرصے بعد وہ بہت اچھی طرح تیار ہوئی تھی۔

امی جی کا تو اصرار تھا کہ وہ ولیمے والا جوڑا پہنے اور پورا زیور مگر وہ بچوں کے ساتھ اتنا بھاری جوڑا پہننے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی اور اس پر ان کی تاکید تھی کہ وہ پورا زیور بھی پہنے مگر اس نے ماما کی طرف کا ایک بہت ہی نفیس کام والا سیاہ جوڑا پہنا تھا۔ گہرے میک اپ اور ہلکے زیورات میں وہ سیاہ رنگ میں بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس دن سعود بھی بہت خوش تھے۔ بقول امی جی کے آج ان کی ساری سہیلیاں جو آ رہی تھیں۔ اب ایسی باتوں پر اس نے اپ سیٹ ہونا چھوڑ دیا تھا۔ ان کی کسی بات پر اب اسے دکھ نہیں ہوتا تھا وہ جو مرضی کریں عالیہ کو کوئی سروکار نہیں تھا۔

وہ شیر سلیمان کو پرام میں بٹھا کر باہر لان میں لے آئی۔ موسم بہت خوشگوار تھا۔ انتظامات بہت اچھے تھے۔ شہر کے مشہور کیٹرر سے کیٹرنگ کروائی گئی تھی۔ ماما اور بابا اور سب لوگ آ چکے تھے۔ بہت عرصے بعد اس طرح اکٹھے بیٹھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ شیر زمان کو بھی اپنے پاس لے آئی تھی۔ وہ سب لوگ ان دونوں کو دیکھ بہت خوش ہو رہے تھے۔ ان کی پیاری پیاری باتیں اور حرکتیں انجوائے کر رہے تھے۔ کھانا بہت لذیذ تھا۔ باربی کیو کا بھی اہتمام تھا اور دیسی اور چائنیز ڈشز بھی بے شمار تھیں۔ کھانے کے بعد موسیقی کا پروگرام شروع ہوا۔ پاپ سنگرز کے بعد صوفی کلام کا دور چلا اور رات ڈھلنے لگی تھی۔ جب وہ ماما اور بابا کو رخصت کر کے اندر آئی۔ بہت عرصے کے بعد وہ آج اس طرح اتنی خوشی ہوئی تھی۔ شیر سلیمان سو رہا تھا اس نے کاٹ میں اسے سلایا اور خود لباس تبدیل کرنے کے لیے ڈریسنگ روم میں آ گئی اور ابھی وہ زیورات اتار ہی رہی تھی کہ سعود بھی آ گئے۔

''تم خود کو سمجھتی کیا ہو فضول عورت!'' وہ بے حد غصے میں تھے۔

''کیوں، کیا ہوا؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''کچھ ہوا ہی نہیں۔'' وہ دہاڑ کر بولے۔

''کیا، کیا ہے میں نے؟''

''تم نے تو کچھ کیا ہی نہیں ہے نافرمان عورت۔ جب امی جی نے کہا تھا کہ ولیمے والا جوڑا پہننا ہے اور سارا زیور تو تم نے ان کا کہنا کیوں نہیں مانا؟''

''سعود...... وہ...... میں......''

''وہ کیا......؟'' انہوں نے تڑاخ سے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ شدتِ تکلیف سے وہ بلبلا اٹھی۔

''کیا یہی میرا قصور ہے۔ میں اتنے بھاری کپڑے اور زیور نہیں پہن سکتی۔''

''کیوں نہیں پہن سکتیں۔ بکواس کرتی ہو۔'' پتا نہیں امی جی کب کمرے میں آ گئی تھیں۔ ''جوتی اتار کے اس کے منہ پر مار، کہنا مانتے ہوئے اسے موت پڑتی ہے'' شور کی آواز سن کر اباجی اور دونوں بہنیں بھی آ گئی تھیں۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' وہ نیچے قالین پر بیٹھی تھی اور اس کی ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کی ساس اس کی پیٹھ پر جوتے مار رہی تھیں اور وہ رو رو کر کہہ رہی تھی۔

''مجھے مت ماریں...... پلیز مجھے مت ماریں۔''

''سعود کیا بات ہے۔'' اباجی غصے سے بولے۔ ''میں کیا پوچھ رہا ہوں کہ کیا ہوا ہے؟''

''اباجی آپ بیچ میں مت بولیں۔ نواب زادی امی جی کا کہنا نہیں مانتی۔''

''لڑکی اپنی ساس کا کہنا مانا کرو۔'' وہ رونا بھول گئی یہ اباجی کہہ رہے تھے۔ کم از کم اسے ان سے تو اس رویے کی توقع نہیں تھی۔ وہ بہت غصے میں تھے۔

''آپ کیوں آ گئے ہیں۔ آپ کا یہاں کوئی کام نہیں سعود اسے خود ہی سیدھا کر لے گا۔''

''سمجھتی ہے کالے سوٹ میں بڑی خوب صورت لگ رہی تھی...... ولیمے کا سوٹ پہنتے ہوئے تکلیف ہو رہی تھی۔'' بڑی آپا شدید غصے میں تھیں۔

''آج اس نے ہماری ناک کٹوا دی ہے۔'' چھوٹی آپا بولیں۔

''چلو دفع کرو، جانے دو۔'' اباجی نے کمالِ مہربانی دکھائی۔ سعود نے جاتے جاتے اسے ایک ٹھڈا مارا۔ عالیہ کو یوں لگا جیسے اس کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ وہ نڈھال ہو کر آنکھیں بند کیے فرش پر پڑی تھی ان لوگوں کے چیخنے دہاڑنے کی آوازیں سن کر شیر سلیمان جاگ گیا تھا، وہ رو رہا تھا۔ سب لوگ کمرے سے باہر چلے گئے تھے۔ اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں جا سکتی۔ پتا نہیں وہ کتنی دیر تک روتا رہا تھا۔ سارا جسم دکھ رہا تھا اور جسمانی تکلیف سے زیادہ اسے روحانی تکلیف تھی۔ لگتا تھا جیسے کسی نے اس کی روح کو زخم زخم کر دیا تھا۔ وہ ساری رات ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سو سکی تھی۔ درد ہی اس کا بلا کا تھا ناقابلِ برداشت شدت تھی۔ رو رو کر وہ تھک چکی تھی۔ پیاس سے اس کے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ کاش کوئی اسے پانی پلا دے پھر جیسے اس کے کانوں میں آواز آنے لگی۔

''اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔'' اس نے زور زور سے انا للہ پڑھنا شروع کر دیا اور جیسے کسی نے اس کے زخموں پر مرہم رکھ دیا۔ دھیرے دھیرے درد کا احساس کم ہونے لگا۔ زخمی روح کو جیسے قرار آنے لگا۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اس پر جیسے نیند طاری ہو رہی تھی اور پھر وہ سو گئی۔

صبح اٹھنے کی اس میں ہمت تو نہیں تھی مگر شیر سلیمان کے لیے اسے اٹھنا ہی تھا اس نے بہ مشکل گھسیٹ کر خود کو اٹھایا اور واش روم چلی آئی اور آئینے میں خود کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ اس کا پورا منہ سوجا ہوا تھا۔ نیل اور زخموں سے اس کا سارا وجود ہی چور چور تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر اور کپڑے بدل کر جب وہ اپنے کمرے میں آئی تو اس نے دیکھا خانساماں ناشتے کی ٹرالی اس کے کمرے میں ہی رکھ گئے تھے۔ وہ ایک بزرگ اور خاندانی آدمی تھے۔ وہ اس کا بہت خیال رکھتے تھے، اس کی بہت عزت کرتے تھے۔ صاف نظر آتا تھا وہ ایک اعلیٰ خاندان کی لڑکی تھی وہ بہت دکھ کے ساتھ سوچتے کہ اتنی اچھی لڑکی کہاں ان لوگوں میں آ کر پھنس گئی۔ سارا کھیل مقدر کا تھا وہ کیا کر سکتے تھے۔ کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا بعض اوقات قدرت بندوں کے صبر کا امتحان لیتی ہے شاید۔

اس رات سعود کمرے میں آئے ہی نہیں.... شاید انہوں نے رات باہر گزاری تھی وہاں ان سے کوئی پوچھنے والا تھا اور نہ باز پرس کرنے والا۔ کچھ بھی کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اس نے پانی کا گلاس پیا، شیر سلیمان کی نیپی چینج کی اور اسے دودھ پلایا۔ نقاہت اور تکلیف کے مارے اس سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا شکر ہے شیر سلیمان بہت ہی اچھا بچہ تھا۔ دودھ پی کر وہ پھر سو گیا تھا۔ وہ اسے بالکل بھی تنگ نہیں کرتا تھا دوسرے بچوں کی طرح اسے راتوں کو نہیں جگاتا تھا اور نہ دن میں تھکاتا تھا۔

درد دور کرنے کی دو گولیوں کے ساتھ اس نے نیند کی ایک گولی بھی کھائی اور دروازہ لاک کر کے سو گئی۔ فون کی گھنٹی کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں نہ اٹھنے کی ہمت تھی اور نہ فون ریسیو کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ بادلِ ناخواستہ اسے فون اٹھانا پڑا۔ دوسری طرف ماما تھیں۔ ایک تو جب بھی وہ تکلیف کی حالت میں ہوتی تھی ماما کو پتا چل جاتا تھا۔ کیسے پتا چل جاتا تھا یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

''السلام علیکم ماما۔''

''وعلیکم السلام، میرے بچے کیا حال ہے؟'' وہ اتنے پیار اور فکر مندی کے ساتھ بول رہی تھیں جانے اسے کیا ہوا وہ بے اختیار رونے لگی۔

''ماما خدا کے لیے مجھے آکر لے جائیں۔ میں یہاں نہیں رہ سکتی۔''

''کیوں عالی بیٹا، کیا ہوا میری جان؟''

''مجھے نہیں معلوم بس آپ آکر مجھے لے جائیں ورنہ میں مرجاؤں گی۔'' روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔

''اللہ نہ کرے عالیہ۔ اچھا میں آتی ہوں۔''

اس کے آنسوؤں نے ماں کے دل پر کیا قیامت ڈھائی تھی، یہ وہ نہیں جانتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ملازمہ نے اسے آکر بتایا کہ مہرین اور ماما آگئے ہیں۔ مہرین اس کے کمرے ہی میں آگئی تھی۔ ماما ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھیں۔ اس نے عالیہ سے کچھ نہیں پوچھا تھا اور نہ عالیہ نے کوئی بات کی تھی۔ اس کی حالت مہرین کے سامنے بھی مارے صدمے کے وہ ایک لفظ بھی نہیں بول سکی۔ مہرین نے اس کا اور شیر سلیمان کا ضروری سامان پیک کیا۔ گاڑی میں بیٹھتے وقت عالیہ نے دیکھا اس کی ساس یوں خوش اور مطمئن کھڑی تھیں جیسے رات کو کچھ ہوا ہی نہیں تھا اور ماما نے ان سے کچھ پوچھا بھی نہیں تھا۔ عالیہ کی حالت کو نظر انداز کر کے وہ ان سے اپنی اسی روایتی خوش اخلاقی سے مل رہی تھیں۔

''اسے جلدی بھیج دینا وہاں جاکر بیٹھی نہ رہ جائے۔''

''جی آپ فکر مت کریں۔'' ماما نے انہیں یقین دلایا۔ ''جلدی آجائے گی، آپ کی بڑی مہربانی آپ نے اجازت دے دی۔'' وہ نخوت سے کھڑی انہیں دیکھ رہی تھیں۔ عالیہ کا دل سہما جارہا تھا۔ دل کو اک دھڑکا سا لگا تھا وہ جلد از جلد اس گھر کی چار دیواری سے نکل جانا چاہتی تھی اور گھر پہنچتے ہی وہ جیسے ہمت ہار گئی، وہ تھک چکی تھی۔ اب اس میں مزید برداشت کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

''ماما خدا کے لیے مجھے بچالیں۔ میں اب اس گھر میں واپس نہیں جاؤں گی۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو عالیہ۔ وہ تمہارا گھر ہے وہاں تمہارے بچے ہیں۔ وہ تمہاری سسرال والے......''

''ماما پلیز بس کریں۔'' آج اس نے اپنا دل کھول کر ماں کے آگے رکھ دیا تھا۔ آج اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ ماں سے کچھ چھپا سکتی۔ اس کی حالتِ زار پر اب وہ بھی اس کے ساتھ رو رہی تھیں اور مہرین بھی۔

''مجھے کچھ کچھ اندازہ تو تھا عالیہ مگر وہ اس قدر ظالم بھی ہوسکتے ہیں، یہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔''

''میں آپ کو بتانا چاہتی تھی ماما مگر آپ کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھیں۔ میں نے مہرین کو بتایا تھا اس نے آپ کو کچھ نہیں بتایا؟''

''کیوں مہرین؟'' ماما نے مہرین کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ماما میں آپ کو کیا بتاتی...... آپ کو دکھ ہوتا۔'' انہوں نے عالیہ کو اپنے سینے سے لگالیا۔

''آہ میری دکھی بیٹی۔'' انہوں نے غم سے سوچا۔ ''کاش میں تمہارا نصیب بدل سکتی۔'' وہ سخت صدمے کی حالت میں تھیں...... ان سے کچھ بولا ہی نہیں جارہا تھا۔ انہوں نے پیار سے اس کے بال سنوارے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسے پانی پلایا اور اپنے پلنگ پر اسے لٹا لیا...... "تم کچھ کھا لو...... اور پھر سو جاؤ...... شیرو کو مہرین سنبھال لے گی...... تم تھوڑی دیر آرام کر لو......"

آرام ......کتنا اجنبی لفظ تھا۔ اپنی غلطی کا احساس تو انہیں دوسرے ہی دن ہو گیا تھا۔ وہ خوش نہیں تھی...... وہ ایک نظر میں ہی جان گئی تھیں۔ ان کی بیٹی کے چہرے پر ایک رات اور پورے ایک دن کی داستان رقم تھی...... خوشی کی رمق تک نہ تھی...... بس غم کے اندھیرے چھائے ہوئے تھے...... لیکن انہوں نے خود کو تسلی دے دی تھی...... "یہ نظر کا دھوکا بھی تو ہو سکتا ہے...... سعید صاحب اپنی بیٹی کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ سوچے سمجھے بغیر تو نہیں کر سکتے تھے......" مگر بعض اوقات انسان لوگوں کو پہچان ہی نہیں سکتا بعض اوقات لوگ اوپر سے کچھ اور اندر سے کچھ ہوتے ہیں۔ کتنی منتوں اور خوشامدوں کے بعد انہوں نے عالیہ کا رشتہ لیا تھا۔

"انہیں لوگوں کی ذرا بھی پہچان نہیں ...... وہ سمجھ رہے تھے اتنی چاہت اور محبت سے وہ لوگ رشتہ مانگ رہے ہیں تو وہ یقیناً ان کی بیٹی کو بہت خوش رکھیں گے...... مگر کتنی بڑی بھول ہوئی تھی۔ اپنی اتنی پیاری بیٹی کو انہوں نے بالکل اجنبی اور غیر لوگوں کو سونپ دیا تھا۔ ایک مرتبہ ملنے یا گھر بار دیکھ لینے سے تو پتا نہیں چلتا کہ لوگ کیسے ہیں......؟ مگر سعید صاحب جانتے تھے ......وقار صاحب تو ان کے پرانے دوست تھے...... پھر انہوں نے کتنے اصرار محبت اور چاہت کے ساتھ ہماری بیٹی کو مانگا تھا......"

لگتا تھا جیسے دل پر دکھوں کا پہاڑ آن گرا تھا...... وہ بھاری بوجھ تلے دب گئی تھیں۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ سوچ سوچ کر ان کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا......

"اپنے ابا سے کچھ مت کہنا...... وہ یہ صدمہ برداشت نہیں کر پائیں گے......"

"ماما! میں اب اس گھر میں واپس نہیں جاؤں گی...... میں سعود سے طلاق لینا چاہتی ہوں......"

"نہیں عالیہ! اتنا بڑا فیصلہ اتنی جلدی نہیں کرتے......"

"جلدی ماما......؟ پورے دو سال ہو گئے ہیں۔"

"پوری زندگی گزر جاتی ہیں بیٹا...... شادی کے بعد لڑکیوں کو بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔"

"اب اور کتنا برداشت کروں؟"

"میں تمہاری ساس سے بات کروں گی۔"

"نہیں، آپ ان سے کوئی بات نہیں کریں گی...... آپ ان لوگوں کو نہیں جانتیں...... وہ مجھے جان سے مار دیں گے۔"

"ایسے کیسے مار دیں گے...... تم ابھی آرام کرو...... کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا...... بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا پڑے گا۔"

اور پورے چار دن سوچنے کے بعد انہوں نے جو فیصلہ کیا تھا...... وہ عالیہ کی توقع کے بالکل خلاف تھا۔

"عالیہ! میں نے بہت سوچا ہے ہر پہلو پر غور کیا ہے...... بات مردوں تک نہیں پہنچنی چاہیے...... تم ان کا ہر کہنا مانو گی ویسے بھی اس گھر میں سب تم سے بڑے ہیں...... بڑوں کا کہنا ماننا چاہیے...... وہ تمہاری ساس ہیں...... ان کا احترام تم پر لازم ہے۔ تم انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرو...... اگر وہ تم سے خوش ہوں گی...... تو تمہارا شوہر بھی تم سے خوش ہوگا۔ تمہیں سالگرہ والے دن اُن کی خواہش پر ان کی پسند کے کپڑے پہننے چاہیے تھے...... ویسے بھی لڑکی جب سسرال کی طرف کے کپڑے پہنتی ہے...... تو وہ لوگ بہت خوش ہوتے ہیں اگر بَری کے کپڑے پسند نہ بھی ہوں تو عقلمندی اسی میں ہے...... کہ اپنی ساس نندوں کو خوش کرنے کے لیے شوق سے ان کے بنائے ہوئے کپڑے پہنیں...... کیونکہ وہ انہوں نے بہت شوق اور محبت سے بنائے ہوتے ہیں...... اور تمہاری بَری تو بہت خوب صورت اور قیمتی تھی...... بہت کم لڑکیوں کو ایسے ملبوسات نصیب ہوتے ہیں اگر اس دن تم ولیمے والا جوڑا اور زیور پہن لیتیں تو یہ سارا جھگڑا ہی نہ ہوتا...... دراصل انہیں تم سے اس نافرمانی کی توقع نہیں تھی...... سب ٹھیک ہو جائے گا...... بیٹا! ساس سسر ہمیشہ نہیں رہیں گے...... تمہاری نندوں کی بھی شادیاں ہو جائیں گی...... اچھا وقت آ ہی جائے گا...... شادی کے شروع شروع کے سال ذرا مشکل ہوتے ہیں۔ پھر حالات ٹھیک ہو جاتے ہیں۔"

"جی نہیں ماما......! میرے حالات کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتے...... دراصل آپ کو صورتِ حال کا اندازہ ہی نہیں...... اور ان کی بہنوں کی شادیاں کبھی نہیں ہو سکتیں...... اب اس عمر میں کون ان سے شادی کرے گا......؟ اور جو لوگ ان کو جانتے ہیں وہ ان کی خصلتوں سے ان کی عادتوں سے واقف ہیں۔ آنکھوں دیکھی مکھی کون نگلتا ہے۔"

"ایسے نہیں کہتے بیٹا...... وہ تمہاری نندیں ہیں۔"

"میں جانتی ہوں...... وہ میری نندیں ہیں...... آپ تو کہا کرتی ہیں کہ سسرالی رشتے محبت کے رشتے ہوتے ہیں مگر یہاں محبت کہاں ہے......؟ کسی کے دل میں میرے لیے نرم گوشہ بھی نہیں ہے...... محبت کہاں سے ہو گی۔" وہ دکھ سے بولی۔

"بہر کیف آج کے بعد تم طلاق کا لفظ منہ سے نہیں نکالو گی اچھی لڑکیاں طلاق کا لفظ منہ سے نہیں نکالتیں...... آئندہ یہ لفظ میں تمہارے منہ سے نہ سنوں...... بے شک تمہارے حالات مشکل ہیں...... مگر مشکل کے ساتھ آسانیاں بھی بہت ہیں...... لڑکیاں تو اس سے کہیں مشکل ترین حالات میں گزارہ کرتی ہیں، گھر توڑنا تو بہت آسان ہے...... الگ ہو کر بیٹھ جاؤ...... دراصل نباہ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے...... تمہاری تین بہنیں اور بھی ہیں...... تم طلاق لے کر آ جاؤ گی...... تو ان کو بیاہنے کون آئے گا۔ اچھی عورت وہی ہوتی ہے جس سے اس کا شوہر خوش ہو...... جو شوہر کی فرمانبردار ہو...... جو سسرال کی عزت کرے۔" اور ماما کے اس فیصلے نے جیسے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی۔ وہ بالکل ہی ٹوٹ گئی...... ایک ہفتے کے بعد پھر وہ اپنے نام نہاد گھر میں آ گئی تھی۔ اپنی بہنوں کے بہتر مستقبل کے لیے...... اس نے نئے سرے سے ہر نئی افتاد کو برداشت کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا...... اس کے حالات تو نہیں بدلے...... اس نے ہی خود کو بدل لیا تھا......

وہ ان لوگوں کے اشاروں پر چلنے لگی تھی...... زندگی اتنی سہل تو نہیں تھی...... مگر اتنی مشکل بھی نہیں رہی تھی۔ جب بھی زندگی میں کوئی مشکل مقام آتا...... وہ وہی خواب والی آیت کثرت سے پڑھنے لگتی۔

☆☆☆

وقت بہت تیزی سے گزر رہا تھا...... مہرین کی ایک آرمی آفیسر کے ساتھ شادی ہو گئی تھی...... اس کے سسرال والے بہت اچھے لوگ تھے ان لوگوں کی طرح بہت زیادہ دولت مند تو نہیں تھے مگر اخلاق اور محبت کے معاملے میں وہ بہت امیر واقع ہوئے تھے...... مہرین کو ان کے گھر میں بے حد عزت، محبت اور قدر و اہمیت ملی تھی...... وہ جب اسے خوش دیکھتی تو اس کے دل میں اِک اطمینان سا اتر آتا کہ اس کی قربانی رائگاں نہیں گئی...... ہمیشہ کی طرح اس نے شکرانے کے نفل ادا کیے تھے...... پھر ہمایوں کی بھی شادی ہو گئی...... اس کی دلہن ڈاکٹر تھی اور وہ دونوں مزید پڑھنے کے لیے باہر جا رہے تھے۔ دونوں بہت خوش تھے...... اور عالیہ ان کی خوشیوں میں خوش تھی۔ وہ ان کی خوشیوں میں پوری طرح شامل تو نہیں ہو سکتی تھی مگر وہ اندر سے خوش تھی...... بچے بڑے ہو گئے تھے...... دونوں اسکول جانے لگے تھے۔ دونوں کو پڑھانے کی ذمے داری اس کے سر تھی اور وہ بہت خوش تھی کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اسے ان کی تربیت کرنے کا موقع بھی مل رہا تھا...... شیر زمان

WWW.PAKSOCIETY.COM

اگر چہ دادی اور پھپو سے بہت مانوس تھا...... مگر وہ ماں سے بھی بہت محبت کرتا تھا...... وہ دونوں بچوں کو جی جان سے پڑھاتی تھی...... دونوں بچے بہت لائق تھے...... کلاس میں ہمیشہ اوّل آتے تھے...... ان کی اچھی رپورٹس اور اچھے ریمارکس پڑھ کر اس کا دل خوش ہو جاتا تھا...... اس کی محنت رنگ لا رہی تھی۔ ٹیچر پیرنٹس میٹنگ میں اسے اکیلے ہی جانا پڑتا تھا۔ ایک آدھ دفعہ عالیہ کے سوا سعود اس کے ساتھ نہیں جا سکے تھے۔ اس کی مصروفیات ہی بہت زیادہ تھیں...... بچوں کے لیے ان کے پاس وقت نہیں تھا...... اس سال ایمن بھی پیا دیس سدھاری تھی...... اور فاطمہ کو مہرین کی ساس نے اس کے دیور کے لیے مانگ لیا تھا...... ایک طرح سے ماما اور بابا تو فارغ ہی ہو چکے تھے...... ایمن اپنے گھر میں بہت خوش تھی...... کبھی کبھی تو عالیہ کو یقین ہی نہیں آتا تھا...... پتا نہیں اس کی بہنیں صحیح معنوں میں خوش بھی تھیں کہ نہیں......؟

یا وہ عالیہ کی طرح خود کو خوش ظاہر کرنے کی اداکاری کر رہی تھیں...... جیسے دو سال تک اس نے ماما سے اپنے حالات چھپائے رکھے تھے...... اکثر اسے وہم ستانے لگتا...... آخر وہ اسی کی بہنیں تھیں...... ماما کی تربیت نے انہیں ہر حال میں ڈھل جانے کی صلاحیت سے مالا مال کر رکھا تھا۔ مشکل ترین حالات میں بھی انہوں نے خود کو بڑی آسانی سے ایڈجسٹ کر لیا ہوگا۔ اللہ کرے واقعی وہ خوش ہوں۔ وہ بے حساب دعائیں مانگا کرتی...... اور عالیہ اب جان گئی تھی کہ ماما اسے کتنا پیار کرتی تھیں۔ اس کے لیے وہ کتنی بے چین اور بے سکون رہتی تھیں۔ وہ ظاہر نہیں کرتی تھیں مگر اسے معلوم تھا وہ اس کے غم میں گھل رہی تھیں۔ ان کی صحت پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ ہائی بلڈ پریشر اور شوگر کے مرض نے انہیں بہت کمزور کر دیا تھا۔ وہ جانتی تھی یہ دونوں مرض انہیں اسٹریس کی وجہ سے ہوئے تھے اور اگر چہ اس نے اس دن کے بعد سے کچھ نہیں بتایا تھا اور انہوں نے کبھی اس سے پوچھا بھی نہیں تھا مگر اسے معلوم تھا۔ وہ اس کے لیے بہت پریشان رہتی تھیں۔ اکثر اسے دکھ ہوتا کاش وہ ماما کو کبھی کچھ نہ بتاتی کبھی کبھی وہ بہت پچھتاتی کاش وہ ماما کو اس صدمے سے دوچار نہ کرتی مگر دس سال پہلے اس میں اتنا حوصلہ تھا نہ اتنا شعور اب تو اس نے سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیا تھا۔ اللہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے اور اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔

اس دوران عالیہ کی دوستی عذرا آپا سے ہوگئی۔ وہ سامنے والے گھر میں رہتی تھیں۔ ان کے حالات کا علم تو اسے آغاز ہی میں ہو گیا تھا۔ ان کے شوہر پرویز صاحب بیسویں گریڈ کے افسر تھے، ان کے تین بچے تھے۔ ان کے شوہر میں سب وہی اوصاف تھے جو سعود میں تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ سعود کے گھر میں اسے کھانے پینے کی کوئی تنگی نہیں تھی اور اب ماں باپ کے گھر جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی جبکہ عذرا آپا کو میکے والوں سے ملنے کی اجازت نہیں تھی اور روزمرہ کے اخراجات کے لیے وہ ایک پیسہ بھی نہیں دیتے تھے۔ ان کا میکا کوئٹہ میں تھا اور کوئٹہ جانے کے لیے وہ اتنا کرایہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اب والدین بھی نہیں رہے تھے اور بہن بھائی اپنے حالوں میں مست تھے کبھی کبھی ان کی مدد کر دیا کرتے تھے۔ شکر ہے وہ بچوں کی فیس افورڈ کر رہے تھے ورنہ وہ کیا کر سکتی تھیں۔ پرویز صاحب ان کے ماموں زاد تھے مگر کسی رشتے دار کا انہیں کوئی احترام تھا اور نہ لحاظ۔ اکثر ان کے گھر میں فاقوں تک نوبت آپہنچتی تو کھانا سعود کے ہاں سے جاتا۔ امی جی بہت خوش ہو کر بڑے سجا سجا کر ان کے گھر کھانا بھجیتیں۔ آنکھیں بند، کان بند اور زبان بند کر کے تو گزارہ ہو جاتا تھا بالکل عالیہ کی طرح لیکن جب بھی عذرا آپا نے زبان کھولی ان کا سارا وجود نیل و نیل ہو جاتا۔ جسم کے زخموں کے ساتھ ساتھ ان کی روح بھی لہولہان ہو جاتی۔

اس دن بھی وہ کافی عرصے بعد ان کے گھر آئی تھیں۔

"عذرا آپا خیریت ہے؟" انہیں دیکھ کر عالیہ دھک سے رہ گئی۔ ماتھے پر گہرے زخم کا نشان تھا۔ دونوں آنکھوں پر ورم اور نیل تھا۔ دونوں بازو بھی زخمی حالت میں تھے اور ان کے گھٹنے پر بھی چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے وہ لنگڑا کر چل رہی تھیں۔ عالیہ کو ایک گہرے تاسف نے آن گھیرا۔ اتنے دن اگر وہ نہیں آئی تھیں تو کاش وہی ان کا حال پوچھ لیتی۔

"کیا ہوا عذرا آپا، یہ چوٹیں کیسے لگیں؟"

"کیسے لگیں تجھے نہیں پتا کیسے لگیں۔" امی جی طنزیہ ہنسی کے ساتھ بولیں۔ "سعود سے مار کھا کر تیرا بھی یہی حال ہوتا ہے۔" وہ یک دم چپ کر گئی۔ عذرا آپا کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے۔

"اب ہوا کیا تھا پرویز کو کیا موت پڑی تھی؟" امی جی نے پوچھا۔

"باجی وہی پرانا سیاپا۔" عذرا آپا انتہائی دکھ کے ساتھ بولیں۔ "گھر میں راشن بالکل ختم ہو گیا تھا بس مجھ سے یہی غلطی ہوگئی۔ جو اُن سے کہہ دیا کہ گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ دال تک گھر میں نہیں تھی۔ میں کیا پکاتی بچے بھوک سے بلک رہے تھے۔ انڈے ڈبل روٹی تک منگوانے کے پیسے نہیں تھے۔ بھائیوں سے میں کب تک خرچ منگواؤں اب تو وہ دے دے کر بھی تھک گئے ہیں مگر ان کا پیٹ نہیں بھرا۔ ان کو ذرا بھی شرم نہیں آتی۔ فقیر بنا چھوڑا ہے۔" عذرا آپا زار و قطار رو رہی تھیں۔

"عذرا نہ رو، میرے دل کو کچھ ہوتا ہے۔"

"بہو کے آنسو دیکھ کر تو کبھی آپ کے دل کو کچھ نہیں ہوا۔ اسے لہولہان دیکھ کر تو آپ کا دل خوش ہوتا ہے۔" عالیہ کہنا چاہتی تھی مگر وہ اپنے اندر اتنی جرأت کہاں سے لاتی۔ عذرا آپا کے لیے اس کا دل کڑھ رہا تھا کاش وہ ان کے لیے کچھ کر سکتی۔

"عذرا میری مان تو پرویز کو چھوڑ دے اور اس کی اولاد کو دفع کر اور اپنے بھائیوں کے گھر چلی جا، ان پر تیری دو وقت کی روٹی بھاری نہیں ہوگی۔"

"باجی آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ میں بچوں کو کس طرح چھوڑ سکتی ہوں۔ خاص طور پر اپنی بیٹیوں کو...... کل کو ان کی شادیاں ہونی ہیں۔ لوگ کیا کہیں گے کہ ان کی ماں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ بے شک میرے بھائی امیر کبیر ہیں پر باجی اپنا گھر تو اپنا ہوتا ہے ناں۔ پرویز صاحب جیسے بھی ہیں اپنے گھر میں میری بادشاہی ہے اور میں اپنی بادشاہی چھوڑ کر بھائیوں کے در پر جا بیٹھوں۔ کل کو بھابیاں مجھے پوچھیں گی بھی نہیں۔ میں تو ایسی بات کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔"

عذرا کی بات سن کر امی جی شرمندہ سی ہو گئیں۔

"دفع دور پھر اس سے جوتے کھاتی رہو اور خوش ہوتی رہو۔" عذرا آپا نے اپنے آنسو پونچھے۔

"باجی میری امی نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ حالات جیسے بھی ہوں کبھی خاوند کا گھر نہیں چھوڑنا۔ کہتی تھیں عورت کا اصل ٹھکانا اس کے خاوند کا گھر ہوتا ہے۔ میری ماں نے تو ہمیں یہی بات سکھائی ہے کہ خاوند اگر ٹوٹے ہوئے چھتر پر بھی کھانا رکھ کے دے تو سو بسم اللہ کر کے کھا لینا چاہیے۔ باجی جو عورت خاوند کا گھر چھوڑ دے اس کی بھی کوئی عزت ہوتی ہے۔" عالیہ آج عذرا آپا سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ ان کا دکھ اور پھر ان کا صبر اور شکر۔

اس رات اس نے بہت دنوں کے بعد شکرانے کے نفل پڑھے۔ اللہ کا شکر ہے کتنے لوگوں سے اچھے حالات تھے اس کے، بندہ واقعی کتنا ناشکرا ہے۔ اللہ کی کتنی نعمتوں کا تو اسے ادراک ہی نہیں ہوتا۔ اس نے سچے دل سے اللہ کو پکارا۔

"اے رؤف الرحیم، اے ربِ کریم اس نعمت کے لیے تیرا ڈھیروں شکر جو تو نے عطا فرمائی اور ہر اس نعمت کے لیے بھی تیرا لاکھ لاکھ شکر جو تو نے نہیں عطا فرمائی کہ اسی میں میری بہتری ہے کیونکہ تو جانتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے اور میں نہیں جانتی۔'' اس رات اس نے کتنے سالوں کے بعد پھر وہ خواب دیکھا تھا۔ وہ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہی تھی۔ حرم لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ اتنے بے حساب اور بے شمار لوگوں کے درمیان اس نے محسوس کیا وہ اکیلی نہیں تھی۔ کوئی اس کے ساتھ تھا۔ سفید احرام میں وہ اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ اس کی نظریں خانۂ کعبہ کے سیاہ غلاف پر تھیں اور وہ آیتِ کریمہ پڑھ رہی تھی۔ چاروں طرف وہی مہک پھیلی ہوئی تھی جو دو مرتبہ وہ پہلے بھی محسوس کر چکی تھی۔ روح میں اتر جانے والی خوشبو...... وہ انہیں دیکھ نہیں سکتی تھی مگر وہ جانتی تھی۔ وہ وہی تھے وہ روشن پیشانی، بڑی بڑی جھکی ہوئی آنکھیں، سرخ و سفید دمکتی ہوئی رنگت اور سنہری داڑھی۔ وہ کلمۂ طیبہ پڑھ رہے تھے طوافِ کعبہ کے بعد ان بزرگ ہستی نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا ابھی وہ ان کی ایک جھلک ہی دیکھ پائی کہ اس کی ... آنکھ کھل گئی تو وہ آیتِ کریمہ کا وِرد کر رہی تھی اور اس کے دل پر ایک گہرا سکون نازل ہو رہا تھا۔ وہ عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی ایک ناقابلِ بیان کیفیت......! وہ اس سے بے خبر تھی کہ آج پھر انہوں نے اسے کچھ عطا کیا تھا۔ یقیناً اللہ اس سے خوش تھا۔

''یا اللہ میرا شمار شکر کرنے والوں اور عبادت کرنے والوں میں لکھ دے۔ یا اللہ تو مجھ سے راضی ہو جا اور مجھے اپنی رضا میں راضی ہونے کی توفیق دے دے۔''

☆☆☆

فاطمہ کی شادی میں چند دن رہ گئے تھے۔ سارے بہن بھائی اور رشتے دار آچکے تھے مگر ابھی تک اسے اجازت نامہ نہیں ملا تھا اور ان کی مرضی کے بغیر وہ کس طرح جا سکتی تھی۔ اگلے دن وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تلاوتِ قرآن پاک کر رہی تھی کہ اس کے سسر اس کے کمرے میں آگئے۔

''عالیہ، سعید صاحب کا فون آیا ہے فاطمہ کی شادی میں سب لوگ آگئے ہیں، آج تم بھی چلی جانا۔''

''جی اچھا۔'' سسر کی اجازت کے باوجود اس نے امی جی اور سعود سے بھی اجازت لی اور پھر خوشی خوشی جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ پہلی ہی نظر میں اسے دیکھ کر ماما کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ خوش تھی۔ اس کے سارے وجود پر ایک اطمینان سا چھایا ہوا تھا۔ ایک عرصے کے بعد اسے دیکھ کر ان کے دل میں خوشی کے جذبات جاگے تھے اور انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ شیر سلیمان اس کے ساتھ تھا جبکہ شیر زمان اپنی دادی کے ہمراہ آنے والا تھا۔

سالوں کے بعد وہ سب لوگ اکٹھے ہوئے تھے۔ اس گھر کی آخری شادی تھی اور سب لوگ بے حد خوش تھے۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ فاطمہ رخصت ہو کر چلی گئی تھی۔ سب کو اطمینان تھا مہرین اس کے ہمراہ گئی تھی جبکہ باقی سب لوگ اگلے دن ولیمے پر جانے والے تھے۔ ایک یقین تھا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ بہت خوش رہے گی۔ مہرین ہی کی طرح جسے اس کے سسرال والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا اور جسے نہ صرف شوہر بلکہ سسرال میں سب لوگوں کا پیار، محبت اور توجہ ملی تھی۔ وہ لوگ صحیح معنوں میں عزت، قدر اور محبت کرنے والے تھے۔ ان سے رشتے داری کر کے بابا اور ماما کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو گیا تھا۔

بہن کی شادی کے بعد جب وہ گھر آئی تو ایک نیا مسئلہ سر اٹھائے کھڑا تھا۔ اچانک امی جی کو تیسرے بچے کا خیال ستانے لگا تھا۔ سعود نے اس سے بات کی تو وہ چپ کی چپ رہ گئی۔ اب امی جی قدرت کی باتوں میں بھی دخل اندازی کرنے لگی تھیں۔ توبہ نعوذ باللہ کیا اب وہ اللہ کے نظام کو بھی اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی ہیں۔ کیا یہ بندے کے اختیار میں تھا۔ انسان کے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ یہ تو اللہ کے ہاتھ میں تھا وہ جب چاہے اور جسے چاہے اولاد کی

نعمت سے نواز دے۔

انہوں نے ایک نیا شوشا چھوڑ دیا تھا۔ ان کے خیال میں جڑواں بچوں کی پیدائش کے بعد عالیہ میں شاید کوئی نقص پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ مزید بچے پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی تھی۔ اب اٹھتے بیٹھتے اسے یہی سنایا جا رہا تھا۔

''میں ایک سال اور انتظار کروں گی اس کے بعد میں اپنے بیٹے کا دوسرا بیاہ ضرور کروں گی۔'' اور وہ سکتے کی حالت میں رہ گئی تھی۔ کیا جواز پیدا کیا تھا انہوں نے۔ اس کا جی چاہا وہ ان سے پوچھے کیا اللہ کے حکم سے اس نے انہیں دو پوتے نہیں دیے تھے مگر وہ خاموش رہی۔

اگلے ہفتے سعود کسی ضروری میٹنگ کے سلسلے میں ملائشیا جا رہے تھے اور یہ سن کر تو اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کہ وہ اسے اپنے ہمراہ لے جا رہے تھے۔ یہ ہو سکتا تھا......؟ آج تک تو وہ اسے کبھی شہر میں اپنے ہمراہ کہیں لے کر نہیں گئے تھے اور یہ جان کر اسے اور بھی حیرت ہوئی کہ دونوں بچے بھی ان کے ہمراہ جا رہے تھے۔

''خدایا یہ انقلاب کب اور کیسے آیا؟'' وہ جاننے سے قاصر تھی اسے یقین تو نہیں آرہا تھا مگر یہ سچ تھا۔ پاسپورٹ بن کر آگیا تھا اور اگلے چند دنوں میں ویزا بھی مل گیا جس قسم کے تعلقات ان دونوں کے درمیان تھے اس نے کبھی بھول کر بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کبھی اسے اپنے ہمراہ ... بیرونِ ملک لے کر جائیں گے اور نہ ہی اس کے دل میں ایسی کوئی خواہش تھی البتہ اس خواب کے بعد اس کا بہت جی چاہتا تھا کہ وہ حج پر جائے یا عمرے کی سعادت حاصل کرے اور موقع غنیمت جان کر اس نے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

''سعود میرا بہت جی چاہتا ہے کہ ہم حج پر جائیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم واپسی پر عمرہ کر کے آئیں؟''

''میرا دماغ خراب نہیں ہوا ہے ابھی اور نہ میرے پاس اتنا فالتو وقت ہے۔''

''توبہ استغفراللہ۔'' عالیہ نے دل ہی دل میں استغفار پڑھی۔ اسے سعود کے سامنے اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہیے جس کا جواب وہ اس طرح دیں۔ وہ ان کے ساتھ ملائشیا نہیں جانا چاہتی تھی۔ پہلے دن سے ان کے تعلقات میں ایک عجیب سی جھجک تھی وہ ان سے کبھی بے تکلف ہو کر بات نہیں کر سکتی تھی۔ نہ سعود اسے پسند کرتے تھے اور نہ وہ اس حد سے آگے بڑھنا چاہتی تھی پھر بچوں کی چھٹیاں بھی نہیں تھیں۔ انہوں نے اسکول سے ایک ہفتے کی چھٹی لی تھی۔ وہ جانتی تھی بچوں کا بہت حرج ہوگا مگر دادا، دادی اور سعود کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا اور اس کی کیا مجال کہ وہ ایک لفظ بھی بول سکتی اور اس کا حل اس نے یہ نکالا تھا کہ وہ بچوں کے اسکول بیگ ساتھ لے کر جا رہی تھی اور وہاں پہنچ کر اپنی اس عقلمندی پر وہ خود کو شاباش دیے بنا نہ رہ پائی۔

وہ ملائشیا کے ایک اعلیٰ ترین ہوٹل میں ٹھہرے تھے ان کے لیے دو کمرے بک تھے۔ دونوں کمرے بے حد آرام دہ اور خوب صورت تھے۔ سعود صبح ہی اٹھ کر کام کے سلسلے میں چلے جاتے اور شام گئے لوٹتے۔ سارا دن عالیہ اور بچے ہوٹل میں ہوتے۔ صبح نیچے ڈائننگ ہال میں جا کر وہ ناشتا کرتے۔ وہ آرام سے جا کر بیٹھ جاتی اور شیر سلیمان اور شیر زمان دوڑ دوڑ کر اس کے لیے ناشتا لاتے۔

''ماما آپ جوس کون سا لیں گی؟ سارے فریش جوسز موجود ہیں۔ اورنج، ایپل، لیمن، لیچی، پائن ایپل۔'' وہ بے شمار نام گنواتے۔

''ماما آپ انڈا کیسا لیں گی۔ فرائڈ، آملیٹ یا بوائلڈ؟''

''ماما آپ پراٹھا لیں گی یا سلائسز یا پھر فرنچ ٹوسٹ؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ماما دلیا اور سارے سیریل بھی ہیں اور ہر قسم کی ورائٹی ہے۔ آپ اپنی پسند کا ناشتا کر سکتی ہیں۔" اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ دونوں بھاگ بھاگ کر اس کے لیے ناشتے کی میز سجاتے اور پھر وہ تینوں خوش ہو کر ناشتا کرتے کتنا مزہ آ رہا تھا۔ بلاشبہ وہ زندگی کے بہترین دن تھے۔

شیرو اور مانو تو اس کے پیارے بچے اس کے ہمراہ تھے اور کائنات کی ساری خوشیوں سے اس کا دامن بھر گیا تھا۔ وہ ہر ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی۔ ناشتے کے بعد وہ بچوں کو پڑھاتی۔ بیسمنٹ میں خواتین کے لیے مسجد تھی اور بچوں کے لیے پلے لینڈ اور دوسرے گیمز بھی۔ کمپیوٹر کی بھی سہولت تھی۔ بچے مختلف کھیل کھیل سکتے تھے۔ وہ مسجد میں نماز اور نوافل کے بعد تسبیحات میں مصروف رہتی اور گاہے بگاہے بچوں کے ساتھ کسی کھیل میں بھی شامل ہو جاتی۔ کبھی کبھی اسے یقین ہی نہ آتا کہ وہ اپنے بچوں کے ہمراہ ملائشیا کے اس حسین اور آرام دہ ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے جہاں نہ امی جی کا ڈر تھا اور نہ بڑی آپا کی جھڑکیاں اور نہ چھوٹی آپا کے طعنے اور نہ سعود کی گرم مزاجی۔

اس نے پہلی مرتبہ سوچا اگر امی جی اور بہنیں سعود کو اس کے خلاف اس طرح بھڑکایا نہ کریں تو شاید وہ اچھے شوہر بن بھی سکتے تھے۔ شام کو وہ انہیں گھمانے پھرانے لے جاتے۔ ملائشیا کے مشہور اور مخصوص مقامات کی سیر کرواتے۔ بہترین ڈنر کراتے۔ بچوں کو دل بھر کر شاپنگ کراتے اور کافی خوش نظر آتے۔ دو تین مرتبہ وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ بھی گئے اور ساری رات گزار کر صبح دم لوٹے اور جس حالت میں لوٹتے تھے وہ عالیہ کے لیے بے حد تکلیف دہ ہوتی مگر وہ صبر کرنے کے علاوہ کیا کر سکتی تھی اور خاموش رہنا تو اس کا مقدر ٹھہرا تھا۔

اس رات وہ پہلی مرتبہ باہر نہیں گئے تھے اپنے لیپ ٹاپ پر وہ کافی دیر سے مصروف تھے۔ وہ بچوں کو سلا کر جب بیڈروم میں آئی تو اسے حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی۔ آج وہ نشے کی حالت میں نہیں تھے اور ان کے چہرے پر ایک نرم سا تاثر تھا۔ وہ بالکل ایک بدلی ہوئی شخصیت لگ رہے تھے۔ آج پہلی بار ان کا لہجہ دھیما تھا اور وہ اسے کافی عزت سے مخاطب کر رہے تھے۔

"عالیہ میں اکثر سوچتا ہوں تم نے یہ سارا وقت میرے ساتھ کس طرح گزارہ ہے، میں نے کبھی تمہیں خوش نہیں دیکھا۔ ہنستے بولتے نہیں دیکھا۔ کیا تم میرے ساتھ خوش بھی ہو؟" عالیہ نے بہت حیران ہو کر انہیں دیکھا۔ خوش شکل تو وہ تھے ہی مگر اس وقت وہ بہت اچھے لگ رہے تھے۔

"بتاؤ ناں...... تم خوش ہو؟" وہ کیا جواب دیتی پتا نہیں کیوں اسے رونا آ گیا۔ وہ رو رہی تھی اور سعود اسے چپ کرا رہے تھے۔

"روؤ نہیں پلیز عالیہ۔" انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ "رو کیوں رہی ہو، تم خوش نہیں ہو ناں؟"

"جی، میں بہت خوش ہوں۔" اس نے سچ بولا تھا۔ اس وقت وہ بہت خوش تھی اور سعود اس کے جواب سے اس قدر خوش ہوئے تھے کہ وہ حیران رہ گئی تھی۔ ان کے چہرے کے تاثرات انہیں بے حد وجیہہ اور خوبرو بنا رہے تھے۔ یہ اسے پہلی مرتبہ پتا چلا تھا کہ اس کے ایک فقرے نے جیسے ان کی شخصیت ہی بدل کر رکھ دی تھی۔ وہ کتنے مطمئن ہو کر سوئے تھے اور ان کے چہرے پر ایک عجیب معصومیت تھی۔ زندگی میں بالکل پہلی مرتبہ وہ اسے بہت اچھے لگے تھے۔ کچھ دیر لیٹنے کے بعد وہ تہجد کی نماز کے لیے اٹھ گئی۔ نہا کر اس نے سفید لباس پہنا۔ آج اسے شکرانے کے نفل بھی تو پڑھنا تھے۔ اس شام سعود انہیں شہر کے مشہور نیشنل پارک دکھانے لے کر گئے تھے۔ عالیہ کو وہ جگہ بے حد پسند آئی، انتہائی صاف

ستھرا ملک تھا وہ۔ سڑکیں، پارک، ریستوران ہر جگہ صفائی کا اعلیٰ ترین معیار تھا۔ وہ بے حد خوب صورت پارک تھا۔ وہاں اس قدر اچھی لینڈ اسکیپنگ کی گئی تھی ایک ایک پودے پر بے حد محنت کی گئی تھی۔ پھولوں کی روشیں، گہری سبز گھاس، واکنگ ٹریکس، مصنوعی آبشار اور جھرنے۔ وہاں کس قدر مکمل حسن تھا اس پر ایک سحر طاری ہو گیا تھا۔ اسی کیفیت میں اس نے اپنی چادر بچھا کر نمازِ مغرب ادا کی۔ نماز پڑھ کر اس نے اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے دعا مانگی۔

"باریِ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرما۔ اے ربِ کریم، اے ربِ العرش العظیم میری دعا کو شرفِ قبولیت بخش دے۔" اور جب وہ اپنی دعاؤں کی لذتوں میں گم تھی تو چونک گئی۔

اس کے پاس کوئی تھا۔ وہ آمین کہنا ہی بھول گئی۔ وہی پاکیزہ مہک پھیلی تھی۔ دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والی مہک۔ روح کو چھو لینے والی خوشبو۔ ابھی کوئی یہاں سے ہو کر گزرا تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ وہاں بہت لوگ تھے مگر جنہیں وہ ڈھونڈ رہی تھی وہ وہاں نہیں تھے۔ دل میں ایک عجیب سی سرخوشی کی لہر جاگی تھی۔ خواہ مخواہ ہی ہنسنے مسکرانے کو جی چاہ رہا تھا۔ دونوں بچے داہنی جانب سلائیڈز لے رہے تھے۔ عالیہ کا جی چاہ رہا تھا وہ جھولا جھولے اور آسمان کی بلندیوں کو چھو لے۔ تب ہی سعود ان کے لیے کھانے پینے کی ڈھیروں چیزیں لے کر آ گئے۔

اگلے دن وہ کوالالمپور دینا کے بلند ترین ٹوئن ٹاورز دیکھنے گئے۔ بلندیوں کی طرف جاتے ہوئے کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ دونوں بچے بہت انجوائے کر رہے تھے ہر جگہ پر ان کی دلچسپی کے بے شمار سامان موجود تھے۔ اس رات سعود نے انہیں بے تحاشا شاپنگ کروائی۔ عالیہ کو بے حد قیمتی ڈائمنڈ رنگ خرید کر دی۔ وہ لینا نہیں چاہتی تھی، زیورات سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور پھر اتنی مہنگی انگوٹھی خرید کر اس کا دل خوش نہیں ہوا تھا۔ اپنی ذات پر اس نے کبھی اتنا پیسہ خرچ نہیں کیا تھا۔ مہنگے ملبوسات اور قیمتی زیورات خرید کر اسے افسوس ہو رہا تھا۔ یہی رقم وہ اللہ کی راہ میں بھی خرچ کر سکتے تھے۔ کسی نیک مقصد کے لیے بھی استعمال ہو سکتی تھی مگر وہ سعود کی ناراضی کے خیال سے چپ رہی۔

اگلی صبح وہ پاکستان واپس جا رہے تھے۔ رات کو وہ کمرے میں نیچے قالین پر بیٹھی ساری شاپنگ بکھرائے پیکنگ کر رہی تھی۔ دونوں بچے کمپیوٹر پر کسی کھیل میں مگن تھے اور سعود کچھ فائلز کھول کر بیٹھے ہوئے تھے۔ پتا نہیں اچانک ان کے ذہن میں کیا خیال آیا تھا۔

"عالیہ دکھاؤ تمہارے ہاتھ میں وہ رِنگ کیسی لگ رہی ہے۔"

"اوہ...... وہ تو میں نے سوٹ کیس میں پیک کر دی ہے۔"

"سوٹ کیس میں...... بائی دا وے ایسی قیمتی چیزیں فضائی سفر میں اپنے ہینڈ بیگ میں رکھی جاتی ہیں۔" وہ طنزیہ لہجے بولے۔

"اچھا میں رکھ لیتی ہوں۔"

"ویسے تم ثابت کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"جی......" وہ حیرت سے بولی۔

"یہی ناں کہ تمہیں کسی چیز کی کوئی پروا نہیں ہے۔"

"سعود ایسی بات نہیں ہے۔" وہ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے تھے۔

"پھر کیا بات ہے۔ تم ظاہر کرنا چاہتی ہو کہ تم بہت بے نیاز ہو۔ ہیرے جواہرات کی تمہاری نظر میں کوئی وقعت نہیں ہے۔ میرے تحفوں کی تمہاری نظر میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہ میں نے تمہیں سوٹ کیس میں بند کر کے رکھنے کے لیے خرید کر دی ہے؟"

"جی، میں ابھی پہن لیتی ہوں۔" وہ بچوں کے سامنے بات بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

سوٹ کیس کھول کر جلدی سے انگوٹھی پہن لی۔
"یہ دیکھیں سعود کتنی اچھی لگ رہی ہے۔"
"بدنصیب عورت۔" وہ غصے میں دہاڑے۔
"تم اس قابل ہو ہی نہیں کہ تمہیں کوئی تحفہ خرید کر دیا جائے۔" بچوں نے مڑ کر اُن کی طرف دیکھا۔
"پلیز سعود بچوں کے سامنے اس قسم کی باتیں نہیں کریں۔"
"کیوں نہ کروں۔"
"پلیز آہستہ بولیں۔"
"اپنا منحوس چہرہ دفع کرو۔" وہ چیخ چیخ کر بول رہے تھے۔ "میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔ امی جی ٹھیک کہہ رہی تھیں تمہارے لیے یہ سب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔" بچے آ کر اس سے لپٹ گئے تھے۔ وہ انہیں جھک کر پیار کرنے لگی۔ وہ تو بچے تھے مارے خوف کے وہ خود لرز رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے۔
"تو یہ ڈوز آج امی نے دی تھی۔" سعود طیش کے عالم میں کمرے سے باہر نکل گئے اور وہ خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آنسو پونچھ کر اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔
"کون سی ویڈیو گیم کھیل رہے تھے۔ آؤ مجھے بھی اپنے ساتھ کھلاؤ۔" وہ انہیں نارمل کرنا چاہ رہی تھی اور جب وہ واپس جا رہے تھے تو عالیہ کا جی چاہ رہا تھا وہ وہیں پر رہ جائے۔ اس ملک کے کسی گمنام گوشے میں۔ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ وہ کہیں چھپ جائے۔ کوئی اسے ڈھونڈ نہ سکے، کوئی اسے تلاش نہ کر پائے مگر ایسا کہاں ممکن تھا پھر وہی شب و روز تھے اور زندگی میں رچا ہوا بدمزگی کا احساس۔ وہاں کچھ بھی نہیں بدلا تھا وہی پرانے طور طریقے تھے۔

☆☆☆

ابا جی بزنس کے سلسلے میں فرانس جا رہے تھے۔ وہ اکثر بیرونِ ملک دوروں پر جایا کرتے تھے مگر اس دفعہ سعود بھی ان کے ہمراہ جا رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فرانس جانے کی منطق کیا تھی۔ وہ ایک وکیل تھے اور ان کی وکالت بہت اچھی چلتی تھی۔ اگرچہ وہ زیادہ محنت نہیں کرتے تھے دراصل پیسہ ان کی ضرورت نہیں تھا وہ منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے جب اور جہاں جی چاہے وہ جا سکتے تھے اور اسے یہ جان کر اور بھی حیرت ہوئی کہ وہ عالیہ کو بھی ساتھ لے کر جانا چاہتے تھے مگر امی جی نے انہیں سختی سے منع کر دیا تھا۔
"پردیس میں عورتوں کی کمی نہیں۔ عالیہ جیسی منحوس صورت عورت کو ساتھ لے جانے کی ضرورت کیا تھی۔" ان کی گفتگو کا لبِ لباب یہ تھا۔
"امی جی، اپنی عورت کی تو بات ہی اور ہوتی ہے۔ بڑی فرمانبردار ہوتی ہے۔"
"رہنے دے دفع کر۔ جتنے پیسے خرچ کرے گا اتنی اشاروں پر چلنے والی عورت مل جائے گی۔" اور عالیہ ماں اور بیٹے کی گفتگو سن کر دنگ رہ گئی۔ جب ماں ہی بیٹے کو اس طرح ترغیب دے رہی تھی تو بیٹے کا کیا قصور تھا۔ جب باپ سب کچھ جانتے بوجھتے آنکھیں بند کر لے اور سب کچھ سنتے ہوئے کان بند کر لے تو اس میں بیٹے کا کیا دوش تھا۔ اندر تک وہ لرز کر رہ گئی تھی۔ یہاں اخلاق کا نہ کوئی معیار تھا اور نہ کردار کا کوئی پیمانہ۔ سعود کی تعلیم اگرچہ بہت اچھے اسکولوں میں ہوئی تھی وہ باہر سے بار ایٹ لا کر کے آئے تھے لیکن گھر کے ماحول کی وجہ سے شخصیت میں وہ چیز پیدا نہ ہو سکی تھی جو اچھی تربیت کی مرہونِ منت ہوتی ہے مگر اب کیا ہو سکتا تھا البتہ اب وہ شیر سلیمان اور شیر زمان کو اس ماحول سے بچانا چاہتی تھی۔ اس کی جان کو تو ایک ہمیشہ کے لیے روگ لگ چکا تھا پورے بارہ سال گزر چکے تھے روتے اور کڑھتے ہوئے اور دعائیں مانگتے ہوئے۔ جی چاہتا تھا بچوں کو لے کر وہ کہیں بہت دور چلی جائے جہاں اس کے بچوں پر ان لوگوں کا سایہ بھی نہ پڑ سکے مگر وہ انہیں کہاں تک بچا سکتی تھی۔ بچے بڑے ہو رہے تھے بہت سی باتیں وہ سمجھنے لگے تھے اور آگے چل کر وہ اور بھی اچھی طرح سمجھ جائیں گے۔ وہ جتنی کوشش کر سکتی تھی کر رہی تھی۔
اکثر وہ انہیں اپنے بیڈروم سے باہر ہی نہ نکلنے دیتی اچھی اچھی باتیں انہیں بتاتی۔ بری باتوں سے منع کرتی۔ رسولِ پاکؐ کی سیرتِ پاک انہیں سناتی۔ دونوں کو نماز پڑھنا اس نے سکھا دی تھی۔ جا نماز بچھا کر وہ ان کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھتی۔ ہوم ورک کے دوران وہ انہیں قرآن اور حدیث کے حوالے سے چھوٹی چھوٹی باتیں بتاتی جو وہ بہت شوق سے سنتے مگر بہرکیف اس کے بیڈروم کے باہر کی دنیا ان کے لیے پُرکشش تھی۔ جہاں ان کے لیے بہت زیادہ دلچسپیاں تھیں جو انہیں اپنی طرف کھینچتی تھیں اور ان کا باپ ان کو اس دنیا میں پوری طرح انوالو کرنا چاہتا تھا۔ بچوں کو چھوڑ کر سعود کے ساتھ فرانس جانے کو اس کا بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ سخت شش و پنج میں مبتلا تھی۔ وہ سعود کے سامنے انکار کس طرح کر سکے گی۔ اس نے منت کے نفل مان لیے تھے اور اللہ نے اس کی مشکل آسان کر دی تھی۔ سعود نے دوبارہ اسے ساتھ چلنے کو نہیں کہا۔

☆☆☆

شیر سلیمان اور شیر زمان نے ابھی اے لیول میں قدم ہی رکھا تھا کہ سعود نے کہنا شروع کر دیا کہ وہ اے لیولز کے بعد بچوں کو پڑھنے کے لیے انگلینڈ بھیج دیں گے۔ اکثر ان میں بحث رہنے لگی تھی اگرچہ وہ ان سے بحث کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ ان سے جھگڑا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ ان کے مزاج سے ڈرتی تھی انتہائی ناقابلِ یقین مزاج تھا ان کا۔ جانے کب وہ غصے میں آپے سے باہر ہو جائیں ایسے میں وہ کچھ نہیں دیکھتے تھے، کچھ نہیں سوچتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں

اور کیا کہہ رہے ہیں مگر پھر بھی وہ انہیں اپنے طور پر قائل کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔
"سعود ابھی بچے بہت چھوٹے ہیں ایسی بات آپ سوچ بھی کیسے سکتے ہیں؟"
"کیوں...... سوچنے پر کوئی پابندی لگی ہے کیا۔ میں بھی اے لیول کے بعد باہر چلا گیا تھا اور لاء پڑھ کر واپس آیا تھا۔" وہ خاموش ہو گئی۔ وہ ہر روز نمازِ حاجت پڑھ کر رو رو کر اپنے رب سے دعا مانگتی مگر شاید اللہ کو بھی یہی منظور تھا۔ اس نے سعود کے اس فیصلے کو اللہ کی رضا جان کر مان لیا تھا مگر اندر سے جیسے کسی نے اس کا کلیجا جکڑ لیا تھا۔ وہ بچوں کے بغیر کس طرح جیے گی۔ اس گھر میں اس کی دلچسپی کا سامان اور اس گھر میں رہنے کا واحد جواز اس کے بچے تھے۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ جس دن وہ دونوں جا رہے تھے اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ پتا نہیں سعود نے اسے کیا کہا تو وہ پھٹ پڑی تھی۔
"کیا ضرورت ہے بچوں کو اتنی چھوٹی عمر میں باہر بھیجنے کی۔ وہ کیا خاک پڑھیں گے وہاں جا کر اپنا کوئی کام وہ اپنے ہاتھ سے کر نہیں سکتے۔ وہاں کون ان کی دیکھ بھال کرے گا۔ یہاں ان کے سارے کام میں کرتی ہوں۔ وہاں کون کرے گا یا تو مجھے بھی ان کے ساتھ بھیج دیجیے۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ پلیز سعود مجھ پر یہ ظلم نہ کریں بچوں کو مجھ سے جدا نہ کریں۔"
"اپنی بکواس بند کرو اور یہ رونا دھونا بھی بچوں کے سامنے تماشا کرنے کی ضرورت نہیں تمہیں روتا دیکھ کر شاید وہ بھی جانا نہ چاہیں۔"
"کتنا اچھا ہو جو وہ نہ جائیں۔ سعود کیا آپ ان کے بغیر اداس نہیں ہوں گے کیا ابا جی اور امی جی اداس نہیں ہوں گی؟"
"وہ جب بھی اداس ہوں گے جا کر اُن سے مل آیا کریں گے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

''اور میں...... میں کیا کروں گی؟''

''تم کچھ نہیں کرو گی تم اسی طرح روؤ گی اور تڑپو گی اور میں تمہیں دیکھ کر خوش ہوا کروں گا۔'' وہ ہنسے۔ ''پاگل عورت یہ ان کے مستقبل کا سوال ہے۔ اب وہاں سے یہ کچھ بن کر ہی لوٹیں گے۔''

''ہاں، جیسے آپ بن کر لوٹے ہیں۔ اسی طرح وہ بن کر واپس آئیں گے۔'' وہ یک دم بولی۔

''کیا کہا تم نے...... ذرا پھر سے کہو۔'' انہوں نے اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا۔ ''میں کیا بن کر لوٹا ہوں بتاؤ...... بولو۔'' انہوں نے اس کا منہ تھپڑوں سے لال کر دیا۔ ''بدنصیب عورت میں جانتا ہوں تم پہلے دن سے خوش نہیں ہو۔ پتا نہیں کس یار کی یادوں میں کھوئی رہتی ہو۔ پتا نہیں کس عاشق کو چھوڑ کر آئی ہو جو روتی رہتی ہو۔ میں پورے ہوش و حواس میں تمہیں طلاق دیتا ہوں... سنا تم نے منحوس عورت میں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔ امی جی بھی یہی چاہتی ہیں کہ میں تمہیں طلاق دے دوں اس لیے میں نے پہلے سے طلاق کے کاغذات تیار کر رکھے ہیں۔'' مسعود نے اپنا بریف کیس کھول کر کاغذات نکالے۔

''ان پر دستخط کرو، امی جی کتنے دنوں سے پوچھ رہی ہیں کہ تم نے دستخط کروائے کہ نہیں...... کرو یہاں دستخط۔'' انہوں نے اس کے ہاتھ میں قلم تھمایا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

''کرو دستخط۔'' وہ اتنی زور سے دہاڑے کہ بغیر دیکھے اور بغیر سوچے سمجھے اس نے دستخط کر دیے۔ ''ویری گڈ!'' وہ ہنسے۔ ''میں پہلے ہی ان کاغذات پر سائن کر چکا ہوں اور اب تم یہاں سے دفع ہو جاؤ اپنی منحوس صورت گم کرو۔ میں تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتا۔'' وہ اسے پاؤں سے ایک ٹھوکر مار کر اس کے ہاتھ سے کاغذات لے کر چلے گئے اور کسی کو پتا بھی نہیں چلا کہ اندر کیا ہو رہا تھا۔ اس کی زندگی کے ڈرامے کا ڈراپ سین ہو گیا تھا سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ یہ کیا ہوا؟ کاش وہ کوئی سوال جواب نہ کرتی۔ اس نے ایسا تو کبھی نہیں چاہا تھا مگر وہ تو سب کچھ طے کر کے بیٹھے تھے۔ سارے کاغذات تیار کر کے...... ماں اور بیٹا پورا پروگرام بنا کر اس لمحے کا انتظار کر رہے تھے یہ تو ہونا ہی تھا۔ وہ چپ بھی رہتی تب بھی ایسا ہی ہونا تھا۔ اس نے بند ہوتی پلکوں اور تاریکی میں ڈوبتے ذہن کے ساتھ سوچا۔ بچے جا رہے ہیں۔ تین بجے رات ان کی فلائٹ تھی پتا نہیں کیا وقت ہوا تھا۔ معلوم نہیں کتنے گھنٹے رہ گئے تھے۔ اس نے حساب کرنا چاہا مگر اس کا ذہن جیسے گہری نیند میں جا رہا تھا۔

''شیرو...... مانو...... میرے بچے۔ شیرو، مانو۔'' پھر وہ بے ہوش ہو گئی۔

☆☆☆

سعید صاحب کو فون پر کسی ملازم نے اطلاع دی تھی۔ وہ خبر تھی یا قیامت لگتا تھا جیسے قریب ہی کوئی بم پھٹا تھا اور ان کی ذات کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ ماما نے وہ خبر سن کر دل تھام لیا تھا۔ وہ عالیہ کی مجرم تھیں پہلا خیال ان کے ذہن میں یہی آیا تھا۔ اگر یہی انجام ہونا تھا تو بہت پہلے کسی اور انداز میں بھی اس کا اختتام ہو سکتا تھا۔ عالیہ کو اس حال میں چھوڑ کر سارے گھر والے ائرپورٹ چلے گئے تھے۔ بچوں کو نانا نانی سے ملانے اور خدا حافظ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔

سعید صاحب نے عالیہ کو اسپتال میں شفٹ کیا۔ وہ آئی سی یو میں تھی اور ڈاکٹرز کا خیال تھا کسی شدید ذہنی صدمے کے باعث نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ پورا ایک ہفتہ گزر گیا وہ ہوش میں نہیں آئی تھی، ہمایوں، مہرین، ایمن، فاطمہ بھی پہنچ گئے تھے۔ اسے ہوش کیوں نہیں آ رہا تھا۔ سب کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ انہوں نے صدقات اور خیرات کی انتہا

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر دی مگر وہ ہوش و خرد کی دنیا سے بے نیاز بے حس و حرکت پڑی تھی۔ بہت دنوں کے بعد وہ اس طرح سو رہی تھی۔ آرام و سکون کے ساتھ۔ برداشت کی انتہا جب ختم ہو گئی تھی تو یہ بے ہوشی بھی ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی۔ آہستہ آہستہ اس کا بلڈ پریشر ہارٹ بیٹ اور ٹمپریچر نارمل ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر امید افزا باتیں کرنے لگے۔ ایک مرتبہ اس نے شیرو کو پکارا تھا وہ مانو کو بلا رہی تھی۔ اس نے ہاتھ ہلا کر اسے بلایا تھا اور پھر اسے ہوش آ گیا۔

اپنے سامنے بابا، ماما اور سارے بہن بھائیوں کو دیکھ کر اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ ڈاکٹروں نے انہیں عالیہ کی زندگی کی نوید سنائی تھی۔ اللہ نے اسے نئی زندگی بخشی تھی۔ ماما نے شکرانے کے نفل ادا کیے تو بابا نے ڈھیروں مٹھائی منگوائی۔ سب لوگ کتنا خوش تھے۔ سب کے چہروں پر اس کے لیے بے پناہ محبت جگمگا رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو چمک رہے تھے۔ عالیہ نے گہرے سکون سے آنکھیں بند کر لیں۔

گھر آ کر وہ بالکل چپ تھی۔ کسی نے اس سے کچھ پوچھا تھا اور نہ اس نے کچھ بتایا تھا۔ سب لوگ اس کے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ ہر ممکن دلجوئی کی کوشش کر رہے تھے۔ ماما اس کے کھانے پینے کا بے حد خیال رکھ رہی تھیں۔ بابا سارا وقت اس کے قریب بیٹھے رہتے۔ اسے دیکھتے رہتے یوں لگتا تھا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر کہہ نہیں سکتے۔ اس دن وہ اس کا ہاتھ پکڑے اس کے چہرے کی طرف بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔

''عالی میری پیاری بیٹی، میں آپ سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ میرے غلط فیصلے کا خمیازہ بہت سال آپ نے بھگتا...... تکلیف تو بہت معمولی لفظ ہے۔ جس اذیت سے آپ کو گزرنا پڑا اس کا ذمے دار صرف میں ہوں۔ کیا آپ اپنے بابا کو معاف کر دیں گی۔ میں آپ کا گناہ گار ہوں۔''

''پلیز بابا ایسی باتیں نہ کریں۔ یہ میرا مقدر تھا اور مقدر کا لکھا تو انسان کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔ آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ یہ سب من جانب اللہ تھا۔ اللہ اپنے نیک بندوں کو آزماتا ہے۔ اللہ کے ہر فیصلے میں بہتری ہوتی ہے۔ انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''انشاء اللہ۔'' بابا نے پیار سے اس کے ہاتھ کو تھپکا۔ ''اللہ تم پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کا نزول فرمائے۔ میری ساری دعائیں تمہارے لیے ہیں میری بچی۔ تمہارے نصیب کی خوشیاں تمہیں ضرور ملیں گی۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور صبر کرنے والوں کو اللہ اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے۔''

''بے شک بابا۔ یہی ہمارا ایمان ہونا چاہیے۔'' تب ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سعید صاحب نے ریسیور اٹھایا اور وہ خوشی سے چلا اٹھے۔

کنجوس

ایک کنجوس شخص رکشے والے سے۔ ''بھائی عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر جاؤ گے؟''

رکشے والا۔ ''ہاں جاؤں گا۔''

کنجوس آدمی۔ ''یہ پھول ان کے مزار پر ڈال دینا۔''

دھکا

ایک صاحب چابی سے اپنا کان کھجا رہے تھے کہ کسی بچے نے دیکھا تو بولا۔ ''انکل اگر آپ چابی سے اسٹارٹ نہیں ہو رہے تو دھکا لگا دوں؟''

مرسلہ: مصباح رضا سعید، فیصل آباد

”اوہ...... میرا شیر سلیمان کیسے ہو؟ میرے پیارے بچے اور بھائی کیسا ہے؟ لو یہ اپنی ماما سے بات کرو۔“ اور عالیہ جیسے دوبارہ جی اٹھی تھی۔ شیر سلیمان کی آواز سن کر اس کے جسم میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی تھی۔

”ماما کیسی ہیں آپ؟“

”میں بالکل ٹھیک ہوں میرے بچے، آپ سناؤ شیر زمان کیسا ہے؟“

”وہ بالکل ٹھیک ہے۔ ماما میں آپ کو بہت مس کرتا ہوں اور شیر زمان بھی۔“

”اچھا، آپ کی پڑھائی کیسی ہو رہی ہے؟“

”ٹھیک ہے ماما، میں نے آپ کو پہلے بھی ایک دن فون کیا تھا۔ کسی نے اٹھایا ہی نہیں، بابا نے بتایا کہ آپ نانا کے گھر میں ہیں۔“

”جی بیٹے میں اِدھر ہی ہوں۔ آپ کا نمبر سی ایل آئی پر آ گیا ہے۔ اب میں آپ سے بات کرتی رہوں گی۔ شیر زمان سے بات کراؤ۔“ اس دن بہت عرصے کے بعد وہ بہت خوش تھی۔ اللہ اس پر کس قدر مہربان تھا۔ سعود اگر چاہتے تو بچوں کو بات کرنے سے منع بھی کر سکتے تھے۔ انہیں اس سے بدظن بھی کر سکتے تھے۔ انہیں علیحدگی کے بارے میں بھی بتا سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے شکرانے کے نفل ادا کیے۔

رفتہ رفتہ وہ زندگی کی طرف لوٹنے لگی تھی۔ ہمایوں اور بہنیں اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے تھے۔ اس نے آہستہ آہستہ گھر کے کاموں میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ ماما کی صحت بہت گر چکی تھی۔ وہ ان کا بہت خیال رکھتی تھی۔ جب جی چاہتا وہ اپنے بچوں سے بات کر لیتی اور جیسے اس کی ممتا کو قرار مل جاتا۔ وہ انہیں فون پر پانچ وقت نماز پڑھنے کی ہدایت کرتی، انہیں اچھی اچھی نصیحتیں کرتی۔ تہجد اور نمازِ حاجت پڑھ کر وہ اللہ سے التجائیں کرتی۔

”باریِ تعالیٰ میرے بچوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔ پردیس میں تیرے سوا ان کا اور کوئی نہیں ہے۔ ان کو سیدھے راستے پر چلا۔ ان کو شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچا۔ ان کو پانچ وقت کا نمازی اور پرہیزگار بنا۔ ان کے سینے قرآن کے نور سے معمور کر دے۔ یہ ایک بہت مجبور اور بے بس ماں کی دعا ہے۔ اے سمیع البصیر میری دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخش دے۔“ لمبی لمبی دعائیں مانگ کر اس کے بے سکون دل کو جیسے قرار آ جاتا۔ بے چین ممتا کو جیسے چین مل جاتا۔ اس دیارِ غیر میں وہ اپنے بچوں کو اللہ کی حفاظت اور ضمانت میں دے کر جیسے بے فکر ہو گئی تھی۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھتی تو حیران رہ جاتی۔ اتنا سب کچھ اس نے کس طرح برداشت کر لیا تھا۔ اس میں اس کا کوئی کمال نہیں تھا یہ سب اللہ کی مہربانی تھی جس نے اس کی مدد کی تھی اور اسے اتنا حوصلہ عطا کیا تھا کہ اس نے صبر کے ساتھ سب کچھ برداشت کر لیا تھا ورنہ اتنا سب کچھ کس طرح سہہ سکتی تھی۔

کبھی کبھی اسے لگتا جیسے اس نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہو اور ابھی ابھی وہ اس طویل خواب سے بیدار ہوئی ہو۔ آج بہت دنوں کے بعد اسے اپنا وہ خواب یاد آیا۔ وہ مہربان ہستی، وہ نورانی چہرہ، وہ منور حجرہ، انہوں نے زندگی میں کس طرح اس کی رہنمائی کی تھی۔ اگر وہ اسے اللہ کا کلام پڑھنے کے لیے عطا نہ کرتے تو وہ کس طرح جی سکتی تھی۔ وہ اب بھی کثرت سے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا کرتی اور آیتِ کریمہ جسے پڑھ کر اسے ہمیشہ ایک نئی طاقت ملتی تھی اور جینے کا نیا حوصلہ وہ خود کو اللہ سے بے حد قریب محسوس کرتی۔ وہ جانتی تھی اللہ اس سے محبت کرتا ہے تبھی تو اس نے اسے چُن لیا تھا۔ وہ اللہ کے چُنے ہوئے بندوں میں سے تھی اور اللہ جسے چُن لیتا ہے اسے کبھی تنہا نہیں چھوڑتا، وہ اپنے ان خوابوں کو یاد کر رہی تھی۔ وہ آخری خواب میں غور کر رہی تھی کہ

کسی شخص کی طرف ان بزرگ نے اشارہ کیا تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ ذرا ذرا سی تفصیل کے ساتھ کتنا عرصہ ہو گیا تھا۔ اس نے خواب میں انہیں نہیں دیکھا تھا جانے وہ کون تھے۔ شاید وہ اللہ کے ولی تھے یا کوئی نیک روح اور ان سے عالیہ کا کیا تعلق تھا۔

صبح سے بابا کے کوئی خاص مہمان آئے ہوئے تھے۔ اس دن انہوں نے خاص اہتمام سے کھانا تیار کروایا تھا۔ کھانے کے بعد وہ قریبی مسجد میں نماز پڑھنے چلے گئے تھے۔ مہمانوں کے جانے کے بعد اس کا معمول تھا وہ ڈرائنگ روم کو نئے سرے سے ٹھیک کرتی تھی۔ برتن سمیٹتی تھی۔ کشنز ٹھیک کر کے رکھتی، پردے برابر کرتی اور جب اس نے کمرے میں قدم رکھا تو وہ ٹھٹک کر وہیں کھڑی رہ گئی۔ یہ کمرے میں کیسی مہک تھی بالکل وہی خوشبو۔ روح میں اتر جانے والی اس مہک کو وہ بہت اچھی طرح پہچانتی تھی۔ وہ تو ایک پاکیزہ احساس بن کر اس کے دل اور دماغ میں بس چکی تھی۔ اس نے تو سوچا تھا شاید وہ جنت کی خوشبو تھی بھلا اس دنیا میں وہ اسے کہاں پا سکتی ہے۔ وہ خوشبو تو صرف ایک احساس تھا اور ایک احساس کو بھلا اِدراک کے دائرے میں کس طرح لایا جا سکتا تھا۔ اس نے ایک لمبی سانس لے کر اس احساس کو اپنے اندر اتار لیا۔ کتنی تازگی اور خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔ لگتا تھا جیسے کوئی بہت قیمتی کھوئی ہوئی چیز اسے مل گئی۔

وہ شدت سے بابا کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اُن سے اس مہمان کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔ وہ کون تھے، کہاں سے آئے تھے، کہاں رہتے تھے اور آج سے پہلے وہ کیوں ان کے بارے میں نہ جان سکی۔ ماما نے اسے بتایا وہ بابا کے دوست تھے اور اللہ کے بہت نیک بندے ہیں۔ بابا انہیں پچھلے کئی سالوں سے جانتے تھے۔ وہ سعودی عرب میں رہتے تھے اور کبھی کبھار جب یہاں آتے تو بابا کے پاس ضرور آتے۔

”آپ ان سے کیوں نہیں ملیں ماما؟“

”بس کبھی اتفاق ہی نہیں ہوا۔ تمہارے بابا نے بھی کبھی ان سے نہیں ملوایا، میں نے خود بھی کبھی ان سے ملنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔“ وہ بابا کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی اور بابا تھے کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ وہ عصر کی نماز پڑھ کر لوٹے اور اس دوران اس کی بے چینی اور شوق انتہا پر پہنچ گئے تھے۔

”بابا آج کون آیا تھا؟“

”آج عبداللہ صاحب آئے تھے۔“ بابا بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

”عبداللہ صاحب کون؟“

”یہ میرے دوست ہیں۔ بہت نیک و دین دار ہیں چالیس پینتالیس سال کے قریب عمر ہے ان کی۔ عمروں کے فرق کے باوجود ہم اچھے دوست ہیں۔ پندرہ سال پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اسلام کا گہرا مطالعہ کیا ہے انہوں نے۔ بہت اچھے انسان ہیں اور اس سے اچھے مسلمان۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ پیشے کے لحاظ سے انجینئر ہیں۔ سعودی عرب میں رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ماں باپ کو بھی دائرہ اسلام میں داخل کیا ہے۔ رسولِ پاک کی انہیں خواب میں زیارت ہو چکی ہے۔ تین چار حج کر چکے ہیں۔ ہر سال عمرے پر جاتے ہیں۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں وہ اس طرح مصروف رہے کہ ابھی تک انہیں شادی کرنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔“ اور عالیہ کو اپنا وہ خواب یاد آ گیا۔ جب وہ ان بزرگ ہستی کے ہمراہ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہی تھی اور انہوں نے ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے عالیہ کو کچھ بتانے کی کوشش کی تھی۔ تبھی اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اسے ایک عجیب سی سرخوشی نے آن گھیرا۔

”بابا آپ نے مجھے ان سے کیوں نہیں ملوایا؟“

WWW.PAKSOCIETY.COM

''اب وہ آئے تو میں آپ کو ان سے ضرور ملواؤں گا۔'' وہ تو نہیں آئے تھے مگر بابا نے جو خبر اسے سنائی تھی وہ سن کر حیران اور پریشان رہ گئی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا بابا کیا کہہ رہے تھے۔

عبداللہ صاحب نے عالیہ کے لیے اپنا رشتہ بھیجا ہے۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس کے حالات سے بہ خوبی واقف تھے۔ بابا نے انہیں اس کے بارے میں سب کچھ بتادیا۔

''عالیہ، اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتا ہے نیک عورتوں کے لیے نیک مرد ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے تمہارے لیے مگر میں پھر بھی تم سے پوچھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا۔ اگر تمہاری رضامندی ہو تو مجھے عبداللہ صاحب سے رشتے داری کرکے فخر ہوگا۔ یہ میرے لیے ایک اعزاز ہے، میں چاہتا ہوں تم خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں اگر تمہارا جواب ہاں میں ہوا تو ہم انہیں کل شام کھانے پر بلالیں گے۔'' اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے۔ وہ کیا جواب دیتی۔ فرطِ اشتیاق سے وہ لرز رہی تھی۔ اس سے بولا ہی نہیں جارہا تھا۔

''ٹھیک ہے بابا، آپ انہیں کل کھانے پر بلالیں۔'' ساری رات اس نے نوافل پڑھ کر گزاری تھی۔ وہ بس ایک ہی دعا مانگے جارہی تھی۔

''اللہ مجھے اپنے رنگ میں لے لے کہ تیرا رنگ سب سے اچھا ہے۔'' سارا دن پتا نہیں کس طرح گزرا۔ جوں جوں شام قریب آرہی تھی ایک گہرا سکون اور انبساط اس کے پورے وجود پر چھارہا تھا۔ سلاد بنا کر اس نے کھانے کی میز پر سجائی، تازہ سرخ گلاب توڑ کر گلدان میں سجائے۔ شمعدان میں موم بتیاں جلائیں۔ نئے سرے سے ڈرائنگ روم کو ٹھیک کیا سارے لیمپس روشن کیے۔ نہا کر اس نے اپنا بہت پسندیدہ لباس پہنا۔ اپنے لمبے بالوں کو سادگی سے سنوارا۔ تب بابا نے اسے بتایا کہ عبداللہ صاحب آگئے ہیں۔ ساری کائنات جیسے تھم گئی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں پتا نہیں چل بھی رہی تھیں کہ نہیں۔

''عالیہ! تمہارے بابا تمہیں ڈرائنگ روم میں بُلا رہے ہیں۔'' ماما نے کہا۔ اس نے دوپٹا سر پر اوڑھا اور جیسے خواب کے عالم میں چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آگئی۔ اسی پاکیزہ مہک نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا تھا۔

''السلام علیکم۔'' وہ اس کے احترام میں کھڑے ہوگئے تھے۔

''وعلیکم السلام، پلیز آپ بیٹھیے۔'' وہ جب بیٹھ گئے تو وہ بھی سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ عالیہ نے نگاہیں اٹھا کر جب انہیں دیکھا تو مارے حیرت کے وہ گنگ رہ گئی۔ خدایا! کیا ایسا بھی ہوتا ہے ...... یہ تو وہی شخص تھے جن کی طرف ان بزرگ نے اشارہ کیا تھا۔ لیمپ کی روشنی ان کے آدھے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ کیا یہ سچ تھا، یہ کیسا بھید تھا یا وہ خواب دیکھ رہی تھی۔ ماما نے انہیں شربت کا گلاس پیش کیا تو احتراماً جھک کر انہوں نے گلاس تھام لیا۔

''شکریہ امی جان، آپ تشریف رکھیے۔'' وہ ماما سے مخاطب تھے تب عالیہ نے ان کا پورا چہرہ دیکھا۔ وہ نگاہ بھر کر انہیں دیکھ ہی نہیں سکی۔ وہ ملکوتی حسن کے مالک تھے۔ بے اختیار اس کی پلکیں جھک گئیں۔ اللہ اپنے بندوں کے حال پر کس قدر مہربان ہے وہ اس پر ایمان رکھتی تھی مگر وہ اپنے بندوں کے دکھوں کا مداوا کس طرح کرتا ہے یہ اسے آج پتا چلا تھا۔ اپنی خوش بختی پر اسے خود رشک آرہا تھا۔ بابا اور ماما کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ یہ اللہ کی رضا تھی اور اس نے اللہ کی رضا کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔

☆

نعت خواں ذرا دم لینے کو رکی تو شاہین نے زیرِ لب ناصرہ کو بتایا۔

''ثمرہ کی منگنی ہوگئی ہے۔'' ناصرہ نے چونک کر شاہین کو دیکھا۔

''واقعی ......؟''

''ہاں ثمرہ کی منگنی ہوگئی ہے۔'' یہ زبیدہ کی آواز تھی جو صرف چند کانوں تک ہی پہنچ سکی مگر جھوم جھوم کر درود پڑھنے والی خواتین کے تسلسل میں کمی آگئی۔ جسے نعت خواں نے فوراً نوٹ کیا۔ اس نے تنبیہہ کی۔

''معزز خواتین! گفتگو سے پرہیز کیجیے۔ یہ حضور ﷺ کی محفل ہے۔ درود کا ورد جاری رکھیے۔''

ایک بار پھر درود کی صدائیں بلند ہونے لگیں مگر

خارزارِ عشق

شمع خانم

WWW.PAKSOCIETY.COM

صاف نظر آرہا تھا کہ تقریباً سب خواتین تک یہ خبر پہنچ چکی ہے۔ وہ ہل ہل کر درود پڑھتے ہوئے مسکرا مسکرا کر ثمرہ کو دیکھ رہی تھیں۔ جو شرمندہ شرمندہ سی نظریں جھکائے تائیدی انداز میں گردن کو خم کیے بیٹھی تھی۔ جیسے ہی میلاد ختم ہوا اور کھانے کا دور چلا خواتین نے ثمرہ کو گھیر لیا۔

"کیوں بھئی ثمرہ...... چُپ چُپاتے ہی منگنی کرالی۔"

وہ کیا جواب دیتی...... بس مسکراتی رہی۔

"کہاں ہوئی منگنی؟"

"کون ہے وہ خوش نصیب؟"

"شادی کب ہورہی ہے؟" ہر طرف سے سوالوں کی بوچھاڑ ہورہی تھی۔ بات اچنبھے کی ہی تھی۔ میں اور ثمرہ شروع سے ہی کلاس فیلوز تھے۔ بی اے کے بعد میری شادی ہوگئی جبکہ ثمرہ نے ہسٹری میں ماسٹرز کیا۔ اتفاق سے میری سسرال ثمرہ کے قریب ہی تھی اس لیے کبھی کبھار ملنا جلنا ہوتا رہا۔ وقت گزرتا گیا سب سہیلیوں کی شادیاں ہوگئیں مگر اس گزرتے وقت میں ثمرہ کے لیے خوشی کا وہ لمحہ نہیں آیا جسے شادی کہتے ہیں۔ ماں، باپ اس کی شادی کی حسرت دل میں لیے راہی ملک عدم ہوئے۔ ثمرہ سے بڑی ایک اور چھوٹی دو بہنیں تھیں۔ ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا بھائی...... ایک ایک کر کے سب بیاہے گئے مگر ثمرہ کا نصیب نہ کھل کر دیا۔

یہ نہیں کہ ثمرہ بدصورت یا بدسلیقہ تھی۔ وہ لمبے قد کی ایک قبول صورت لڑکی تھی۔ خاص طور پر اس کا فگر بڑا پُرکشش تھا۔ اس پر گھٹنوں تک آئے ہوئے لمبے سیاہ بال مگر کہتے ہیں نا کہ جوڑے آسمان پر بنتے ہیں مگر اس کا جوڑا شاید بنا ہی نہیں تھا اب تو سب بہن بھائی بھی اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ چکے تھے۔ ثمرہ نے خود کو اسمارٹ اور مصروف رکھنے کے لیے بیوٹیشن کا کورس کر کے بیوٹی پارلر کھول لیا تھا۔ رت آتی اور شادیاں طے پاتیں تو وہ ہر روز ہی اپنے ہاتھوں سے دلہنیں تیار کرتی، انہیں سجاتی سنوارتی اور ہاتھ جھاڑ کر کھڑی ہوجاتی۔ پتا نہیں اس کے دل میں اب کوئی حسرت یا ارمان تھا یا نہیں۔ شروع شروع میں ایک دو اسکینڈلز بھی اس کے حوالے سے بنے مگر بیل منڈھے نہیں چڑھی۔

یہ خبر سن کر میں بھی اتنی حیران اور متجسس تھی کہ صبح کا انتظار بھی مجھے دوبھر ہورہا تھا۔ اللہ اللہ کر کے میں ناشتے سے فارغ ہوئی اور اپنی بڑی بیٹی کو جو کیمسٹری میں ماسٹرز کر کے ایک پرائیوٹ کالج میں پڑھا رہی تھی۔ دوپہر کے کھانے کا سمجھا کر چادر اوڑھتے ہوئے ثمرہ کی طرف چل دی۔ اتوار کی وجہ سے تینوں بچے گھر میں ہی تھے۔ بڑی رابعہ چھوٹی حسنہ، اور بیٹا بلال تھا۔ حسنہ بی اے میں اور بلال ایف ایس سی کر کے پروفیشنل کالج کے لیے انٹری ٹیسٹ کی تیاری کررہا تھا۔

ثمرہ آنگن میں کھڑی مل گئی، وہ نہا کر نکلی تھی۔ اس کے لمبے گھنے بالوں نے آج بھی اس کی کمر کو چھپا رکھا تھا۔ البتہ اس کا آدھے سے زیادہ سر سفید ہوچکا تھا۔ جسے اس نے مہندی اور کلر سے چُھپا رکھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بھاگتے ہوئے آئی اور میرے گلے لگ کر رونے لگی۔ میں گھبرا گئی۔

"ثمرہ! ثمرہ...... کیوں رو رہی ہو، کیا ہوا؟" مگر وہ بولی کچھ نہیں...... بس روتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد پُرسکون ہوئی تو میں اس کے ساتھ اس کے کمرے میں آبیٹھی۔ اس کی چھوٹی بھابی چائے اور لوازمات میز پر رکھ کر باہر چلی گئی۔ وہ جانتی تھی کہ ہم رازدار سہیلیاں ہیں۔

"چل اب تفصیل بتا اس اچھی خبر کی۔" میں بے چین ہورہی تھی۔ اس لیے تکلف کو ایک طرف رکھ کر پوچھنے لگی۔ ثمرہ جواب دینے کے بجائے الماری سے ایک تصویر نکال لائی۔ تصویر میں کوئی چھتیس سینتیس سال کا ایک نہایت خوب صورت اور وجیہہ جوان بڑے اچھے سوٹ اور ٹائی میں ملبوس باوقار انداز میں مسکرا رہا تھا۔ میں حیران ہو کر کبھی تصویر کو اور کبھی ثمرہ کو دیکھ رہی تھی۔ ثمرہ بڑی مایوسی سے سر جھکائے اپنی انگلیوں کو دیکھ رہی تھی۔

"خدایا! اتنا حسین اور کڑیل جوان اور تیرا منہ پھر بھی لٹکا ہوا ہے۔" میں نے ثمرہ کی ٹھوڑی اونچی کرتے ہوئے کہا۔

"رضیہ تم تو میرا مذاق نہ اڑاؤ۔" وہ رونے والی تھی۔

"مذاق کیسا...... تیری باقاعدہ منگنی ہوئی ہے ناں؟" جواب میں ثمرہ نے اپنا ہاتھ آگے کردیا۔ اس کے نرم و گداز ہاتھ میں کانچ کی سرخ چوڑیاں اور انگلی میں سادہ سی سونے کی انگوٹھی چمک رہی تھی۔ میں نے محبت سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"چل تو مجھے تفصیل سے بتا کہ رشتہ کیسے چلا اور کیسے طے ہوا؟" اس پر ثمرہ نے بتایا کہ ان کے آبائی گاؤں میں کسی شادی میں صادق کے والدین نے ثمرہ کو دیکھا اور اگلے دن ہی وہ ان کے گھر آپہنچے اور اس وقت تک آتے رہے جب تک انہوں نے ثمرہ کو منگنی کی انگوٹھی نہ پہنادی۔ اس نے بتایا کہ صادق تین بھائیوں میں سب سے چھوٹا اور پیشے کے اعتبار سے ڈینٹل سرجن ہے۔ اسی سلسلے میں وہ امریکا چلا گیا اور وہیں کا ہورہا۔ دو تین بار اپنے والدین سے ملنے پاکستان آیا مگر چند دنوں کے لیے البتہ اپنے گھر والوں کے لیے باقاعدگی سے خرچ بھیجتا ہے...... تحفے تحائف آتے رہتے ہیں مگر اسے مستقل باہر ہی رہنا ہے۔ اب تقریباً بارہ سال بعد اس نے اپنے والدین سے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ وہ کسی پاکستانی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کسی کے ذریعے ثمرہ کے لیے پیغام بھیجا۔ صادق کے والدین نے بھی ثمرہ کو بہت پسند کیا۔ اس لیے انہوں نے منگنی کردی اور اب جلد ہی شادی کی تاریخ رکھی جانی ہے۔

میں بھی ساری تفصیل جان کر حیران تھی کہ کہیں کوئی غلط فہمی یا ابہام تو نہیں تھا۔

ثمرہ مکمل طور پر ان کے سامنے تھی۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی شادیاں ان کے بچے سب ان کے علم میں تھے۔ ثمرہ کا ڈھلتا ہوا جسم اب اس کی عمر کی چغلی کھانے لگا تھا مگر سسرال والوں نے تو جیسے ہر چیز کو نظر انداز کر کے ثمرہ کو لے جانے کا عزم کر رکھا تھا۔

ثمرہ سے ایک بڑے بھائی خالد اور ایک بہن بڑی تھی۔ باقی سب بہن بھائی چھوٹے تھے۔ بہن بھائیوں میں اس رشتے پر کافی پریشانی رہی کیونکہ آخر کو وہ ان کی بہن تھی۔ اتنی عمر میں شادی ہو اور دوبارہ وہ ان کے دروازے پر آبیٹھے تو۔ سب نے کئی طریقوں سے سسرال والوں کو ٹالا مگر ان لوگوں کا رویہ اتنا مثبت تھا کہ سب کو ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔ اب وہ سب دعاؤں کے ساتھ اسے رخصت کرنے کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ میں نے ثمرہ کو دلاسہ دینے کی کوشش کی۔

"دیکھو ثمرہ! کبھی کبھی وہ ہوجاتا ہے جس کے بارے میں ہم سوچتے بھی نہیں۔ اب تم سارا معاملہ خدا پر چھوڑ کر خوشی خوشی اپنی نئی زندگی کی تیاری کرو۔" میں نے اس کے ٹھنڈے ہاتھ تھام کر کہا۔

"رضیہ میں خود کو لاکھ سمجھاتی ہوں مگر عمروں کا یہ فرق اس کی شکل صورت اور وجاہت میرا دل نہیں قبول کرتا۔" وہ بالکل بھی مطمئن نہیں تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارا پاسپورٹ بنا ہوا ہے؟" میں نے اس کا دھیان بٹاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، صادق کا فون آیا تھا اس نے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور کچھ اور کاغذات منگوائے تھے جو بھائی نے بھیج دیے ہیں۔"

"بڑی جلدی ہے بھئی صادق کو...... ہر کام وقت سے پہلے ہورہا ہے۔" میں نے اسے چھیڑا...... وہ سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔

"کبھی تمہیں بھی صادق نے فون کیا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ہر کام کے سلسلے میں مجھے ہی فون کرتا ہے۔" ثمرہ نے انکشاف کیا تو میں نے آنکھیں نکالیں۔

"اچھا تو یہ مزے ہورہے ہیں یہاں۔" وہ صرف مسکراتی رہی۔ اس وقت اس کے چہرے پر وہ ملکوتی نور تھا جو ایک پُراعتماد بیوی کے چہرے پر اپنے جیون ساتھی کے لیے ہوتا ہے۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی۔

"خدایا! ثمرہ کو سرخرو کرنا۔"

شادی کی تاریخ رکھی جانے سے پہلے نکاح کا غلغلہ اٹھا۔ پتا چلا کہ کاغذات کی تیاری کے لیے نکاح پہلے ہوگا تاکہ باقاعدہ رخصتی کے وقت ثمرہ صادق کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

ساتھ امریکا جاسکے۔

نکاح نہایت سادگی سے لاہور کے کسی ہوٹل میں ہوا۔ صادق ایک ہفتے کے لیے آیا تھا مگر ثمرہ کے گھر والوں کے سوا اس کی کسی اور سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ثمرہ سے بھی واجبی سا سامنا ہوا اور بس۔ نہ صادق نے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا نہ ہی کسی قسم کا رابطہ کیا۔ ثمرہ مزید پریشان ہوگئی۔ صادق دو دن بعد ہی واپس امریکا چلا گیا۔

آخر شادی کی تاریخ رکھی گئی۔ ابٹن، مہندی، سب کچھ ہوا مگر ثمرہ کے اندیشے جوں کے توں رہے۔ مہندی کی رات میں دیر تک ثمرہ کے ساتھ رہی۔ لڑکیوں کے لیے یہ رات عجیب محسوسات کی حامل ہوتی ہے۔ اپنوں سے بچھڑنے کا غم، آنے والے رنگین لمحات کی سرگوشیاں...... سکھیوں کی چھیڑ چھاڑ...... پھولوں سے لدی ہوئی ڈالی جیسی گردن...... مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ تھا۔ ثمرہ بار بار میرے گلے لگ جاتی۔

''رضیہ کیا ہوگا؟ کیوں ہورہی ہے یہ بے جوڑ شادی...... کیا ضرورت ہے صادق کو میری...... یہ کوئی بڑا فراڈ تو نہیں ہے؟'' میں اسے بہلاتے بہلاتے تھک گئی تو سو اندیشے لیے گھر آگئی۔

آخر ثمرہ دلہن بن گئی۔ جدید لباس اور میک اپ نے اسے اپنی عمر سے کئی سال چھوٹا کر دکھایا تھا۔ خاصا روپ آیا تھا۔ سب ہی تعریف کررہے تھے مگر سیاہ سوٹ، سرخ ٹائی اور گلے میں پھولوں کا ہار ڈالے جب دولہا اسٹیج پر آیا تو سب مسحور سے ہوگئے۔ ہر دل سے ثمرہ کے لیے دعا نکلی۔

''یا اللہ اس بچی کی لاج رکھنا۔'' دلہن سسرال پہنچی تو دیہاتی رواج کے مطابق ڈھول اور باجوں سے اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ رنگین پایوں والے پلنگ پر بٹھا کر جو رسمیں شروع ہوئیں تو صبح ہوگئی۔ کسی نے دولہا کو دلہن کے پاس لانے کی زحمت کی نہ کوئی حجلۂ عروسی سجایا گیا تھا۔

اگلے دن ثمرہ کے میکے والے اسے لینے آگئے۔ اسے امریکا جانے کی تیاری بھی کرنا تھی۔ سب بہن بھائیوں کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ آخر بہن کو اتنی دور رخصت کرنا تھا۔ اس دوران صادق کے فون اس کے بھائیوں کے پاس آتے رہے جس میں وہ سامان کی پیکنگ کے بارے میں اور ثمرہ کے لباس کے بارے میں خصوصی ہدایات دے رہا تھا۔ ثمرہ گم صم سی کھڑی رشتے داروں سے مل رہی تھی۔ باوجود کوشش کے مجھے تنہائی میں اس سے بات کرنے کا موقع نہ مل سکا اور تیسرے دن صبح نو بجے وہ لاہور کے لیے روانہ ہورہی تھی جہاں سے امریکا کی فلائٹ لینی تھی۔

اسے کار میں بٹھاتے ہوئے خالد بھائی رو دیے۔

''ثمرہ! میں نے جو کچھ کیا تمہارے بھلے کے لیے کیا۔ اب اس فیصلے کو نبھانا تمہارا کام ہے۔''

ثمرہ، خالد بھائی کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ باقی بہن بھائی بھی زار و قطار رو رہے تھے۔ اس موقع پر صادق آگے آیا۔ اس نے بڑے آرام سے ثمرہ کو ان سے الگ کرکے کار میں بٹھایا پھر خالد بھائی کے شانے تھپتھپا کر بولا۔

''خالد بھائی...... پریشان نہ ہوں، وہ ایک پڑھی لکھی سمجھدار عورت ہے۔ انشاء اللہ اپنے بارے میں صحیح فیصلہ کرے گی۔'' ثمرہ کچھ حیران ہوکر صادق کو دیکھنے لگی۔

''پتا نہیں ابھی اور کون سا فیصلہ کرنا باقی ہے۔ شادی ہوگئی ہے۔ پردیس جارہی ہوں...... اور مجھے کون سا امتحان دینا ہے؟'' اس کے اندیشے پھر اسے ڈسنے لگے۔ وہ نڈھال ہوکر کھڑکی سے باہر کھڑے بہن بھائیوں کو دیکھنے لگی۔ آنسوؤں کی مالا بکھرنے اور ٹوٹنے لگی۔

پتا نہیں کب صادق اس کے پاس آبیٹھا۔ کب گاڑی چلی مگر جب ایک مہربان ہاتھ نے ٹشو سے اس کی آنکھیں پونچھیں تو اسے پتا چلا کہ صادق اس کے برابر بیٹھا اسے پُرسکون کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

ائرپورٹ کی کارروائیوں میں ثمرہ زیادہ تر بیکار رہی۔ صادق بڑے سکون سے تمام کام انجام دے رہا تھا۔ صادق کے ہی اصرار پر ثمرہ نے کورسز کرکے اپنی انگلش کو رواں کرلیا تھا۔

ثمرہ پہلی بار جہاز کا سفر کررہی تھی۔ ایک بہت بڑے جہاز میں جیسے ایک دنیا آباد تھی۔ بورڈنگ کی ہلچل، جوتوں کی کھٹ کھٹ، بچوں کا شور...... وہ حیرت بھری نظروں سے ارد گرد دیکھ رہی تھی۔ جب جہاز ٹیک آف کرنے لگا تو ثمرہ کا دل بیٹھنے لگا۔ انجنوں کا شور اس کے کان بند کیے دے رہا تھا۔ وہ متوحش نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ ایسے میں برابر کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے صادق کی مہربان مسکراہٹ اور اس کے ہاتھ پر صادق کے ہاتھ کے اپنائیت بھرے لمس نے ثمرہ کا حوصلہ بڑھایا۔ وہ کچھ دیر ہلکان ہونے کے بعد واقعی پُرسکون ہوگئی تھی۔ اسے لگا کہ جہاز اڑنے کے بجائے رک گیا ہے۔ صادق نے اسے سکون آور گولی کھلائی اور پھر ہلکا پھلکا کھانا کھا کر وہ سوگئی۔ پتا نہیں کتنے گھنٹے سونے کے بعد وہ جاگی تو بالکل فریش تھی۔ ساتھ والی سیٹ پر گود میں میگزین رکھے صادق گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کا سر ثمرہ کے شانے پر ٹکا ہوا تھا۔ ہلکے ہلکے خراٹے اس کی گہری پرسکون نیند کا پتا دے رہے تھے۔ ثمرہ قدرت کے اس کرشمے اور فیاضی پر ابھی تک ششدر تھی۔ نکاح سے پہلے اور بعد کے سب اندیشے ہوا ہوگئے تھے۔ صادق ایک ذمے دار اور بااعتماد ساتھی کا رول بہت اچھی طرح نبھا رہا تھا۔ ائرپورٹ پہنچنے سے لے کر اس وقت تک اس کے کسی عمل یا بات سے یہ محسوس نہیں ہوا کہ وہ کوئی کام جبراً یا بے دلی سے کررہا ہے۔ ثمرہ کا اعتماد بحال ہورہا تھا۔ اس نے جواباً بھرپور تعاون کا اظہار کیا۔

صادق زیادہ تر انگریزی یا پھر ٹوٹی پھوٹی پنجابی میں بات کررہا تھا۔ ثمرہ کو انگریزی کے کورسز نے بڑا فائدہ دیا۔ وہ صادق کی ہر بات آسانی سے سمجھ رہی تھی اور جواب دے رہی تھی۔ اس بات سے صادق خاصا متاثر نظر آرہا تھا بلکہ اس نے ایک دو بار اس بات کا اظہار بھی کیا تو ثمرہ مسکرا کر رہ گئی۔

بیس بائیس گھنٹے کا یہ طویل سفر ختم ہوا تو ثمرہ نے خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ بیٹھے بیٹھے اس کے جوڑ اکڑ گئے تھے۔ جبکہ صادق پوری طرح ہشاش بشاش تھا۔

ائرپورٹ پر اتر کر ثمرہ چکرا گئی۔ اس نے زیادہ سے زیادہ لاہور کا ائرپورٹ دیکھا تھا وہ بھی عمرے یا حج سے آنے والوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے۔ نیویارک جیسا بڑا شہر اور اس کا جے ایف کینیڈی جیسا بڑا بین الاقوامی ائرپورٹ...... لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو ایک دوسرے سے بے نیاز جلدی جلدی اپنی قانونی کارروائی مکمل کرنے اور اپنا سامان حاصل کرنے یا باہر نکلنے کے لیے Exit کی طرف بھاگ رہا تھا۔ باہر کئی لوگ ہاتھوں میں کارڈ لیے آنے والوں کو پہچاننے کی کوشش کررہے تھے۔ صادق نہایت مہارت اور سکون سے اپنے کام نمٹا رہا تھا۔ بالآخر وہ اپنا سامان ٹرالیوں میں لاد کر باہر نکلے۔ صادق نے ثمرہ کو اوور کوٹ اور گرم اسکارف پہنا دیا تھا۔ پاؤں میں گرم جرابیں اور بند جوتے تھے پھر بھی اسے سردی لگ رہی تھی۔ صادق بے چین نظروں سے ریسیو کرنے والوں کے ہجوم کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک دو ننھے ننھے ہاتھ بلند ہوئے۔

''ہائے پاپا!''

صادق تیزی سے آگے بڑھا۔ موٹے موٹے گرم لباس میں تقریباً آٹھ نو سال کا ایک لڑکا اور اس سے ذرا پیچھے ایک چھوٹی گڑیا جیسی لڑکی دونوں بھاگ کر صادق کی ٹانگوں سے لپٹ گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے ہائی ہیل پر کھٹ کھٹ کرتی ایک اسمارٹ دبلی پتلی اور ذرا پستہ قد عورت تیزی سے آگے آئی اور صادق سے بغلگیر ہوکر بڑی محبت سے اسے پیار کیا پھر صادق کے ساتھ کھڑی ثمرہ کو بڑے لگاؤ سے اپنے ساتھ لگا کر بولی۔

''ہائے ثمرہ، میں اینہ صادق ہوں اور یہ ہمارے بچے جنید اور روبی ہیں۔'' پھر وہ بچوں کی طرف مڑی۔

''جنید اور روبی، آنٹی ثمرہ سے ملو۔''

بچے حیران نظروں سے ثمرہ کو دیکھ رہے تھے پھر انہوں نے جھجکتے ہوئے ثمرہ کو ہائے کہا۔

ثمرہ اس کارروائی کے دوران بت بنی کھڑی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہت دیر تک تو اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ کیا سمجھے اور کیا بولے۔ اس نے پتھرائی ہوئی نظروں سے صادق کو دیکھا جو اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ ثمرہ کو یوں لگا جیسے ساری دنیا گھوم رہی ہے۔ اس نے ماتھے اور آنکھوں کو اپنے ہاتھ سے ڈھانپا تو اس کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کی دھاریں بہہ نکلیں۔ صادق اور امینہ نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ امینہ نے آگے بڑھ کر ثمرہ کا شانہ تھپتھپایا اور پارکنگ کی طرف بڑھ گئی۔

امینہ پارکنگ سے ایک بہت بڑی جہازی سائز کی کار نکال لائی۔ صادق نے ڈکی میں سامان سیٹ کیا اور امینہ کے برابر آ بیٹھا۔ کار امینہ ڈرائیو کر رہی تھی۔

ثمرہ اور دونوں بچے پیچھے تھے۔ راستے میں بچے کچھ نہ کچھ کھاتے اور ثمرہ کو بھی کھلاتے رہے۔ ثمرہ بھوک پیاس سے بے نیاز حالات کے اس عجیب و غریب موڑ پر بالکل گم صم ہو گئی تھی۔

اتنا بڑا دھوکا...... اتنا بڑا فراڈ...... وہ تو ابھی تک ذہنی طور پر خود کو اس شادی کے لیے تیار نہیں کر سکی تھی۔ اس کا ضمیر کبھی مطمئن ہوا ہی نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ یہی سوچ کر شرمندہ ہوتی تھی کہ ایک بھرپور جوان شخص کو ایک ڈھلتی ہوئی اڑتالیس سالہ عورت کے پلّو سے باندھا جا رہا تھا۔ وہ بغیر کسی جرم کے خود کو مجرم اور چور گردانتی رہی تھی۔ اس کی ساری ہمدردیاں اس بے چارے شخص کے ساتھ تھیں مگر یہاں تو بازی ہی الٹ گئی تھی اور پھر یہ کہ یہاں کسی کو اپنے فراڈ پر نہ تو کوئی شرمندگی تھی نہ ان کے رویے میں ندامت کا کوئی عنصر تھا۔

اس کا بارہا جی چاہا کہ صادق کے گھر جانے کے بجائے ائرپورٹ سے ہی واپس پاکستان چلی جائے مگر وہ اپنی اس خواہش کا اظہار نہ کر سکی کیونکہ دونوں میاں بیوی اور بچوں کا رویہ اتنی اپنائیت لیے ہوئے تھا کہ اس کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ ثمرہ نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

امینہ نے راستے میں ایک خوب صورت عمارت کے سامنے گاڑی روکی۔ صادق جلدی سے دروازہ کھول کر نیچے اترا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اندر گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد سفید کمبل میں لپٹی ہوئی دو ڈھائی سال کی ایک گڑیا سی بچی کو لے کر دوبارہ گاڑی میں آ گیا۔ گاڑی پھر چل دی۔

"پاپا...... پاپا......" بہت ہی باریک سی آواز کمبل سے آئی تو صادق نے بڑے پیار سے بچی کے منہ سے کمبل ہٹایا۔ دو ننھے ننھے ہاتھ اس کے چہرے کو چھونے لگے۔ صادق نے بڑے والہانہ انداز میں بچی کو اپنے سینے سے لگایا اور اس کے نرم نرم گالوں کو پیار سے چومنے لگا۔ امینہ بڑی محبت اور فخر سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ بچی نے ایک بار ماما کو بھی پکارا، امینہ نے پیار سے اس کے گال چھوئے مگر اپنی توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز رکھی۔

ڈیڑھ گھنٹے کی لمبی ڈرائیو کے بعد نیویارک کے مضافاتی علاقے میں ایک خوب صورت مکان کے سامنے گاڑی رکی۔ امینہ نے خودکار سسٹم کے ذریعے گیٹ کھولا اور گاڑی اندر داخل ہو گئی۔ شام گہری ہو چکی تھی۔ پورا ماحول برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ گھر کی عمارت بالکل بند تھی البتہ عمارت کے تین اطراف نہایت خوب صورت لان تھا۔ ایک کونے میں سوئمنگ پول کا پانی چمک رہا تھا۔ بچوں کے لیے جھولے اور سلائیڈز دوسری طرف تھے۔

سردی بہت بڑھ گئی تھی۔ کار سے اترتے ہی ثمرہ کے دانت بجنے لگے۔ صادق نے آگے بڑھ کر ثمرہ کا ہاتھ تھاما۔ امینہ نے دروازہ کھولا اور سب اندر داخل ہو گئے۔ گھر کے اندر خوشگوار سی حرارت پھیلی ہوئی تھی۔ شاید حرارت کا خودکار نظام کام کر رہا تھا۔

ٹی وی لاؤنج خاصا کشادہ اور نہایت خوب صورتی سے سجا ہوا تھا۔ صادق نے ثمرہ کو واش روم دکھایا اور فریش ہونے کو کہا۔ خود بچی کو بے بی چیئر پر بٹھا کر سامان اندر لانے لگا۔ امینہ اور صادق نے ثمرہ کا سامان ایک کمرے میں پہنچا دیا۔ ثمرہ واش روم سے آ کر ایک صوفے پر ٹک گئی۔ بچے ہلکی پھلکی شرارتیں کرنے اور دوڑنے بھاگنے لگے۔ امینہ نے لباس بدلا...... ایپرن پہنا اور کچن میں گھس گئی۔ صادق اس کے ساتھ تھا۔ کچن خاصا بڑا تھا اور کھانے کی میز کچن میں ہی لگتی ہوئی تھی۔ سامان رکھ کر صادق نے بھی لباس بدلا اور امینہ کی مدد کے لیے کچن میں چلا گیا۔ آدھے گھنٹے بعد امینہ نے ڈنر کی تیاری کا اعلان کیا تو صادق ہاتھ پکڑ کر ثمرہ کو اٹھانے آگے بڑھا۔ ثمرہ نے شاکی نظروں سے صادق کو دیکھا تو اس نے بڑی محبت سے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے اسے اٹھایا اور ساتھ لے کر کھانے کی میز تک پہنچایا۔ بچے بھی چینج کر چکے تھے اور نیپکن باندھ کر بڑی تمیز سے اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔

کھانا بڑا پُرتکلف تھا۔ ظاہر ہے کہ پہلے سے تیار شدہ تھا جو گرم کر کے میز پر سجا دیا گیا تھا۔ کھانے سے پہلے سب نے دعا کی اور پھر اپنی اپنی پلیٹیں سیدھی کیں۔

ثمرہ، امینہ کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی تھی۔ امینہ نے اس کی پلیٹ سیدھی کی اور اس کی پلیٹ میں سلاد روسٹ اور چپس ڈال کر کھانے کو کہا مگر وہ کھانے کے بجائے یونہی ہاتھ گود میں رکھے بیٹھی رہی۔ امینہ اور صادق نے ایک دوسرے کو دیکھا آخر امینہ بولی۔

"ثمرہ تم ابھی تک شاک میں ہو...... اور ہمارے بارے میں پتا نہیں کیا، کیا سوچ رہی ہو۔ ڈیئر خود کو ذرا کنٹرول کرو، کھانا کھاؤ پھر ہم بیٹھ کر ہر بات کی وضاحت کریں گے۔ بچے بھی تمہیں دیکھ کر پریشان ہو رہے ہیں۔ کم آن ڈیئر...... بی بریو......" امینہ نے تسلی بھرے انداز میں اس سے کہا۔ صادق بھی حوصلہ افزا نظروں سے ثمرہ کو دیکھ رہا تھا۔ ثمرہ نے سب کو دکھانے کے لیے کچھ نہ کچھ کھایا پھر کافی کا دور چلا۔ تھوڑی دیر بعد بچے اپنے بیڈ روم میں چلے گئے۔ چھوٹی بچی جسے سب لارا کہہ کر پکار رہے تھے امینہ اور صادق کے بیڈ روم میں اپنی کاٹ پر سو چکی تھی۔

صادق نے ثمرہ کو اس کا بیڈ روم دکھایا جو بچوں کے ننھے منے بیڈ روم کے ساتھ تھا۔ کمرے میں ثمرہ کا سامان رکھا ہوا تھا۔ ثمرہ نے لباس تبدیل کیا۔ وضو کیا اور صادق سے قبلے کا رخ پوچھ کر نماز پڑھنے لگی۔ صادق اور امینہ بے آواز چلتے ہوئے اس کے کمرے میں آئے اور اس کی نماز ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ ثمرہ نے دعا مانگ کر جانماز تہ کی اور خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ بات امینہ نے شروع کی۔

"ثمرہ ڈیئر حیران نہ ہو، میں اردو اسپیکنگ فیملی سے تعلق رکھتی ہوں جبکہ صادق پنجابی اسپیکنگ ہے مگر گھر میں ہم بچوں کی وجہ سے صرف انگلش بولتے ہیں۔ انہیں اسکول میں اور باہر ہر جگہ انگلش بولنا ہوتی ہے۔"

ثمرہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ امینہ پھر بولی۔

"تم اس بات پر شاک میں ہو کہ صادق پہلے سے شادی شدہ ہے۔ تین بچوں کا باپ ہے، بیوی بھی موجود ہے تو تم سے اس نے شادی کیوں کی۔ تمہیں بات سمجھانے کے لیے مجھے ذرا تفصیل میں جانا ہوگا۔" امینہ رکی اور پھر گویا ہوئی۔

"پیشے کے لحاظ سے میں نرس ہوں اور امریکا میں پیدا ہونے کی وجہ سے امریکن شہری بھی ہوں۔ میرے دادا، دادی کافی عرصہ پہلے امریکا آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ ان کی تینوں اولادیں، یہیں پیدا ہوئیں۔ میرے والد سید برہان الدین، چچا ریحان الدین اور میری پھپھو بتول سب کی شادیاں یہیں ہوئیں۔ چچا اپنی فیملی کے ساتھ کینیڈا شفٹ ہو گئے، پھوپی اپنے میاں کے ساتھ آسٹریلیا میں ہیں جبکہ میرے والدین واشنگٹن میں سیٹلڈ ہیں۔ میرے والد بڑے کامیاب بزنس مین ہیں۔ ہمارا ایک سپر اسٹور اور ایک Bar ہے۔ مکان بھی کافی بڑا ہے۔ مختصر کہ میرے والدین بہت ویل آف ہیں۔ ہم دو ہی بہن بھائی تھے۔ میں اور میرا چھوٹا بھائی سلطان۔" یہ کہتے کہتے امینہ کی آواز بھرا گئی۔ اس نے خود پر قابو پانے کے لیے خاموشی اختیار کی۔

"صادق dentistry کی مزید تعلیم کے لیے امریکا آئے تو نیویارک کے ایک اسپتال میں ہماری ملاقات ہوئی اور نتیجہ شادی پر جا پہنچا۔ میرے والدین واشنگٹن میں تھے۔ انہیں اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں تھا

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیونکہ صادق ہر لحاظ سے ایک اچھے انسان تھے۔ البتہ انہیں اپنی شادی کو اپنے والدین سے چھپانا تھا کیونکہ وہ اپنی کزن سے منسوب تھے۔ میں مہینے میں ایک بار ضرور اپنے والدین سے ملنے واشنگٹن جاتی تھی۔ بچے چھوٹے تھے تو ساتھ لے جاتی مگر جب وہ اسکول جانے کے قابل ہوئے تو انہیں صادق کے پاس چھوڑ جاتی۔ صادق بچوں کے معاملے میں بہت حساس ہیں اور بچوں کے معاملے میں کسی قسم کا کمپرومائز کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ بہر حال سب کچھ ٹھیک تھا کہ اچانک ٹریفک کے ایک حادثے میں سب کچھ بگڑ گیا۔ میرا پیارا بھائی سلطان......"

امینہ کی آواز رندھ گئی۔ آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے اس کے گالوں سے لڑھکنے لگے۔ صادق جلدی سے کھڑا ہوگیا اور امینہ کا سر سہلانے لگا۔

"easy darling easy" امینہ کے رونے میں اور شدت آگئی، ثمرہ بھی پریشان ہو کر کھڑی ہوگئی۔ صادق نے اسے اشارہ کیا۔ اس نے آہستہ سے امینہ کے ہاتھ تھامے تو امینہ نے اس کے ہاتھوں پر اپنا سر رکھ دیا۔ اس کی ہچکیاں آہستہ آہستہ تھم گئیں۔ صادق نے اس کا چہرہ ٹشو سے صاف کیا۔ پانی پلایا۔

"ثمرہ! میں سلطان کو کیسے بھولوں؟ میرا ایک ہی بھائی تھا۔ اور بہت ہی پیارا بھائی تھا۔ اس حادثے میں وہ موقع پر ہی دم توڑ گیا۔ پاپا کی ریڑھ کی ہڈی میں فریکچر ہوا۔ ماں کی ایک ٹانگ اور گردن میں چوٹ آئی۔ دونوں بالکل اپاہج ہوگئے ہیں۔ کئی مہینے تو وہ اسپتال رہے مگر پھر دونوں ہی اسپتال سے تنگ آگئے۔ میں انہیں گھر لے آئی۔ دونوں کی علیحدہ علیحدہ نرسیں ہیں۔ سب سے بڑی مصیبت بزنس کی ہے۔ سارا حساب کتاب دیکھنا، نئے آرڈرز دینا، پرانا اسٹاک چیک کرنا...... یہ سب کرنے کے لیے مجھے واشنگٹن جانا پڑتا ہے۔ بچوں کو ساتھ لے جا نہیں سکتی۔ لارا اتنی چھوٹی ہے کہ اسے چھوڑنا بھی مشکل اور ساتھ لے جانا بھی مشکل۔ ہم بڑی پریشانی میں آگئے تھے۔ ہم نے دو تین ہاؤس کیپرز بھی رکھیں۔ ایک نے تو صادق پر ہی ڈورے ڈالنے شروع کردیے۔ دوسری نشے کی عادی تھی۔ ہمارے جاتے ہی وہ نشہ کر کے پڑ جاتی۔ لارا روتی رہتی۔ گھر یونہی پڑا رہتا۔ جب ہمیں پتا چلا تو اسے ہٹایا۔" امینہ ذرا دم لینے کو رکی پھر بولی۔

"اصل بات ثمرہ جو میں نے اب تک تمہیں نہیں بتائی وہ میرے اور صادق کے تعلقات تھے۔ ہم نے محبت کی شادی کی تھی۔ شادی کے بعد بھی ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہا۔ ایک دوسرے سے بھرپور تعاون کیا...... گھر اور بچوں کی دیکھ بھال میں دونوں برابر کے شریک رہے۔ مگر پچھلے دو سال سے میرے گھر پر نہ ہونے سے حالات بعض اوقات ناقابلِ برداشت ہو جاتے تھے کہ ہمارے تعلقات میں دراڑیں پڑنے لگیں۔ کئی بار ہم تلخ کلامی پر اتر آئے۔ جب صادق کو اکیلے رہ کر اپنی ڈیوٹی، گھر اور بچے سنبھالنے پڑتے...... تو وہ بہت پریشان ہو جاتے تھے۔ اسپتال سے چھٹی بھی نہیں کرسکتے۔ لارا کو ہر وقت ڈے کیئر سینٹر میں نہیں چھوڑ سکتے۔ پھر بڑے بچے اسکول کا کام صحیح طریقے سے نہیں کر پاتے، نہ ان کی صحت ٹھیک رہتی۔ ایسے میں صادق کی ساری جھنجلاہٹ میرے اوپر اترتی تھی۔ کبھی کبھی تلخی اتنی بڑھ جاتی کہ ہم کئی کئی دن ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے تھے اور میں پھر واشنگٹن چلی جاتی۔ ہفتے میں دو دن میں اپنے ماں باپ کے پاس رہتی وہاں سے آتی تو ڈیوٹی، گھر اور بچوں کو پورا ٹائم نہیں دے پاتی کہ پھر جانے کا ٹائم ہو جاتا۔"

امینہ چپ ہوگئی۔ شاید بولتے بولتے تھک گئی تھی۔

صادق بھی گم صم تھا اور ثمرہ حیران ہو کر اس کی کہانی کو سن رہی تھی۔ وہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی کہ اس سارے واقعے میں وہ کہاں فٹ ہوگی۔ مشرق ہو یا مغرب مسائل ہر جگہ تھے...... مگر مسائل کو حل کرنے کے طریقے دونوں سمتوں میں بالکل ہی الگ الگ تھے۔ وہ منتظر تھی کہ امینہ آگے کیا کہتی ہے...... مگر امینہ کچھ کہنے کے بجائے اٹھی اور ثمرہ کے سامنے جا بیٹھی۔ اس نے ثمرہ کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"ثمرہ...... میں صادق سے بہت پیار کرتی ہوں۔ میں کسی قیمت پر اسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ جب وحید بھائی، صادق کے بڑے بھائی جو وہیں پاکستان میں رہتے ہیں نے اس مسئلے کا حل بتایا اور تمہاری اور صادق کی شادی کی تجویز پیش کی تو میں نے بہت واویلا مچایا۔ بڑا ہنگامہ کیا مگر رفتہ رفتہ جب مجھے یہ احساس ہوا کہ اس صورت میں میرا گھر، بچے اور خود صادق ہر چیز جوں کی توں رہے گی تو میں نے ہتھیار ڈال دیے اور پوری رضامندی سے یہ شادی کروائی اور......"

"کیا مجھے یا میرے گھر والوں کو یہ ساری صورتِ حال بتانا ضروری نہ تھا؟" ثمرہ نے پہلی بار زبان کھولی۔

"خالد بھائی نے روک دیا تھا۔" اس دفعہ جواب صادق نے دیا۔

"خالد بھائی نے؟" ثمرہ حیران ہو کر بولی۔

"خالد بھائی جانتے تھے یہ سب......؟" ثمرہ کو یقین نہیں آرہا تھا۔

"جی ہاں، خالد بھائی کو وحید بھائی نے پہلے ہی دن ساری صورتِ حال بتادی تھی۔"

"انہوں نے مجھے ہوا بھی نہیں لگنے دی۔" ثمرہ شاکی تھی۔

"ان کا کہنا تھا کہ مجھے اپنی بہن پر بھروسا ہے۔ وہ صورتِ حال کو بہت اچھی طرح سمجھے گی اور معاملات کو سنبھال لے گی۔" صادق نے پھر جواب دیا۔

ثمرہ کو خالد بھائی کی آخری گفتگو یاد آگئی جب انہوں نے کہا تھا۔

"ثمرہ! میں نے جو کچھ کیا تمہارے بھلے کے لیے کیا۔ اب میرے فیصلے کو نبھانا تمہارا کام ہے۔" وہ چپ چاپ زمین کو تکتی رہی۔ امینہ نے ثمرہ کو جھنجوڑا۔

"ثمرہ! کچھ کہو...... کچھ بولو...... کیا تم ہماری مدد کرو گی؟ کیا تم اس گھر کو اپنا گھر سمجھو گی؟ کیا بچوں کو ماں والا پیار دو گی؟ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے حقوق میں کبھی کمی نہیں آنے دوں گی۔"

ثمرہ کیا بولتی...... پاکستان میں جو زندگی وہ گزار رہی تھی اس کے بعد تو صرف ناکارہ بڑھاپا ہی اس کی تقدیر تھا۔ یہاں اچانک ہی زندگی اتنی پرتوقیر ہوگئی کہ لوگ اس کا فیصلہ مانگ رہے تھے۔ امید بھری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کی ایک ہاں یا نہ کئی زندگیوں پر اثر انداز ہونے والی تھی۔

"اے منعم! تو بعض اوقات یوں بغیر مانگے بھی نعمتوں کی برسات کردیتا ہے۔" اس نے سوچا اور دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر امینہ کو کھڑا کیا اور اسے گلے لگالیا۔

"امینہ تم مجھ سے بہت چھوٹی ہو مگر میں خود کو تمہارے سامنے بہت چھوٹا محسوس کر رہی ہوں۔"

صادق والہانہ انداز میں کھڑا ہوگیا۔ اس نے بڑی محبت سے ثمرہ کا ماتھا اور سر چوما۔ امینہ روتے روتے شرارت سے مسکرائی۔

"ثمرہ ڈیئر! صادق کو بڑی فیملی پسند ہے۔ میں نے تو تین پیدا کردیے ہیں۔ چوتھے کی کوشش تم کرلینا۔ ابھی اتنی بھی بوڑھی نہیں ہوئی ہو۔"

ثمرہ مسکراتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد سب اٹھ گئے۔

ثمرہ نے سونے سے پہلے حسبِ عادت اپنے لمبے بالوں کو اچھی طرح سلجھایا...... ابھی اس نے بال باندھے نہیں تھے کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو صادق بغل میں دو تکیے اور ایک کمبل لیے کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

"واؤ......" اس نے ثمرہ کے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر اپنی ناک سے لگایا تو شیمپو اور تیل کی ہلکی سی مہک نے اسے مسحور کردیا۔ وہ دیر تک اس کے بالوں پر ٹھوڑی رکھے اس سحر میں ڈوبا رہا پھر اس کی کمر میں بازو ڈال کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ تک لایا کیونکہ امینہ نے اپنا وعدہ پورا کیا تھا اور وہ خود بھی ایک اچھا خاوند تھا۔ ویسے بھی آج ان کی سہاگ رات تھی۔

*

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ آئے بزم میں.......

نزہت اصغر

عزیز قارئینِ پاکیزہ! السلام علیکم
مزاج بخیر......!

اس بات میں رتی برابر مبالغہ نہیں کہ معروف وہر دلعزیز شخصیات کے ذاتی خیالات وافکار اور پھران کی نجی زندگی کے بارے میں جاننے کا اشتیاق ان کے تمام مداحین کو ہر آن رہتا ہے...... بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ ہمارے ہاں لوگ زیادہ دلچسپی ٹی وی وفلم کے فنکاروں اور گلوکاروں کے بارے میں جاننے میں رکھتے

ہیں بلکہ اب تو سیاست دان اور اینکرز سرفہرست ہیں...... مگر قارئین ہم ان صفحات پر آپ کی بھرپور ملاقات اپنی رائٹرز سے بھی کروائیں گے۔ اگرچہ پاکیزہ کی پہلی اشاعت سے لے کر آج تک کئی مرتبہ کسی نہ کسی حوالے سے لکھاریوں سے بات چیت شائع ہوتی رہی ہے مگر اب ایک ایک مصنفہ سے آپ کی تفصیلی ملاقات کروائی جائے گی جس کی فرمائش کافی عرصے سے چلی آرہی تھی...... آج ہمارے ساتھ اسی سلسلے ہماری آپ کی جانی پہچانی نامور مصنفہ رفعت سراج ہیں۔ امید ہے، ہمارے پیارے قارئین کو یہ خوب صورت ومنفرد سلسلہ ضرور پسند آئے گا تو لیجیے ہم اپنی بات چیت کا آغاز کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✠......آپ کو اپنے اس نئے سلسلے ''وہ آئے بزم میں'' خوش آمدید کہتے ہوئے آپ سے یہ جاننا چاہیں گے کہ ایک عرصے بعد آپ قارئین کے لیے انٹرویو کی صورت...... اپنے خیالات کا اظہار کریں گی اس سلسلے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

رفعت سراج ✠......محفل میں خوش آمدید کہنے پر تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ آج آپ کی مہربانی سے عرصے بعد اپنے پیارے قارئین سے رابطہ کررہی ہوں۔ جنہوں نے اپنی محبتوں کی وجہ سے مجھے تخلیق کا عمل جاری رکھنے کا شوق اور حوصلہ دیا۔ میں اللہ تعالیٰ کا خود پر بہت بڑا احسان سمجھتی ہوں کہ مجھے اللہ کی مخلوق نے بے پناہ پیار اور عزت دی۔ اس روحانی مسرت کو ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ مگر میں اپنے چاہنے والوں کے لیے اسی طرح دعا کرتی ہوں جیسے کوئی ماں اپنی اولاد کے لیے سرتاپا یکسو ہوکر دعائیں کرتی ہے۔ اس لیے کہ سوائے دعاؤں کے محبت کا کوئی صلہ نہیں دیا جاسکتا۔

پاکیزہ ✠......اپنی موجودہ مصروفیات کے بارے میں کچھ بتایئے؟

رفعت سراج ✠......موجودہ مصروفیات میں شوہر اور تین بچے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈراموں کے اسکرپٹ لکھنا بھی بہت تھکا دینے والا کام ہے۔ مطالعے کا شوق میری سرشت میں ہے جو میں باقاعدگی سے کرتی ہوں۔ رات کو لکھنے کے ساتھ ساتھ کپڑے بھی دھولیتی ہوں کیونکہ میں ماسی کے دُھلے کپڑوں سے مطمئن نہیں ہوتی۔ اسی طرح صبح فجر ہوجاتی ہے۔ نماز پڑھ کر بچوں کے ناشتے، لنچ باکس کی تیاری ہوتی ہے۔ میاں کو ناشتا وغیرہ کرا کے چند ضروری کام نمٹا کر سونے چلی جاتی ہوں۔ باقی کام پھر ملازمہ کرتی ہے۔ ظہر کے وقت اٹھ جاتی ہوں اسی طرح پھر مصروف رہتے ہوئے اگلے دن فجر کا وقت ہوجاتا ہے۔

پاکیزہ ✠......ابتدائی زمانے کی اگر بات کریں تو آپ کے اس قلمی سفر کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟

رفعت سراج ✠......قلمی سفر کا آغاز 1976ء میں ہوا جب میں 7th کلاس میں تھی۔ جنگ اخبار میں خواتین کے صفحے کی ادارت محترمہ سلطانہ مہر کے پاس تھی جو اس وقت خود بھی بہت معروف افسانہ نگار تھیں۔ انہوں نے میرے مختصر سے افسانے کی اتنی

WWW.PAKSOCIETY.COM

حوصلہ افزائی کی کہ ساری رات خوشی کے مارے نیند نہیں آئی۔ سلطانہ مہر صاحبہ کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ یہ افسانہ 7th کلاس کی طالبہ نے لکھا ہے۔

پاکیزہ ☩...... آپ نے کافی کم عمری سے لکھنا شروع کیا، اس کا اندازہ آپ کو خود ہوا یا کہیں سے تحریک ملی؟

رفعت سراج ☩...... میں 1972ء سے چھپ چھپ کر ڈائجسٹ پڑھ رہی تھی کچھ کہانیاں سمجھ آ جاتی تھیں کچھ سر سے گزر جاتی تھیں۔ کچھ کہانیوں کو پڑھتے ہوئے ذہن میں آتا اس کو اس طرح لکھنا چاہیے تھا۔ میں اس سے زیادہ مضبوط الفاظ وہاں فٹ کر دیتی تھی۔ تب مجھے اندازہ ہوا کہ میں کہانی لکھ سکتی ہوں۔ اشفاق احمد اور بشریٰ رحمٰن نے میرے اندر زبردست تحریک پیدا کی کہ لکھنے کے سوا چارہ نہ رہا۔ دوسری اہم بات میں تنہائی میں گڑیاں بہت کھیلتی تھی۔ میری ہر گڑیا کا نام تھا۔ پھر میں نے اپنی ہر گڑیا کو ایک کردار بنا دیا۔ ان کے درمیان واقعات ترتیب دیتی تھی۔ ان میں مکالمات کرائی تھی۔ جس سے پتا چلتا ہے میں اس عہد میں یونانی دیو مالائی داستان گو بن چکی تھی۔

پاکیزہ ☩...... آپ نے نثر ہی کو کیوں ذریعۂ اظہار بنایا اور نثر کی اسی صنف ہی کو کیوں چنا؟

رفعت سراج ☩...... اس لیے کہ ہوش سنبھالتے ہی بے تحاشا نثر پڑھی۔ میرے والد بچوں کے لیے نکلنے والا ہر رسالہ میرے لیے لاتے تھے۔ خود اردو ڈائجسٹ، سیارہ ڈائجسٹ، عالمی ڈائجسٹ، سب رنگ پڑھتے تھے۔ جبکہ عنایت اللہ، نسیم حجازی کے ناول مکمل اقبالیات، شورش کاشمیری کا چٹان، اردو ڈائجسٹ والوں کا ''زندگی'' جسارت، نوائے وقت، جنگ، مشرق یہ تمام اخبارات ہمارے گھر میں آتے تھے۔ نوائے وقت کی پسندیدگی کا یہ عالم تھا کہ جب یہ کراچی سے نہیں نکلتا تھا تو والد صاحب لاہور سے منگوا کر پڑھتے تھے۔ محکمۂ موسمیات کی آبزرویٹری میں ہونے کی وجہ سے ائرپورٹ ان کا دوسرا گھر تھا اس لیے پی آئی اے سے نوائے وقت مل جاتا تھا۔ یہ سب بتانے کا مقصد یہ ہے کہ پڑھنے کی لت تھی اور پڑھنے کو کیا کیا نہیں ملا، قرآن کی تفاسیر، تراجم، اولیائے کرام کی سوانح سب کچھ ہی پڑھ لیا۔ میں نے شاعری بھی کی ہے اور کافی مقدار میں، ہائیکو، نثری نظم، غزل، قطعات بھی لکھے ہیں۔

پاکیزہ ☩...... جب پہلی تحریر سطحِ قرطاس کی زینت بنی تو اس کا بنیادی موضوع کیا تھا اور آپ نے اس وقت کیا محسوس کیا؟

رفعت سراج ☩...... صبح صبح جب میری کلاس فیلو صبا ایوبی نے اسکول میں مجھ سے پوچھا رفعت کیا تم نے پاکیزہ میں کوئی کہانی بھیجی تھی؟ تو میں خوشی سے بے ہوش ہونے لگی کیونکہ اس کہانی کو لکھنے اور بھیجنے کا علم تو مجھے اور اللہ ہی کو تھا۔ صبا کا پوچھنا صاف دلیل تھی کہ کہانی چھپ گئی ہے۔

پاکیزہ ☩...... کیا چیز، کیا تحریک آپ کو ایک دم لکھنے پر اکساتی ہے...... کوئی واقعہ، حادثہ یا فرمائش؟

رفعت سراج ☩...... کوئی بھی دل کو چھونے والا واقعہ یا حادثہ۔ فرمائش پر اتنا کم لکھا سمجھیں لکھا ہی نہیں۔ مجھے اپنی بہت بلکہ بہت ہی جلدی شہرت پر حیرانی اسی وجہ سے ہوتی تھی کہ میں تو سال میں دو تین کہانیاں لکھتی ہوں وہ بھی بہت وقفے وقفے سے لوگ مجھے بھولتے نہیں۔ سچی بات ہے مجھے تو اپنی شہرت پر شرم آتی تھی۔ کبھی کسی رسالے کے دفتر نہیں گئی، کسی ایڈیٹر سے نہیں ملی صرف اس وجہ سے کہ انہیں یقین نہیں آئے گا کہ یہ چھوٹی سی لڑکی رفعت سراج ہے۔ میں فرسٹ ایئر میں اردو ڈائجسٹ جیسے سنجیدہ اور معیاری پرچے میں بھی چھپ چکی تھی۔ 1980ء میں لاہور گئی تو اردو ڈائجسٹ کے سب ایڈیٹر ذوالفقار کاظم نے ملنا چاہا میں نے دس بہانے بنا دیے مگر ان سے نہیں ملی۔

پاکیزہ ☩...... عام طور پر کہا جاتا ہے اہلِ قلم حساس ہوتے ہیں...... تو کیا عام لوگ یا دوسرے شعبوں کے لوگ بے حس ہوتے ہیں؟

رفعت سراج ☩...... جو انسان بھی سینے میں دل لیے پھر رہا ہے احساس سے عاری کیسے ہو سکتا ہے؟ ہماری حساس باتوں کو پڑھنے والے سمجھنے والے خود بھی بلا کے حساس ہوتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ کہانی بننا ایک فن ہے اور فن ہمیشہ خداداد ہوتا ہے۔ کہانی کار کی نظر عمیق مشاہدے کا حاصل ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ دیکھتے ہیں محسوس کرتے ہیں اس کے باوجود اپنے احساسات کو زبان نہیں دے پاتے۔ بحیثیت مسلمان میں تو صرف اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ سب کچھ توفیق باللہ ہے۔ ہر انسان میں کچھ نہ کچھ خاص بات ضرور ہوتی ہے۔ بات صرف اپنی ذات کو پہچاننے یا ذات کا عرفان حاصل کرنے کی ہے۔

پاکیزہ ☩...... ادب میں اخلاقی اقدار و روایات کی کس حد تک پاسداری کی جاتی ہے یا یوں سمجھیں کہ کیا ادیب زندگی کے ہر موضوع پر بلا جھجک لکھ سکتا ہے؟

رفعت سراج ☩...... بلا جھجک لکھنا تو بہت آسان ہے۔ مگر یہ دیکھنا بھی تو از حد ضروری ہے کہ آپ کی تحریر نے قاری کے ذہن پر کیا نقش کیا ہے؟ حاصلِ مطالعہ ہے ...... ''کہو کھیت کی سنے کھلیان کی'' اگر مصنف کو اتنا یقین و اعتماد ہے کہ وہ جو کچھ کہنے جارہا ہے۔ وہ تعمیری، مثبت یا اجالے کی پہلی دستک ہے اور وہ اس لیے کہنا چاہتا ہے کہ اس امر پر ذمے داری سے غور کیا جائے۔ کوئی حل بھی نکالا جائے تو ضرور لکھے، بے نتیجہ تخلیق دل کی بھڑاس ہوتی ہے۔ میں اسے ادب نہیں گردانتی۔ تعمیری قدم اٹھاتے ہوئے جھجک کیسی؟ زندگی کے ہر موضوع پر بلاشبہ لکھا جا سکتا ہے مگر لکھنے

اظہارِ عقیدت

کارل مارکس، لینن، اسٹالن، کاسترو
وحشتوں کے وجود، نہ گہرائی نہ گیرائی
بس نمود
خدا کے وجود سے منحرف خدا بننے کے شیدائی
پچھلوں کے جینئس اگلوں کے سودائی
اک خلقت جوان کے پیچھے بھاگی آج شرمائی
ان پر کتابیں لکھنے والو... ان پر مقالے پڑھنے والو
میرے شاہ پر اس سے آدھا بھی سوچ لیتے تو
ذہن کے جالے کٹ جاتے
گتھیوں کے سرے مل جاتے، سرخرو ہو جاتے

کاوش: رفعت سراج

WWW.PAKSOCIETY.COM

والے کو یہ خود ہی طے کرنا ہوتا ہے کہ اس نے بات کس ڈھب سے کہنی ہے اور جو کچھ کہنا چاہتا ہے آخر اس کا مقصد کیا ہے؟ فرائیڈ زندگی کے ہر رخ کو سیکس کے حوالے سے دیکھتا ہے، کارل مارکس مادّے سے ہٹ کر زندگی کو نہیں دیکھتا۔ دینِ اسلام امن، پیار، لو اور دو کے قانون کو زندگی کا مقصد بتاتا ہے۔ ہر تخلیق کار کو اپنی تخلیق کا مقصد خود تعین کرنا ہوتا ہے۔ کسی بھی موضوع پر مرتکز ہو کر فطرت کی سرگوشیاں سنتے ہوئے جو تخلیق بھی بے ساختگی سے وجود میں آتی ہے وہ کبھی بے مقصد نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ ایک مخصوص گروہ کا اس بات پر یقین ہے کہ وہ جتنا مدہوش ہو کر لکھیں اتنا ہی تخلیق میں دم ہوتا ہے۔ تخیل لامحدود اڑان بھرتا ہے۔ فاترالعقل ہو کر کوئی بھی کام کرنا توازن کھونے کے مترادف ہے اور توازن کے بغیر ہر عمل ناقص ہے۔

پاکیزہ ⊞...... آپ جس جذبے یا محرک کے تحت لکھتی ہیں تو اس میں کیا کیا رکاوٹیں پیش آتی ہیں جو آپ کی تحریر کو متاثر کرتی ہوں؟

رفعت سراج ⊞...... بنیادی رکاوٹ قاری کی استعداد کا تعین کرتے ہوئے اپنی بات کرنے کا ڈھب وضع کرنا ہے۔ ایک تخلیقی ذہن کے سامنے بے شمار ذہن ہوتے ہیں جو اپنی استعداد، تعلیمی قابلیت و ماحول کی بنا پر مختلف ہوتے ہیں آپ نے جس نیت و جذبے سے اپنی بات پہنچانے کی کوشش کی ہوتی ہے ضروری نہیں وہی تاثر منتقل بھی ہو جائے۔ حال ہی میں، میں نے کچھ لکھا اس پر جو تنقید سامنے آئی اس پر میں چکرا کر رہ گئی۔ دو لڑکیوں کی معصومیت اور نادانی کو جس منظر میں جانچا گیا اس نے میرے چودہ طبق روشن کر دیے جو سوچ سامنے آئی وہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔

پاکیزہ ⊞...... آپ کی تحریریں مختلف رسائل و جرائد کی زینت بنتی رہی ہیں اپنی تحریروں کو ایک مجموعے کی شکل میں لانا کسی بھی لکھاری کے لیے کیوں ضروری ہوتا ہے؟

رفعت سراج ⊞...... مختلف تحریروں کا ایک جگہ اکٹھا ہونا اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ جس دور میں کہانی لکھی گئی اس کا تاثر صرف اسی دور کے لیے مخصوص نہیں تھا۔ افادیت یا گہرے تاثر کا سفر مختلف نسلوں تک جاری رکھنے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے تاثرات و پیغام محفوظ ہو جاتے ہیں۔

پاکیزہ ⊞...... آج کا کہانی نگار اپنی تسکین کے لیے لکھ رہا ہے؟ معاشرے کے لیے لکھ رہا ہے یا صرف مادّی نقطۂ نگاہ اس کے سامنے ہے؟

رفعت سراج ⊞...... 75 فیصد مادّی نقطۂ نظر کے ساتھ اس لیے کہ ڈسپرین بھی پیسے سے ملتی ہے ایک زمانہ تھا خاص طور پر خواتین کا لکھنا بہت غیر معمولی بات ہوتی تھی۔ خواتین خالصتاً پڑھے جانے کے لیے لکھتی تھیں۔ اسی لیے لکھنے کے معاوضے کے لیے لفظ ''اعزازیہ'' تخلیق ہوا جو واقعی صرف اعزازیہ ہی ہوتا تھا۔ سو، پچاس روپے میں کیا شاپنگ ہوسکتی تھی۔ شاید خواتین مزید کاغذ قلم ہی خرید لیتی ہوں گی۔ دوسرے یہ کہ پہلے ادب برائے ادب یا ادب برائے زندگی کے تناظر میں پرچے نکلتے تھے۔ اب کمرشل بنیاد پر بے شمار میگزین، ڈائجسٹ نکلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سسٹم جاری رکھنے اور سرکولیشن کو بڑھانے کے لیے بہت اچھا لکھنے والوں کی ضرورت رہتی ہے جو آمدنی میں اپنے حصے کا تعین بھی چاہتے ہیں۔

پاکیزہ ⊞...... پاکیزہ سے اپنے اوّلین تعلق کی بابت بتائیے کس طرح متعارف ہوئیں؟

رفعت سراج ⊞...... پاکیزہ کے دسترخوان کے لیے ایک ڈش کی ترکیب ارسال کی تھی...... ساتھ ہی محفل میں ایک خط بھی لکھا تھا جس کا جواب بھی ملا تھا۔ ترکیب بھی شائع ہوئی تھی اس کے بعد پہلی مختصر کہانی یہ ستم یہ کرم شمارہ دسمبر 1977ء۔

پاکیزہ ⊞...... آپ کلاسیکی ادب میں کس سے

اور کیوں متاثر ہیں؟

رفعت سراج ⊞...... میں کلاسیکی ادب میں ممتاز مفتی، اشفاق احمد سے بہت متاثر ہوں اس سے بھی پہلے، خواجہ حسن نظامی، پریم چند، رام لعل، بیدی...... سرِفہرست ممتاز مفتی اور ان کے بعد اشفاق احمد، وجہ بے ساختگی، فطرت سے آشنائی کی جدوجہد۔

پاکیزہ ⊞...... پچھلے تیس پینتیس سالوں میں ڈائجسٹ کے ادب میں آپ کے اپنے علاوہ کون سے نام

قابلِ ذکر ہیں؟

رفعت سراج ⊞...... اپنی ہم نام، رفعت ناہید سجاد، غزالہ نگار اور کزئی، فارحہ ارشد، عظمت عزمی (مرحومہ) عذرا بانو عرشی (مرحومہ)، دردانہ نوشین خان، کلثوم واحد، عمیرہ احمد نے بہت مشکل موضوعات کا انتخاب کر کے قارئین کا ایک بڑا حلقہ تسخیر کیا مگر ابھی ناکمل تجربات کی وجہ سے کچھ کمی سی ہے۔ گر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ابھی بہت کچھ دے سکتی ہیں کیونکہ بات کہنے کا ڈھنگ جانتی ہیں۔

پاکیزہ ⊞...... آج ڈائجسٹ کی رائٹرز کی ٹیلی چینلو پر بہت پذیرائی ہو رہی ہے آپ کے کیا تاثرات

غزل

میرے نظر نواز مجھے نظر کا آئینہ دو
میرے دلنواز مجھے دل کا آئینہ دو

احتسابِ وفا سے ڈراتے رہتے ہو مجھے
لاؤ میرے ہاتھ میں آئینہ دو

وہ جو نظر چُرا کر بیٹھے ہیں
ذرا انہیں بھی ایک آئینہ دو

کچھ دیر مجھے پیار سے دیکھو تم
پھر میرے ہاتھ میں ایک آئینہ دو

عشق میں روپ کیسا آیا ہے
ذرا دیکھوں تو مجھے آئینہ دو

شاعرہ: رفعت سراج

ہیں؟ کیا انہیں ان کا مقام مل رہا ہے؟

رفعت سراج ⊞...... اس سوال کا جواب لینے کے لیے آپ میرا ایک اور انٹرویو لیں جس کے دس صفحات ہوں اور دس کے دس صفحات میں صرف اسی ایک سوال کا جواب ہو۔

پاکیزہ ⊞...... ایک ادیب گھر بیٹھے اپنا وژن کس طرح وسیع کرسکتا ہے؟ کیا صرف لکھنے کو خالص گھریلو مسائل ہیں؟

رفعت سراج ⊞...... میں تو وژن بڑھانے کے صرف ایک ذریعے پر یقین رکھتی ہوں اور وہ ہے قرآن فہمی۔ نہیں، انسان کی دنیا صرف گھر تک محدود نہیں ہے۔ اس سماجی جانور کے رابطے اِس کنارے سے اُس کنارے تک ہیں۔ درمیان میں بے شمار رویّوں کا گہرا سمندر ہے۔ ہر رویّہ ایک کردار ایک کہانی ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاکیزہ ۞...... اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت نہ ہوتی یا پھر وہ مواقع میسّر نہ آتے تو آپ کیا کرتیں؟

رفعت سراج ۞...... لکھنے کی صلاحیت نہ ہوتی تو کوئی اور صلاحیت ہوتی یہ نہ کر رہے ہوتے تو وہ کر رہے ہوتے، زبیدہ طارق بن جاتے، بی جی بن جاتے، بلقیس ایدھی بن جاتے، اور کچھ بھی نہ سہی اپنے بچوں کے نت نئے ڈیزائن کے کپڑے خود ہی سی رہے ہوتے۔ سلائی تو آتی ہے مگر فرصت نہیں ہے۔ البتہ جو کہتے ہیں شوہر کے دل میں جانے کے لیے اس کے معدے کا راستہ اختیار کرنا ہوتا ہے۔ اس ٹریک پر کام رہتا ہے مگر میرے میاں بہت مشکل کھانا کھاتے ہیں۔ ہر چیز بُھون کر رکھ دینے سے ان کو چڑ ہے۔ لال مرچ استعمال نہ ہو۔ ہری مرچ کے بیج نکال دیے جائیں۔ تیل نظر نہ آئے اور پھر ''ٹیسٹ'' بھی مکمل ہو...... اور نمک نے تو مجھے تگنی کا ناچ نچا رکھا ہے۔ ایک ذرہ بھی زیادہ ہو تو...... بس سونے چاندی کی طرح تولتی ہوں۔ لکھنے کی وجہ سے رعایت مل جاتی ہے۔ نہ لکھتے تو کچن کے تجربات سے ہی گزرتے رہتے۔

پاکیزہ ۞...... ایک تیکھا سا سوال ہے کہ قلمکار جب لکھنے کا آغاز کرتا ہے اور آہستہ آہستہ مشہور و معروف ہونے لگتا ہے تو وہ منہ بولا معاوضہ طلب کرتا ہے کیا یہ اس کا حق ہے؟ (معاف کیجیے گا یہ سوال پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں پڑھا جائے گا مگر ہمیں پوچھنے دیجیے، ویسے تمام رائٹرز پر یہ کلیہ لاگو بھی نہیں ہوتا)

رفعت سراج ۞...... مجھے ڈائجسٹ کے ادب میں سب سے زیادہ اعزازیہ لینے کا اعزاز حاصل ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ میں نے کمانے کے لیے باقاعدہ پلاننگ کی اور سوچا کہ لکھوں گی تو اتنا لوں گی۔ میں کمانے کے لیے لکھتی تو تیس سال میں میرے تیس ناول ہوتے جب مجھ سے لکھنے کے لیے اصرار کیا گیا اور میری دیگر مصروفیات آڑے آئیں معذرت کرلی مگر اصرار سوا ہو گیا۔ تب جان چھڑانے کے لیے بھاری معاوضے کا کہہ دیا...... جو منظور کرلیا گیا اور مجھے لکھنا پڑا۔ اس کے باوجود کچھ لوگ آج بھی میرے لاکھوں کے دَین دار ہیں۔ شاید قیامت کے رش میں یہ ڈوبی ہوئی رقوم ملیں گی۔ مجھے شروع ہی سے اچھے پیسے ملے مگر میں نے سال میں دو تین کہانیوں سے زیادہ نہیں لکھا پھر سلسلے وار ناول چل پڑے تو بائیس سال non stop لکھا۔ میں مکمل طور پر گھریلو زندگی گزارنے کے باوجود سترہ سال کی عمر سے خود مختار ہوں بلکہ سپورٹنگ پوزیشن میں رہی ہوں۔ میری پہلی کتاب بغیر کسی جدوجہد و فرمائش کے چھپ کر میرے گھر آگئی تھی اس کی پہلی اشاعت ''2000'' تھی جو ایک کم عمر مصنفہ کے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔ اللہ کا فضل و کرم رہا میں نے پسند کی ہر چیز حتیٰ کہ ہیرے جواہرات تک کے لیے والد صاحب، بھائی، شوہر کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ حتیٰ کہ ذاتی پراپرٹی و ذاتی کار کے لیے بھی کوئی ہیلپ نہیں لی۔ مگر میں نے ان سب چیزوں کے حصول کے لیے لکھنے کی کوشش نہیں کی بس لکھنا چاہا لکھتی گئی اس بات سے قطع نظر کہ لکھنے سے کمائی ہوگی۔ پاکیزہ نے بھی ہمیشہ مجھے اچھا اعزازیہ دیا۔ جبکہ 1985ء سے پاکیزہ کی طرف سے سلسلے وار ناول کی فرمائش آرہی ہے جو 2012ء میں پوری کر رہی ہوں۔ اگر پیسوں کے لالچ میں لکھتی تو آج تک پاکیزہ میں پانچ ناول تو لکھ ہی چکی ہوتی۔ دوسرے رائٹرز کیا سوچ کر مانگتے یا لکھتے ہیں اس پر تبصرہ کرنا میرے لیے ضروری نہیں۔ (انشاء اللہ رفعت جی کا نیا ناول جنوری 2013ء سے شروع ہے)

پاکیزہ ۞...... کیا آپ نے آج تک تمام موضوعات کا احاطہ کرلیا ہے یا اب بھی کچھ باقی ہے؟

رفعت سراج ۞...... نہیں...... جب تک اس دنیا میں انسان کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہے آپ موضوعات کی حدود متعین نہیں کرسکتے۔

پاکیزہ ۞...... سلسلے وار کہانی اور ایک مختصر افسانے میں کیا فرق ہے؟ اور کیا چیز لکھنا زیادہ مشکل ہے؟

رفعت سراج ۞...... اصل آرٹ مختصر کہانی لکھنا ہے۔ مطالعے کا دورانیہ بیس منٹ اور بیس منٹ کا حاصل لامحدود غور و فکر۔ یہ محدود اوورز کا ون ڈے میچ سمجھ لیں۔ جبکہ سلسلے وار کہانیاں ٹیسٹ میچز۔

پاکیزہ ۞...... اچھا جو چاشنی، رچاؤ، سجاؤ زبان و بیان اور ساتھ ساتھ رشتوں سے گندھی ہوئی کہانیاں اے آر خاتون، رضیہ بٹ، خدیجہ مستور، حاجرہ مسرور، قرۃ العین حیدر اور دیگر نامور قلمکاروں کے قلم سے نکلی ہیں وہ تاثر آج کی لکھاریوں میں کیوں نہیں؟

ہائیکو

لو چلی ہے حلق میں کانٹے سے پڑے ہیں
کسی کی اوکھ میں ایک قطرۂ آب نہیں
قطار در قطار سب رشتے کھڑے ہیں

☆☆

آؤ ٹوٹ کر محبت کرلیں
جو لمحے بیتے اِک دوجے بن
وہ الگ کرلیں
جو باقی بچے ہیں، انہیں امر کرلیں

شاعری: رفعت سراج

رفعت سراج ۞...... یہ تمام لکھاری اس عہد کی ترجمان رہیں جب آبادی اتنی زیادہ نہیں تھی۔ انٹرنیٹ پریوں کی داستان تھی۔ آبادی کی کثرت، بھوک اور ظلم کی انتہا...... ذہنوں میں اتنا سکون کہاں کہ چھت پر چاندنی راتوں میں چارپائیوں پر لیٹ کر چاند پر نظریں جما کر رشتوں کو یاد کریں، محسوس کریں، لطف اندوز ہوں۔ نہ وہ محلے ہیں، نہ وہ صبر و قناعتیں ہیں، نہ ایثار و بے غرضی ہے۔ رشتوں کو محسوس ہی نہیں کیا جاتا، لطف اندوز کیا خاک ہوں گے۔ خود غرضی، استحصال کے کینسر نے پورے گلوبل معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ مادّی دوڑ نے انصاف کا شعور چھین لیا ہے۔ جو دل چاہتا ہے وہ بات کی جاتی ہے۔ کلمۂ حق کہنے والا تو منصور حلاج ہے۔ لطیف فطری احساسات سے عاری ذہن روحانی قانون لین دین کا عرفان حاصل نہیں کرسکتے

WWW.PAKSOCIETY.COM

رشتوں کے گداز کیسے محسوس کریں؟ محسوس کریں تو پیش کریں...... اور بھی بہت کچھ ہے کہنے کو مگر......

بات کرتا ہوں تو کٹتی ہے زباں میری

پاکیزہ ✠...... ایک قلمکار ہر بات، ہر مسئلے، ہر موضوع کو ایک الگ نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے کیا یہ سب تحریر نگاروں کے ساتھ ہوتا ہے؟

رفعت سراج ✠...... جی بالکل...... کیونکہ ہر انسان رب العالمین کا منفرد پروگرام ہے جو اپنا خاص کردار ادا کرنے دنیا میں آیا ہے۔

پاکیزہ ✠...... اچھا رفعت جی کچھ آپ کی اپنی شخصیت و ذات کے متعلق گفتگو ہو جائے...... آپ کا طرزِ زندگی نجی مصروفیات وغیرہ وغیرہ ویسے آپ کے اس شوق اور جذبے کو گھر والوں نے کس حد تک سراہا؟

رفعت سراج ✠...... میرا طرزِ زندگی نہایت سادہ ہے۔ میں موقع محل کے حساب سے پہنتی اوڑھتی ہوں۔ کیونکہ گھریلو زندگی بہت مصروف ہے زیادہ سوشل نہیں ہو سکتی میری ملاقاتیں بہت کم ہیں۔ فون پر بات کم ہوتی ہے۔ میاں کہتے ہیں کہ میرے پاس تھرما میٹر لے کر آیا کرو۔ جبکہ اللہ کی مخلوق کو یہ شکایت ہے کہ میں فون کالز ریسیو نہیں کرتی، آنا جانا کم رکھتی ہوں۔ سگی بہن، سگی بھابی سے ہفتوں بات نہیں ہوتی۔ میرا شوہر میری سب سے بڑی مصروفیت ہے اور میں خوش ہوں کہ ہم ایک دوسرے کو وہ وقت دیتے ہیں جو میاں بیوی کو دینا چاہیے۔ مجھے بہت سراہا گیا...... اتنا زیادہ کہ صلے ستائش سے آگے نکل گئی ہوں۔ اللہ نے بے نیازی کے راستوں پر ڈال دیا۔ اب مجھے بس یہ شوق ہے کہ اللہ کی تعریف کرتی رہوں اس کی حمد و ثنا میں ذہن مصروف رہے۔ میں نے آج تک کسی انجان ملاقاتی کو خود سے نہیں بتایا کہ میں مصنفہ ہوں۔ شوہر بہت خوش ہیں، بچے بھی پرائڈ فیل کرتے ہیں۔ اس ضمن میں مجھے اپنے بچوں کی ایک معصومانہ بات یاد آگئی۔ کسی چینل پر میٹنگ تھی۔ منیر صاحب بچوں کو اس لیے ساتھ لے گئے تھے کہ وہ آؤٹنگ کرلیں گے ویک اینڈ منالیں گے۔ میں نے بتا دیا تھا کہ اندازاً اتنی دیر میں فارغ ہو جاؤں گی۔ اتفاق سے میں مقررہ وقت پر ہی فارغ ہو گئی اور کانفرنس روم سے باہر آگئی اسی وقت مجھے اپنے دونوں چھوٹے بچوں کی آوازیں سنائی دیں۔ جو گارڈ سے باتیں کر رہے تھے۔ فاطمہ کہہ رہی تھی (فاطمہ نو سال کی ہے) انکل ہماری امی کہاں ہیں۔ فوزان (دس سالہ) نے چھوٹی بہن کو ٹوکا۔ بے وقوف...... امی نہیں بولو...... انکل سے پوچھو رفعت سراج کہاں ہیں؟

پاکیزہ ✠...... پھر آپ کی اس مصروفیت کے باعث آپ کے شوہر صاحب اور بچے اور ہاں سسرالی رشتے کس حد تک متاثر ہوئے؟

رفعت سراج ✠...... جہاں تک شوہر صاحب اور بچوں کے متاثر ہونے کی بات ہے تو ظاہر ہے اتنی مصروفیت کے باعث کچھ نہ کچھ تو ضرور neglect ہوتا ہے مگر میں نے ہر آن خیال رکھا کہ میری تحریری مصروفیت سے ازدواجی زندگی متاثر نہ ہو چاہے اپنی ذات پر سہہ لوں مگر میں نے نجی مصروفیت کو کام میں آڑے آنے نہیں دیا اور نہ ہی کام کو اپنے گھریلو ماحول میں رخنہ بننے دیا۔ میں نے دونوں جگہ اپنی کمٹمنٹس کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے اپنے شوہر کا پورا تعاون حاصل رہا اور سسرالی رشتے داریوں کی جہاں تک بات ہے تو ماشاءاللہ میری چھ نندیں، چار دیور اور شفیق ساس ہیں یعنی کوئی تقریب ہوتی ہے تو گھر کے ہی ساٹھ پینسٹھ افراد ہوتے ہیں۔ چند ماہ پہلے میری نند کی بیٹی کی شادی ہوئی جس میں مہمان داری میرے گھر سے ہی ہوئی اور پنڈی سے دو نندیں ایک بنوں سے اور دو حیدرآباد سے آئیں۔ اگر ان سے اچھے تعلقات نہ ہوتے تو کیسے وہ مان سے وہاں سے آتیں، میرے شوہر اپنی ماں کے سب سے بڑے بیٹے ہیں اور والدہ صاحبہ کا کہنا ہے کہ ان سے اچھا بیٹا کوئی

نہیں، بہنوں کا کہنا ہے کہ ان سے اچھا بھائی کوئی نہیں اور بچوں کا کہنا ہے کہ ان سے اچھا باپ کوئی نہیں تو جب تمام رشتے خوش اسلوبی سے وہ نبھا رہے ہیں تو شوہر کی حیثیت سے بھی اپنے فرائض اسی حسن و خوبی سے انجام دے رہے ہیں تبھی میں اتنا تخلیقی کام کر پاتی ہوں۔ میری ایک دیورانی نوبہار اتنی پیاری ہے میں اسے اپنے افسانوں کی ہیروئن کہتی ہوں۔ ان سب سے میری بہت اچھی دوستی ہے۔ بہرحال وقت کی کمی کے باعث فون پر باتیں نہیں کر پاتی۔

پاکیزہ ✠...... آپ کی کامیابیوں پر یقیناً یہ سب خوش بھی ہوتے ہوں گے آپ کے گھر والوں بالخصوص شوہرِ نامدار کے کیا تاثرات ہوتے ہیں؟

رفعت سراج ✠...... اس سوال کا جواب بھی کسی حد تک دے چکی ہوں کہ شوہر کا تعاون ہی میری کامیابی پر خوش ہونا ہے۔ خاموش رویّہ ہے ظاہر ہے سمجھ دار شوہر ہیں الفاظ کم اور تاثرات زیادہ...... بچے فخر محسوس کرتے ہیں۔ میرے تین بچے ہیں بالترتیب 5th, 4th اور کلاس 7th میں ہیں۔ ماں کی مصروفیات سے آگاہ ہیں اور خوش ہوتے ہیں اپنے اپنے طور پر جو تعاون کر سکتے ہیں کرتے ہیں۔ بچے چھوٹے تھے تو ان کی ذمے داریاں زیادہ تھیں مگر کام متاثر نہ ہونے دیا اور نہ ہی بچوں کو دوری کا احساس ہونے دیا سو اس طرح خدا تعالیٰ کی مدد سے کام چلتا رہا اور چل رہا ہے اور آپ کی دعاؤں سے انشاءاللہ چلتا رہے گا۔

پاکیزہ ✠...... اس قرطاس و قلم کے شوق نے آپ کی دیگر دلچسپیوں کو کس حد تک نظر انداز کیا۔

رفعت سراج ✠...... ہمیشہ سے زندگی اتنی مصروف رہی کہ لفظ "بور" میری لغت میں نہیں ہے میری تمام دلچسپیاں لبادے بدلتی رہیں۔ کم یا مختصر نہیں ہوئیں۔

پاکیزہ ✠...... اپنی پسندیدہ تحریر بتائیے اور کیوں پسند ہے؟

رفعت سراج ✠...... ناول دل دریا تن صحرا، ناتجربہ کاری کے عہد میں صرف تخیل کا جادو، چھوٹی سی عمر کی بڑی بات۔

پاکیزہ ✠...... نثر کے علاوہ شاعری سے کس حد تک لگاؤ ہے کبھی شعر بھی کہے؟ کوئی پسندیدہ شعر......

رفعت سراج ✠...... شاعری پڑھنا تو میری فطرتِ ثانیہ ہے۔ خود بھی شاعری کرتی ہوں۔ شائع بھی ہوئی ہے۔ کوئی مجموعۂ کلام ترتیب نہیں دیا۔ ویسے غالب کا یہ شعر میرا پسندیدہ ہے۔

حُسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد

پاکیزہ ✠...... آپ کی پسندیدہ شخصیت اور کیوں؟ اور ناپسندیدہ بھی؟

رفعت سراج ✠...... 25 سال پہلے اس سوال کا جواب دیا تھا وہی آج بھی ہے۔ محمدؐ + علیؓ + جناحؒ۔ جناح کے اصول، حق پرستی، دینی غیرت۔

پاکیزہ ✠...... پسندیدہ کھانا، لباس، رنگ،

غزل

اللہ تمہیں بُری گھڑی سے بچائے
کانپتے لبوں سے دعا کر رہی ہوں میں

تمہارا زانو ہو اور میرا سر ہو
جسن موت کی تمنا کر رہی ہوں میں

تم سے ملنے کی دعا کر رہی ہوں میں
یہ خطا ہے تو خطا کر رہی ہوں میں

شاعرہ: رفعت سراج

WWW.PAKSOCIETY.COM

موسم، تفریح؟

رفعت سراج ☩...... تیز مرچ والی سندھی مٹن بریانی، تمام شریفانہ ملبوسات، سرخ، گلابی، Sea گرین۔ موسم گرمی کا۔ پانی کے سارے کام کُھل کر کرنے کا لطف آتا ہے۔ اپنے میاں کے ساتھ کار کا سفر اور پسندیدہ نغمات کے ساتھ سفر۔ اگر شوہر ساتھ نہ ہوں تو میں گیت نہیں سنتی۔

پاکیزہ ☩...... کوئی یادگار لمحہ جو بہت خوشگوار ہو۔ کوئی ایسا لمحہ جب خوف محسوس ہوا ہو؟

رفعت سراج ☩...... میری شادی کا دن، نکاح نامے پر دستخط کرنے والے لمحات۔ بارات آ گئی کی خوشگوار آوازیں۔ 1972ء میں جب پرائمری سیکشن میں ٹاپ کیا تھا۔

پہلی بار ماں بننے کا تجربہ اس لمحے بہت ڈر لگ رہا تھا۔

پاکیزہ ☩...... کوئی ایسی بات، واقعہ، شخصیت جو ذہن میں ہو مگر...... آپ بھولنا چاہتی ہوں؟

رفعت سراج ☩...... تکلیف دہ باتیں مصروفیات میں بُھلا دیتی ہوں۔ ہاتھ آئے لمحات کو کارآمد نتیجہ خیز بنانا چاہتی ہوں۔ زیادہ تر ہاتھ کے ہاتھ بات کر کے ایک طرف کرنے کی عادی ہوں۔ Pending سے مجھے چڑ ہے۔

پاکیزہ ☩...... اچھا آپ نے اس قدر موضوعات پر لکھا اور یقیناً زن و مرد کے ذہن کو بھی قریب سے پڑھا ہوگا...... عورت کی سب سے بڑی خوبی کیا ہونی چاہیے۔ خامی کیا ہونی چاہیے۔ مرد کی سب سے بڑی خوبی، خامی؟

رفعت سراج ☩...... عورت کے لیے حیا خوب ہے مرد کے لیے خوب تر۔ (حضرت علیؓ) عورت کی خاطر اصول، وقار بُھلا دینے والے مرد زہر لگتے ہیں۔ حیا، ایمان کی جڑ ہے ایک شاخ ہے۔ جو بھی اس سے محروم ہے اس میں کوئی خوبی نہیں۔

پاکیزہ ☩...... کیا ہمارے معاشرے نے اپنا وہ مقام وہ مرتبہ پالیا ہے جو ہونا چاہیے تھا اگر نہیں تو اس سلسلے میں کیا کرنا ہوگا؟

رفعت سراج ☩...... جس معاشرے میں جذبات، انصاف کا پیمانہ ہوں۔ شارٹ کٹ، چور راستے ڈھونڈنے کا رجحان ہو اسے فلاحی معاشرہ بننے کے لیے بہت بڑے انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے۔

پاکیزہ ☩...... آپ کی تحریروں میں عصری حالات و واقعات کس حد تک غلبہ پاتے ہیں کیا زمانے کی نشاندہی کرنے کے لیے ان کا ہونا ضروری ہے؟

رفعت سراج ☩...... 100 فیصد اپنے زمانے میں ہی لکھتی ہوں۔ موجود، حاضر، غالب پر۔

پاکیزہ ☩...... آج کے ٹی وی رائٹرز کیا دکھانا چاہ رہے ہیں، بے راہ روی، عورت سے عورت کی دشمنی یا آزادانہ مخلوط ماحول...... یہ موضوعات نئی نسل پر کیا اثرات مرتب کر رہے ہیں؟

رفعت سراج ☩...... بے مقصد تحریروں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ تمام رائٹرز کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے۔ مسئلے کی نشاندہی کریں، حل بھی نکالیں صرف چھپنے کے شوق میں نہ لکھیں۔ یہ بے ایمانی ہے...... اپنے آپ سے۔ چاہے پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا۔

پاکیزہ ☩...... اب انٹرویو کے اختتامی مراحل میں یہ بتا دیجیے آپ اپنے اس قلمی سفر سے کس حد تک مطمئن ہیں؟

رفعت سراج ☩...... بالکل بھی نہیں۔ بقول شخصے جتنا آپ جانتے ہیں اس سے زیادہ تو ابھی پوشیدہ ہے۔

پاکیزہ ☩...... آج مطالعے کا رجحان قدرے کم ہو گیا ہے؟ ہاں یا نہیں اگر ہاں تو کیوں؟ اور اس کے لیے کیا کہنا چاہیں گی؟

رفعت سراج ☩...... آج کل کھانے پینے پر

زیادہ زور ہے۔ معدہ بوجھل ہو تو ذہن سست پڑ جاتے ہیں۔ مثبت ارادوں میں قوت نہیں ہوتی پھر سستم ریموٹ ہاتھ میں۔ نہ جستجو نہ لگن، عیش و عیاشی کے غالب رجحانات میں کتاب تھامنا...... بہت مشکل کام ہے۔ یہ کام ذمے دار مائیں ہی کریں گی۔ جب مائیں خود ہر وقت ریموٹ ہاتھ میں لیے بیٹھی رہیں گی۔ موبائل فون پر Non stop باتیں کریں گی۔ کیونکہ فلاں نے کہا ہے کہ سب کہہ دو۔ تو وہ اپنی اولاد کو کیسے کنٹرول کریں گی۔

پاکیزہ ☩...... نئی لکھنے والی بچیاں آج اپنی پہلی تحریر سے ہی ''کلک'' ہونا چاہتی ہیں ان کو کیا پیغام دیں گی؟ پہلی تحریر کا چھپنا کیا تقاضے مانگتا ہے؟

رفعت سراج ☩...... ارے بچیوں یہ بہت دشوار گزار، صبر آزما راستہ ہے۔ اچانک ملنے والی شہرت اچانک ختم بھی ہو جاتی ہے۔ محنت، محبت، جستجو کے ساتھ لکھیے...... دو گھڑی کی واہ واہ ہسٹری نہیں بنتی۔

پاکیزہ ☩...... آپ کا پاکیزہ میں جلد شروع ہونے والا ناول ''امانت'' کا مرکزی خیال کیا ہے؟

رفعت سراج ☩...... ''امانت'' میں ''احساسِ ذمے داری'' کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ چند غیر ذمے دار لوگوں کی وجہ سے کئی نسلیں روحانی مسرتوں سے محروم رہ جاتی ہیں۔

''رجم'' کی سزا آنے والے نئے معصوم انسانوں کے حقوق کا تحفظ کرنے والی حد ہے۔

مجھے آنے والی نئی کونپل جیسی معصوم روحوں کے چہروں پر روحانی مسرتوں کی چمک دیکھنے کی تمنا ہے اور میں یہ جدوجہد کرتی رہوں گی۔ کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ انسانوں کے ابدی، فطری حقوق غصب کرے؟

☆☆☆

اس کے ساتھ ہی ہم رفعت سراج صاحبہ کے بہت شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنی قلمی و گھریلو مصروفیات سے پاکیزہ کے لیے وقت نکالا اور باذوق قارئین کا ایک دیرینہ مطالبہ پورا کیا۔

عزیز ساتھیو! آپ کے قیمتی تبصرے اور آرا کا انتظار رہے گا۔ خدا حافظ!

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں
مگر یہ راستے منزل تلک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

خواتین کی کامیابیوں کا سفر ۲۰۱۲ء میں

شائستہ زریں

کسی مفکر کا قول ہے ''عورت کا نازک ہاتھ جو بچے کے پنگوڑے کو حرکت دیتا ہے وہی اس کرۂ ارض کو بھی چلا رہا ہے'' اور اتنی توانا ذمے داری صنفِ نازک اپنے بلند عزم و حوصلے سے نباہ لیتی ہے بقول فاطمہ حسن

میرے عزم سفر تو نے تسخیر کر لیں
زمانے کی گردش مخالف ہوائیں

بلاشبہ یہ عزم سفر ہی کا کمال ہے کہ اس کی بنیاد پر عورت صبر آزما مسافت طے کر کے بالآخر کامیابی کی منزل پا لیتی ہے۔ ۲۰۱۲ء میں اپنے مقصد کے حصول کے لیے خواتین کی کاوشیں اور اس کے نتیجے میں حاصل کردہ کامیابیاں محض ان کا ہی نہیں ہمارا بھی فخر ہے۔ یہ سال اختتام پذیر ہے سو اس سال کے آخری شمارے کے لیے ہم نے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق چند خواتین سے اس سال میں ملنے والی ان کی کامیابیوں کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ بھی پڑھیے۔

حسینہ معین
ڈراما نویس

یوں تو قلم کے حوالے سے کئی کامیابیاں میرے حصے میں آئیں لیکن ۲۰۱۲ء اس لحاظ سے اہم اور یادگار ہے کہ پہلی مرتبہ ایک ساتھ میرے تین سیریلز...... سارے موسم اپنے، میری بہن مایا اور تنہائیاں کا sequel آن ائر آ رہے ہیں۔ میری بہن مایا بہت اچھی جا رہی ہے، تنہائیاں بھی مقبولیت اور پسندیدگی حاصل کر رہی ہے۔ ہم لوگ اسلام آباد گئے۔ مری میں ہم نے ایک سیریل انجانے نگر کی ریکارڈنگ کی جو ۲۰۱۲ء کے اختتام میں ٹیلی کاسٹ کی جائے گی۔ جولائی میں سوئٹزر لینڈ، جرمنی، فرانس گئی جہاں قدرتی حسن سے بہت لطف اندوز ہوئی جس نے تفریح کا لطف دوبالا کر دیا۔ انشاء اللہ وہاں

حسینہ معین

کے مشاہدات اور تجربات میری آئندہ کسی سیریل کا حصہ بنیں گے۔ 23 اکتوبر کو آرٹس کونسل نے مجھے ٹریبیوٹ دیا۔ آرٹس کونسل کی طرف سے اعترافِ کمال کی شیلڈ دی گئی۔ میری ادبی خدمات پر مبنی دستاویزی فلم ''ہماری حسینہ'' بھی پیش کی گئی۔ میرے گھر والے، دوست احباب، ساتھی فنکار، رائٹرز موجود تھے، میرے بارے میں اظہارِ خیال کیا گیا، مجھے سراہا گیا۔ چیمبر آف کامرس کے چیئرمین نے اپنی جانب

سے بیسٹ رائٹر کی شیلڈ دی۔ سرِدست تو ۲۰۱۲ء میں یہی کامیابیاں ہیں۔

نیلوفر عباسی
براڈکاسٹر، آرٹسٹ

اللہ کا بڑا کرم ہے کہ مجھے زندگی میں بہت سی کامیابیاں اور محبتیں ملیں، ریڈیو، ٹیلیویژن پر جتنا بھی کام کیا اسے بہت سراہا گیا اعزازات بھی ملے۔ عذرا رسول، قمر علی عباسی اور انجم انصار کی فرمائش پر اپنی یادداشتیں لکھنا شروع کیں جو پاکیزہ میں قسط وار شائع ہوئیں۔ جب یہ سلسلہ ختم ہوا تو قمر علی عباسی

نیلوفر عباسی

نے کتاب کا مطالبہ کر دیا، طبع شدہ مواد پر نظرِ ثانی کے بعد ترمیم و تنسیخ میرے لیے کڑی آزمائش تھی۔ بالآخر میں نے یہ معرکہ سر کر ہی لیا (یہ آزمائش میرے لیے کسی معرکے سے کم نہیں تھی) ۲۰۱۲ء میں میری یہ یادداشتیں کتابی صورت میں شائع ہو گئیں اس لیے اپنی پہلی کتاب ''کہی ان کہی'' کو میں ۲۰۱۲ء کی اپنی بڑی کامیابی سمجھتی ہوں کہ اس سال میں صاحبِ کتاب کہلائی اور ممی ڈیڈی کے قلم کی وراثت کا حق ادا کر دیا۔

شھناز رمزی
ایڈیٹر مصالحہ ٹی وی فوڈ میگ

۲۰۱۲ء مجموعی طور پر میرے لیے بہت اچھا ثابت ہوا۔ اس سال کے آغاز میں ہی سینٹ جوزف کانونٹ نے، جو اپنے 150 سال مکمل ہونے

شہناز رمزی

کا جشن منا رہا ہے ان سالوں میں سے 150 ویمن آف سبسٹنس منتخب کیں جن میں ایک میں بھی ہوں۔ اپنے اسکول سے یہ اعزاز ملنا میرے لیے کسی ایوارڈ سے کم نہیں۔ میں بلاتردد یہ بات کہہ سکتی ہوں کہ میری سال کی سب سے اہم کامیابی میری کتاب ''فوڈ پرنٹس'' کی اشاعت ہے جسے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شائع کیا ہے۔ میں کئی سالوں سے اس کتاب پر دن رات کی تفریق کے بغیر کام کر رہی تھی۔ جب ''فوڈ پرنٹس'' میرے ہاتھ میں آئی اس وقت مجھے جو خوشی ہوئی اس کا بیان میرے بس سے باہر ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں آج صاحبِ کتاب ہوں، پھر اس کتاب کی تقریبِ رونمائی بے حد شاندار تھی۔ اس سال ''ہم نیٹ ورک'' کے پلیٹ فارم سے ایک نئے میگزین ''اسٹائل 360 گلیم'' کا اجراء کیا، میں اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

ماہانہ فیشن میگزین کی ایڈیٹر ہوں۔ "مصالحہ ٹی وی فوڈ میگ" جسے پاکستان کا کثیر الاشاعت جریدہ قرار دیا جاتا ہے' نے بھی کامیابیوں کے کئی مراحل طے کیے۔ اس سال ایک اور اہم کامیابی "من پسند لائیو ایٹ نائن ود شیف گلزار" کا اجراء بھی ہے جس کی ادارت میرے ذمے رہی۔ اس کے علاوہ میں سال میں 2 فیشن کیٹالگ بھی ایڈٹ کر رہی ہوں۔ اس اعتبار سے میں ۲۰۱۲ء کو اپنے لیے تصنیف و تالیف کے حوالے سے انتہائی کامیاب اور یادگار سال قرار دے سکتی ہوں۔

شیریں انور
شیف

کوئی بھی کامیابی اس وقت تک ہمارے حصے میں نہیں آتی جب تک ہم اپنے کام میں ایمانداری اور لگن کو شامل نہیں کرتے میں جس جذبے، محنت

شیریں انور

اور ایمانداری سے سکھاتی ہوں اللہ نے مجھے اس کا انعام بھی دیا۔ حال ہی میں انٹرنیشنل شیف ڈے کے موقع پر لاہور میں ورلڈ شیف ایسوسی ایشن کی جانب سے مجھے بہترین شیف کے اعزاز سے نوازا گیا۔ مصالحہ چینل نے بھی مجھے بہت بڑا کچن انعام میں دیا۔

اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے مجھے یہ کامیابی عطا کی۔ میرے والدین، مداحوں اور چاہنے والوں کی دعائیں میرے ساتھ ہیں۔ ۲۰۱۲ء میں میری سب سے بڑی، اہم اور یادگار کامیابی یہ اعزاز ہی ہے۔

شاہین ضمیر
ہیڈ آف مارکیٹنگ پی آر انٹرپرینر شپ ڈیولپمنٹ فرسٹ وومین بینک

سال ۲۰۱۲ء کی میری سب سے بڑی کامیابی فرسٹ وومن بینک کے interpreneurship development programme کا

شاہین ضمیر

کراچی اور لاہور میں کامیاب انعقاد ہے۔ اس پروگرام سے اب تک ۲۸۵ خواتین فائدہ اٹھا چکی ہیں اور بہت سی خواتین نہایت کامیابی سے کاروبار بھی کر رہی ہیں ان کی کامیابی ہی میری کامیابی ہے۔

عنبرین حسیب
شاعرہ

ہر انسان کے نزدیک کامیابی کے معنی مختلف ہوتے ہیں۔ ہمارے نزدیک سب سے بڑی کامیابی

عنبرین حسیب

یہ ہے کہ ہم اپنے پیاروں، اپنے عزیز ترین رشتوں کو کوئی خوشی دے سکیں۔ ایسا ہی ایک موقع ۲۰۱۲ء میں ہمیں نصیب ہوا جب ہمارا پہلا شعری مجموعہ "دل کے افق پر" منظرِ عام پر آیا اور اسے ادبی حلقوں میں بے حد پذیرائی حاصل ہوئی۔ اس مجموعے کی اشاعت کے بعد ادب کی محترم اور معتبر شخصیات کا بھرپور اعتماد، حوصلہ افزائی اور بڑی توقعات ہماری اس کامیابی کا اہم حصہ ہیں۔ اس مجموعے کی تقریبِ اجرا پہلے لاہور اور پھر کراچی میں احباب نے منعقد کی۔ یہ دونوں تقاریب بہت کامیاب اور یادگار تھیں۔ اس موقع پر ہمارے اہلِ خانہ اور احباب کی بصد شوق شرکت، محبت بھرا اظہارِ خیال، نیک خواہشات ہمارے لیے سرمایۂ حیات ہے۔ یقیناً اپنی اس کامیابی پر ہم اپنے پروردگار کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔

مفلحہ رحمان
پروڈیوسر انٹر ٹینمنٹ اے آر وائی نیوز

۲۰۱۲ء میں میری سب سے بڑی کامیابی فوٹو گرافی کی نمائش ہے۔ یہ تصویری نمائش میں نے اور خرم اکبر خان نے مل کر آرٹس کونسل میں منعقد کی۔ اس

مفلحہ رحمان

سال کی نمائش کا موضوع بلا عنوان تھا جس میں موجودہ دور کے نوجوانوں میں نشے اور اسلحے کا بڑھتا ہوا استعمال ہے۔ اس نمائش کو قومی اور بین الاقوامی سطح پر سراہا گیا، جس سے بحیثیت فوٹو گرافر مزید شہرت ملی ساتھ ہی بحیثیت پروڈیوسر ترقی بھی ملی۔

عائشہ ناز
معاون استاد جامعہ کراچی شعبۂ اردو

اردو ادب میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کرنا میرا دیرینہ خواب تھا، معلمی کا پیشہ اختیار کرنے کی آرزو بھی بچپن سے میرے دل میں پروان چڑھ رہی تھی ۲۰۱۲ء میرے ان خوابوں کی روشن تعبیر اور آرزو کی تکمیل کی نوید لایا۔ ایم اے اردو میں، میں نے دوسری پوزیشن حاصل کی اور پی ایچ ڈی کی اولین کڑی یعنی ایم فل میں داخلہ مل گیا، اسی سال جامعہ کراچی میں معاون استاد کی ملازمت بھی حاصل کی۔ یہ وہ اہم اہداف ہیں جن کے حصول کے لیے میں نے بہت محنت کی اللہ کا بڑا شکر ہے کہ مجھے اپنی کاوشوں کا صلہ بہترین کامیابی کی صورت میں ملا۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

تقریبِ پذیرائی

مونا شہاب

ماہنامہ پاکیزہ میں طویل عرصے تک شائع ہونے والی نیلوفر عباسی کی فنکارانہ زندگی کی دلچسپ داستان "شہزوری" اب کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہے اس خود نوشت جس کا نام کہی ان کہی ہے کی مسلسل پذیرائی ہو رہی ہے۔ اسی سلسلے میں گزشتہ دنوں امریکا میں اس منفرد کتاب کی تعارفی تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں وہاں مقیم ادب نواز احباب، براڈ کاسٹرز اور صحافیوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ یہ تقریب ادبی مرکز واشنگٹن نے نہایت پُروقار انداز میں کامیابی سے منعقد کی۔ ادبی مرکز کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ سب سے پہلے اس کتاب کی تقریب رونمائی ترتیب دیں۔ اس تقریب کے حسنِ انتظام میں ہمارے ساتھ شہاب قرنی اور سعید قریشی ہم رکاب رہے۔ بلاشبہ یہ ایک یادگار تقریب تھی۔

ممتاز براڈ کاسٹر و کرکٹ کمنٹیٹر حسن جلیل نے بڑی خوب صورتی اور ذہانت سے میزبانی کے فرائض انجام دیے۔ اس موقع پر نیلوفر عباسی کے ڈراموں کی جھلکیاں بھی دکھائی گئیں۔ نیلوفر عباسی ہماری پسندیدہ فنکارہ ہیں اور ان کی یہ تصنیف کہی ان کہی ہماری پسندیدہ تصنیف ہے۔

اس موقع پر ریڈیو پاکستان کی ممتاز براڈ کاسٹر اور وائس آف امریکا کی پروڈیوسر صفیہ کاظم نے ان یادگار دنوں کو یاد کیا جب نیلوفر پہلی بار ریڈیو آئیں اور ان کی صداکاری نے دھوم مچا دی...... ٹی وی پر اداکاری کی ایک نئی روایت پڑی۔ فلمسٹار شبنم نے فلم انمول میں ان کے اسی انداز کو اپنایا۔

ریڈیو پاکستان کی سینئر صداکارہ، ماضی کی فنکارہ اور اظہار کاظمی کی شریکِ حیات شاہدہ کاظمی نے نیلوفر عباسی کی کتاب کو بے حد سراہا اور کہا کہ ان کی اداکاری اور صداکاری تو ہے ہی بے مثال لیکن دوسروں کے لیے ان کی محبت، ہمدردی اور حسنِ اخلاق سے میں ہمیشہ بے حد متاثر ہوئی ہیں۔ وطنِ عزیز کے ممتاز براڈ کاسٹر، مصنف، طباطبائی ایوارڈ یافتہ وائس آف امریکا کے پروڈیوسر ابوالحسن نغمی نے کہا میں نے کہی ان کہی کو کئی بار پڑھا...... کہیں ہنسی کا...... جلترنگ سنائی دیا اور کہیں آنسوؤں کی برسات محسوس ہوئی...... یہ کتاب سیدھے سادے سچے و دلفریب الفاظ میں بیان ہے جس کا لفظ لفظ دل کو چھوتا ہے۔ نیلوفر عباسی نے جو محسوس کیا، دیکھا لکھ دیا...... یوں قاری کو سچ پڑھنے کو ملا۔ دراصل خود نوشت اسی طرح لکھی جاتی ہے جو لوگ اپنی سوانح حیات لکھنا چاہتے ہیں وہ نیلوفر عباسی کی کہی ان کہی ضرور پڑھیں۔

تقریب کی صدارت ادب دوست شخصیت اور نامور مصنف جناب نسیم مرزا نے نبھائی۔ انہوں نے اپنے خطاب میں نیلوفر عباسی کی خود نوشت کے متعلق یوں اظہارِ خیال فرمایا کہ مصنفہ نے اس کتاب میں ریڈیو، ٹیلی ویژن کے واقعات، حالات اور فنکاروں کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے کہ گویا ایک تاریخ لکھی ہے۔ کہی ان کہی پڑھ کر اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ریڈیو ایک خاندان اور ٹیلی ویژن ایک کنبہ تھا جس نے بیرونِ ملک بھی پاکستان کا نام روشن کیا۔

اوپر کی رو میں دائیں شاہدہ کاظمی۔ صفیہ کاظم۔ نیلوفر عباسی۔ قمر علی عباسی
نیچے کی رو میں دائیں عبدالحسن نقوی۔ حسن جلیل نسیم مرزا اور مونا شہاب

مہمانِ خصوصی ممتاز سفر نامہ نگار قمر علی عباسی نے کہا۔ "نیلوفر عباسی نے جس طرح ریڈیو، ٹیلی ویژن میں نئی روایات کو جنم دیا اسی طرح خود نوشت 'کہی ان کہی' لکھ کر ایک نیا راستہ بنایا جس پر کوئی بھی فنکار چل سکتا ہے، خود نوشت لکھ کر وقت و حالات کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر سکتا ہے۔

تقریب کے آخر میں نیلوفر عباسی نے اپنی تقریر میں کہا کہ میں مصنف نہیں لیکن میرا جی چاہتا تھا کہ اپنی یادوں اور بیتے ہوئے دنوں کو یکجا کر دوں۔ ان مہربانوں کا ذکر کروں جو ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے لیے ان تھک محنت کرتے رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں نہ دولت کی، نہ شہرت کی، نہ کسی اور چیز کی ضرورت تھی...... یہ اپنا تن من دھن صرف فن کے لیے وقف کر دیتے تھے...... میں نے اپنی فنی زندگی کا آغاز ریڈیو پاکستان سے کیا اور اللہ تعالیٰ نے وہ کامیابی عطا کی جو میرے تصور میں بھی نہیں تھی۔ ٹیلی ویژن پر بھی بے حد سراہا گیا...... اور اب میری اس کاوش کہی ان کہی کو بھی پسندیدگی عطا کی۔ اس کے علاوہ ماہنامہ پاکیزہ کے قارئین نے بھی بے حد سراہا۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہنوں کی محفل

مدیرہ

☆عزیز از جان بہنو! السّلام علیکم رحمتہ اللہ وبرکاتہ،

☆حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد ﷺ پر جنھوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

☆2012ء بھی رخصت ہونے کو ہے...... یہ سال بھی ہوا کے گھوڑے پر سوار گزر گیا۔ اس سال ہم نے کیا کھویا، کیا پایا یہ الگ سوال ہے جسے اپنے آپ سے پوچھنے کا ہم سب کے پاس ٹائم ہے یا نہیں (مگر ہونا چاہیے) نیا قمری سال شروع ہوگیا ہے اور نیا عیسوی سال بھی بس شروع ہونے کو ہے...... تو کیا ہم اپنے آپ سے صرف ایک وعدہ نہیں کر سکتے کہ ہم اپنی ایک برائی ایک کوتاہی (جس کو ہم جانتے بھی ہیں کہ وہ ہماری رگ رگ میں رچی بسی ہوئی ہے) کو بالکل چھوڑ دیں گے...... ہم کسی پر بہتان نہیں دھریں گے یہ بڑی دلچسپ گفتگو ہوتی ہے۔ جب کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی ذات میں کیڑے ڈالے جاتے ہیں۔ ہم کسی کو ہرٹ نہیں کریں گے کہ اس سال یہ مکروہ ادا بھی خاصی اِن رہی کہ دل کے پھپھولے دوسرے کے کندھے پر رکھ کر پھوڑے گئے...... اے ہے، فلاں نے تمہارے بارے میں یہ کہا اور وہ کہا...... جب کہ وہ سب مغلظات ان کے اپنے مکروہ ذہن کی پیداوار ہوتی ہیں۔ اپنے آپ کو مہا قابل اور سامنے والے کو اپنے سے کم تر...... نالائق اور غبی تو ہر دور میں ہی سمجھا جاتا رہا ہے مگر اس سال کچھ زیادہ ہی رہا اور ہمیں اس عادتِ بد سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس سال بھی خواتین میں شاپنگ کرنے کا کریز رہا۔ سارا سارا دن بازاروں میں اور گھنٹوں درزیوں سے دماغ پچی کرتی نظر آئیں۔ کالے موتی یہاں لگیں گے، پیلی بیل وہاں سے شروع ہوگی جیسے جملے...... وقت کا زیاں کرتے نظر آئے...... اپنا قیمتی وقت یوں برباد کرنا...... ہمیں زیب نہیں دیتا...... اور ایک ایسی عادت جو 75 فیصد خواتین میں پائی جاتی ہے...... میاں کو دفتر اور بچوں کو اسکول بھیج کر فون پر گھنٹوں باتیں کرنے کی...... ان باتوں میں کتنی ہی باتیں بے مقصد اور وقت کا زیاں کرنے والی ہوں گی اور کتنی ہی باتیں ہمارے گناہوں میں اضافہ کرنے والی...... تو آئیں آج ہم سب اپنے گریبان میں جھانک کر...... اپنی کسی ایک بری عادت سے چھٹکارا پائیں۔ صرف ایک بری عادت کو چھوڑنا...... کوئی اتنا مشکل کام تو نہیں ہے ناں...... تو پھر آئیں استغفار پڑھ کر اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور بسم اللہ پڑھ کر نئے سال کی پہلی سیڑھی کی جانب قدم بڑھاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ اس نئے سال میں ہم سب کو ہر بیماری، ہر پریشانی، ہر برائی اور جن و انس کے شر سے محفوظ رکھے اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

اور اب آئیں رنگا رنگ اور تازہ بہ تازہ سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے درودِ ابراہیمیؑ پڑھتے ہیں جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین بار آیتِ کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالمِ اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا کریں۔ (ابھی پڑھ لیں)

لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

☆☆☆

مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆محترمہ عذرا رسول کی چھوٹی بہن اور معروف شاعرہ محترمہ صغریٰ زیدی اپنی فیملی کے ساتھ کینیڈا سے کراچی آئی ہوئی ہیں۔ (خوش آمدید)

☆معروف مصنفہ اختر شجاعت کی کتاب ذکرِ صالحین بہت جلد شائع ہونے والی ہے۔ (ماشاء اللہ)

☆ہماری پیاری شاعرہ اور افسانہ نگار شگفتہ شفیق کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی ہے ان کی کلی صحت اور خوشیوں بھری زندگی

کے لیے ہمارے تمام قارئینِ پاکیزہ دعا کریں۔

☆پاکیزہ کی مستقل قاری اور تبصرہ نگار تسنیم مہ پارہ کی بیٹی اور داماد حج کی سعادت حاصل کر کے کراچی آگئے ہیں۔ (ماشاء اللہ)

☆ہماری پیاری مصنفہ اور ٹی وی رائٹر رضوانہ پرنس اس ماہ لندن جا رہی ہیں۔

☆ہماری پیاری دوست، مصنفہ، صداکارہ، اداکارہ نیلوفر عباسی اپنی فیملی کے ساتھ امریکا سے کراچی آرہی ہیں...... یہاں جنوری میں ایک مقامی ہوٹل میں ان کی کتاب کہی ان کہی کی تعارفی تقریب ہوگی۔ (پیشگی مبارک باد)

☆ہماری پیاری مصنفہ نگہت اعظمی کا ناول ہر اشک ایک ستارہ کتابی شکل میں شائع ہوگیا ہے۔ یہ ان کی تیسری کتاب ہے۔ صفحات 536 ہیں۔ یہ ایک اصلاحی اور سماجی ناول ہے...... جسے بالخصوص نئی نسل کو ضرور پڑھنا چاہیے۔ کتاب کی قیمت صرف 500 روپے ہے جسے آپ علم و عرفان پبلشرز، الحمد مارکیٹ 40 اردو بازار، لاہور سے حاصل کر سکتے ہیں۔

☆ہماری پیاری مصنفہ رفاقت جاوید کے ناول سفرِ جاوداں کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوگیا ہے۔ ایک بوائز کالج نے ان کے ناول کی 100 کاپیاں اپنی لائبریری کے لیے لی ہیں۔ (ماشاء اللہ...... بہت بہت مبارکاں)

☆افسانہ نگار اور شاعرہ فصیحہ آصف خان، ملتان کا پہلا مجموعۂ کلام محبت سانس لیتی ہے کتابی صورت میں آگیا ہے۔ جسے الرحمٰن پرنٹنگ پریس نے بڑی خوب صورتی سے شائع کیا ہے۔ کتاب کی قیمت صرف دو سو روپے ہے۔ کتاب منگوانے کے لیے رابطہ کیجیے۔ 03047510032

☆مصنفہ یاسمین نشاط اختر، لاہور کے ہاں گیارہ سال کے بعد بیٹا تولد ہوا ہے۔ ان کی بڑی بیٹی گیارہ سال کی ہے۔ اس بچے کا نام عباس امین رکھا گیا ہے۔ اس بچے کا عقیقہ دھوم دھام سے منایا گیا۔ (ماشاء اللہ مبارک باد ڈھیر ساری دعائیں)

☆11 نومبر کو کراچی کے مقامی ہال میں شاد باد ویلفیئر سوسائٹی کی سالانہ تقریب ہوئی جس میں اسکول سے یونیورسٹی تک کے نمایاں طلبا و طالبات کو اسناد، شیلڈز اور انعامات دیے گئے۔ اس تقریب کے اسٹیج سکریٹری پرویز صدیقی تھے۔ اس تقریب میں آپ کی باجی انجم انصار نے مہمانِ خصوصی کے طور پر شرکت کی اور طلبا و طالبات میں شیلڈز اور انعامات تقسیم کیے۔

☆پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار اور شاعرہ نگینہ ضیا بنگش کے بھائی ریاض کی شادی رخشندہ کے ساتھ اسی ماہ پشاور میں ہو رہی ہے۔ (نگینہ آپ کو بے حد مبارک باد)

☆معروف مصنفہ سلمیٰ غزل آئندہ ماہ امریکا جا رہی ہیں۔ (مبارک باد) ہماری مصنفہ سلمیٰ غزل کے بھائی ان دنوں شدید بیمار ہیں ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں۔

☆ہماری شاعرہ فریدہ خانم، لاہور کے اعزاز میں ایک تقریب ہوئی جس میں انہوں نے اپنی کتاب مختلف میں سے بہت سی غزلیں اور نظمیں سنائیں۔ (ماشاء اللہ)

☆تبسم رضا ثومی، فیصل آباد حج کی سعادت حاصل کر کے وطن واپس آگئی ہیں۔ (مبارک باد)

☆ہماری پیاری مصنفہ نوشین ناز اختر، لاہور ماہرِ غذائیات بھی ہیں۔ ہماری وہ بہنیں جو دبلا یا موٹا ہونے کے لیے ان سے مشورہ لینا چاہیں تو وہ اس نمبر پر لے سکتی ہیں۔ نمبر نوٹ کر لیں۔ 03014585405

☆پاکیزہ کے شعبۂ اشتہارات لاہور کے نمائندہ افراز علی نازش ایف ایم 100 پاکستان میں شبِ غزل کے نام سے جمعرات کو رات بارہ سے تین بجے تک پروگرام کرتے ہیں جو بہنوں میں بہت پسند کیا جا رہا ہے۔ (مبارک باد)

☆گزشتہ دنوں کپل آف فیصل آباد مسٹر اینڈ مسز ناصر کو محبت کے سفیر کا ایوارڈ دیا گیا۔ (مبارکاں)

☆پاکیزہ کی تبصرہ نگار مسرت رانی خلیل کی بہن شہزادی عظیم اپنی فیملی کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کر کے آگئی ہیں۔ (مبارک باد)

☆پاکیزہ کی مستقل قاری فوزیہ ہاشمی، کراچی کا بیٹا محمد ولید ہاشمی بیمار ہے۔ اس کی کلی صحت اور زندگی کے لیے دعا کریں۔

☆ہماری پیاری مصنفہ عابدہ رؤف سے ملاقات ایک تقریب میں ہوئی...... انہوں نے بتایا کہ ان دنوں وہ ٹی وی کے لیے ڈرامے لکھ رہی ہیں۔ (ماشاء اللہ)

☆معروف مصنفہ غزالہ رشید کے ہاں گزشتہ دنوں میلاد کی ایک تقریب ہوئی جس میں سیما رضا، سائرہ غلام، پروفیسر

WWW.PAKSOCIETY.COM

رضیہ، سدرہ، عابدہ رؤف، ثروت اور ہم نے بھی شرکت کی۔ میلاد پڑھنے والی خاتون نے بہت اچھا میلاد پڑھا اور دعا مانگی۔

☆ ہماری مستقل تبصرہ نگار ذکیہ ایوب ان دنوں کراچی سے لاہور گئی ہوئی ہیں اور ان کی بہن یاسمین ناظر شدید بیمار ہیں۔ ان کی کلی صحت اور زندگی کے لیے دعا کریں۔

☆☆☆

✿ ثریا انجم، کراچی سے۔ ”ہمیشہ کی طرح نومبر کا پاکیزہ بہترین ہے۔ عکس کی تعریف کے لیے تو الفاظ کم پڑ جاتے ہیں۔ ام مریم کا ناولٹ انا کا سفر دلچسپی کے ساتھ اپنے اندر ایک پیغام لیے ہوئے تھا کہ عورت بہادر بننے کے شوق میں منہ کے بل بھی گر سکتی ہے۔ افسانے سب کے سب اچھے تھے مگر دستک دردِل پر اور پھانس کا جواب نہیں۔ دستک دردِل پر تو آپ نے اپنے مخصوص انداز میں لکھا اور مرد کی فطرت کی بہت اچھی عکاسی کی۔ میری رائے میں تو اس افسانے کی ڈرامائی تشکیل ہونی چاہیے۔ نگہت اعظمی کا افسانہ پھانس پڑھ کر سوچ کے در وا ہو گئے، شادی کے بعد تقریباً ہر لڑکی کو ایسے حالات سے گزرنا ہوتا ہے جب اسے اپنی ذات پر جبر کر کے سسرال والوں کی خوشیوں میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ نگہت اعظمی کی تحریریں ہمیشہ متاثر کرتی ہیں۔ اور آخر میں جلترنگ جو دکھتی رگوں کو اس انداز میں چھیڑتا ہے کہ کئی لوگ تو تلملا کر رہ جاتے ہوں گے مگر ہم تو مسکراتے ہیں۔ اس مسکراہٹ کے لیے انجم انصار کا بے حد شکریہ۔“ (نوازش)

✿ صائمہ قیصر ہاشمی، راولپنڈی سے۔ ”بہت عرصے بعد بھی ... بہنوں کی محفل میں بہنوں کے خطوط اور احوال پڑھے تو قلم اٹھا کے شامل ہونے چلی آئی ...... محترمہ رضیہ بٹ جو ہم سب لکھاری بہنوں کی روحانی استاد کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کے انتقال پر اور مزید لبنیٰ عروج صاحبہ کے انتقال پر گہرا صدمہ ہوا۔ حاجرہ مسرور بھی چل بسیں۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ غفور الرحیم ان سب کی بخشش و مغفرت فرمائے۔ نومبر کا پاکیزہ تھوڑا بہت پڑھا۔ کافی رونق ہے اور محبتیں بھی بہنوں کی اسی طرح عروج پر دیکھ کر مسرت ہوئی۔ پیاری پیاری رائٹرز میں آپ کا نام بھی جگمگا رہا تھا۔ یقیناً پیاری تحریر ہو گی۔ عمیرہ احمد، ناہید سلطانہ اختر، قیصرہ حیات، عطیہ عمر، ماشاء اللہ ستاروں سے پاکیزہ کا آسمان جگمگا رہا تھا۔ اللہ دمکتے ستاروں کی اس کہکشاں کو سدا آباد رکھے۔ آمین۔“ (پیاری صائمہ بہت عرصے بعد آئی ہو مگر آتی رہنا ...... تمہارے لکھے ہوئے ڈرامے دیکھ رہی ہوں ماشاء اللہ بہت اچھا لکھ رہی ہو، ہاں تمہاری جانب سے ان تمام بہنوں کا شکریہ جنہوں نے تمہاری والدہ مرحومہ کی تم سے تعزیت کی۔)

✿ اختر شجاعت، کراچی سے۔ ”بہت عرصے بعد اس پیاری اور محبتوں بھری محفل میں شامل ہو رہی ہوں۔ بارہا جی چاہا مگر چند مصروفیتوں کی وجہ سے رہ گئی۔ لبنیٰ عروج کی موت نے ہلا کر رکھ دیا۔ ان کے لیے کیا کہوں کہ کبھی کبھی الفاظ بھی ساتھ نہیں دیتے مگر آپ نے ان کے لیے بے حد بھرپور انداز میں خراجِ عقیدت پیش کیا اور قلم کے ساتھ دوستی کا حق نبھا دیا۔ ویسے بھی انجم باجی آپ کا دل اپنے دوستوں کے لیے بے حد وسیع اور محبتوں سے بھرپور ہے۔ لبنیٰ عروج نمبر میں ہر تحریر لاجواب تھی۔ قیصرہ حیات کا ناولٹ بہت زبردست تھا۔ خاص کر آخری صفحات بہت بھرپور تھے۔ قیصرہ کی تحریر ہمیشہ میری پسندیدہ رہی ہے۔ شائستہ زریں کا سروے کافی افادیت کا حامل رہا۔ بہنوں کی محفل میں ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی نے زکوٰۃ کے حوالے سے بہترین مشورہ دیا۔ پاکیزہ ڈائری میں ضرور پڑھتی ہوں۔ اس بار بے حد حسین انتخاب تھا۔ دیگر سلسلے اور دیگر تحریریں بھی ٹھیک ہیں۔“ (پیاری اختر شجاعت برسوں بعد آئی ہو...... مگر اب آتی رہنا اور ہاں تبصرے کا شکریہ)

✿ رفاقت جاوید، اسلام آباد سے۔ ”نومبر کا پاکیزہ اچھا تھا۔ ٹائٹل بھی اچھا ہے...... ناول اور افسانے سب ہی اچھے ہیں۔ عطیہ عمر، نگہت اعظمی کی تحریریں خصوصی طور پر پسند آئیں۔ اس ماہ تمہارے افسانے کا فلیور بھی علیحدہ دلچسپ رہا۔ غزالہ رشید نے بھی اچھا لکھا۔ بہنوں کی محفل تو محبت سے لبریز اس وجہ سے ہوتی ہے اسے ہماری انجم جو سجاتی ہیں۔ ہر بہن کا خط اچھا لگا۔ پاکیزہ میں خطوط نمبر بھی ہونا چاہیے پھر دیکھتے ہیں کہ کس قیامت کے نامے آئیں گے۔“ (ہاں یہ تو ہے کہ کیسے کیسے خط آئیں گے)

✿ فریدہ افتخار، پشاور سے۔ ”آپ سے ملاقات پاکیزہ کے ذریعے ہو جاتی ہے۔ یہ پاکیزہ والوں کی خوش نصیبی ہے کہ اس قدر اچھی خاتون ہیں اس ڈائجسٹ کو اپنی خوب صورت باتوں، رویوں، تحریروں، بالخصوص مجھے کچھ کہنا ہے، بہنوں کی محفل کے ذریعے ہم پڑھنے والوں کو، ایک زنجیر میں باندھ رکھا ہے۔ کوئی چاہے بھی تو اس حصار سے نہیں نکل سکتا۔ آپ نے بڑے اچھے انداز میں سلمیٰ غزل صاحبہ کی تحریر پر تبصروں کو دی اینڈ کر دیا اور سلمیٰ غزل صاحبہ کی معذرت والی ادا بھی ہمیں بھا گئی۔ سورات

گئی بات گئی... شکریہ۔ ہمارے قلم میں اتنی طاقت نہیں کہ افسانوں پر پُرمغز تبصرہ کریں۔ سارے سلسلے بے حد شاندار ہیں بالخصوص روحانی مشورے، میں سب سے پہلے بہنوں کی محفل میں شرکت کرتی ہوں۔ گھر بیٹھے سب سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ لبنیٰ عروج مرحومہ کے اس فانی دنیا سے جانے کا دکھ ہوا ہے جو رہ گئے ہیں اللہ ان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔ ہمارے اردگرد پورے ملک میں جو فضا ہے بدامنی کی، خود غرضی کی، لالچ کی، اس خون آلود فضا میں دل اداس طبیعت پریشان ...... ہمارا صوبہ اور شہر تو کب سے اَن دیکھے (جانے پہچانے) دشمنوں کی زد میں تھا یہ کراچی کو کس کی نظر لگ گئی ہے۔ بخدا ...... جس طرح گلدستے میں ہر طرح کے پھول بہار دکھاتے ہیں بس دل کا خلوص چاہیے۔ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا۔ دبئی کی خوشحالی دیکھ کر دل سے یہی دعا نکلتی ہے کہ ہمارا ملک بھی دبئی کے جیسا ہو جائے۔ آمین۔“ (دبئی تو ہمارے کراچی کے ایک ٹاؤن کے برابر بھی نہیں ہوگا ...... اللہ تعالیٰ ہمارے ملک میں امن و سلامتی کے ساتھ رزق کی فراوانی کر دے۔ جس میں سب محبت سے رہیں۔ آمین)

✿ دلشاد وسیم، لاہور سے۔ ”میں پاکیزہ باقاعدگی سے پڑھتی ہوں مگر نہ جانے کس طرح ستمبر اور اکتوبر کے شمارے نہیں پڑھ سکی اور جب نومبر کے پاکیزہ میں لبنیٰ عروج کے انتقال کا پتا چلا تو بے حد افسوس ہوا۔ لبنیٰ عروج میری بہت اچھی دوست تھی اور بہت اچھی رائٹر بھی ...... پلیز انجم آپ میری تعزیت ان کے گھر والوں تک پہنچا دیں۔“ (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

✿ نگہت اعظمی، کراچی سے۔ ”کل پاکیزہ ملا سب سے پہلے لبنیٰ عروج کے بارے میں پڑھا اور اس کے بعد طبیعت اتنی افسردہ ہوئی کہ کوئی کام کرنے کو دل ہی نہیں چاہا۔ دکھ اس بات کا بہت شدت سے ہوا کہ ہماری ایک ساتھی، ایک رائٹر اور اتنی اچھی رائٹر اتنی تکلیف میں رہی اور ہمیں خبر ہی نہیں ہوئی۔ کسی کا ایک جملہ دل کی ڈھارس بندھا دیتا ہے۔ یہ تو ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ جو اس دنیا میں آیا ہے اسے اس دنیا سے جانا ہے لیکن ایسے وقت میں جانا جب اپنے لگائے ہوئے باغ میں بہاریں جوبن پر ہوں۔ ایسے وقت میں جانا بڑا مشکل ہوتا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ لبنیٰ نے اپنے پیچھے جو لہلہاتا ہوا چمن چھوڑا ہے جو اپنے الفاظ سے نیکی کے پھول مہکائے ہیں جو اپنے بچوں کو اچھی تربیت دی ہے اس کے عوض اسے وہاں جو چمن ملا ہوگا اس کی بہار کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔ میں سمجھتی ہوں اگر ہماری کوئی رائٹر خدانخواستہ بیمار ہو تو اس کی بیماری کی خبر ضرور رسالے کے ایڈیٹر تک پہنچا دینی چاہیے تاکہ ہم سب اس کے لیے دعا کریں اور ہو سکے تو اس سے رابطہ بھی کریں۔ خداوندِ عالم لبنیٰ کے سارے گناہوں کو معاف کرے اس پر عالمِ برزخ کی سختیوں کو آسانیوں میں بدل دے اور اس کی لحد میں ایک درِ بہشت کھول دے جہاں سے جنت کی ہوا اور خوشبوئیں اس تک آتی رہیں اور اس کے لواحقین خاص طور پر اس کے شوہر اور بچوں کو اس غم کو برداشت کرنے کا حوصلہ دے، آمین ثم آمین۔ پاکیزہ ابھی پورا نہیں پڑھا۔ عمیرہ احمد کا عکس بہت بہترین ہے۔ ناہید سلطانہ اختر بھی بہت ہی اچھا لکھ رہی ہیں۔ نگہت سیما ہمیشہ ہی اچھا لکھتی ہیں۔ اور سروے کے بارے میں کہنا ہے کہ لڑکی کی ماں کو لڑکی کے معاملات میں زیادہ دخل نہیں دینا چاہیے لیکن جہاں ظلم و زیادتی ہو رہی ہو چاہے وہ ان کی اپنی بیٹی کر رہی ہو یا بیٹی کی سسرال والے کر رہے ہوں۔ اس کے خلاف ضرور بولنا چاہیے۔ محبِ مرزا اور آمنہ شیخ کا انٹرویو اچھا لگا۔“ (پسندیدگی کا شکریہ)

✿ تسنیم ماہ پارہ، کراچی سے۔ ”نومبر کے پاکیزہ میں سب سے پہلے بہنوں کی محفل پڑھی۔ ذکیہ بلگرامی کا خط معلومات کا خزانہ ہے۔ ذکیہ بہن سے کہوں گی کہ وہ گاہے بہ گاہے اس محفل میں خط ضرور لکھا کریں۔ ایک عالمہ بچی کا خط بھی اچھا رہا یہ محفل ہمیں بہت کچھ آگاہی بھی دیتی ہے جو اس کی خاص خصوصیت ہے۔ تمہارا افسانہ سب سے پہلے اس وجہ سے پڑھا کہ تمہاری فین جو ہوں اور بہت مزہ آیا۔ نگہت اعظمی نے بھی بہت متاثر کیا۔ عمیرہ احمد اور ناہید سلطانہ اختر نے ہمیشہ کی طرح اچھا لکھا۔ ہاں.... سدرۃ المنتہیٰ کا خط پڑھ کر بھی بے حد ہنسی آئی تھی۔“ (تسنیم تم ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو، پسندیدگی کا شکریہ)

✿ سدرۃ المنتہیٰ، ٹنڈو محمد خان سے۔ ”عمیرہ احمد میری ہارٹ فیورٹ اور ان کا ناول مجھے دل و جان سے پیارا ...... اور اس کی جتنی تعریف کروں وہ کم ہو گی۔ میں آج اپنی نئی مصنفات سے صرف یہ کہنا چاہوں گی کہ ان کی تحریریں گاؤں کی لڑکیاں بھی پڑھتی ہیں تو آپ ان موضوعات پر قلم اٹھائیں ...... جو انہیں آگاہی دیں ...... ان کی معلومات بڑھائیں اور انہیں اچھے برے کی تمیز سکھائیں ...... اور یہ ذمے داری صرف کسی ایڈیٹر کے سر پر نہیں ڈالنی چاہیے ...... بلکہ یہ ہم رائٹرز کے فرائض ہیں کہ ہم اپنی تحریروں سے ان لوگوں کو معلومات فراہم کریں جو بہت چھوٹی چھوٹی جگہوں پر رہتے ہیں۔ جو اخبار بھی نہیں پڑھتے جو ٹی وی بھی نہیں دیکھتے ...... ہماری سینئر رائٹرز تو بے حد اچھا لکھ رہی ہیں اب ہماری نئی مصنفات کو بھی ایسے ہی موضوعات پر لکھنا ہوگا جو مثبت

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوں۔" (آپ کی رائے ہماری نئی مصنفات کو پہنچائی جا رہی ہے)

خالدہ نسیم، یو کے۔ "سب سے پہلے اداریہ پڑھا بہت اچھا لگا پھر بہنوں کی محفل...... ہر خط اپنا فلیور علیحدہ ہی رکھتا ہے۔ ابھی ناول اور افسانے نہیں پڑھ سکی ہوں کہ پورا مہینہ گزارنا ہوتا ہے اس لیے آہستہ آہستہ مزے لے لے کر پڑھا کرتی ہوں، میں بھی اور میری بیٹی ڈاکٹر تہمینہ بھی۔" (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

شگفتہ ناصر، فیصل آباد سے۔ "اس ماہ کا ناولٹ اُمِ مریم کا بہترین رہا...... وہ لڑکیاں جو منہ پھٹ ہوتی ہیں جو بولنے سے پہلے کچھ سوچا نہیں کرتیں ان کی بہترین عکاسی کی گئی ہے۔ عکس ناول پڑھنے کی عادت ہوگئی ہے اب اگر وہ ختم ہو جائے گا تو ہم کیا پڑھیں گے۔ آپ کا افسانہ دستک درِ دل پر، بہت اچھا لگا۔ مکمل ناول بس ٹھیک ہی تھا۔ نادیہ جہانگیر نے بھی اچھا لکھا۔" (پسندیدگی کا شکریہ...... عمیرہ احمد بہت جلد اپنا دوسرا ناول لے کر آئیں گی۔ ہاں آپ کو اس ماہ اپنی شادی کی سالگرہ بھی مبارک ہو)

شازیہ جمال، کراچی سے۔ "نومبر کا پاکیزہ ٹائٹل سمیت پسند آیا۔ سب سے زیادہ خوشی دستک درِ دل کی وجہ سے ہوئی۔ عکس ہمارا فیورٹ ناول ہے۔ ان دنوں ٹی وی پر بھی عکس کے نام سے ایک سیریل چل رہا ہے۔ کیا اس ناول کا اس سے کوئی تعلق ہے؟ اس ماہ کا سب سے اچھا ناول اُمِ مریم کا رہا۔ انہوں نے بولڈ لڑکیوں پر بالکل صحیح قلم اٹھایا ہے۔" (پیاری شازیہ پاکیزہ کی تحریروں کی پسندیدگی کا شکریہ۔ ٹی وی پر چلنے والے ڈرامے کا ہمارے ناول عکس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارے ناول کی مقبولیت کو دیکھ کر کوئی اس کا نام لے لے تو ہم کیا کر سکتے ہیں)

شگفتہ شفیق، کراچی سے۔ "پاکیزہ کی ہر تحریر، ہر سطر پسند آئی ہے۔ سب سے پہلے بہنوں کی محفل پڑھتی ہوں اور ہمیشہ تمام بیماروں کے لیے دعا کرتی ہوں...... پیاری بہنوں اپنی دعاؤں میں آپ لوگ مجھے بھی یاد رکھا کریں۔ پھر جلترنگ پڑھا اور طبیعت فریش ہوگئی۔ اس کے بعد دیگر افسانے پڑھے...... سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ اُمِ مریم کا ناولٹ پسند آیا اس میں ہیرو کافی شریف دکھایا گیا ہے ورنہ ایسی لڑکیوں کا انجام زیادہ تر برا ہوا کرتا ہے مگر یہ ایک اصلاحی تحریر ہے اس کو پڑھ کر بہت سی لڑکیوں کی آنکھیں یقیناً کھل جائیں گی۔ باجی آپ کا افسانہ بھی اچھا لگا آخر تک سسپنس برقرار رہا اور پڑھ کر مزہ آیا۔ انجم باجی میرا پاکیزہ کے ساتھ بہت پرانا رشتہ ہے عرصہ دراز سے میں پڑھ رہی ہوں مگر آپ کے ساتھ میرا رشتہ بالکل بیٹی جیسا ہے اور آپ میرے لیے بالکل ماں جیسی ہیں۔" (پیاری شگفتہ تم میری بیٹی ہی تو ہو...... اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ محبت کبھی یک طرفہ نہیں ہوا کرتی۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہمیشہ خوش و خرم و صحت مند و توانا رکھے، دودھوں نہاؤ اور پوتوں پھلو آمین' ثم آمین)

مسرت رانی خلیل، کراچی سے۔ "حسبِ عادت سب سے پہلے بہنوں کی محفل پڑھی اس کو پڑھ کر آگاہی سی رہتی ہے لیکن سدرۃ المنتہیٰ کا خط پڑھ کر بہت مزہ آیا مگر ان کے خط میں ایک بات عجیب سی لگی اس لیے اگر وہ برا نہ مانیں تو کہنا چاہوں گی...... کہ خواتین مزاروں پر جا کر نہیں بیٹھا کرتی ہیں...... اس ماہ تحریروں کا گلدستہ خوش رنگ بھی تھا اور مسحور کن بھی۔ آپ کا افسانہ حقیقت کا عکاس تھا کہ جہاں بہت زیادہ تعریف کی جاتی ہے وہیں کچھ نہ کچھ چکر ضرور ہوتا ہے۔ اُمِ مریم نے خاصے بولڈ موضوع پر قلم اٹھایا...... مگر اس تحریر کو پڑھ کر لڑکیوں کو یہ سبق ضرور ملے گا...... کہ بے مہار بولنے والیوں کو کتنے نقصان اٹھانے پڑتے ہیں۔" (تبصرے کا شکریہ)

فرحانہ تبسم، حیدر آباد سے۔ "بہت مدتوں کے بعد آپ سے رابطہ کیا ہے۔ ناول چاندنی کی وجہ سے پاکیزہ سے ناتا جوڑا تھا جو آج تک قائم ہے۔ ناہید سلطانہ اختر اور عمیرہ احمد بہترین ناول نگار ہیں۔ دونوں کے ناول شاندار ہیں۔ اس ماہ بہترین ناول اُمِ مریم کا رہا...... اور افسانہ آپ کا پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ میمونہ خورشید کی تحریر بھی پسند آئی۔ مجھے افسوس ہے کہ مکمل ناول کوئی متاثر نہیں کر سکا۔ بہنوں کی محفل میں ہماری بہنیں تحریریں چھان کر تبصرہ کرتی ہیں۔ اس لیے مزہ بہت آتا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کا خط پڑھ کر میں بہت دیر تک ہنستی رہی نوّے سال کی خواتین کی تو یادداشت جواب دے جاتی ہے۔ ذائقہ ختم ہو جاتا ہے اور سدرہ انہیں گھومنے پھرنے، شاپنگ کرنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔" (گڑیا اللہ کے فضل و کرم سے لکھنے والوں کی یادداشت بھی بہت اچھی ہوتی ہے اور ذائقہ بھی قائم رہتا ہے۔ اس لیے ان کے لیے یہ مشورہ کافی اچھا ہے اور مناسب بھی)

سمیرا مجاہد، صادق آباد سے۔ "میں انشاء اللہ دسمبر میں کراچی آؤں گی۔ تو آپ سے آ کر ضرور ملوں گی۔ نومبر کا پاکیزہ بہت بہت اچھا لگا...... یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ آپ نے اس ماہ لبنیٰ عروج کے بارے میں مزید تحریریں شائع کی ہیں۔ تصویریں بھی اچھی لگیں۔ آپ کا افسانہ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔" (نوازش)

عمارہ، امریکا سے۔ "انجم باجی پاکیزہ کی خاموش قاری ہوں۔ عرصۂ دراز سے پڑھ رہی ہوں آپ کی تحریروں کی خاص طور پر فین ہوں۔ نیلوفر عباسی کی تحریریں بھی بہت اچھی لگی تھیں۔ ایک مرتبہ ایک تقریب میں ان کو دیکھا تھا تو دل چاہا تھا کہ بھاگ کر ان کے پاس جاؤں اور گلے لگ جاؤں۔" (تمہیں ان کے پاس ضرور جانا چاہیے تھا۔ نیلوفر بے حد بے حد اچھی عادات کی مالکہ ہیں اور ان سے مل کر اور باتیں کر کے مجھے تو ہمیشہ بہت خوشی ہوتی ہے...... اور جب بھی پاکستان آؤ تو رابطہ کرنا)

صبا نور، لیّہ سے۔ "باجی آپ نے اپنا افسانہ دے کر میرا دل خوش کر دیا ہے۔ نومبر کے پاکیزہ کی کیا کیا تعریف کروں ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ ناہید سلطانہ اختر کا ناول ٹاپ پر رہا۔" (شکریہ)

ارم احتشام، ملتان سے۔ "میں کوئٹہ سے اب ملتان آ گئی ہوں۔ نومبر کا ٹائٹل بہت خوب صورت ہے، اکتوبر کے مقابلے میں زیادہ اچھا ہے۔ ناہید سلطانہ اختر، میمونہ خورشید علی کی تحریریں خصوصی طور پر پسند آئیں۔ لبنیٰ عروج کے بارے میں تحریریں پڑھ کر اچھا لگا۔ پاکیزہ اپنی مصنفات کو نہ صرف ان کی زندگی میں بلکہ ان کے مرنے کے بعد بھی یاد رکھتا ہے۔ آپ کا ٹی وی سوپ چاندنی ختم ہو گیا ہے۔ آپ نے ہر خوشی کے موقع پر اپنے کرداروں سے شکرانے کے نفل پڑھنے کا تذکرہ کیا۔ انجم آپا اللہ آپ کو اس کی جزا دے۔" (پسندیدگی کا شکریہ)

زینب منظور علی خان، کراچی۔ آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ آپ کو عمیرہ احمد اور نمرہ احمد سے ملنے کا جنون ہے اور ان کی ہر تحریر بہت پسند ہے اور آپ نے ان کی تحریروں سے بہت کچھ سیکھا ہے اور لوگوں کو پرکھنے کا سلیقہ آیا ہے۔ زینب بیٹا آپ کا پیغام اپنی مایہ ناز مصنفات تک پہنچایا جا رہا ہے اور عمیرہ احمد سے آپ کی ملاقات انشاء اللہ ضرور بالضرور ہوگی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عمیرہ احمد کب کراچی آتی ہیں۔

بینا عالیہ ٹوانہ، لاہور سے۔ "بہت مدت کے بعد آپ سے رابطہ کر رہی ہوں۔ لبنیٰ عروج کے لیے آپ کو خط بھی لکھا تھا مگر شاید آپ کو نہیں ملا۔ پاکیزہ اور آپ کی محبت اتنی ہے کہ خط نہ لکھوں مگر اس کو پڑھے بغیر نہیں رہتی کہ بہنوں کی محفل کا مزہ علیحدہ اور انوکھا ہی لگتا ہے۔ پتا نہیں آپ کو میں یاد ہوں بھی یا نہیں۔" (پیاری بینا عالیہ ٹوانہ، تم مجھے بالکل یاد ہو اور پہلے کی طرح اس محفل میں حاضری دو...... مجھے تمہارے آنے سے خوشی ہوگی)

نگہت خان، اسلام آباد سے۔ "گزشتہ بائیس سال سے پاکیزہ کی قاری بعد میں بنی ہوں آپ کی فین پہلے سے ہوں کہ آپ کی تحریروں سے شروع سے آشنا تھی۔ انجم آپ سے ملنے کی بڑی خواہش ہے۔" (پیاری نگہت اس محفل میں خوش آمدید، میں کوئی ایسی توپ چیز نہیں ہوں جس سے ملنا کوئی مشکل کام ہو، جب کراچی آئیں، میرے غریب خانے پر آپ تشریف لے آئیں، فروری یا مارچ میں...... میرا اسلام آباد جانے کا پروگرام انشاء اللہ ہوگا...... تب بھی آپ سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ آپ پشاور کی مصنفات سے دوستی کی خواہش مند ہیں تو فریدہ افتخار اور شمیم فضل خالق آپ کی بہترین دوست ثابت ہوں گی)

شہناز وسیم، کراچی۔ میں نے خط میں لکھے ہوئے آپ کے موبائل نمبر پر فون کیا تھا مگر آپ کا فون بند تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کلی صحت عطا فرمائے آمین۔ ہاں آپ کے افسانے قابلِ اشاعت ہیں۔

سمیرا حمید فاروق، کراچی سے۔ "اداریہ بہت ہی اچھا ہے زندگی ناول بہت اچھا ہے مگر اس میں صرف تسنیم کی کہانی چل رہی ہے وہ اپنے بیٹے کی کہانی بھی چلائیں۔ ذکیہ خلیل کا مکمل ناول خلاصہ لگ رہا ہے مگر اچھا ہے۔ عطیہ عمر...... کی تحریر تو ہمیشہ ہی اچھی لگتی ہے آپ کا افسانہ عام ڈگر سے ہٹ کر تھا اور اچھا لکھا ہے۔ میمونہ خورشید نے اچھا لکھا۔ نادیہ جہانگیر نے بہت اچھا لکھا ہے اور حسبِ حال ہے ان کو میری مبارک باد پہنچا دیں۔ اُمِ مریم نے متاثر نہیں کیا اور آخر میں بات جلترنگ کی تو وہ بہت ہی اچھا لگا۔" (تبصرے کا شکریہ)

صائمہ ظفر، کراچی سے۔ "انجم باجی آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا اور ہاں شاد باد کی سالانہ تقریب میں آپ سے ملاقات ہوگئی۔ پاکیزہ ہماری پوری فیملی کا پسندیدہ میگزین ہے۔ جلترنگ اور عکس ہمارے پسندیدہ سلسلے ہیں۔ ہماری مبارک باد تمام مصنفات خاص طور پر ناہید سلطانہ اختر تک ضرور پہنچا دیں۔" (جی ضرور...... آپ کے ہمراہ مسز آصف جو ناہید سلطانہ کی فین تھیں...... ان کی بھی مبارک باد پہنچائی جا رہی ہے...... کہ انہوں نے ناہید سلطانہ جیسی قابل اور نفیس ٹیچر کبھی نہیں دیکھی)

انیقہ انا، چکوال سے۔ "سادہ سا سرورق دل کو بھایا۔ انجم آپی! مجھے آپ کا بہنوں کی محفل میں درود شریف اور آیتِ کریمہ پڑھ کر آغاز کرنا بہت پسند آتا ہے اور عمیرہ احمد کا عکس میں سب سے پہلے پڑھتی ہوں۔ ہر قسط پہلے سے بڑھ کر سنسنی خیز

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوتی ہے۔ شیر دل کے ساتھ بہت بُرا ہوا پر شاید قسمت اسی کو کہتے ہیں لیکن عکس کا کردار یقیناً عمیرہ احمد نے بہت محنت سے لکھا ہے اور مجھے بہت پسند بھی ہے۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ زندگی کے رنگ واضح کرتا ناہید سلطانہ کا ناول خوب جارہا ہے۔ مونس اور عائزہ کے بارے میں پڑھ کر تو دل نے سرگوشی کی کہ مونس ضرور کسی بڑی الجھن کا شکار ہوگا۔ آگے جو بھی ہماری مصنفہ کو منظور۔ قیصرہ حیات کا ناولٹ ہم بڑی دلچسپی سے پڑھ رہے ہیں۔ کوئی شہر ایسا خوب صورت عنوان لیے نگہت سیما کا خوب صورت ناول اپنے اختتام کو پہنچا۔ غزالہ عزیز کا مکمل ناول بھی بہت بھایا۔'' (تبصرے کا شکریہ)

٭ شازیہ رباب، تندپور کا مونگی سے۔ ''آپی میری ایک دوست زاہدہ کنول نے ایک بار آپ سے رابطہ کیا اور میرے متعلق پوچھا تھا۔ میں نے سوچا کہ خط لکھوں۔ اب اللہ کرے کہ یہ خط آپ تک پہنچ جائے اور شائع بھی ہوجائے۔ اب بات کرتے ہیں پاکیزہ کی۔ عکس میرا بے حد، بے حد پسندیدہ ناول ہے اور عمیرہ احمد کو پاکیزہ میں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی تھی۔ زندگی، ناہید سلطانہ اختر کی کاوش بھی بہت اچھی جارہی ہے۔ ایک بات اور آپی عمیرہ احمد کا انٹرویو جلد دے دیں۔ عکس میں عمیرہ جو ناول شروع ہونے پر سب سے پہلے جو مستقبل کی ایک جھلک دکھا دیتی ہیں اسے پڑھ کر ہم ریلیکس ہوجاتے ہیں کہ انجام اچھا ہے اور عمیرہ کی طرح عکس کا کردار ہمارا بھی پسندیدہ ہے۔ قیصرہ حیات کا ناول دیکھ کر خوشی ہوئی۔ عام موضوعات سے ہٹ کر ہے۔'' (تبصرے کا شکریہ)

٭ ایشل شادیان، گولارچی سے۔ ''بہنوں سے التماس ہے کہ وہ دین کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کریں کیونکہ بہت سی بہنیں بہت عجیب عجیب باتیں لکھتی ہیں جو کسی بھی احادیث میں نہیں ہیں۔ ڈاکٹر کومل آپ کہاں ہیں میں آپ کی ہی اور رکھی بھی کو بہت مس کررہی ہوں، آجائیں۔ آنٹی میری دوست شبانہ کی حوصلہ افزائی ضرور کیجیے گا۔'' (جی ضرور)

٭ سامعہ تبسم، ملتان سے۔ ''تمام سلسلے ہمیشہ کی طرح اے ون...... سلسلے وار ناول بے حد عمدہ ہیں۔ بہنوں کے خط پڑھ کر بے حد خوشی ہوتی ہے۔ باجی فصیحہ آصف خان سے کہنا ہے کہ ربّ لاتذرنی فرداً وانت خیر الوارثین۔ بہت زیادہ پڑھا کریں کیونکہ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کی دلی مراد ضرور پوری ہوگی۔ چھوٹے بچوں کا بہت خیال رکھا کریں۔'' (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے)

٭ ارم کمال، فیصل آباد سے۔ ''اس دفعہ پاکیزہ کا شمارہ لبنیٰ عروج کی یادوں پر مشتمل تھا۔ ان کی یادوں کی یہ کسک ہمارے دلوں میں ان کو ہمیشہ زندہ رکھے گی۔ سرورق کی ماڈل نہایت پُروقار لگ رہی تھی۔ سب سے پہلے عکس پڑھا، پڑھ کر بے اختیار منہ سے نکلا زبردست، لاجواب، شاندار۔ لبنیٰ عروج کا افسانہ دلہن بنتی ہیں ہمارے معاشرے کی ایک نہایت سفاک حقیقت تھی۔ بیٹیوں کے رشتے کرتے وقت بہت سوچ بچار کرنی چاہیے ورنہ کئی زندگیاں داؤ پر لگ جاتی ہیں۔ ناہید سلطانہ اختر کا زندگی دلچسپ و مفید حقائق کو اجاگر کررہا ہے۔ عام طور پر اتنی ہمت کا مظاہرہ بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ غزالہ عزیز کا ناول بہت زبردست تھا لیکن اینڈ نے رُلا دیا۔ شائستہ زریں کا سروے بہت ہی دلچسپ اور زبردست تھا واقعی آج کل ماؤں کی بے جا مداخلت بیٹیوں کا گھر اجاڑ دیتی ہے۔ میری نانی اماں مرحوم کہا کرتی تھیں کہ بیاہی بیٹی پڑوسن برابر۔ بہنوں کی محفل میں جہاں اپنا خط پاکر اور دوسری بہنوں سے مل کر دل میں خوشیاں جھلملانے لگیں وہیں پر فرزانہ سہیل کی وفات کا پڑھ کر دل کے اندر کے بادل تیرنے لگے۔ مستقل سلسلوں میں جلترنگ ہمیشہ کی طرح اے ون رہا۔'' (شکریہ)

٭ مس امینہ عندلیب، سلانوالی سے۔ ''سب سے پہلے بہنوں کی محفل میں گئی تو دیکھا میری محترم فیورٹ رائٹر، ناول نگار رضیہ بٹ انتقال کرگئیں۔ اللہ تعالیٰ رضیہ بٹ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ رضیہ بٹ کے ناول میں کالج لائف سے پڑھتی آئی ہوں۔ افسانہ دستک درِ دل پہ پاکیزہ کی زینت بنا بہت اچھا لگا اور خوشی بھی ہوئی۔ عکس، زندگی، کہیں دیپ جلے کہیں دل کیا کہنے تعریف کے لیے الفاظ کم پڑتے ہیں۔ باجی ناہید سلطانہ اختر ہمیشہ لڑکیوں کے مسائل پر قلم اٹھاتی ہیں۔ یہ صرف لفظ نہیں حقیقت پر مبنی کہانی ہوتی ہے۔ عذرا کنول، ڈی جی خان کا خط پڑھ کر بہت ہی دلی دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مشکلیں آسان کرے۔ باجی میری آپا مسز جمیل صدیقی، ڈی جی خان۔ ان کے گھر سیلاب کی نذر ہوگئے۔ بہت مالی نقصان ہوا ہے۔ آپا کئی ہفتے اتار وئیں بھی انہیں بہت حوصلہ دیا۔ اب کچھ ان کی ذہنی حالت سنبھلی ہے۔ 12 اکتوبر کو ان کے بیٹے محمد عدیل صدیقی کی شادی تھی۔ میری بھتیجی کے ساتھ یوں دونوں گھرانے خاموش، اشکبار شادی ملتوی کردی گئی۔ ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کو اللہ تعالیٰ شفائے کاملہ عطا فرمائے۔ بھائی جان معراج رسول کے لیے ہمیشہ خصوصی دعا کرتی ہوں۔

پاکیزہ کی پرانی بہنیں، رائٹرز کہاں غائب ہیں حاضر ہوجائیں۔'' (تبصرے کا شکریہ، آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے)

٭ فصیحہ آصف خان، ملتان سے۔ ''ماہِ نومبر کا شمارہ دلکش سرورق کے ساتھ جلوہ افروز ہوا۔ آپ کی پُراثر باتیں ہمیشہ کی طرح پلّو سے باندھ کر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی ہے۔ بصیرت افروز اور ایمان تازہ کردینے والے اسلامیات کے مضامین دل میں اتر گئے۔ عکس کی آخری قسط میں ہر چیز واضح ہونی چاہیے خاص طور پر بوتوں کا حوالہ۔ زندگی کی سطر سطر افسردہ کررہی ہے۔ تسنیم کے حالات پر دل کڑھتا ہے۔ ناہید جی جس باریک بینی سے ان معاملات کی وضاحت کررہی ہیں وہ ہم سب کے علم میں ہونا بہت ضروری ہے۔ قیصرہ حیات کا ناول اچھا ہے پر کہیں کہیں بچکانہ پن کا احساس ہونے لگتا ہے۔ تحسین اختر کی عیدِ قرباں اشک بار کرگئی۔ نادیہ جہانگیر کی قیامت سی قیامت حالاتِ حاضرہ کی کی صحیح عکاسی کرگئی۔ واہ جی واہ کیا مزیدار تحریر لکھی آپ نے۔ درِ دل پہ دستک ایسے ہی ہمارے دل پر ٹھنڈی میٹھی پیار بھری دستک گاہے بہ گاہے دیتی رہا کریں۔ نصیباں کھول دے میرا بہت پُراثر تحریر تھی۔ حاجرہ مسرور اور رضیہ بٹ (رضیہ بٹ میری والدہ کی دور کی کزن بھی لگتی تھیں) کی وفات نے ادب میں جو خلا پیدا کیا ہے اس کا پُر ہونا ناممکن ہے کیونکہ ہر انسان اپنی جگہ بس ایک ہی ہوتا ہے۔ نگہت سیما صاحبہ سے پچھلے دنوں فون پر بات ہوئی بہت اچھا لگا۔ عذرا کنول نے سیلابی صورت حال سے جس طرح آگاہ کیا یہ سو فیصد سچ ہے کیونکہ پورا شہر ہی پانی پانی تھا۔ میری دونوں بہنیں بھی ہجرت کرگئی تھیں۔ چار چار فٹ پانی گھروں میں آگیا تھا۔ نقصان بھی کافی ہوا۔'' (عذرا کنول کی مالی مدد کے لیے ہم سے ایک بہن نے رابطہ کیا ہے۔ عذرا کنول فوراً رابطہ کریں۔ اپنے مکمل ایڈریس کے ساتھ۔ ان کی والدہ کا شناختی کارڈ مجھے مل گیا ہے مگر اس پر مکمل ایڈریس درج نہیں ہے)

٭ بشریٰ باجوہ، اوکاڑہ سے۔ ''اکتوبر کا شمارہ ملا فرزانہ سہیل کی وفات کی خبر پڑھ کر بے حد شاک لگا۔ ان کی وفات کا پڑھ کر آنسوؤں پر قابو نہ رہا امی بھی رو دیں۔ جب امی نے ان کے میاں کو بتایا تھا کہ ہم پاکیزہ کے حوالے سے ان کو جانتے ہیں اس لیے ملنے آئے ہیں تو وہ مسکرا دیے تھے۔ لبنیٰ کے بعد فرزانہ آپی اور زینیا حسن کی جواں سالہ بیٹی کا پڑھ کر بے حد افسوس ہوا۔ صائمہ قیصر کی والدہ کی وفات کا پڑھ کر بھی دکھ ہوا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے اہلِ خانہ کو صبر دے، آمین۔ عکس پڑھا شیر دل اور عکس مل گئے ہیں دل کو اطمینان ہوگیا۔ زندگی میں رائٹر نے طلاق کے بعد عورت کا شوہر کے گھر عدت پوری کرنے کا جس خوب صورتی سے ذکر کیا ہے اس کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں میرے پاس۔ باقی کچھ بھی نہیں پڑھا پلیز خط ضرور شائع کردیں اور میرے مراسلات بھی لگادیا کریں۔'' (میں لگاتی رہتی ہوں)

حدیقہ صاحبہ، لاہور سے۔ رسالے کی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور کہتی ہیں کہ نئے آنے والوں کو کتنی پذیرائی ملتی ہے میں بھی کہانیاں لکھنا چاہتی ہوں۔ میری رہنمائی کردیجیے۔ گڑیا! اس محفل میں خوش آمدید۔ ہماری محفل میں شامل ہونے والی ہر بہن ہمارے لیے اہم ترین ہے۔ کہانیاں لکھنے سے پہلے آپ ہماری شائع شدہ کہانیوں کو بغور پڑھیں اس کے بعد ہمیں لکھ کر ضرور بھیجیں آپ کی حوصلہ افزائی کرکے بے حد خوشی ہوگی۔

٭ غزالہ طارق، سرگودھا سے۔ ''پاکیزہ سے رشتہ جوڑے ایک زمانہ گزر گیا اب آج کی رائٹرز کی تحریروں کو پڑھ کر اپنی پرانی مصنفات کی کہانیاں یاد آتی ہیں۔ سندیسوں کا سلسلہ مزید دلچسپ ہونا چاہیے۔ خوش ذائقہ میں تھوڑی بہت معلومات یا ٹوٹکے بھی شامل کریں۔ اس کے علاوہ آپ کے رسالے کی کہانیاں، ناولز اور دیگر سلسلے سب اچھے ہوتے ہیں۔ اداریے میں آپ کی نصیحت آمیز گفتگو اچھی لگتی ہے۔ ہماری دعائیں آپ کے ادارے کے ساتھ ہیں۔ ہاں پچھلے کسی شمارے میں آمنہ خان اور محب مرزا کا انٹرویو تھا اب کس جوڑے کا انٹرویو آئے گا اگر رنگین تصاویر ہوں تو مزہ آجائے۔ اچھا میرا تبصرہ ضرور شامل کیجیے گا۔'' (بہت عرصے بعد آئی ہو۔ انٹرویو لگتے رہتے ہیں آئندہ بھی لگیں گے مگر آپ کی شرکت لازمی ہونی چاہیے اور اس ماہ کے افسانے کیا آپ کو پسند نہیں آئے؟)

٭ سائرہ عباس، کراچی سے۔ ''میری نند صبا سجاد نے میری شادی کا احوال لکھا تھا اور وہ آپ کے رسالے میں شائع بھی ہوا مگر تصویریں نہیں آئی تھیں کیا اب میں کسی موقع پر اپنی شادی والی تصویر دے سکتی ہوں پاکیزہ میں نے کبھی باقاعدگی سے نہیں پڑھا اب پڑھنا شروع کیا ہے۔ مجھے بھی لکھنے کا شوق ہے اس کے علاوہ اگر لطیفے بھیجوں تو لگادیں گی۔ مجھے جلترنگ پڑھ کر مزہ آیا اور میرا خط ضرور لگائیے گا۔'' (گڑیا آپ اپنی تصویر اپنے مختصر انٹرویو کے ساتھ مجھے بھیج دیجیے میں ضرور لگاؤں گی۔ ہاں لطیفے اچھے اور نئے ہوں تو فوراً بھیج دیں)

٭ نگہت زیدی، بہارہ کہو سے۔ ''ماہنامہ پاکیزہ سے میں کافی عرصے سے واقف ہوں۔ میری ساس مرحومہ بہت باقاعدگی سے پڑھتی تھیں اور ہم لوگوں کو اس میں سے سبق آموز باتیں بتاتی تھیں بلکہ ان کے بیٹے انہیں چھیڑتے تھے کہ امی کتنے

WWW.PAKSOCIETY.COM

شوق اور دلچسپی سے پڑھتی ہیں۔ میں کبھی کبھار پڑھ لیتی ہوں مگر اس میں شامل فنکاروں کے انٹرویو ضرور پڑھتی ہوں۔ اس کے علاوہ بیوٹی کے مشورے پڑھتی تھی مگر اب آپ نے وہ سلسلہ کیوں بند کر دیا۔ (ہم نے بند نہیں کیا ہے وقتاً فوقتاً بیوٹی گائیڈ قسم کی تحریریں لگتی رہتی ہیں۔ محترمہ عذرا رسول کی ڈائری کے صفحات بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی جو آپ آئندہ بھی پڑھیں گی) میرے اسکول کی ٹیچرز و دیگر دوستیں بھی پاکیزہ شوق سے پڑھتی ہیں۔ عطیہ عمر، عمیرہ احمد، صائمہ اکرم اور فرحانہ ناز ملک کی کہانیاں اچھی لگتی ہیں۔ نومبر کے شمارے میں میمونہ خورشید نے آج کی معاشرتی کہانی لکھی ویسے دلہن نمبر کی کہانیاں دلچسپ اور سبق آموز تھیں۔ نگہت اعظمی نے پھانس میں حقیقت بیان کی ہے۔" (شکریہ)

ام ایمان، کوٹ چھٹہ سے۔ "سب سے پہلے اپنے پسندیدہ ناول عکس کو پڑھا وہاں جہاں ایک طرف شیر دل اور عکس کے مل جانے کی خوشی ہوئی وہاں شہر بانو پر بھی افسوس ہوا کہ وہ اب اپنی بقیہ ساری زندگی اپنی جلد بازی اور غلطی پر پچھتاتے ہوئے گزارے گی۔ زندگی میں طلاق اور عدت کے مسائل کو شرع اور دین کے حوالے سے بہت خوب صورتی سے اجاگر کیا گیا ہے۔ انہوں نے قرآن و حدیث کا مطالعہ تفصیل سے کیا ہو۔ میمونہ خورشید کا نصیباں کھول دے میرا بہت اچھا لگا۔ خواب حقیقت اور سراب میں ان لوگوں کے لیے یقیناً سبق موجود ہے جو غیر ملک میں رہنے والوں کو کوئی آسمانی مخلوق خیال کرتے ہیں، آپا آپ کا افسانہ بہت پسند آیا۔ پھانس بھی اچھا لگا۔ نادیہ جہانگیر کا قیامت سی قیامت اچھا تھا کہ انسان کو دوسروں کی مشکلات کا صحیح اندازہ تب ہوتا ہے جب اس کے اپنے اوپر گزرتی ہے۔" (یہ تو ہے)

تسنیم منیر علوی، دبئی سے۔ "انجم کے اداریے نے تمام مسلمانوں کو کچھ سوچنے پر ضرور مجبور کیا ہوگا۔ کاش ہم سب اس پر عمل پیرا بھی ہو سکیں۔ ہم نے عید کے موقع پر فون پر کئی بار بات کرنے کی کوشش کی مگر سلسلہ بار بار ٹوٹتا بکھرتا رہا...... نومبر کا شمارہ اپنی گوناگوں دلچسپیوں سے مالا مال ہے۔ شکر ہے یہ عید قرباں نمبر نہ تھا کسی موقع مناسبت سے ایک آدھ تحریر کا لگنا تو اچھا لگتا ہے مگر سارا شمارہ ہی اسی کی نذر ہو جائے میرا ایسا ماننا بہت بچپنا سا لگتا ہے۔ میرا خیال ہے اختلاف سب کا حق ہے۔ بہر حال عکس اب اپنی منزل پہ جا پہنچا۔ عمیرہ احمد کا طرز نگارش ... اور چھوٹی چھوٹی جزئیات کی ہم آہنگی اس ناول کی جان تھا۔ ان سب نے مل کر ناول کو دو آتشہ بنا دیا۔ اب ناول کے اختتام پر ایک بھرپور تعارف (انٹرویو) ہونا چاہیے۔ افسانوں میں عطیہ عمر اپنے خاص انداز میں ہی نظر آئیں اور قوم کو قربانی کے مفہوم سے آگاہ کیا۔ ناہید کا ناول زندگی سے بھرپور ہے۔ قاری تھوڑی دیر تک اسی ماحول میں پہنچتا ہے اور ہاں غزالہ رشید سارہ کی گڑیا کے ساتھ تمہاری واپسی اچھی لگی۔ حالات کی ستم گری کا ایک پُر درد نقشہ کھینچا۔ ویسے بھی تمہاری اچانک غیر حاضری پر ہم بہت پریشان تھے رابطے کی لاکھ کوشش کے بعد بھی ناکام رہے۔ اپنا رابطہ نمبر اگر ہو سکے تو ہمیں ضرور (پلیز انجم آپ ہمارا یہ کام کر دیں عنایت ہوگی) کیونکہ کچھ اپنی کہیے کچھ میری سنیے...... یوں چپ تو نہ رہیے...... دستک در دل پر ایک خوب صورت موسم میں اِک دل نشیں کہانی تھی۔ افسانہ خوب ہی جما...... اب کے ذرا ہٹ کر لکھا۔ مگر کیا اچھا لکھا...... یہ حقیقت ہے انجم بعض دفعہ ہم جو کچھ سمجھ رہے ہوتے ہیں دراصل ایسا ہوتا نہیں ہے...... نادیہ جہانگیر نے لوڈ شیڈنگ احتجاج پر اچھا لکھا۔ قرضوں سے لدا ملک اور پھر اس کو یوں لٹتا اور تڑپتا دیکھنا اتنا آسان نہیں۔" (احتجاج تو درست ہے مگر یہ احتجاج کرتے وقت ہمیں اپنے مسلمان بہن، بھائیوں اور ان کی املاک کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے)

سدرہ کلثوم، لکی مروت سے۔ "انجم انصار آنٹی بہت ساری محبتوں اور حوصلوں کو یکجا کیا اور بندی ناچیز نے آپ کی محفل میں حاضر ہونے کی جسارت کی۔ امید کرتی ہوں آپ اس جسارت کو قبول و منظور فرمائیں گی۔ زندگی میں بہت کچھ پڑھا پڑھا اس کو زندگی کا سرمایہ جان کر عمل کیا۔ نہیں معلوم پاکیزہ سے رشتہ کب جڑا کیونکہ بہت عرصے تک اردو ہمارے پلے ہی نہیں تھا۔ جب پڑی تو خود کو اردو کے عشق میں مبتلا پایا۔ شعور کی آگہی ہوتی رہی تب ہم سمجھداری کی طرف گامزن ہوئے تو خود کو کتابوں میں گم پایا۔ تمام کی تمام لکھنے والیوں کے لیے صرف اتنا کہوں گی کہ یہ روشن ستارے ہیں اور ستارے کبھی ماند نہیں پڑتے۔ آسمان کی تمام خوب صورتی ان درخشاں ستاروں کی وجہ سے ہے۔ ہمارے پرچوں کی خوب صورتی کو یہی ستارے چار چاند لگاتے ہیں۔" (پیاری سدرہ خط کے ساتھ تمہارا انٹرویو بھی ہے...... جو میں جلد پاکیزہ میں لگاؤں گی۔ ہاں ہر ماہ تبصرے کے ساتھ شرکت کرو مجھے خوشی ہوگی)

فریدہ فری یوسف زئی، لاہور سے۔ "نومبر کا پاکیزہ ملا ٹائٹل اچھا لگا...... اس میں نہ میرا تبصرہ تھا نہ ہی کوئی نظم یا

غزل اور سندیسے میں بھی کچھ نہیں تھا یا تو میرا لیٹ ہو گیا یا کوئی اور بات...... کیونکہ پاکیزہ میں میری کوئی نہ کوئی تحریر ضرور ہوتی ہے اور میں اس میں رہنا چاہتی ہوں یہ میگزین مجھے جی جان سے پسند ہے۔ اس مرتبہ تمام افسانے اور ناول بے حد اچھے لگے مگر اُم مریم نے تو کمال کر دیا میں تھوڑی سی پریشان ہوں۔ بس اتنا ہی لکھ رہی ہوں پلیز میرا خیال رکھا کریں۔ تمام رائٹرز اور دوستوں کو بے حد سلام دعا۔" (گڑیا کیوں پریشان ہو...... شکرانے کے نفل روزانہ پڑھو اور درودِ ابراہیمی باقاعدگی سے پڑھو۔ انشاء اللہ تمام پریشانیاں ختم ہو جائیں گی)

گیتی آرا، کراچی سے۔ "پاکیزہ ہاتھ آیا حسبِ معمول و عادت سب سے پہلے فہرست میں افسانوں کی فہرست میں اپنا نام ڈھونڈا اگر تو یہ کیجیے ہمیشہ کی طرح جواب گول...... آگے بڑھے تو عکس کا نانا خیر دین کے خلاف احتجاج اور اگلے ماہ آخری قسط کا جان کر قارئین کو دسمبر کے پاکیزہ کے لیے بے چین و بے تاب کر گیا ہو گیا لیکن آگے چل کر عطیہ عمر نے واقعی صراطِ مستقیم کی راہ تحریر کے ذریعے خوب دکھائی واقعی میں اگر ہم سمجھتے تو یہ قربانی صرف جانور کی ہی نہیں بلکہ ہماری ہے۔ خواہشات اور نفس پر قابو پانے کی بھی ہوتی ہے۔ غزالہ رشید کی سارہ کی گڑیا ایک منفرد سی تحریر واقعی میں کبھی کبھی ہماری کوئی ہر دلعزیز تحریر، گیت غزل یا نظم حادثاتی طور پر حقیقت میں بدل کر ہمیں حیران کر جاتی ہے۔ تحسین اختر کی عیدِ قرباں دلوں کو اداس کر دینے والی ایک دکھی تحریر تھی۔ نادیہ جہانگیر کی قیامت سی قیامت موجودہ حالات پر لکھی گئی ایک سبق آموز تحریر تھی۔ (اگر ہماری قوم سبق لینا چاہے تو) اور اب باری تھی اپنی ہر دل عزیز انجم باجی کی تحریر دستکِ درِ دل پہ کی ویسے تو ان کی ہر تحریر دل کو چھو لینے والی ہوتی ہے۔ پڑھ کر مزہ آ گیا۔ نگہت اعظمی کی پھانس بس سو سو رہی۔ عالیہ کی کرم فرمائیاں ایک ہلکی پھلکی تحریر تھی بس... سو سو رہی۔ میمونہ خورشید کی نصیباں کھول دے میرا۔ اس مہینے میں حج کے لیے اللہ رسول ﷺ کے در پر پہنچنے کے لیے... سچی لگن اور چاہت رکھنے والوں پر لکھی گئی ایک خوب صورت اور دل کو چھو لینے والی تحریر تھی۔ اردو ادب کے ستارے میں مرحومہ رضیہ بٹ، ہاجرہ مسرور... جن کا خلا کبھی پورا نہیں ہوگا۔ مائیکرو بائیلو جسٹ ڈاکٹر نجیہ طلعت نے قربانی کے گوشت کو محفوظ کرنے کے گر خوب بتائے بہنوں کی محفل میں رضیہ بٹ کے انتقال کا پڑھ کر دکھ ہوا۔" (پسندیدگی کا شکریہ)

پروین افضل، بہاول نگر سے۔ "اکتوبر کے پاکیزہ میں حجاب اوڑھے ہوئے حسینہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی اور ساتھ میں تصویر دیکھتے دیکھتے ایک بم سر پر گرا کہ پاکیزہ ساٹھ کا ہو گیا ہے۔ ساٹھ برس کا نہیں...... ساٹھ روپے کا ہو گیا ہے۔ اگر آپ اس کی قیمت ستر روپے بھی کر دیں ہم نے تو پھر بھی پاکیزہ پڑھنا ہی ہے۔ ہمیں پاکیزہ سے عشق جو ہو گیا ہے۔ افسانے اور ناولز سب ہی زبردست جا رہے ہیں۔ آپ نے جو میرے خط کا جواب دیا ہے پاکیزہ میں وہ خط میرے میاں جانی ہے... پرنس افضل شاہین نے بھی پڑھ لیا ہے اب میں جب بھی مرغ روسٹ، دیسی گھی، سوہن حلوا کلو دودھ ایک پاؤ بادام، آدھا کلو سیب وغیرہ کی فرمائش کرتی ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ تم اسمارٹ ہی اچھی ہو ورنہ بھینس بن جاؤ گی۔" (تمہارے پرنس کنجوس ہیں کیا؟)

یاسمین کنول، پسرور سے۔ "ماڈل اور عید کا چاند اور عید مبارک کے نیلے حروف بڑا اچھا تاثر دیتا سرورق بڑا خوب صورت لگا۔ عید کا لطف دوبالا ہو گیا کیونکہ عید سے پہلے پاکیزہ ہمیں مل گیا تھا۔ ذکیہ تحلیل کا مکمل ناول خواب حقیقت اور سراب بے حد اچھا لگا۔ غزالہ رشید کی تحریر سارہ کی گڑیا پسند آئی علاوہ ازیں نصیباں کھول دے میرا نے بھی متاثر کیا۔ خصوصی مضامین اچھے لگے لبنیٰ عروج کی بابت تحریر پڑھ کر ان کی زندگی کی تفصیل مل گئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، آمین۔ اس کے علاوہ اردو ادب کے ستاروں کو بڑا خوب صورت خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔ عکس کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔" (شکریہ)

☆ پاکیزہ کا آئندہ شمارہ سالِ نو نمبر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیریت و عافیت کے ساتھ نئے سال میں قدم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں آسانیاں عطا فرمائے اور ہمیں آسانیاں بانٹنے والا بنائے۔ آئیں مل کر دعا مانگتے ہیں۔ یا ارحم الراحمین میرے جسم کو شفا، دل کو اپنی ذات کا یقینِ کامل اور آنکھوں کو نورِ بصیرت عطا فرمانا اور جب تک زندہ رہوں اپنے ذکر کو صبح و شام میری زبان پر جاری فرما دے اور ایسی جگہ سے مجھے رزق دے جو بلا رکاوٹ ملتا ہی رہے، آمین...... ثم آمین۔ یا مُجیب یا مُجیب یا مُجیب!

دعا گو

آپ کی اپنی باجی

انجم انصار

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل دیے ہیں کوچے بسا دیے ہیں
اِک دل ہمارا کیا ہے آزار اس کا کتنا
تم نے تو چلتے پھرتے مُردے جلا دیے ہیں
ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں
ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہوں گے
اب تو غنی کے در پر بستر جما دیے ہیں
آنے دو یا ڈبو دو اب تو تمہاری جانب
کشتی تمہی پہ چھوڑی لنگر اٹھا دیے ہیں
اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں
مُلکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

شاعر: احمد رضا خان
مرسلہ: انیقہ انا، چکوال

مقامِ فخر

اگر کوئی تمہیں صرف اپنی ضرورت کے وقت یاد کرتا ہے تو پریشان مت ہوا کرو بلکہ فخر کرو کہ اسے اندھیروں میں روشنی کی ضرورت ہے اور وہ روشنی تم ہو۔

قول: حضرت علی کرم اللہ وجہہ
پسند: فضہ بتول، بہارہ کہو

نصائحِ سقراط

☆ جس شخص کو تیرا دل برا خیال کرے یا دشمن جانے اس سے بچتا رہ۔
☆ تحریر ایک خاموش آواز ہے اور قلم ہاتھ کی زبان ہے۔
☆ خوبی اور نیکی، دولت سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ دولت، خوبی اور نیکی سے وجود میں آتی ہے۔
☆ نیک انسان کو زندگی میں یا موت کے بعد کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔
☆ زندگی کا وقفہ نہایت قلیل ہے لیکن اگر مصیبت ہو تو کافی طویل ہے۔
☆ بچپن میں شرم و حیا، نوجوانی میں اعتدال اور بڑھاپے میں کفایت شعاری اور عاقبت اندیشی ضروری ہے۔
☆ خوب صورتی چند روزہ مہمان ہے یا پھر حکومت۔

مرسلہ: سامعہ تبسم، ملتان

نظم

اس دل کو کتنا
سمجھاؤں میں
کبھی کبھی
مچل مچل جاتا ہے
فرمائشیں کرتا ہے
بچہ بن جاتا ہے
روٹھ روٹھ جاتا ہے
اس کی
گہرائیوں میں اُتروں
گر تو
زخم زخم ہو جاؤں

شاعرہ: طلعت رانا، چیچہ وطنی

ہم بھول گئے

ہم اپنی اصل اور آخری منزل کو بھول گئے
ہم اپنے خالق و مالک کو بھول گئے
ہم اپنی موت اور قبر کو بھول گئے
ہم اپنی آخرت کے نفع و نقصان کو بھول گئے
ہم اپنے اوپر موت کے وقت کی سختی کو بھول گئے
ہم پُل صراط پر سے گزرنے کو بھول گئے
ہم دوزخ کے عذاب و خوف کو بھول گئے
ہم قبر میں منکر نکیر کے سوالات
اور وہاں کی بے کسی کو بھول گئے
ہم قبر کی تنگی اور تاریکی کو بھول گئے

مرسلہ: مسز فرح امجد، لاہور

خطرناک غلطیاں

☆ ہر ایک شیریں زبان کو دوست سمجھ لینا۔
☆ خود کو سب سے زیادہ عقل مند تصور کرنا۔
☆ اس نیت سے گناہ کرنا کہ دو چار کر کے چھوڑ دیں گے۔
☆ والدین کی خدمت نہ کرنا اور اولاد سے اس کی توقع رکھنا۔
☆ ہمیشہ تندرست، خوب صورت اور توانا رہنے کے خواب دیکھنا۔
☆ اپنا راز کسی کو بتا کر پوشیدہ رکھنے کی التجا کرنا۔
☆ ظاہری خوب صورتی دیکھ کر رائے قائم کر لینا۔
☆ ہر ایک سے زیادتی کے بعد خود آرام میں رہنے کی امید کرنا۔
☆ جو کام اپنے آپ سے نہ ہو سکے وہ دوسروں کے لیے ناممکن خیال کرنا۔

مرسلہ: ارم کمال، فیصل آباد

ڈاکٹر کی شادی

ڈاکٹر کی شادی اس طرح ہونی چاہیے کہ ڈاکٹر ہی کی شادی نظر آئے۔ ابٹن کی جگہ پولی فیکس اور مہندی کی جگہ آئیوڈیکس استعمال کی جائے۔ بارات ایمبولینس میں آئے اور نکاح اسپتال میں ہو، تصویروں کی جگہ ایکسرے لیے جائیں اور کیا خوب ہو اگر کھانے میں وٹامن بی اور سی کی گولیاں ہوں۔ مہمانوں کو چائے یا بوتل کی جگہ او آر ایس دیا جائے اور دولہا کے گلے میں ہار کی جگہ اسٹیتھو اسکوپ لٹکایا جائے اور مزہ تو تب آئے کہ ابا جی جہیز کے نام پر بیٹی کو اسپتال پیش کر دیں لیکن ڈاکٹر دولہا کہیں نکاح کے بعد یہ نہ بول دے کہ ”Next“۔

مرسلہ: ڈاکٹر نوید عفرا، لاہور

عوامی پیکیج

”ڈیر کسٹمر اب واپڈا لایا آپ کے لیے نیا عوامی زبردست پیکیج 5 کا 55 یعنی ہر گھنٹہ پانچ منٹ لائٹ استعمال کریں اور پچپن منٹ تک بجلی کی شاندار بچت کا لطف اٹھائیں وہ بھی بالکل فری...... موبائل چارج نہ ہونے پر بیلنس کی بھی بچت۔ ٹی وی نہ دیکھنے پر گناہوں سے بچت۔ بجلی جانے پر صبر کرنے پر صابرین میں شمار۔ بجلی اچانک آنے پر اللہ کا شکر ادا کرنے پر شاکرین میں شمار یعنی جنت میں جانے کے بے شمار مواقع وہ بھی ہر جگہ ہر وقت۔“

مرسلہ: قمر شمس الحق، جھنگ صدر

مکان اور مکیں

اتنی بڑی ان دنیاؤں میں
اپنے نام کی تختی والی ایک عمارت
کتنے دکھوں کی اینٹیں چن کر گھر بنتی ہے
پتھر پتھر جوڑ کے دیکھو
میں نے بھی اِک گھر ہے بنایا
رنگوں، پھولوں، تصویروں سے اس کو سجایا
دروازے کی لوح پر اپنا نام لکھایا
لیکن اس کے ہر کمرے میں تم رہتے ہو

شاعر: امجد اسلام امجد
مرسلہ: سامعہ تبسم، ملتان

☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

جلترنگ

انجم انصار

وارداتیں

نام تو ان کا صوفیہ تھا مگر سب صفو آپا کہا کرتے تھے پیٹھ پیچھے ٹھسو کہلاتی تھیں بعض دل جلے انہیں ٹھگو اور چٹو بھی کہا کرتے تھے (یہ اوصاف ان پر قطعی فٹ تھے) عقل مند تو وہ ہمیشہ کی ہی تھیں کہ میکے کے تمام لوگ ان سے ہر ہر معاملے میں مشورہ لینے کو دوڑا کرتے تھے۔ شادی ہوئی تو ان کے میاں ان سے زیادہ عقل مند نکلے سو وہ دوسرے کی بات تول کر سنتیں اور خود بے بھاؤ کی کہتیں (کہ یہ طبیعت کا انداز قاتلانہ تھا) مرے پر سو دُرّے سلیقہ مند بھی بہت تھیں۔ دانا کہتے ہیں کہ عقل مندی اور سلیقہ مندی ساتھ ساتھ نہیں (مگر ان کے ہاں رہ رہی تھیں) اس لیے سب لوگ انہیں اپنے دل میں کنجوس مہا کنجوس اور مکھی چوس کہتے مگر زبان پر مجال ہے کہ کوئی نام دھر سکیں کہ صفو آپا کا پھوہڑ پنا زبان کا ہی ہے کہ زبان سے خنجر کا کام لینا بھی جانتی تھیں۔ اپنے ہاں کوئی تقریب کرتیں تو مہمانوں کی لسٹ اپنے انداز میں بنتی کہ کوئی اپنے بارے میں پہلے سے ان کے جملے سن لے تو ان کے ہاں تھوکنے کو بھی نہ آئے (کہ ان کی باتیں واقعی اتنی گری ہوتی تھیں کہ کنویں سے بھی نیچے جاتی تھیں) اب ان کے بچے کا عقیقہ تھا تو مہمانوں کی لسٹ وہ اس طرح بنا رہی تھیں۔

”سلمیٰ پھپھو کو ہرگز نہیں بلانا ہے، ان کا کنبہ بھی بڑا ہے نیوتے کے پیسے کم دیتی ہیں اور تقریب میں ڈریس بھی اتنا تھرڈ کلاس پہن کر آتی ہیں کہ کسی دوسرے مہمان سے متعارف کراتے ہوئے شرم آتی ہے۔ ہاں سلمیٰ پھپھو کی نند کو بلالو ان کے میاں تو بیماری کی وجہ سے نہیں آئیں گے، بچے دوسرے شہر میں ہاسٹل میں پڑھ رہے ہیں مگر عادت کی اچھی ہیں اگر کسی وجہ سے نہ بھی آسکیں تو نیوتے کا لفافہ بھیجنا ہرگز نہیں بھولتیں۔ ہارٹ کی تکلیف کی وجہ سے بڑی ممانی بہت کم کھاتی ہیں ان کی پوری فیملی کا بلاوا دے دو مگر صرف دو ہی آتے ہیں، فائدہ ہو جائے گا۔ بڑی چچی کو ہرگز نہیں بلانا۔ ان کے نیوتے دینے کا انداز ابھی تک تقسیم پاکستان سے پہلے کا چل رہا ہے۔ بڑی خالہ کو بلالو آج تک سارے گھر کے لوگ نہیں آئے، محفل میں بیٹھی ان کی لڑکیاں بھی اچھی لگتی ہیں اور پیسے بھی ٹھیک ٹھاک دے کر جاتی ہیں۔ تائی کو ہرگز نہیں، ہاں ان کی اماں کو بلالو۔“

اس کے برعکس جب وہ کسی کے گھر میں منعقدہ تقریب میں جاتیں تو نہ صرف اپنے پورے بچوں کو لے کر جاتیں بلکہ جیٹھ اور دیور جو ان کے گھر کے قریب ہی رہتے تھے ان کے بچوں کو بھی ازخود لے جاتیں (ان پر احسان الگ دھرتیں کہ مفت میں کھلا لائے، رشتے داران کے تمام شعبدوں سے واقف تھے مگر رشتے داری کے پیشِ نظر خاموش رہتے تھے دل میں گالیوں کا گراف بہرحال بلند ہو رہا تھا) ایسی ہی ایک تقریب کا ذکر ہے کہ مہمانوں کی زیادتی کی وجہ سے کھانا کم پڑ گیا (میزبان نے ان ہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے کھانا کم سے کم پکوایا تھا) صفو نے چوٹی بھر کر پلیٹ میں بریانی کی چٹان کھڑی کی تو معلوم ہوا کہ اس میں رائتہ بھی ملا ہوا ہے چبائی ہوئی بوٹیاں بھی موجود ہیں سلاد کے قتلے بھی ہیں اور زردے کے اکا دکا چاول بھی۔ اپنی پلیٹ دیکھ کر پہلے تو وہ بھونچکی سی ہو گئیں کہ ایسی کیا کوئی نئی ڈش نکلی ہے یا مریضوں کا کھانا علیحدہ پکا ہے کہ انہیں بوٹیاں، ہڈیاں چبانا بھی نہ

پڑیں اس لیے پہلے سے یہ کام کر دیا گیا پھر جب بچوں کی پلیٹوں میں پہاڑ کھڑے کیے تو یہ عقدہ کھلا کہ میزبانوں نے جھوٹا کھانا چلا دیا ہے۔ اسی وقت میز پر پلیٹیں دھریں اور لفافہ دیے بنا لوٹ آئیں مگر اگلے دن فون پر باتیں بنانے کو موجود تھیں۔

”ارے جب اتنا انتظام کرنے کی ہمت نہیں تھی تو لوگوں کو کیوں بلایا کہ جھوٹا کھانا تک چلا دیا، شرم کی بات ہے ہم تو مارے شرم کے تمہیں خدا حافظ بھی کہہ کر نہ آئے کہ تم آنکھ نہ ملا پاؤ گی کہ واپسی پر ہم نے ہوٹل سے کھانا کھایا۔“ میزبان خاتون بھی زبان چلانے میں ان سے کسی طرح کم نہ تھیں فوراً ترخ کر بولیں۔

”جب پچاس مہمان بدتمیز قسم کے آجائیں تو تقریب میں بھنگ تو ہو ہی جاتا ہے۔ غضب خدا کا بلاوا دو آدمیوں کا دیا اور لے کر تم پندرہ آگئیں، کھانا تو کم پڑنا ہی تھا۔“

”ارے واہ، بچے بھی کوئی گنے جاتے ہیں بس والے تک بچوں کا کرایہ نہیں لیتے تم ان کو نظر لگانے کے لیے گننے کے لیے بیٹھ گئیں جو بے چارے تمہاری تقریب سے بھوکے چلے آئے۔ چلو تم دو آدمیوں کا ہی کھانا کھلا دیتیں مگر تم نے تو انتہائی پھوہڑ پن سے جھوٹا کھانا چلا دیا، شرم آنی چاہیے تھی ایسی رکیک حرکت پر مہمانوں کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کرتا ہے جو تم نے کیا۔“ (طعنہ کوئی ایسا غلط بھی نہ تھا بات تو بدتمیزی کی تھی)

”صفو آپا کم از کم آپ تو یہ بات نہ کہیں۔ ہم نے تو سنا تھا کہ آپ کے ہاں تقریب میں ایسا ہوتا ہے بلکہ ہماری ہمت آپ ہی کی وجہ سے بندھی ورنہ ہماری ساس تو کہہ رہی تھیں کہ اگر کھانا کم پڑ گیا ہے تو پڑوس کے میرج ہال کے بیروں کو کچھ پیسے دے کر ان کے ہاں سے دیگیں اغوا کروالو۔“ (کہ اکثر تقاریب میں ڈاکے پڑ رہے ہیں)

”ارے، ہمارے ہاں کی تقریبات اے ون

خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ

دسمبر 20012 سال رواں کے آخری شمارے کی ایک جھلک

چار سمت ایک چوراہا

رشتوں کے بیوپار میں جذبات کے سودے ممکن نہیں ہوتے...... یہی ایک احساس کتنے ہی دلگداز واقعات کو جنم دے گیا۔ آخری صفحات پر
احمد اقبال کے قلم سے ایک دلفریب کہانی

بت شکن

سومنات کے مندر پر فیصلہ کن حملہ کرنے والے دلیر حکمران کی شجاعت اور سخاوت کی داستان۔
ابتدائی صفحات پر **ڈاکٹر ساجد امجد** کی عرق ریزی...... جہاں محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے تھے

کشکول

جرائم کی دنیا میں طاقتوں کے حصول اور اختیارات کی ڈگڈگی پر نچانے والے چند مداریوں کا دلچسپ کھیل۔ **انوار صدیقی** کے قلم کا شاہکار

مسافر

جذبات میں تلاطم برپا کرتے احساسات اور زندگی میں تہلکہ مچاتے واقعات کا امتزاج.. **ناصر ملک** کے قلم کی روانی

اس کے علاوہ

پہاڑ او جھل میں ملک صفدر حیات کے کارنامے،
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سوانح حیات،
محفل شعر و سخن اور آپ کے خط

مزید

کاشف زبیر، مریم کے خان،
منظر امام، ڈاکٹر عبدالرب بھٹی
اور تنویر ریاض کی سنسنی خیز کہانیاں، قلم کاریاں

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوتی ہیں۔ ہر کام سلیقے اور مہارت سے ہوتا ہے۔ کھانا ہمارے ہاں کبھی کم پڑ جاتا ہے مگر آپ کی طرح پھوہڑ پنے اور گندگی سے کام نہیں لیا جاتا بریانی، بریانی میں ملائی جاتی ہے قورمہ قورمے میں ملایا جاتا ہے اور سلاد کے ٹکڑے اور چبائی ہوئی ہڈیاں ضائع کی جاتی ہیں اس کام کے لیے دو بیروں کی ڈیوٹی لگاتے ہیں پیسہ خرچ کرتے ہیں۔ دیدہ دلیری ہو تب سلیقے سے کام ہوتے ہیں۔" (ان کے لہجے میں زعم و فخر ہم وزن ہوگیا جیسے بے ایمانی کے گر بھی اوصاف میں آتے ہیں)

"ارے ٹھگو آپا بے ایمان تو تم ہو ہی مگر کبھی اعتراف بھی کرلیا کرو۔" ان کی خلیری بہن نے ریسیور پٹخنے سے پہلے اپنے دل کی بات آخر کہہ ہی دی۔ صفو آپا حیرت سے یہ سوچ رہی تھیں کہ آج تک مجھے کسی نے ٹھگو نہیں کہا، یہ یاسمین کی زبان پر کیسے آیا جو روانی سے اس نے ادا کیا جیسے کہ ہمیشہ سے یہی کہتی چلی آئی ہو (بہر حال یہ قطعی دوسری بات تھی کہ ان کا دل پہلی دفعہ زور زور سے دھڑک کر یہ اعلان کررہا تھا کہ تم ہی ٹھگو ہو مہمانوں کو لوٹنے کے تمام وتیرے اپنائی ہو)

کم تر

نام تو ان کا شجاعت تھا مگر خاندان کے بڑے چھوٹے سب انہیں شجو کے نام سے پکارا کرتے تھے حالانکہ ان کے گھر والے انہیں شہزادے کے نام سے پکارا کرتے تھے جو کہ اُن کے چہرے اور جسامت پر خاصا بہتان سا محسوس ہوتا تھا۔ شجو کے پورے خاندان میں بڑی بُھداڑتی تھی حالانکہ ان کا شمار دولت مندوں میں ہوتا تھا۔ تعلیم کے لحاظ سے بھی خاصی چمکتی دمکتی ڈگریاں ان کے پاس تھیں۔

لڑکے ہونہار تھے، لڑکیاں حسین تھیں مگر ان تمام لوازمات کے باوجود ہمارے خاندان والے نہ صرف ان کا تذکرہ تمسخر آمیز انداز میں کیا کرتے تھے بلکہ ان کے گھر میں رشتہ لینے یا دینے کو اپنی توہین سمجھا کرتے تھے۔ ان کی سب سے خاص وجہ یہ تھی کہ ان کے ہاں سب ایک نمبر کے تھے۔ ان کے بڑے بھائی ایک نمبر کے بدمعاش تھے وارداتوں میں ملوث ہونے کے باوجود کبھی گرفتار نہیں ہوئے۔ چھوٹی بھاوج ایک نمبر کی نکھٹو ہمیشہ بستر پر لیٹی نظر آتیں چھوٹے بھائی بظاہر انکم ٹیکس کے محکمے میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے مگر سب کو پتا تھا کہ وہ ایک نمبر کے رشوت خور تھے۔ ان کی اماں ایک نمبر کی جھوٹی تھیں خاندان بھر کی باتیں اِدھر اُدھر کرتی پھرتی تھیں اور وقت آنے پر صاف مکر جاتی تھیں اور حد تو یہ تھی کہ شجو بھی کسی سرکاری محکمے میں کلاس ون آفیسر تھے گو انہیں نوکری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی مگر کلاس ون ہونے کے ناتے وہ اپنے کاروبار کے کتنے پیچیدہ کاموں کو منٹوں میں نمٹا دیا کرتے تھے۔ یہ سب ایک نمبر کے لوگ ایک بہت بڑی کوٹھی میں ایک ساتھ رہا کرتے تھے گو کہ میں ابھی اپنی برادری میں بیٹھ کر شہزادے اور ان کے گھر والوں کا مذاق اُڑایا کرتی تھی اور اکثر پھبتیاں کسنے میں سپہ سالار تک بن جایا کرتی تھی مگر اس کے باوجود میں نے اپنے لڑکے کا رشتہ شجو کی لڑکی سے طے کردیا۔ خاندان میں جس نے سنا چڑھ کر آیا۔

"اے ہے نگہت آرا یہ تم نے کیا، کیا؟"

"شجو جیسے ایک نمبری سے کیوں ناتا جوڑا؟ پتا نہیں اس کے کرتوت، دیکھ لینا یہ ایک نمبری لوگ تمہارے بیٹے کو کیسا غلام بنا کر رکھیں گے۔"

تب میں اپنے عزیز دوں کی باتیں سن کر ہنس پڑی اور معصومیت سے دوپٹے کا کونا دانتوں میں دبا کر سوچنے لگی۔ "شجو کے خاندان میں تو لوگ صرف ایک نمبر کے ہیں، ہماری فیملی تو ماشا اللہ ان سے چار سو انیس نمبر زیادہ ہی ہے تو اس لحاظ سے تو وہ مجھ سے کم تر ہی ہیں ناں اور لوگ یہی تو کہتے ہیں کہ بہو اپنے گھر سے کم کی لانی چاہیے۔"

☆☆☆

سندیسے

پاکیزہ بہنیں

سنہری بات

☆ زندگی کو غنیمت جانو موت سے پہلے۔
☆ فرصت کو غنیمت جانو مشغولیت سے پہلے۔
☆ جوانی کو غنیمت جانو بڑھاپے سے پہلے۔
☆ صحت کو غنیمت جانو بیماری سے پہلے۔

مرسلہ: جبیں ہاشمی، بھیرہ

آج کے دور کی خامیاں

☆ ہم علم تو حاصل کرتے ہیں لیکن عمل کوئی نہیں کرتا۔
☆ ہم گناہ کرنا نہیں بھولتے مگر استغفار کرنا بھول جاتے ہیں۔
☆ ہم میت کو تو دفن کرتے ہیں مگر عبرت نہیں پکڑتے۔

مرسلہ: حمیرا ہاشمی، بھکر

ایک اچھی خبر

☆ زم زم کا کنواں 1814 فٹ تقریباً گہرا ہے۔ 4000 سال سے نہ سوکھا ہے نہ ذائقہ بدلا ہے۔ 8000 لیٹر ایک سیکنڈ میں موٹر کھینچتی ہے وہ بھی 24 گھنٹے اور 11 منٹ میں کنواں پھر سے بھر جاتا ہے۔

(سبحان اللہ)

مرسلہ: انعم حنیف، بھکر

ماں

ایک ماں سات بیٹوں کی پرورش کرسکتی مگر سات بیٹے ایک ماں کی نہیں...... ماں تجھے سلام۔

مرسلہ: ڈاکٹر مقصود صفدر روڑانچ، مقام نامعلوم

چوکیدار

ایک سکھ کے موبائل پر رات دو بجے لڑکی کا فون آیا۔ "... آپ سو تو نہیں رہے ناں......؟"

وہ غصے سے بولا۔ "ضروری نہیں کہ ہر شخص چوکیدار ہو۔"

سرپرائز

☆ نرس نے ایک شخص سے کہا۔ "مبارک ہو آپ کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔"

اُس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "میری بیوی کو مت بتانا میں اسے سرپرائز دوں گا۔"

مرسلہ: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

سوال

میرے وطن کی دھرتی ماں
پوچھتی ہے اپنے جوانوں سے
کیوں قتلِ ناحق کرتے ہو
کیوں رِدائیں سر سے چھینی ہیں
کیوں جگر ماؤں کا چھلنی کیا
کیوں بوجھ میرے سینے پہ دھرتے ہو
کیوں آنچل میرا خوں سے رنگیں کیا
ندیاں لہو کی بہائیں تم نے
کھیتیاں فصلوں کی جلائیں تم نے
کیوں مال یتیموں کا کھاتے ہو
کیوں آگ جہنم کی بڑھاتے ہو
کیوں گلشن اجاڑے تم نے
کیوں مسجدوں کو مسمار کیا
کیوں مجھے اتنا آزار دیا
کیوں مجھے تم نے برباد کیا
کیوں مجھے تم نے برباد کیا؟

مرسلہ: ایشل شادیان، گولارچی

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی

☆غزالہ طارق......سرگودھا
میں چل رہی ہوں آج بھی اس بے وفا کے ساتھ
جیسے چراغ جلتا ہے چلتی ہوا کے ساتھ
ہم بھی تو کھو چکے ہیں دل وجاں کا اعتبار
تم بھی لٹادو اپنی انا اس گدا کے ساتھ

☆ممتاز خانم......کراچی
میں کھل کے سانس بھی لیتا نہیں چمن میں رضا
کہیں گراں نہ گزرتا ہو سبز ڈالی پر

☆نگہت رضوی......بہارہ کہو
کتابِ عشق روایت میں مختلف ہے مگر
حوالے ایک سے ہیں سارے باب ایک سے ہیں
بچھڑ رہا ہے تو پھر میرے آنسوؤں پہ نہ جا
یہ سطح پر ہیں الگ، زیرِ آب ایک سے ہیں

☆عرشیہ جنید......کراچی
یہ وصل، ہجر کی توفیق میں ملا ہے سلیم
یہی وہ نفع ہے جس میں زیاں نہیں رکھتے

☆شاہین رحمٰن......کوئٹہ
کیا عشق کی فرصت ہو میسر کہ جہاں وقت
اِک دوسرے کے عیب چھپانے میں گزر جائے
جس پل ہمیں منزل پہ پہنچنا ہو وہی پل
ایسا نہ ہو اسباب اٹھانے میں گزر جائے

☆صبا سجاد......دبئی
ہر ورق پر داستانِ غم کوئی تحریر تھی
ہم کتابِ زیست کے صفحے پلٹ کر رہ گئے

☆سائرہ عباس......کراچی
وفا کے کھیل میں نظروں سے اوجھل کر دیا تھا کیوں
ذرا سی بات پہ اس دل کو بوجھل کر دیا تھا کیوں
ادھورے خواب کی تعبیر مشکل تھی، بہت مشکل
مگر اس خواب کو تم نے مکمل کر دیا تھا کیوں

☆ماہ نور قیصر......راولپنڈی
ہم وہ شب زاد کہ سورج کی عنایات میں بھی
اپنے بچوں کو فقط کور نگاہی دیں گے
جھونکے کچھ ایسے تھپکتے ہیں گلوں کے رخسار
جیسے اس بار تو پت جھڑ سے بچا ہی دیں گے

☆کائنات حلیم......میرپورخاص
ضروری ہوگئی اب دل کی زینت
مکیں پہچانے جاتے ہیں مکاں سے

☆فاطمہ بلال......کینیڈا
اندھیرے میں بھی مجھے جگمگا گیا ہے کوئی
بس اِک نگاہ سے رنگِ بدن بدلنے لگا

☆صبا کمال......فیصل آباد
اس نے بھیجا ہے مجھے اپنی محبت کا خراج
جا بجا خط میں ستارے سے نظر آتے ہیں

☆ارم کمال......فیصل آباد
جو پھول کھل اٹھے اسے ڈالی سے توڑ لو
ایسا ہمارے شہر کا دستور ہوگیا

☆پروین افضل شاہین......بہاول نگر
تم نے روتی ہوئی آنکھوں کو ہنسایا اکثر
اس سے بڑھ کر بھی کوئی اور عبادت ہوگی

☆انیقہ انا......چکوال
ضبط کا عہد بھی ہے شوق کا پیماں بھی ہے
عہد و پیماں سے گزر جانے کو جی چاہتا ہے
درد اتنا ہے کہ ہر رگ میں ہے محشر برپا
اور سکوں ایسا کہ مرجانے کو جی چاہتا ہے

روحانی مشورے

ادارہ

جادو، اثرات اور پریشانیوں سے باہر نکلنے کے لیے

آج کل ایک وہم جو ہم سب پر طاری ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ کسی نے مجھ پر کچھ کروادیا ہے۔ رزق میں رکاوٹ ہوگئی ہے۔ کام میں رکاوٹ آگئی ہے۔ لڑکیوں کے رشتے کسی دشمن نے باندھ دیے ہیں۔ اچھا بھلا گھرانا اب ایک دوسرے کی شکلوں سے بیزار ہوگیا ہے۔ بہن بھائی لڑتے بہت ہیں۔ میاں ظالم ہیں، بھاوج بری ہے، ساس خراب ہے، نندیں مکار ہوگئی ہیں اور بھی بہت کچھ ایسا سمجھنا ہمارا وہم بھی ہوتا ہے اور ایسا کچھ حقیقت میں بھی ہو رہا ہے کہ آج کل لوگوں کے پاس بُرے کاموں کے کرنے کے لیے کچھ زیادہ ہی وقت ہے یا وہ دوسروں کو ذہنی اذیت پہنچا کر خوش ہوتے ہیں۔ اپنی طرف سے ان کی یہ پوری کوشش ہوتی ہے کہ دوسرے کی راہوں میں کانٹے بچھادیں مگر وہ نہیں جانتے کہ مارنے والے سے بڑا بچانے والا ہے۔ اس لیے میں اپنے قارئین بہن بھائیوں سے کہوں گی کہ سب سے پہلے آپ نماز پڑھنے کی عادت ڈالیں۔ وہ لوگ جو بالکل نماز ہی نہیں پڑھتے وہ سب سے پہلے یہ کوشش کریں کہ ان کا کوئی دن نماز پڑھے بغیر نہ گزرے۔ مثال کے طور پر ہم نے بہت سی بہنوں کو اور خود اپنے آپ کو بھی جب نماز پڑھنے کی عادت ڈالی تھی تو یہ فیصلہ کیا تھا کہ روزانہ مغرب کی نماز لازمی پڑھنی ہے۔ اس کے بعد عصر کی نماز بھی لازمی پڑھنی شروع کی اور جب نماز پڑھ کر لطف آنے لگے تو جسم خود بے چین ہو جاتا ہے اور اس وقت تک چین نہیں ملا کرتا جب تک کہ نماز کی ادائیگی نہ ہو۔ اس لیے ہم سب کو نماز تو باقاعدگی سے ادا کرنی ہوگی کہ بہت سارے غلط کاموں سے ہمیں نماز ہی روکتی ہے۔ نماز کے ساتھ ساتھ ہمیں استغفار کی تسبیح صبح شام پڑھنی چاہیے بلکہ تسبیح آپ کے بیڈ کے سرہانے، آپ کی گاڑی میں، آپ کے پرس میں لازمی ہونی چاہیے۔ جاب پر جاتے ہوئے کتنا وقت سفر میں بور گزرتا ہے۔ ایسے اوقات میں ہم کتنی آسانی سے تسبیح پڑھ سکتے ہیں۔ آج آپ کو بے حد آسان تسبیح بتا رہی ہوں جنھیں پڑھ کر آپ دلی طمانیت بھی محسوس کریں گے اور جن وانس کے شر سے بھی محفوظ رہیں گے۔ یہ ہم سب کو روزانہ پڑھنا ہے۔

فجر کی نماز کے بعد 11 مرتبہ درود پاک، ایک مرتبہ منزل، 11 مرتبہ درودِ پاک۔ آیت الکرسی سات مرتبہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (1000) مرتبہ پڑھ کر گھر میں رکھے ہوئے آٹے، نمک، چینی اور پانی پر دم کریں۔

ظہر کی نماز کے بعد 11 مرتبہ درودِ پاک یا منعم (211) مرتبہ آخر میں 11 مرتبہ درودِ پاک۔

مغرب کی نماز کے بعد 11 مرتبہ درودِ پاک، ایک مرتبہ منزل 11 مرتبہ درودِ پاک روزانہ چلتے پھرتے کام کرتے ہوئے، سفر کے دوران بستر پر لیٹ کر یہ تسبیح پڑھیں۔

(1) کلمہ طیبہ (لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ) (100) مرتبہ۔

(2) تیسرا کلمہ 100 مرتبہ۔

(3) استغفراللہ 100 مرتبہ۔

(4) سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم (تسبیحِ ملائکہ) 100 مرتبہ۔

نوٹ: ہر جادو، بُرے اثرات اور پریشانیوں کے جال سے آپ باہر نکل آئیں گے، انشاء اللہ۔ 41 دن تک بغیر ناغے کے پڑھیں اور بعد میں اسے پڑھنا اپنے معمولات کا حصہ بنالیجیے۔

* *

WWW.PAKSOCIETY.COM

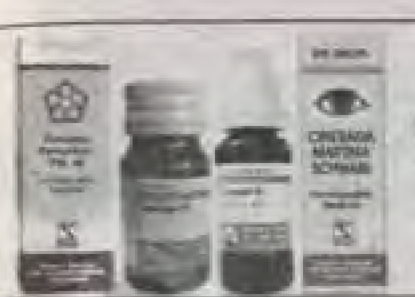

شوابے ہومیو کلینک

from Nature for Health

SCHWABE

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، پوسٹ بکس نمبر 733 کراچی۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

پسینے کی زیادتی

نصیر احمد............آزاد کشمیر

سوال:۔ میری عمر اکیس سال ہے۔ مجھے پسینا بہت آتا ہے۔ گرمی یا سردی میں اگر تھوڑا سا بھی تیز چلتا ہوں تو بھی پسینا آجاتا ہے۔ لوگوں کو بھی پسینا آتا ہے لیکن جو پسینا مجھے آتا ہے وہ کچھ زیادہ ہے۔ مہربانی فرما کر مجھے حل بتائیں۔

جواب:۔ استاد نے شاگرد سے پوچھا تمہیں آتا کیا ہے؟ شاگرد نے جواب دیا سر آپ کو دیکھ کر پسینا۔ نصیر صاحب آپ نے پسینے کی زیادتی کی شکایت تو کردی لیکن یہ نہیں بتایا کہ (۱) ایسا کب سے ہورہا ہے (۲) کسی بیماری یا حادثے کی وجہ سے ایسا ہوا (۳) وزن کی زیادتی بھی اس کی وجہ ہوسکتی ہے (۴) پسینا ٹھنڈا ہوتا ہے یا گرم (۵) پسینے میں کسی قسم کی بو آتی ہے (۶) پسینا زیادہ کہاں آتا ہے ماتھے پر، بغلوں میں، ہاتھوں پیروں میں یا جسم پر؟ (۷) کیا سوتے ہوئے بھی پسینا آتا ہے (۸) شام یا رات کو بھی پسینا آتا ہے؟

قارئین آپ نے دیکھ لیا کہ بات ایک چھوٹی سی ہے لیکن صحیح تجویز دوا کے لیے ہمیں کتنی باریکیوں میں جانا پڑتا ہے۔ اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ اپنی کیفیات کو تفصیل سے لکھ کر بھیجیں۔

فی الحال آپ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Cala Carb 30 کے 5,5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں ملا کر دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

جنوری 2013

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ______

پتا: ______

______

چہرہ نہیں رحم

شبانہ عارف...........گاؤں خاوری

سوال: السلام علیکم! میرے ساتھ جو مسئلہ ہے وہ تقریباً سات آٹھ سال پرانا ہے۔ میرے چہرے پر چھائیاں ہیں اور منہ کے ارد گرد دانوں کے نشان ہیں۔ بہت کریمز اور دوائیں استعمال کی ہیں لیکن افاقہ تو کوئی نہیں ہوا اُلٹا آنکھوں کے نیچے سے اور گالوں کے اُوپر سے بادامی داغ نمودار ہوگئے ہیں۔ ان داغوں کو ایک سال ہوا ہے اور آنکھوں کے گرد حلقے بھی ہیں۔ اسکن بہت خشک ہے۔ میں ایک بات بتاتی چلوں میرے مینسز پورے 22 دن کے بعد آتے ہیں لیکن وہ ایسے کہ دو دن لیکوریا میں تھوڑی سی سرخی شامل ہوجاتی ہے اس کے بعد تیسرے دن صحیح طریقے سے مینسز آتے ہیں اور درد بھی بہت ہوتا ہے۔ پلیز میرے خط کا جواب ضرور دینا۔ شاید میرا خط آپ کو اکتوبر کے شمارے کے بعد ملے کیونکہ یہاں پر ڈاک کا بہت زیادہ مسئلہ ہے۔

جواب: شبانہ صاحبہ، آپ نے اپنی عمر اور ازدواجی حیثیت نہیں لکھی اور وزن بھی نہیں لکھا۔ آپ کی کیفیات سے جہاں تک ہم سمجھے ہیں کہ مسئلہ آپ کے چہرے کا بالواسطہ نہیں بلکہ یہ رحم کی خرابی کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا ہماری پہلی کوشش یہ ہوگی کہ آپ کو ایسی ادویات تجویز کی جائیں جو آپ کی ماہواری کو نارمل کریں اور لیکوریا ختم ہو۔ متوازن غذا استعمال کریں، خون کی کمی نہ ہونے دیں، ہلکی پھلکی ورزش کیا کریں۔ پانی کے کم از کم 8 گلاس روزانہ پیا کریں۔ پھل اور سبزیوں کا استعمال بڑھائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات کا استعمال کریں۔ Pulsatilla 30 کے 5 قطرے چوتھائی گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ اور Ashoka Q کے 10 قطرے آدھا گلاس پانی میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

SCHWABE

پیٹ کے کیڑے

قاسم دین.............کراچی

تھکن ہر وقت رہتی ہے۔ آرام کرنے سے تھکن میں زیادتی ہوتی ہے، تھکن دور نہیں ہوتی۔ سر میں اکثر درد رہتا ہے اور پیروں کے تلوے جلتے ہیں۔ ناک میں یعنی ناک کی نوک پر خارش ہوتی ہے، کسی وقت بھی گلے میں کچھ اٹکنے کا احساس ہوتا ہے۔ بھوک مناسب لگتی ہے مگر جب تھوڑا بہت کھالوں تو متلی ہونے لگتی ہے۔ متلی میں اگر اُلٹی کرنے کی کوشش کروں تو تھوک تھوڑا سا آتا ہے۔ معدے کے مقام پر اُلٹی کا زور لگانے سے شدید قسم کا درد ہوتا ہے۔ درد کے وقت سانس لینا بھی مشکل ہوجاتا ہے اور کچھ ہی دیر بعد درد ختم ہوجاتا ہے۔ معدے میں کبھی کبھی ہلکا درد

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہتا ہے خاص کر جب سو کر اُٹھوں یعنی آنکھ کھل جائے اس وقت تک درد نہیں ہوتا، جسم کے ہلاتے ہی اور اُٹھتے ہی معدے میں درد ہوتا ہے جو پانی پینے اور اس کے بعد ناشتا کرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

حلق میں اور مسوڑھوں میں اکثر دھاگے رکھے ہوئے یا کسی چیز کے چپکے ہونے کا احساس رہتا ہے۔ دانت ہروقت صاف کرنے کے باوجود گندے رہتے ہیں۔ دانت گندے رہنے سے مراد صاف کرنے سے صاف ہو جاتے ہیں مگر کچھ دیر بعد پھر گندے ہو جاتے ہیں۔ ویسے تو قبض نہیں ہے لیکن پاخانہ کبھی روزانہ کبھی دو تین دن بعد آتا ہے وہ بھی زیادہ نہیں آتا۔ میری امی کہتی ہیں کہ میں بچپن میں مٹی کھاتا تھا اور کیڑے تھے۔

جواب:۔ رات کو جلدی سوئیے اور صبح سویرے اُٹھیں۔ فجر کی نماز پڑھ کر ورزش کیا کریں، صاف رہا کریں، روزانہ نہایا کریں۔ ہر چیز میں صفائی کا خاص خیال رکھیں۔ پانی بھی اُبلا ہوا پیا کریں۔ صبح ناشتے میں اور دوپہر کے کھانے میں پھلوں کو بھی شامل کرلیں۔ مثلاً صبح کیلا اور سیب۔ دوپہر کے کھانے میں مٹھا اور انار وغیرہ جو بھی مل جائے۔ سبزیاں بھی استعمال کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات صبح نہار منہ Sulphur 30 کی ایک خوراک۔ روزانہ رات کو سونے سے پہلے Nux Vomica 30 کی ایک خوراک۔ Natrum Phos 30 کی ایک خوراک 11 بجے دن اور Santoninum 30 کی ایک خوراک شام 6 بجے لیا کریں۔ ایک ماہ بعد اپنی کیفیت سے آگاہ کریں۔ یہاں خوراک سے مراد 5 قطرے چوتھائی گلاس پانی میں ڈال کر استعمال کریں۔

ذہنی کیفیت

جاوید تحسین .... کراچی

سوال:۔ آپ اور آپ کے بورڈ آف ڈاکٹرز نے میرے مسئلے کا حل بہت جلد بھیج کر مجھ پر ایک عنایت کی جس کے لیے میں تہ دل سے شکر گزار اور دُعا گو ہوں۔ تقریباً ایک ماہ ہونے کو ہے جو کیفیت اور فائدہ ظاہر ہوا وہ کچھ اس طرح سے ہے۔

(۱) شروع کے دو تین دن مجھ کو نیند سکون سے آجاتی تھی اور مجھے کسی قسم کی انگریزی دوائی کا سہارا نہیں لینا پڑا۔

(۲) میں نے انگریزی دوا ایک ماہ ہوا مستقل چھوڑ دی ہے اور خدا سے دُعا کرتا ہوں کہ اس سے مستقل نجات مل جائے۔

(۳) پچھلے ایک ہفتے سے میں نوٹ کر رہا ہوں کہ نیند مجھ کو بہت دیر سے آتی ہے یعنی ڈھائی سے تین بجے تک اور چونکہ مجھے صبح سویرے اُٹھنا پڑتا ہے اس وجہ سے میں جلد ہی اُٹھ جاتا ہوں۔ میں یہ بات قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ مجھ کو ان دوائیوں سے فائدہ نہ ہوا ہو۔ خدا کے فضل سے مجھ کو ان دوائیوں سے بہت فائدہ ہوا۔ پہلے میں اگر کبھی رات بھر جاگ لیتا تھا تو صبح کو کام کرنے کی صلاحیت نہ ہوتی تھی۔ دن بھر خصوصاً ٹانگوں اور کمر میں بہت درد ہو جاتا تھا اور دماغ سائیں سائیں کرتا تھا۔ ان دواؤں کے استعمال

سے کم از کم یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ اگرچہ میں آج کل تین سے چار گھنٹے سو رہا ہوں، یہ میری کیفیت ہے۔ اب آپ جو مشورہ دیں اس کے مطابق عمل کر کے کلی طور پر شفایاب ہو جاؤں۔

جواب:۔ بہت خوشی ہوئی کہ پہلے سے خود کو بہتر محسوس کر رہے ہیں۔ اللہ آپ کو مکمل شفایاب کرے۔ آپ نے اپنی ذہنی کیفیت کے متعلق نہیں لکھا کہ وہ اب کیسی ہے؟ شک کی عادت کس حد تک ہے؟ دوستوں وغیرہ سے کوئی لڑائی جھگڑا تو نہیں کرتے؟ نیند کی کوئی دوا نہ کھائیں یہ ذہن پر اچھا اثر نہیں ڈالتی۔ جو ہدایات ہم نے آپ کو پہلے دی تھیں کیا آپ اس پر عمل کر رہے ہیں؟ عمل جاری رکھیں اور پچھلی دواؤں کو روک دیجیے اور ایک ہفتے کے بعد سب سے پہلے ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Thuja 200 کی ایک خوراک صبح اور ایک شام لیجیے پھر تیسرے دن سے دوپہر کے کھانے کے بعد ایک کپ پانی میں مندرجہ ذیل ادویہ کے 5,5 قطرے ڈال کر استعمال کریں۔

Gelsemium 30 + Passiflora Q + Ignatia 30 + Stramonium 30 ایک ماہ کے استعمال کے بعد پھر کیفیت سے آگاہ کریں۔ یاد رکھیں دوائیں ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی ہی کی استعمال کرنی ہیں۔

صحت مند رہنے کے لیے

متوازن غذا کی ضرورت

قبل اس کے کہ میں موضوع پر بات کروں پہلے ہم سمجھ لیں کہ ہم کھانا کھاتے کیوں ہیں؟ کوئی کہے گا زندہ رہنے کے لیے۔ کوئی کہے کا مزے کے لیے۔ کوئی کہے گا طاقت کے لیے۔ آپ سب لوگ اپنے طور پر صحیح ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ زندگی کی بقا، جسم کی نشوونما اور ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لیے ہمیں غذا کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ غذا صاف ستھری، سادہ، تازہ، جراثیموں سے پاک اور متوازن ہوگی تو نہ صرف یہ ہماری زندگی کو قائم رکھے گی بلکہ جسمانی نشوونما میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کرے گی اور ہمیں اس قابل بنائے گی کہ ہم اپنی زندگی کی ذمہ داریوں کو احسن طور پر انجام دے سکیں۔ اس کے لیے یہ باتیں ذہن میں رکھیں۔ (۱) غذا صاف ستھری، تازہ اور سادہ ہو۔ (۲) صحیح طور پر پکائی جائے۔ (۳) صحیح طور پر کھائی جائے۔ (۴) متوازن ہو۔ (۵) موسم کے حساب سے غذا کا استعمال کیا جائے۔ مندرجہ ذیل باتوں کو سمجھیں تاکہ بہتر طور پر عمل کر سکیں۔

(۱)۔ غذا جتنی صاف ستھری اور تازہ ہوگی وہ بیماریوں سے بچائے گی اور جتنی سادہ ہوگی اتنی ہی آسانی سے ہضم ہوگی اور جسم کو طاقت پہنچائے گی۔ مرغن غذائیں (قورمہ، بریانی، باربی کیو، برگر، پیزا وغیرہ) مزے میں یقیناً بہت اچھی ہوتی ہیں، بار بار کھانے کو بھی جی چاہتا ہے لیکن یہ غذائیں بیماریاں پیدا کرتی ہیں۔ مثلاً تیزابیت، السر، کینسر، بدہضمی، وزن کا بڑھنا، کولیسٹرول، شوگر، بلڈ پریشر، جگر اور دل

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے مسائل وغیرہ۔

(۲)۔کچھ سبزیاں کچی مفید ہوتی ہیں اور کچھ پکائی ہوئی۔کھانا کھاتے وقت یہ خیال رکھنا چاہیے جو چیز آپ پکا رہے ہیں اس کو کتنے گھی، تیل میں پکانا ہے اور کتنی دیر پکانا ہے۔تلی ہوئی، بھنی ہوئی خصوصاً کوئلے پر بھنی ہوئی چیزیں صحت کے لیے زیادہ مفید نہیں۔

(۳)۔ہمارے کھانے پینے کے طریقے بھی ہماری غذا کی افادیت کو کم یا ختم کر دیتے ہیں۔کھانا کھانے کا طریقہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے۔

(الف) کھانا کھانے کا ایک وقت مقرر کریں اور اس کی پابندی کریں۔پتے کی پتھری اور تیزابیت کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے۔

(ب) کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئیں اور ان کو تولیے سے نہ پوچھیں۔

(ج) پانی کھانا شروع کرنے سے پہلے پئیں، درمیان میں اور آخر میں ہرگز نہ پئیں۔اس سے کھانا ہضم کرنے میں مشکل ہوگی اسی طرح کھانے کے بعد کولڈ ڈرنک، کافی، چائے وغیرہ کا استعمال بھی نہ کریں۔کم از کم دو گھنٹے بعد پانی یا مشروب کا استعمال کریں۔

(د) کھانے کے بعد فروٹ کا استعمال نہ کریں بلکہ اس کے لیے ایک الگ وقت بنائیں، پہلے کھائیں یا کچھ دیر بعد۔

(ح) کھانا بیٹھ کر اور بسم اللہ پڑھ کر شروع کریں۔

(و) کھانا کھاتے وقت ماحول کو پُرسکون رکھیں۔نہ باتیں کریں، نہ ٹی وی دیکھیں، نہ کوئی اخبار یا کتاب پڑھیں۔اچھی طرح چبا کر کھائیں۔نوالہ اتنا بڑا بنائیں جس کو اچھی طرح چبا سکیں (بغیر پانی کے)

(۴)۔متوازن غذا سے مراد ایسی غذا جس میں گوشت (گائے، بکرا، مچھلی، مرغی) انڈا، دودھ، دالیں، سبزیاں، پنیر، مکھن، گھی، تیل، فروٹ اور پانی کی ایک مناسب مقدار کم از کم روزانہ شامل ہو کیونکہ ہمارے جسم کو لحمیات، نشاستہ اور حیاتین کی ضرورت ہوتی ہے۔جسم کی نشوونما کے لیے توانائی اور بیماریوں سے دفاع اور حفاظت کے لیے متوازن غذا کا استعمال ضروری ہے۔

(۵) موسم کے حساب سے غذا کا استعمال کیا جائے اور کوشش کی جائے کے موسم کی سبزیوں اور پھلوں کو زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جائے۔

کیونکہ اسی طرح ہم اپنے آپ کو بہت ساری بیماریوں سے نہ صرف محفوظ رکھ سکتے ہیں بلکہ جسم کی نشوونما بھی صحیح طور پر کر سکتے ہیں۔

آپ کو صحت کے متعلق کوئی مسئلہ ہو تو اس کے حل کی رہنمائی کے لیے آپ ہم سے لکھ کر پوچھ سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

Dr. Willmar Schwabe , Germany.
SCHWABE
Available at All Leading Medical & Homoeopathic Stores

WWW.PAKSOCIETY.COM